ترجمان السنّة

عربی - اردو

دوم

اُستاذ المحدثین، زبدۃ الفقہاء، فخر العلماء

حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی قدس سرہٗ

اقراء سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

ترجمان السنۃ

عربی۔ اردو
جلد دوم

جدید دور کی ضرورت کے مطابق جدید عنوانات اور مباحث کے ساتھ احادیثِ مبارکہ کا مستند جامع اور خوبصورت مجموعہ

استاذ المحدثین، زبدۃ الفقہاء، فخر العلماء
حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی قدس سرہ

مکتبہ رحمانیہ ◎ اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار لاہور

M.A.Hifiz

فہرست مضامین ترجمان السنہ جلد دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہ ''ترجمان السنہ'' جلد اوّل طبع ہو کر شائقین تک پہنچ گئی اور اب جلد ثانی پیش کی جا رہی ہے جلد اوّل طباعت کے جن دشوار گذار مراحل سے گذری حق یہ ہے کہ ان میں ہر مرحلہ نا قابلِ عبور تھا' لیکن اسے قدرت کا ایک کرشمہ ہی کہنا چاہیے کہ بالآخر وہ تمام مرحلے طے ہو گئے اور ارشاداتِ نبوت کا یہ عظیم الشان ذخیرہ عالمِ خیال سے نکل کر منصۂ شہود پر آ گیا- و الحمدللّٰہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ.

مؤلف کو جلد اوّل کی تالیف کے وقت یہ شکایت تھی کہ اس اچھوتے اور اہم موضوع پر قلم اٹھانے کے لیے اس کو سالوں کی بجائے چند مہینے اور چند مہینوں کی بجائے چند ہفتے اور چند ہفتوں کی بجائے چند پرسکون ساعات بھی میسر نہ آ سکیں یعنی مسودہ ابھی ذہنی مراحل بھی طے کرنے نہیں پاتا تھا کہ زبانِ قلم پر آ جانے کا تقاضا ہو جاتا تھا اور کاتب کے ہاتھ سے اُچک لے جاتے تھے مگر جب دوسری جلد کی تالیف کی نوبت آئی تو ان گذشتہ ایام ہی پر حسرت ہوتی تھی کاش گذشتہ ایام کے سکون و طمانیت کی وہ ساعتیں پھر عود کر آئیں' وہ حوادث و انقلابات کے اُس مہیب سمندر میں بہا جا رہا تھا- جس کی طوفان خیز موجوں میں اطمینان و سکون کا تو ذکر ہی کیا موت و حیات کا پتہ لگنا بھی مشکل تھا- لیکن اس سراسیمگی و فراموشی کے عالم میں بھی اگر کوئی شے فراموش نہیں ہو سکی تو وہ جلد ثانی کی تالیف کا خیال تھا' اب مؤلف کے پاس ندوۃ المصنفین کی لائبریری کے علمی ذخائر تو کجا نام کے لیے ایک کتاب بھی نہیں تھی' مشورہ کے لیے علماء کی محفلیں تو کہاں میسّر ہوتیں کسی عالم کی ایک صحبت بھی عنقا ہو گئی تھی اور دماغی سکون اور جمعیتِ خاطر کا تو کہیں دُور دُور بھی پتہ نہیں تھا- ایک ایک حدیث کے لیے اس کو قرنِ اوّل کی طرح میلوں مارا مارا پھرنا پڑتا تھا پھر جب بہزار مشکل کوئی حدیث کبھی اس کے ہاتھ لگ جاتی تو طبیعت کی درماندگی آگے بڑھنے سے جواب دے بیٹھتی تھی اور اگر کسی وقت طبیعت ذرا بیدار ہوتی تو جن مآخذ کا وہ سہارا تکتی وہ یکسر معدوم نظر آتے تھے- ان سب مشکلات سے بڑھ کر یہ مشکل تھی کہ جلد ثانی کے تشریحی نوٹ اگر علمی لحاظ سے جلد اوّل کے ہموزن نہ رہتے تو دونوں جلدوں کا توازن فوت ہوتا تھا- بہر حال ۴۷ء و ۴۸ء کے ان ہی تاریخی ہنگاموں' سراسیمگیوں اور معذوریوں میں یہ جلد بھی تالیف ہو گئی اور یہ خیال کر کے کہ اگر تحسین صورت و سیرت کی خاطر کسی دوسری فرصت کا انتظار کیا گیا تو معلوم نہیں آئندہ حالات اور کدھر لے جائیں' اس جلد کو اسی حالت میں یہ کہہ کر قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے-

عَلٰی اَنَّنِیْ رَاضٍ بِاَنْ اَحْمِلَ الْھَوٰی وَ اَخْلُصَ مِنْہُ لَا عَلَیَّ وَ لَا لِیَا

''ترجمان السنہ'' کے عنوانات اور جمع احادیث میں جو اسلوبِ جدید اختیار کیا گیا ہے چونکہ وہ اس خدمت کا ایک بڑا اہم حصہ ہے اس لیے اس کے متعلق کچھ گذارش کر دینی ضروری ہے- عام ناظرین کے پیشِ نظر جو چیز رہے گی وہ صرف اس کے تشریحی نوٹ یا زیادہ سے زیادہ اس کے تراجم کی سطح ہو گی لیکن اس کے عنوانوں کی گہرائی' ان کا باہم ربط' اس کے تراجم کی خصوصیات اور خالی الذہن انسان کو ان سے جو اسلامی تربیت حاصل ہو سکتی ہے اس کا احساس خال خال ہی کسی کو ہو گا- رہی وہ کاوش جو احادیث کی جمع و ترتیب کے سلسلے میں اٹھائی گئی ہے اس کا اندازہ بجز ان چند علماء کے جو کتب حدیث کے دفتر الٹنے میں اپنی راتوں کی نیند

تلف کرنے کے عادی بن چکے ہیں اور کس کو ہو سکتا ہے- اس حقیقت کے اظہار میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ ترجمان السنہ کی کتاب الایمان کی تسوید میں کسی ایک یا چند کتب کی صرف کتاب الایمان کا مطالعہ قطعاً کافی نہیں ہو سکا بلکہ اس کے ایک ایک عنوان کے لیے احادیث کے مختلف ابواب کے دفاتر الٹے گئے ہیں- پھر اس وسیع سمندر کی تہ میں جو جو موتی غیر مرتب بکھرے نظر آئے ان کو چن چن کر بہتر سے بہتر موقعہ پر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے- مثال کے طور پر حدیث نمبر ۳ دیگر کتب احادیث میں صرف وسوسہ کے عام عنوان کے نیچے ملتی ہے لیکن ترجمان السنہ جلد اول میں اس کو آپ کی ضرورت کے ایک اہم عنوان کے تحت رکھ دیا گیا ہے' اسی طرح صفحہ ۲۸ تک جتنی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں پہلے آپ ان کو ایک بار دیگر کتب حدیث میں دیکھ جائیے کہ کن ابواب اور عنوانات کے تحت ہیں پھر ترجمان السنہ میں ان کے عنوانات ملاحظہ فرمائیے' مؤلف کی کاوش کا اندازہ ہو جائے گا- کتاب التوحید کے بعد رسالت ونبوت کا اہم باب سامنے آتا ہے اس سلسلہ میں حدیث (۹۳) کا مضمون پہلے بغور ملاحظہ کیجئے' آپ کو یقین ہو جائے گا کہ رسولوں کی ذات سے والہانہ عقیدت رکھنے والوں کے لیے مال و دولت میں کوئی حصہ نہیں ہے' یہ تصور حقیقت کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی درست ہو لیکن موجودہ دماغوں کے لیے جتنا وحشت ناک ہو سکتا ہے ظاہر ہے- مؤلف نے اس موقع پر سوال کی جواب دہی سے قبل پورا وقت اس پر صرف کیا ہے کہ سب سے پہلے صاحب شریعت کے منشا کا پتہ لگایا جائے اس کے بعد اصل مسئلہ کی جانب توجہ کی جائے- اس مرحلے پر نہ معلوم کتنی دردسری اور کاوش کے بعد ''نسیم الریاض'' میں چند کلمات نظر پڑ گئے جن سے حدیث کا اصل مفہوم روشن ہو گیا- پھر دیکھا تو شبہ کا کوئی محل ہی باقی نہ رہا تھا- اس تمام مضمون کو پہلے ایک مختصر عنوان میں سمیٹ دیا گیا ہے پھر تشریحی نوٹ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے-

اسی ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ تعارف کا ذکر آ گیا ہے- ہمارے نزدیک اس سلسلہ کا سب سے اہم تعارف آپ کا خاتم النبیین ہونا ہے- صرف رسالت ونبوت کا تصور گو انبیاء سابقین پر ایمان لانے کے لیے کافی ہو لیکن آپ کے حق میں یہ تصور یقیناً ایک ناقص تصور ہے آپ کا کامل تصور اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک رسالت کے ساتھ آپ کے خاتم النبیین ہونے کا تصور بھی نہ کیا جائے- اسی لیے قرآن کریم نے سورۂ احزاب کی آیت ﴿وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارف کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاتم النبیین ہونا بھی نمایاں طور پر ذکر کیا ہے- گویا مردوں میں سے کسی کا نسبی والد ہونا اگرچہ عام شانِ رسالت کے منافی نہ ہو لیکن خاص آپ کی شان کے منافی ہے کیونکہ آپ صرف اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں- یہ باب دیگر کتب احادیث میں آپ کو جتنا مختصر ملے گا ترجمان السنہ میں وقتی تقاضوں کے لحاظ سے اسی قدر مفصل نظر آئے گا- صرف اس ایک باب میں بائیس جدید عنوانات قائم کیے گئے ہیں- پہلے اس مضمون کی جتنی حدیثیں کتب تفاسیر و احادیث میں مختلف مقامات پر پھیلی ہوئی تھیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے پھر مضامین کے لحاظ سے ان کو جدا جدا عنوانات کے تحت تقسیم کر دیا گیا ہے اور کوشش صرف اس باب کو پھیلانے کی نہیں کی گئی بلکہ ان تمام نقوش و عنوانات کو ابھارنے کی کی گئی ہے جو گذشتہ دور میں غیر ضروری ہونے کی وجہ سے دبے ہوئے تھے اور درحقیقت اس مسئلہ کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے تھے- پھر تشریحی نوٹوں میں اس کی ضروری وضاحت بھی کر دی گئی ہے' خاتمہ پر جو مقالہ سپرد قلم کیا گیا ہے وہ خواہ اس موضوع کی خوش کن تعبیرات سے لبریز نہ ہو لیکن اس راہ میں شکوک وشبہات کا جو کانٹا بھی کسی کے قلب میں چبھ سکتا تھا اس کے

نکالنے کے لیے اِن شاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے غائبانہ تعارف کے سلسلہ میں ان صفات کا ذکر بھی آ گیا ہے جو تورات و انجیل میں مذکور تھیں اور خوش قسمتی سے ان کا تذکرہ حدیثوں میں بھی آ گیا تھا- چونکہ ''ترجمان السنہ'' کا موضوع مستند احادیث کا مجموعہ پیش کرنا ہے اس لیے ان احادیث کا جمع کرنا بھی ناگزیر طور پر اس کے موضوع میں داخل ہو گیا ہے- یہاں اصل مقصد یہود و نصاریٰ کو خطاب کرنا نہیں کہ جو رسول پر ایمان ہی سے بے بہرہ ہوں وہ اس کے کلام سے کیا مستفید ہو سکتے ہیں ہمارے مخاطب وہ اصحاب ہیں جو احادیث کے مطالعہ کا شغف تو رکھتے ہیں لیکن سوءِ اتفاق سے ان کے پاس ان کے حسبِ مذاق اردو زبان میں کوئی کتاب نہیں ''ترجمان السنہ'' جلد اوّل کے اختتام کے قریب اس کے متعلق پوری وضاحت کر دی گئی ہے-

اسی سلسلہ میں علم النبیؐ کے عنوان کے تحت آپ کو دو حدیثیں ملیں گی پہلی حدیث ''انا اعلمکم باللّٰہ'' اور دوسری حدیث ''اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمُوْرِ دَنیاکُمْ'' آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ کلمات کی روشنی میں عنوان بالا کا فیصلہ پورے اعتدال کے ساتھ کر سکتے ہیں- یہ دو حدیثیں کتبِ حدیث میں جن جن عنوانات کے تحت ہیں ان کے بالمقابل ہماری ضرورت کے لحاظ سے عنوان مذکور کہیں زیادہ اہم ہے پھر یہ دو حدیثیں دیگر کتب میں سینکڑوں صفحات کے فاصلہ پر رکھی ہوئی ہیں اور ترجمان السنۃ میں پہلو بہ پہلو رکھی ہوئی نظر آئیں گی- اس طریق کار کے مؤسس اوّل امام بخاریؒ ہیں- ان کے بعد حدیثی صنائع میں تو ان کی نقالی بھلا کون کر سکتا تھا ہاں ان کی کتاب کے صرف خارجی نقش و نگار کی نقالی کی ہم نے بھی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے مقبولانِ بارگاہ کی اس نقالی میں برکت و اخلاص مرحمت فرمائے- آمین-

حق تعالیٰ اور اس کے مقدس رسولؐ کے مختصر تعارف کے بعد ان پر ایمان لانے کے ابواب شروع کیے گئے ہیں- ان میں سب سے پہلے فضائل ایمان کا ذکر کیا گیا ہے- اس باب کے اکثر عنوانات گو خود احادیث ہی کے مختصر ٹکڑے ہیں مگر ترجمان السنہ میں ان کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کر کے بشکل عنوانات روشن کر دیا گیا ہے تاکہ ان کے مطالعہ کرنے والوں میں ایمان کی ایک نئی روح پیدا ہو جائے- حدیث نمبر ۲۰۸ پر جو عنوان قائم کیا گیا ہے وہ علم کا ایک جدید اور مستقل باب ہے یعنی ایک نیکی پر دس گنا ثواب ملنا تو اسلام میں ایک مشہور ضابطہ ہے لیکن اس کے بعد سات سو گنا تک ثواب ملنے کا ذکر بھی حدیثوں میں آتا ہے- ہمیشہ خیال یہی رہا کہ سات سو گنا اور اس سے زیادہ ثواب ملنے کا شاید کوئی ضابطہ نہ ہو گا یہ صرف ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں کے تحت ہے وہ جسے جتنا چاہے عطا فرما دے' لیکن جب حافظ ابن رجب حنبلی کی کتاب نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ سات سو گنا اور اس سے زیادہ تضاعیف کا ثواب بھی شریعت میں ایک بہت معقول ضابطہ کے تحت ہے- ترجمان السنہ میں اس کی طرف پہلے ایک مختصر عنوان میں اشارہ کیا گیا ہے- اس کے بعد نوٹ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے- اس کی قدر ایسے ہی اشخاص فرما سکتے ہیں جن کے قلوب میں خوش اعتقادی کی دنیا سے نکل کر عملی میدان میں قدم رکھنے کا جذبہ ہو یا جن کے دماغ میں علمی لحاظ سے اس بارے میں کبھی کوئی الجھن پیش آئی ہو-

اسی طرح ارکانِ اسلام میں باہم ربط کا عنوان بھی ایک اہم عنوان ہے جس پر ترجمان السنہ جلد اول کے آخر میں اور اس جلد

میں بھی ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی ہے۔ مضمون کی اہمیت ان مقامات کے مطالعہ کے بعد ہی واضح ہوگی۔

ابواب الایمان کی تکمیل کے بعد کتب احادیث کی ترتیب کے بالکل برخلاف اشراک باللہ اور نفاق کے ابواب ذکر کیے گئے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ان ابواب کی پوری وضاحت کیے بغیر کتاب الایمان کی جتنی بھی تفصیل کی جائے ناقص رہتی ہے۔ اس کے شروع میں بھی ایک متوسط مقالہ لکھ دیا گیا ہے' اس ترتیب سے مؤلف کا مقصد یہ ہے کہ جب تک پہلے خدائے وحدہ لا شریک لہ اور اس کے رسول پاک ؐ کا اس طرح تعارف اور ایمان کے یہ مراحل طے نہ کر لیے جائیں اور شرک و نفاق کی ہر آلودگی سے اس کو یکسر پاک و صاف نہ کرلیا جائے ایمان کامل نصیب نہیں ہوسکتا۔ دامن ایمان پر جب کبھی معصیت کا داغ لگ جاتا ہے تو دماغی لحاظ سے ایک بڑی کشمکش پیدا ہو جاتی ہے وہ کبھی تو اس کو اعتزال کی طرف لے جاتی ہے اور کبھی ارجاء کی طرف کھینچتی ہے۔ حدیثیں بھی اس بارے میں دونوں طرح کی ملتی ہیں' کہیں ادنیٰ فروگذاشت سے ایمان کی نفی معلوم ہوتی ہے اور کہیں شراب نوشی جیسی معصیت کے بعد بھی مغفرت کی بشارت محرومی معلوم نہیں ہوتی۔ مؤلف نے ان دونوں قسموں کا توازن قائم رکھنے کے لیے مختلف عنوانات قائم کر دیے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کامل ہے تو وہی بلند مقام جو معمولی معصیت کی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتا شراب نوشی تو کجا۔[1] لیکن اس کے یہ معنیٰ بھی نہیں کہ اسلام میں انسان کی فطری کمزوری کے لیے کوئی پناہ نہیں ہے۔ وہ ہر وقت اس کو پناہ دینے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ اس کا قلب جذبات وفاداری اور معصیت پر ندامت سے معمور رہے' اسی کے ساتھ وہ برابر اس کی ترغیب دیتا ہے کہ انسان صرف اغماض و تساہل کی زندگی بسر کرنے کا عادی نہ بنے بلکہ اس مقام رفیع تک رسائی کی سعی کرتا رہے جہاں پہنچ کر ادنیٰ سی فروگذاشت بھی اس کو بصورت نفاق نظر آنے لگے۔ اس کے بعد تقدیر کا اہم مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ ہر دور میں معرکۃ الآراء مسائل میں سب سے زیادہ لاینحل سمجھا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے' اس کے باوجود ہر زمانے میں اس پر علماء وفضلاء نے خامہ فرسائی کی ہے۔ احقر نے بھی کبھی فرصتوں کے دنوں میں اس پر دو مقالے لکھے تھے اور خیال یہ تھا کہ علماء کے گذشتہ مضامین کے ساتھ ان کی حیثیت پیوند کی ضرور ہوگی مگر افسوس اور صد افسوس کہ اس فتنہ میں وہ بھی ضائع ہو گئے۔ اس متاع علمی کے ضیاع کا جتنا صدمہ ہوسکتا ہے وہ ہوا اور زیادہ افسوس اس کا ہے کہ اب اس مکمل تصویر کا ایک نقش بھی ذہن میں نہیں رہا کہ کسی ناقص صورت ہی میں اس کو ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔ اب نہ وہ فرصت ہے' نہ وہ طبیعت کی تازگی' نہ وہ علمی ذخائر بلکہ وہ ہمت شکن درماندگی محیط ہے جو کسی علمی سرمایہ گم کرنے والے کو ہوا کرتی ہے۔ بااین ہمہ کتاب کی تکمیل کے تقاضے مہمیز کا کام کرتے رہے اور اس لیے ایک شکستہ طبیعت میں

---

[1] اکتوبر ۴۹ء کے معارف میں "ترجمان السنہ" پر ریویو کرتے ہوئے ایک حدیث کے عنوان پر مؤلف کے ساتھ اختلاف رائے ظاہر کیا گیا ہے۔ اختلاف رائے ہر عالم کا حق ہے' لیکن اس کا بھی محل ہونا چاہیے۔ حدیث نمبر ۹۴ پر احقر نے ایک شخص کی شراب نوشی پر معصیت کا لفظ اطلاق کر دیا ہے۔ فاضل معاصر نے معصیت کے بجائے اس کو لمم میں داخل فرمایا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ جس امر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دو مرتبہ حد شرعی قائم ہو چکی ہو کیا اس کو بھی معصیت کی تعریف سے خارج کیا جاسکتا ہے اور پھر کیا وہ ترجمہ جو اس حدیث پر امام بخاری کی جانب سے "ترجمان السنہ" میں نقل کیا گیا ہے ارتکاب لمم پر قائم کیا جاسکتا ہے؟۔

جتنی سکت باقی تھی اس کو پھر اُٹھنا پڑا اور بڑی جانفشانی کے بعد اس مضمون کی احادیث جمع کرنے کی جو خدمت رہ گئی تھی اس کو مکمل کر کے وقتی استحضار کے لحاظ سے ایک مقالہ یہاں پھر ہدیۂ ناظرین کر دیا گیا ہے- اس باب کی حدیثیں بھی احادیث کے تمام متفرق ابواب سے جمع کی گئی ہیں- حتیٰ کہ کتاب النکاح اور کتاب العتاق سے- آپ کو تعجب ہو گا کہ ان ابواب میں تقدیر کے مسئلہ کی حدیثیں کہاں ملیں گی مگر ملیں اور بہت بیش بہا ملیں-[1] خوش نصیبی سے اس وقت ہمارے پاس مصطفیٰ صبری کا رسالہ موقف البشر موجود تھا- اس باب میں یہ رسالہ جملہ گذشتہ تصانیف سے زیادہ قیمتی ہے- اس کو بار بار مطالعہ کر کے خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے- ان مباحث کے بعد ارادہ تھا کہ عالم ارواح برزخ اور آخرت پر بحث کی جائے جس کے ضمن میں ملائکہ اور شیاطین اور دوزخ و جنت وغیرہا کے مباحث بھی آ جاتے ہیں اور اس طرح کتاب الایمان میں آمنت باللہ کی مشہور ترتیب محفوظ رہے لیکن بعض وقتی مسائل کے لحاظ سے شاید یہ ترتیب ترک کرنی پڑے اس لیے ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ جلد کس ترتیب سے سامنے آئے گی-

یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ تیسری جلد میں تشریحی نوٹوں کا یہ اسلوب غالبًا باقی نہ رہ سکے' وقت کی نزاکت کتاب کے جلد از جلد مکمل کر دینے کی متقاضی ہے اور تفصیلات میں جانا فرصت چاہتا ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ پہلے جدید عنوانات کے تحت حدیثوں' ان کے ترجموں اور صرف مختصر نوٹوں پر اکتفا کی جائے- اس کے بعد پھر قدرت جس کو منتخب فرمائے وہ اس مواد کو پھیلا کر پوری تفصیلات کے ساتھ پیش کر دے ؎

این کار دولت است ☆ کنوں تاکرا رسد

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بندہ محمد بدر عالم عفا اللہ عنہ

❁ ❁ ❁

---

[1] یہ ابواب جلد ثالث میں آئیں گے-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الایمان کلما ازدادت علاقته بالغیب کان افضل

ایمان کا تعلق غیب کے ساتھ جتنا گہرا ہوا تنا ہی فضیلت کا موجب ہے

امام راغبؒ غیب کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والغیب فی قوله تعالیٰ ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ ما لا یقع تحت الحواس و لا تقتضیه بداهة العقل و انما یعلم بخبر الانبیاء علیهم السلام."

غیب کا لفظ مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ آیت یؤمنون بالغیب میں غیب کا اطلاق ان چیزوں پر کیا گیا ہے جو انسانی حواس کے ادراک سے بالاتر ہیں۔ اور عقل بھی بدیہی طور پر ان کا تقاضہ نہیں کرتی وہ صرف انبیاء علیہم السلام کے بتانے سے معلوم ہوئی ہیں۔ ذیل کی آیتوں میں غیب کے یہی معنی مراد ہیں۔

(۱) وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (ھود:۱۲۳) — آسمانوں اور زمین کی غیب کی باتوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

(۲) اَطَّلَعَ الْغَیْبَ. (مریم: ۷۸) — کیا اسے غیب کی باتوں کی خبر لگ گئی ہے۔

(۳) لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا. (الجن:۲۶) — اللہ تعالیٰ اپنی غیب کی باتوں پر کسی کو قابو نہیں دیتا۔

(۴) لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ. — غیب کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

(۵) وَ مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ. (آل عمران:۱۷۹) — بھلا تم اس قابل کب ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی غیب کی باتوں کی بلاواسطہ خبر دے۔

(۶) عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. (المائدۃ: ۱۰۹) — اللہ تعالیٰ کو غیب کی تمام باتوں کا پورا پورا علم ہے۔

(۷) وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ. (الانعام: ۵۹) — غیب کے خزانوں کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اس لیے غیب کا علم بھی صرف اسی کو ہے۔

(۸) وَ لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ. (الاعراف: ۱۸۸) — اگر میں غیب کی سب باتیں جانتا تو ساری بھلائیاں اپنے لیے جمع کر لیتا اور کوئی برائی مجھے چھو بھی نہ سکتی۔

(حالانکہ میری زندگی شاہد ہے کہ نہ خیر کے تمام خزانے میرے ہاتھ میں ہیں اور نہ میں حوادثِ عالم سے مستثنیٰ ہوں)

یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا میں انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ خدا پرست اور مادہ پرست۔ مادہ پرست تمام عالم کو صرف اپنے دائرۂ محسوسات میں محدود تصور کرتا ہے اس کے نزدیک کسی اور عالم بالا کا تصور صرف ایک وہم پرستی یا مذہبی خوش اعتقادی سے زیادہ نہیں ہوتا اس لیے وہ دعوت انبیاء علیہم السلام میں جب کسی ماوراء محسوسات عالم کا تذکرہ سنتا ہے تو بیساختہ اس کا تمسخر اڑانے کو تیار ہو جاتا ہے اس کے نزدیک جب عالم غیب کی کوئی حقیقت ہی نہیں تو اس پر ایمان لانا بھی بے معنی ہے وہ اس

ایمان کی حقیقت صرف ایک جہل یا جبری انقیاد سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک ایسے ایمان سے نہ تو نفس انسانی میں کوئی ارتقائی تحریک ابھر سکتی ہے اور نہ اس میں اعمال صالحہ اور ملکات حسنہ کا کوئی ذوق پیدا ہو سکتا ہے۔

دوسری قسم خدا پرستوں کی ہے ان کے نزدیک موجودات کو دائرۂ محسوسات میں محدود سمجھنا ہی ایک بنیادی غلطی ہے جب عالم محسوسات میں بھی بہت سی چیزوں کا یقین ہمیں صرف مؤرخین اور جغرافیین کے بیانات ہی پر کرنا پڑتا ہے اور صرف اس بنا پر ان سے انکار کر دینا صحیح نہیں ہوتا کہ ہم نے بچشم خود ان کو نہیں دیکھا تو پھر ان ماوراء محسوسات عالم کا انکار کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جن کو اگرچہ ہم نے نہیں دیکھا لیکن انبیاء علیہم السلام کی آنکھوں نے ہم سے زیادہ تحقیق کے ساتھ ان کو دیکھا اور ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ عالم غیب کے غیر محسوس ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف ہمارے ضعیف حواس کی دسترس سے باہر ہوتا ہے نہ یہ کہ تحت الحس آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے خدا پرست جماعت انبیاء علیہم السلام کی فہم و فراست اور ان کی صداقت و امانت کے اعتماد پر عالم غیب پر ایمان لے آنا عین تقاضائے عقل سمجھتی ہے اور یہی تصدیق و اذعان ان کے ایمان کی ساری قیمت ہوتی ہے۔ اگر غیب پر یہ اذعان و اطمینان حاصل نہ ہو تو ان کا ایمان بے قیمت ہو۔

غیر معقول اور غیر مدرک کا فرق ٭ مادہ پرستوں کو یہاں ایک بڑا مغالطہ یہ لگ گیا ہے کہ وہ غیر معقول اور غیر مدرک میں فرق نہیں کرتے عالم غیب غیر مدرک تو ہے مگر غیر معقول نہیں۔ غیر معقول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عقل انسانی اس کو محال سمجھتی ہو یا اس کی تکذیب کرتی ہو۔ اب آپ غور کیجئے کہ ایمان کے اجزاء کیا ہیں اور ان میں کون سا جزء ایسا ہے جس کو محال اور خلافِ عقل کہا جا سکتا ہے کیا ایک خالق کا وجود' کیا رسول کی رسالت' کیا خدا کی کتابیں' اس کے فرشتے' اس کی تقدیر اور ثواب و عذاب کے لیے دائمی مستقر۔ فرمایئے کہ غیب کے اجزاء ان کے سوا اور کیا ہیں۔ پھر ان باتوں میں کون سی بات ایسی ہے جو عقل کے نزدیک محال ہے۔ ہاں یہ حقائق ان حواسِ خمسہ کے احساس سے بالاتر ضرور ہیں مگر کیا یہ بات کوئی اصول موضوعہ میں داخل ہے کہ جو بات ہمارے ادراک یا مشاہدہ سے بالاتر ہو اس کو تسلیم نہ کیا جائے۔ درآنحالیکہ ہمارے آلات ادراک سے زیادہ قابل وثوق آلات اس کا ادراک کر رہے ہوں۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فان الانبیاء علیہم السلام یخبرون الناس بما تقصر عقولھم عن معرفتہ لا بما یعرفون انہ ممتنع فیخبر ونھم بمحاورات العقول لا بمحالات العقول. (الجواب الصحیح ج ۱ ص ۳۷۷)

اب رہا یہ سوال کہ اس بے دلیل انقیاد کا اثر نفس انسانی پر کچھ ہوتا ہے یا نہیں تو اس کا فیصلہ صحابہ کے وہ انقلابی کارنامے کریں گے جن کو تاریخ نے ارتقاء انسانی کی اساس و بنیاد قرار دے دیا ہے۔ ارتقائی زندگی کی جو مسافت مادہ پرستوں نے کبھی سالوں میں طے کی تھی وہ ان خدا پرستوں نے چند لمحات میں طے کر ڈالی ہے اسی لیے قرآن کریم نے صحابہ کرامؓ کے ایمان بالغیب کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی عملی زندگی کا نقشہ بھی کھینچنا ضروری سمجھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کا ایمان بالغیب ایسا ایمان نہیں تھا جس کی سطح پر عمل صالح کا کوئی بلبلہ بھی اٹھتا نظر نہ آتا۔ بلکہ وہ ایک ایسا طوفان خیز سمندر تھا جس میں اقامت صلوٰۃ' ایتاء زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی موجوں کا ہنگامہ مچا ہوا تھا۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ. (البقرۃ: ۳) جولوگ یقین رکھتے ہیں بے دیکھی باتوں پر اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دے دیا ہے اس میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں۔

اقامت صلوٰۃ سے ان کی بدنی عبادت کے کمال کی طرف اشارہ تھا اور انفاق فی سبیل اللہ سے ان کی مالی قربانی کی طرف جس ایمان کے نتیجہ میں نفس انسانی میں جانی و مالی قربانی کی یہ اسپرٹ پیدا ہو جائے اس کو بے اثر اور خشک ایمان کیسے کہا جا سکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو دو قسم کے علوم لے کر تشریف لاتے ہیں ایک وہ جو صرف ان کی ضمانت و صداقت کے اعتماد پر بے چون و چرا تسلیم کر لیے جائیں وہ سرتا سر معقول ہی معقول ہوتے ہیں اگرچہ عقل انسانی بدیہی طور پر ان کا ادراک نہ کر سکے دوسرے علوم وہ ہوتے ہیں جو ہمارے ادراک و احاطہ عقل میں بھی داخل ہیں۔ ان میں اجتہاد و استنباط کی بڑی حد تک اجازت دی جاتی ہے بلکہ اس پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی زندگی کا لائحہ عمل حسب ضرورت خود پھیلا لیں۔ قرآن کریم نے گذشتہ اقوام کے تذکرے اور تاریخ کے عبرت آموز واقعات اسی لیے بار بار دہرائے ہیں تاکہ انہیں پڑھ کر آئندہ زندگی میں پوری بصیرت کے ساتھ چلنے کا سلیقہ آ جائے۔ دین کے اس حصہ پر غور و خوض کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس حصہ کی معقولیت اور گہرائی کا اندازہ لگانے کے بعد اس کے دوسرے حصہ کی معقولیت کا یقین خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے محکمات و متشابہات کی تقسیم بھی اسی اصول پر قائم کی ہے اور راسخین فی العلم کی یہی علامت مقرر کی ہے کہ جب وہ آیات متشابہات پر گذریں تو (ان کی مرادیں معلوم کرنے کی بجائے) ان کے سامنے عجز و اعتراف کا سر جھکا دیں اور اس کا نام جہل اور جمود نہیں رکھا بلکہ رسوخ فی العلم رکھا ہے اس کے برخلاف ان کی مرادوں کے درپے ہونے کا نام علم اور تحقیق نہیں رکھا بلکہ زیغ اور فطرت کی کجی قرار دیا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت آپ احادیث نبویہ پڑھتے جائیے اور عالم غیب کے مباحث کو انبیاء علیہم السلام کے اعتماد و وثوق پر تسلیم کرتے چلے جائیے۔ هٰذا صِراطٌ مُّسْتَقِیْمٌ فَاتَّبِعُوْهُ.

یہ بات قابل یادداشت ہے کہ ایمان کی تمام روح صفت یقین ہے اور یقین اسی وقت قابل تعریف ہو سکتا ہے جب کہ عالم غیب پر ہو ورنہ اپنے مشاہدہ پر یقین کرنا بدیہی بات ہے۔ اسی لیے فرمایا ﴿وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ﴾ (الحدید: ۲۵) یعنی دیکھنا تو یہ ہے کہ خدا اور رسول کے دین کی تائید بن دیکھے کون کون کرتا ہے'' ۔ خدا کے مقدس فرشتے عالم غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں اگر وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے تو ان کا کمال کیا ہے۔ کمال یہ ہے کہ عالم غیب کا ذرہ ذرہ تحت الحجاب ہو اس پر اس کی تائید و نصرت میں وہ سرگرمی ہو جو عین مشاہدہ میں ہوتی یہ ہے وہ ایمان جو ملائکہ اللہ کے لیے بھی قابل رشک ہے ان کا ایمان، ایمان بالغیب نہیں یہ ایمان ہمارا نصیب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تکلیفاتِ شرعیہ کا بار ڈالنے کے لیے قدرت نے اپنے اور انسان کے درمیان ایک حجاب غیب ڈال دیا ہے جس کے بعد جنت و دوزخ اور خدا کے فرشتے تو درکنار خود خالق کا بدیہی وجود بھی عالم غیب میں شامل ہو کر رہ گیا ہے۔ قیامت میں یہ حجاب غیب اٹھا دیا جائے گا اور اسی لیے تکلیفاتِ شرعیہ کا دائرہ بھی ختم ہو جائے گا

نہ عالم کے وجود سے قبل انسان مکلّف تھا نہ عالم کے فنا کے بعد مکلف رہے گا- دائرۂ تکلیف صرف غیب کی تاریکی تک محدود ہے- اسی عارضی حجاب نے عالمِ غیب کو نظری بنا رکھا ہے ورنہ جو آج نظری ہے وہ کل یقینی تھا اور قیامت کے بعد پھر یقینی بن جائے گا موجودہ تردد وانکار جو کچھ بھی ہے وہ صرف اس حجابِ غیب کا ثمرہ ہے- انبیاء علیہم السلام صرف اس لیے آتے ہیں کہ جو کچھ اس حجابِ غیب کے ماوراء ہے اس کو بتادیں- اسی لیے ان کی حیثیت صرف ایک مبلغ اور مذکر کی ہوتی ہے- نہ غیب کے علوم حاصل کرنے میں وہ خود دماغ سوزی کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں پھر جو علوم ازخود قدرت ان پر فائز کر دیتی ہے ان کو وہ کسی بخل کے بغیر سب کو سکھا دیتے ہیں ﴿وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ﴾ (التکویر:٢٤) جو دلائل کی پرخار وادی میں گرفتار ہے وہ بحث زیادہ کرتا ہے اور عمل کم گویا مشقت سفر زیادہ اٹھاتا ہے اور منزل کم طے کرتا ہے- پھر یہ بھی ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا رخ صحیح مقصد کی طرف بھی ہوتا ہے یا نہیں اسلام نے مختصر عمر میں آخرت کی طویل منزل طے کرنے کے لیے یہ تعلیم دی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر وقت کی تمام فرصت عمل میں صرف کر ڈالے-

یہ بھی زیرِ نظر رہنا چاہیے کہ اس عنوان کے تحت احادیث کا منشا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے بغیر ایمان لانے والوں کی بہت بڑی فضیلت مذکور ہے یہی ہے کہ اس جماعت کے لیے رسول کی ذاتِ اقدس بھی گویا عالمِ غیب ہی میں شامل ہو گئی ہے- اور اس حیثیت سے ان کا ایمان اور غیب در غیب بن گیا ہے اس کو جزئی فضیلت کا صرف ایک اسلوب بیان سمجھنا چاہیے- ورنہ دراصل رسول کی ذات کسی حال میں بھی عالم غیب میں شمار نہیں ہوتی وہ قطعی طور پر عالم محسوسات میں داخل ہوتی ہے- البتہ اس کی رسالت ہر حالت میں عالم غیب کا ایک آبدار گوہر ہوتی ہے جس پر ایمان لانے میں رسولؐ کی شخصیت بلاشبہ بڑی حد تک معین ہوتی ہے چونکہ اس کی وفات کے بعد یہ مساعدت باقی نہیں رہتی اور صرف عالم غیب کا حصہ یعنی اس کی رسالت باقی رہ جاتی ہے اس لیے اس پر ایمان لانا اس جزئی فضیلت کا موجب بن جاتا ہے اور اسی معنی سے رسول پر ایمان کو ایمان بالغیب کہہ دیا جاتا ہے-

❁ ❁ ❁

(٢٥٢) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِمَنْ اٰمَنَ بِىْ وَرَاٰنِىْ مَرَّةً وَ طُوْبٰى لِمَنْ اٰمَنَ بِىْ وَ لَمْ يَرَنِىْ سَبْعَ مَرَّاتٍ.

(٢٥٢) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو تو ایک بار مبارک باد اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور پھر ایمان لایا اس کو بار بار مبارک باد۔ (احمد)

(رواه احمد و ذكره السيوطى فى الجامع الصغير و رمزله بالصحة و نقل العزيزى عن شيخه تصحيحه. و اورد الحافظ السيوطى جميع طرقه فى الجامع الصغير و رمزلها بالحسن)

(٢٥٣) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ جُلُوْسًا فَذُكِرَ اَصْحَابُ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَا سَبَقُوْنَا بِهٖ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ اِنَّ اَمْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ بَيِّنًا لِمَنْ رَاٰهُ وَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ مَا اٰمَنَ اَحَدٌ قَطُّ اِيْمَانًا اَفْضَلَ مِنْ اِيْمَانٍ بِغَيْبٍ ثم قرأ (الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ اِلٰى قوله المفلحون).

(٢٥٣) عبدالرحمٰن بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ان کے فضائل کا تذکرہ چھڑ گیا اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ہر اس شخص کے سامنے جس نے آپؐ کو دیکھا تھا بالکل صاف اور عیاں تھی۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا خدا کوئی نہیں۔ کوئی شخص ایمان نہیں لایا جس کا ایمان بن دیکھے ایمان سے افضل ہو' پھر اس کے ثبوت میں انہوں نے یہ آیت پڑھی (الٓمّٓ یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں' متقیوں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں) (حاکم ابن کثیر)

(هكذا رواه ابن ابى حاتم و ابن مردويه و الحاكم فى مستدركه من طرق عن الاعمش به فى التفسير و قال صحيح على شرط الشيخين)

ــہ ترجمان السنہ جلد اول دو حدیثوں کا ایک ہی نمبر (٩٤ الف اور ٩٤ ب) لکھا ہوا ہے اس لیے جلد ثانی کے شروع میں حدیثوں کے نمبروں میں ایک عدد بڑھا دیا گیا ہے اور بجائے ٢٥١ کے اس کو ٢٥٢ سے شروع کیا گیا ہے۔

(٢٥٢) * مسند ابوداؤد طیالسی میں یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بھی منقول ہے اس کی ابتداء میں اتنا قصہ اور مذکور ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بڑی حسرت کے انداز میں عرض کیا کہ آپ لوگوں نے تو اپنی ان آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا جی ہاں۔ اس پر اس شخص نے کہا مبارک ہو اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تو لیجئے آپ بھی مجھ سے ایک ایسی حدیث سن لیجئے جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی حدیث کا مضمون ذکر کیا صرف اتنا فرق ہے کہ آخر میں سبع مرات کی بجائے ثلاث مرات کا لفظ ہے۔ (دیکھو درمنثور ج ا ص ٢٧)

(٢٥٣) * اس میں کیا شبہ ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنی سابقیت' دین کی بروقت نصرت اور مشاہدہ ومغازی میں صبر واستقامت کی وہ مثال دنیا میں قائم کر گئے ہیں کہ اب ان کے مقابلہ میں تمام امت میں سے کسی کا کوئی عمل بھی قابل ذکر نہیں ہوسکتا اس لیے ان کے فضائل کا بقیہ....

(۲۵۴) عَنْ اَبِیْ مُحَیْرِیْزٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ جُمُعَةَ رَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِ حَدِّثْنَا حَدِیْثًا سَمِعْتَهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ اُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا جَیِّدًا تَغَدَّیْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ مَعَنَا اَبُوْ عُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ اَحَدٌ خَیْرٌ مِنَّا؟ اَسْلَمْنَا مَعَکَ وَ جَاهَدْنَا مَعَکَ قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ یَکُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِکُمْ یُؤْمِنُوْنَ بِیْ وَ لَمْ یَرَوْنِیْ.

(رواہ احمد و اخرجہ طرقہ الحافظ ابن کثیر و اخرجہ الحاکم و صححہ و لم)

(۲۵۴) ابومحیریزؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابو جمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا آپ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو۔ انہوں نے فرمایا بہت اچھا لو میں تم سے ایک بہت عمدہ حدیث بیان کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا اس وقت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم سے بھی کوئی اور قوم بہتر ہوسکتی ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائے ہم نے آپ کے ساتھ جہاد کیے۔ آپ نے فرمایا ہاں ایک قوم ہوگی جو تمہارے بعد میں آئے گی وہ بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لے آئے گی۔ (احمد۔ حاکم۔ ابن کثیر)

(۲۵۵) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَدِدْتُ اَنِّیْ لَقِیْتُ اِخْوَانِیْ قَالَ فَقَالَ اَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ اِخْوَانُکَ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ وَ لٰکِنْ اِخْوَانِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِیْ وَ لَمْ یَرَوْنِیْ.

(رواہ احمد و رمزلہ السیوطی بالصحۃ و قال العزیزی فی شرحہ و اسنادہ حسن)

(۲۵۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں سے ملتا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا ہم بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (خادم اور) اسلامی بھائی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو میرے صحابہ ہو اور بھائی وہ لوگ ہیں جو دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے۔

(اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے)

ﷺ .... تذکرہ بالکل برمحل اور بجا تھا لیکن حضرت ابن مسعودؓ چونکہ اس مقدس جماعت کے خود بھی ایک ممتاز فرد تھے ان کی شانِ تواضع نے اپنے منہ پر اپنی تعریف سنی گوارا نہ کی اور آئندہ امت کے لیے بھی ایک ایسی امتیازی فضیلت ذکر کردی جس سے یہ شبہ گزرنے لگا کہ میدان فضیلت میں اگر وہ صحابہؓ سے پیش پیش نہیں تو ان سے بہت پیچھے بھی نہیں۔ ایمان بالغیب کی جو صفت یہاں ذکر کی گئی ہے صحابہ کرامؓ اس میں بھی بقیہ امت سے پیش گام تھے لیکن رسول کی پرازصدق و صفا شخصیت چونکہ ان ضعفاء امت کے سامنے نہ ہوگی اس لیے اس بزرگ ہستی کو ان کے دل بڑھانے کا ایک موقعہ ہاتھ آ گیا تھا۔ (درمنثور میں بعینہ یہ مکالمہ حارث بن قیسؒ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ذکر کیا ہے۔ (دیکھو ج ا ص ۲۶)

(۲۵۵) * یعنی تمہیں تو اخوت کے ساتھ میری صحبت کا شرف بھی حاصل ہے اور اس وقت بھائی سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو مجھ پر آئندہ ایمان لائیں گے انہیں رشتہ ایمانی کی وجہ سے صرف اخوت تو حاصل ہوگی مگر شرف صحبت نصیب نہ ہوگا۔

2

(۲۵۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ لِیْ حُبًّا نَاسٌ یَکُوْنُوْنَ بَعْدِیْ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْرَاٰنِیْ بِاَھْلِہٖ وَ مَالِہٖ۔ (رواہ مسلم)

(۲۵۶) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں مجھ سے زیادہ محبت رکھنے والے افراد تو وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ اپنا گھر بار اور مال سب قربان کر کے کسی طرح مجھ کو دیکھ پاتے۔ (مسلم)

(۲۵۷) عَنْ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْجُھَنِیِّؓ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَلَعَ رَاکِبَانِ فَلَمَّا رَاٰھُمَا قَالَ کِنْدِیَّانِ مَذْحِجِیَّانِ حَتّٰی اَتَیَاہُ فَاِذَا رِجَالٌ مِنْ مَذْحِجٍ قَالَ فَدَنَا اِلَیْہِ اَحَدُھُمَا لِیُبَایِعَہٗ قَالَ فَلَمَّا اَخَذَ بِیَدِہٖ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَأَیْتَ مَنْ رَاٰکَ فَاٰمَنَ بِکَ وَ صَدَّقَکَ وَ اتَّبَعَکَ مَا ذَا لَہٗ قَالَ طُوْبٰی لَہٗ قَالَ فَمَسَحَ عَلٰی یَدِہٖ فَانْصَرَفَ ثُمَّ اَقْبَلَ الْاٰخَرُ حَتّٰی اَخَذَ بِیَدِہٖ لِیُبَایِعَہٗ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَأَیْتَ مَنْ اٰمَنَ بِکَ وَ صَدَّقَکَ وَ اتَّبَعَکَ وَ لَمْ یَرَکَ قَالَ طُوْبٰی لَہٗ ثُمَّ طُوْبٰی لَہٗ ثُمَّ طُوْبٰی لَہٗ قَالَ فَمَسَحَ عَلٰی یَدِہٖ فَانْصَرَفَ۔ (رواہ احمد والدولابی و البغوی و رجالہ من رجال الصحیح)

(۲۵۷) ابوعبدالرحمٰن جہنیؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ دو سوار (سامنے سے آتے) نظر آئے۔ جب آپؐ نے ان کو دیکھا تو فرمایا یہ دونوں کندہ کے باشندے اور مذحج قبیلہ کے لوگ معلوم ہوتے ہیں جب وہ آ گئے تو اس قبیلہ کے کئی آدمی اور تھے۔ راوی کہتا ہے کہ ان میں ایک شخص بیعت کے لیے آپؐ کے قریب آیا جب اس نے آپؐ کا دست مبارک ہاتھ میں لیا تو بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے آپؐ کی زیارت کی آپؐ پر ایمان لے آیا اور آپ کا اتباع بھی کیا فرمایئے اس کو کیا ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا اس کے لیے مبارک ہو۔ یہ سن کر تبرکاً اس نے آپؐ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کر کے چلا گیا پھر دوسرا آگے بڑھا اس نے بھی بیعت کے لیے آپؐ کا ہاتھ، ہاتھ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے آپؐ کو نہیں دیکھا اور آپؐ پر ایمان لے آیا، آپؐ کی تصدیق کی اور آپ کا اتباع بھی کیا فرمایئے اس کو کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا اس کو مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو (تین بار مبارک باد دی) اس نے بھی آپؐ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کر کے چلا گیا۔ (احمد)

---

(۲۵۶) * رحمۃ للعالمینؐ کی یہ صرف ایک قدر دانی اور ہمت افزائی کی بات تھی کہ آپؐ نے آنے والی امت کے لیے بھی ایک سامانِ تسلی چھوڑ دیا ہے اور وہ یہ کہ اگر وہ آپؐ کے شرفِ دیدار سے محروم رہ گئی تو غم نہ کھائے اصل شرافت سے وہ بھی محروم نہیں ہے شرافت کا اصل رشتہ محبت و ایمان ہے۔ شرافت دیدار بھی اسی وقت شرافت شمار ہوتی ہے جب کہ اسی رشتہ ایمانی کے ساتھ ہو۔ اسی رشتہ سے صحابہؓ نے میدانِ فضائل جیتے اور اسی رشتہ سے آئندہ امت بھی فضائل و کمالات کے بڑے بڑے میدان جیت سکتی ہے۔ یہ رشتہ صحابہؓ کو تو دیکھ کر حاصل ہوا اور بے شک ان کا ایک بڑا کمال تھا لیکن ایک حیثیت سے یہ کمال بھی کچھ کم نہیں کہ دیکھے بغیر وہی جذبہ جاں نثاری اسی نمونہ کے ایثار و قربانی کا ذوق ان کو حاصل ہو جائے جو دیکھنے والوں کو حاصل تھا۔ اگر اس قسم کی ہمت افزائی کے کلمات احادیث میں نہ آتے تو آنے والی امت کے لیے یہ بڑے اضطراب و بے چینی کا موجب بن جاتا۔

(٢٥٨) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِلَيْكُمْ اِيْمَانًا قَالُوْا الْمَلَائِكَةُ قَالَ وَ مَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالُوْا فَالنَّبِيُّوْنَ قَالَ وَ مَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَ الْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ قَالُوْا فَنَحْنُ قَالَ وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَ اَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَيَّ اِيْمَانًا لَقَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ يَجِدُوْنَ صُحُفًا فِيْهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِيْهَا.

(٢٥٨) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے نزدیک ایمان کے لحاظ سے کس کا ایمان زیادہ قابلِ تعجب ہے؟ انہوں نے عرض کیا فرشتوں کا۔ آپؐ نے فرمایا کیوں انہیں کیا ہوا کہ وہ ایمان نہ لائیں جب کہ وہ اپنے پروردگار کے حضور ہی میں ہمہ وقت حاضر ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا تو پھر خدا کے نبیوں کا آپؐ نے فرمایا وہ کیوں ایمان نہ لائیں جب کہ خدا کی وحی ان پر اترتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اچھا تو پھر ہمارا۔ آپؐ نے فرمایا تم کیوں ایمان نہ لاؤ جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن لو میرے نزدیک تو سب سے زیادہ قابلِ تعجب ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے ان کو صرف چند اوراق ملیں گے اس میں ایک مقدس کتاب ہوگی وہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا پائیں گے اس پر ایمان لے آئیں گے۔ (ابن کثیر)

(قال ابو حاتم الرازی فیه المغیرة بن قیس البصری و هو منکر الحدیث قال الحافظ ابن کثیر و لکن قدروی ابو یعلیٰ فی مسنده و ابن مردویه فی تفسیره و الحاکم فی مستدرکه من حدیث محمد بن ابی حمید و فیه ضعف عن زید بن اسلم عن ابیه عن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم و قال الحاکم صحیح الاسناد و لم یخرجاه و قدروی نحوه عن انس بن مالك مرفوعا و الله تعالیٰ اعلم قال الذهبی محمد بن ابی حمید ضعفوه)

---

(٢٥٨) ✽ یہاں آئندہ امت کے ایمان کو قابلِ تعجب کہا گیا ہے افضل نہیں کہا گیا اور جہاں افضل کہہ دیا گیا ہے وہاں بھی اسی تعجب کا اظہار منظور ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے اور تم لوگ اگر ایمان رکھتے ہو تو اس کے اسباب بھی ان کے اور تمہارے سامنے موجود ہیں فرشتے تو براہِ راست بارگاہِ احدیت کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا ایمان تو ایمان بالغیب ہی نہیں انبیاء علیہم السلام کا ایمان اگرچہ ایمان بالغیب ہے مگر ان کی متکفل و مربی خود قدرت ہوتی ہے ان کا تعلق عالمِ غیب سے اگرچہ پس پردہ ہو مگر پھر براہِ راست ہوتا ہے تمہارا معاملہ بھی صاف ہے یعنی عالمِ غیب اگرچہ بلاواسطہ تمہاری آنکھوں کے سامنے نہ ہو مگر بس عالمِ غیب کا بلاواسطہ ترجمان تو تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہوں۔ مجھے دیکھ کر عالمِ غیب کا یقین اپنے عینی مشاہدات سے بڑھ کر حاصل کر سکتے ہو۔ اب رہ گئی صرف وہ امت جس کو نہ عالمِ غیب کا مشاہدہ حاصل ہوگا اور نہ ان کی آنکھوں کے سامنے میری بصیرت افروز ہستی ہوگی۔ ایک خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب ہوگی اور اس کے رسول کے کچھ محفوظ اقوال و آثار ہوں گے وہ ان ہی کو دیکھ کر ایمان لے آئے گی ان کا ایمان اگرچہ نامساعدتِ اسباب کی وجہ سے اس درجہ پر نہ ہو لیکن قابلِ تعجب ضرور ہوگا فضیلتِ کلی گو تمہیں حاصل ہو لیکن ایک جہت سے فضیلتِ جزئیہ کے حق دار وہ بھی رہیں گے اور اس پیرایہ سے رحمۃ للعالمینؐ کی ساری کی ساری امت قابلِ غبطہ بن جائے گی۔ کوئی کسی جہت سے اور کوئی کسی جہت سے اس لیے حدیث میں ارشاد ہے میری امت کی مثال بارش کی سی ہے جس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ اس کا پہلا حصہ بہتر تھا یا آخر۔ الخ....

(۲۵۹) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَلَسْنَا اِلَى الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَوْمًا فَمَرَّ بِهٖ رَجُلٌ فَقَالَ طُوْبٰى لِهَاتَيْنِ الْعَيْنَيْنِ اللَّتَانِ رَأَتَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَوَدِدْنَا اَنَّا رَأَيْنَا مَا رَأَيْتَ وَ شَهِدْنَا مَا شَهِدْتَ فَاسْتُغْضِبَ فَجَعَلْتُ اَعْجَبُ' مَا قَالَ اِلَّا خَيْرًا' ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا يَحْمِلُ الرَّجُلَ عَلٰى اَنْ يَّتَمَنّٰى مَحْضَرًا غَيَّبَهُ اللّٰهُ عَنْهُ لَايَدْرِيْ لَوْشَهِدَهٗ كَيْفَ يَكُوْنُ فِيْهِ وَاللّٰهِ لَقَدْ حَضَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۲۵۹) عبدالرحمٰن بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا ایک دن ہم مقداد بن الاسودؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص ان کے پاس سے گذرا اور (انہیں دیکھ کر) بولا یہ دوآنکھیں مبارک ہوں جنہوں نے خدا کے رسول کی زیارت کی ہے- خدا کی قسم ہمیں تمنا ہوتی ہے کہ جونظارہ آپ نے دیکھا ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور جن مقامات میں آپ نے شرکت کی ہم بھی شرکت کرتے (یہ سن کر) مقداد غصہ میں بھر گئے مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اس بے چارے نے کوئی بری بات تو کہی نہ تھی اچھی ہی بات کہی تھی (پھر انہیں غصہ کیوں آیا) اس کے بعد اُس کی طرف متوجہ ہو کر بولے اس شخص کو کیا داعیہ پیش آیا کہ یہ ایسے زمانہ میں موجود ہونے کی تمنا کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا نہیں کیا- کیا خبر اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو اس کے صبر و استقلال کا حال کیا ہوتا- خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے لوگ بھی

☜ ... یہ حدیث طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی روایت کی ہے اس کے شروع میں یہ قصہ بھی منقول ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا پانی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں پھر آپؐ نے پوچھا' اچھا کوئی مشک ہے لوگ مشک لے آئے اور آپؐ کے سامنے رکھ دی- آپؐ نے اس پر اپنا دست مبارک رکھا اور اپنی انگلیاں پھیلا دیں- ان کے درمیان سے پانی اس طرح پھوٹ کر بہنے لگا جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ذریعہ سے بہہ گیا تھا- آپؐ نے فرمایا بلال آواز دے دو کہ لوگ وضو کر لیں- اور لوگ تو وضو کرنے میں مصروف ہو گئے مگر حضرت ابن مسعودؓ تھے کہ ان کو اس پانی کے پینے کی فکر لگ رہی تھی جب سب لوگ وضو سے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد اپنے صحابہؓ سے وہ سوال کیا جو یہاں مذکور ہے- (درمنثور ج ۱ ص ۲۶)

(۲۵۹) * حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کو صحابیت کی تمنا کرنا آداب دعا سے تجاوز کرنا ہے بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فضائل و کمالات کے بڑے سے بڑے خزانے لٹائے جا رہے تھے مگر ان کے لیے اتنی ہی بڑی قربانیاں بھی درکار تھیں- العطایا علی متن البلایا- اگر وہ فضائل و کمالات ان کے حصہ میں آئے تو وہ ایثار و قربانیاں بھی ان ہی کو دینی پڑیں- اب بعد کی امت کے دلوں میں ان کمالات کی ہوس تو اٹھتی ہے مگر ان قربانیوں کے لیے آمادگی بھی ہے؟ وہ دور ایک ایسا نازک دور تھا کہ ایک شخص صحابیت کا فخر بھی حاصل کر سکتا تھا اور ذرا سی لغزش سے رسول کے دشمنوں کی فہرست میں بھی شمار ہو سکتا تھا- قرآن کریم کا دورِ نزول اپنی آنکھوں سے دیکھنا بے شک بڑی نعمت تھی لیکن دوسری طرف یہ بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ اس کے نزول کے بعد آپس کے رشتے ناطے ٹوٹ رہے ہیں باپ بیٹے سے خاوند بی بی سے جدا ہو رہا ہے اس نازک مرحلہ کی بجائے جس کو آسانی کے ساتھ ایمان نصیب ہو گیا اس کو شکر کرنا چاہیے اور اس دور کی تمنا نہ کرنی چاہیے جس میں فضائل کے ساتھ بہت سے خطرات بھی تھے- یہ رضا بقضاء کی منزل ہے جو پہنچ جائے وہی ان رموز کو جان سکتا ہے- ابتداء عشق کے سوز و گداز رکھنے والے بھلا اس سے کب آشنا ہو سکتے ہیں-

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْوَامٌ اَكَبَّهُمُ اللّٰهُ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ فِيْ جَهَنَّمَ لَمْ يُجِيْبُوْهُ وَ لَمْ يُصَدِّقُوْهُ اَوَلَا تَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ اِذْ اَخْرَجَكُمْ لَا تَعْرِفُوْنَ اِلَّا رَبَّكُمْ مُصَدِّقِيْنَ لَمَّا جَاءَ بِهٖ نَبِيُّكُمْ قَدْ كُفِيْتُمُ الْبَلَاءَ بِغَيْرِكُمْ وَ اللّٰهِ لَقَدْ بَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَشَدِّ حَالٍ بَعَثَ عَلَيْهَا نَبِيًّا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ فِيْ فَتْرَةٍ وَ جَاهِلِيَّةٍ مَا يَرَوْنَ اَنَّ دِيْنًا اَفْضَلَ مِنْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ فَجَاءَ بِفُرْقَانٍ فَرَّقَ بِهٖ بَيْنَ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ وَ فَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدِ وَ وَلَدِهٖ حَتّٰى اَنْ كَانَ الرَّجُلُ لَيَرٰى وَالِدَهٗ وَ وَلَدَهٗ وَ اَخَاهُ كَافِرًا وَ قَدْ فَتَحَ اللّٰهُ قُفْلَ قَلْبِهٖ لِلْاِيْمَانِ يَعْلَمُ اَنَّهٗ اِنْ هَلَكَ دَخَلَ النَّارَ فَلَا تَقِرُّ عَيْنُهٗ وَ هُوَ يَعْلَمُ اَنَّ حَبِيْبَهٗ فِي النَّارِ وَ اَنَّهَا الَّتِيْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ (اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ).

(رواه احمد ذكره الحافظ ابن كثير في تفسيره و قال اسناده صحيح)

موجود تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا ہے اس لیے کہ انہوں نے آپؐ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور آپؐ کی تصدیق نہیں کی تم ایسے زمانہ میں اپنے ہونے کی تمنائیں تو کرتے ہو اور اس پر خدا کا شکر ادا نہیں کرتے کہ اس نے تمہیں ایسے زمانہ میں پیدا کیا ہے جب کہ ہوش سنبھالتے ہی تم نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا اور جو دین تمہارا نبی لے کر آیا اس کی تصدیق کی (یعنی اسلام پر ہی پیدا ہوئے) اس راہ کی مصیبتیں دوسروں نے اٹھائیں اور تم ان سے محفوظ رہے۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانہ فترت و کفر کے ان سخت سے سخت حالات میں بھیجا ہے جن میں آپؐ سے پیشتر اپنے نبیوں میں کسی نبی کو نہیں بھیجا وہ ایسا زمانہ تھا جب کہ لوگوں کے نزدیک بت پرستی سے بہتر کوئی دین نہ تھا اس وقت آپؐ ایک ایسی کتاب لے کر آئے جس نے حق و باطل کو بھی جدا کر دیا مگر بیٹا اور اس کے باپ کے درمیان بھی جدائی کا باعث بھی وہی کتاب بنی۔ یہاں تک کہ ایک شخص جس کے دل کا قفل اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کے لیے کھول دیا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتا تھا کہ (وہ خود تو مسلمان ہے اور) اس کا باپ بیٹا اور بھائی کافر ہیں۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ اسی حالت پر مر گئے تو دوزخ میں جائیں گے پھر اس یقین کے بعد کہ اس کے یہ پیارے پیارے عزیز دوزخ میں جائیں گے اس کی آنکھیں بھلا کیسے ٹھنڈی رہ سکتی تھیں۔ یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں ارشاد فرمائی ہے۔ (جو لوگ یہ دعا مانگتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہماری بیبیوں اور اولاد کی طرف سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی فرما دے)۔ (احمد)

(۲۶۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَسُوْقُ بَقَرَةً اِذْ اَعْيٰى فَرَكِبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا اِنَّمَا خُلِقْنَا بِحِرَاثَةِ

(۲۶۰) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص بیل لیے جا رہا تھا جب تھک گیا تو بیل پر سوار ہو گیا (قدرت نے اس بیل کو گویائی عطا کر دی) اور وہ بولا سواری کے لیے تو ہم پیدا نہیں کیے گئے ہم تو صرف زمین میں کھیتی کے کام کے لیے پیدا کیے

(۲۶۰) * حیوانات کا اپنی زبان میں کلام کرنا تو معروف و مشہور بات ہے لیکن ایسی زبان میں کلام کرنا جو انسانوں کے درمیان مستعمل ہو۔ سر دست ہمارے حواس کے ادراک سے باہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں خود بھی اس کی تصدیق فرمائی اور ابو بکرؓ و عمرؓ کی غیبت میں ان کی جانب سے بھی اس کی تصدیق فرما دی۔ گویا آپؐ کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ جس امر کی تصدیق آپؐ فرمالیں پھر وہ ⟵ ....

الْاَرْضِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَكَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّىْ اُؤْمِنُ بِهٖ اَنَا وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ مَا هُمَا ثَمَّ وَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ فِىْ غَنَمٍ لَهٗ اِذْعَدَا الذِّئْبُ عَلٰى شَاةٍ مِنْهَا فَاَخَذَهَا فَاَدْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ يَوْمَ لَارَاعِىَ لَهَا غَيْرِىْ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ اُؤْمِنُ بِهٖ اَنَا وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ مَا هُمَا ثَمَّ

(متفق علیہ)

گئے ہیں لوگوں نے یہ قصہ سن کر از راہ تعجب کہا سبحان اللہ بیل باتیں کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ابوبکرؓ وعمرؓ بھی حالانکہ وہ اس وقت وہاں موجود بھی نہ تھے اس کے بعد ایک اور شخص کا قصہ بیان کیا جو اپنی بکریوں میں تھا کہ ان میں سے ایک بکری پر بھیڑیئے نے حملہ کیا اور اس کو دبا لیا- مالک نے اس کا پیچھا کیا اور اپنی بکری کو اس سے چھڑا لیا- بھیڑیا بولا اچھا دیکھوں گا بھلا اس دن اسے کون چھڑانے آتا ہے جس دن صرف درندوں ہی کا راج ہوگا اور سوائے میرے کوئی اور اس کا چرانے والا نہ ہوگا (یہ عالم کی ویرانی کے زمانہ کا قصہ ہے) اس پر لوگوں نے پھر تعجب سے کہا سبحان اللہ بھیڑیا اور باتیں کرے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) بھی حالانکہ اس وقت وہ مجلس میں موجود نہ تھے-

(متفق علیہ)

....خواہ کتنا ہی بعید از عقل کیوں نہ ہو اس کی تصدیق میں یہ جاں نثار بھی کوئی چون و چرا نہیں کریں گے ایک بیل کا کلام کر لینا عقل کے نزدیک کوئی محال امر نہیں صرف عام عادت کے خلاف بات ضرور ہے- قیامت سے قبل عالم غیب سے پردہ اٹھنے کا زمانہ جتنا قریب آتا جائے گا اسی قسم کی بہت سی اور خلاف عادت باتیں ظاہر ہوتی چلی جائیں گی حتی کہ حدیثوں میں موجود ہے کہ آدمی کے کوڑے کا پھندنا اس سے باتیں کرے گا اس نطق کی حقیقت کیا ہوگی ابھی اس پر بحث کرنا قبل از وقت ہے- ہوسکتا ہے کہ قدرت ان میں وقتی اور جزئی شعور پیدا کردے اور ہوسکتا ہے کہ کسی شعور کے بغیر ان میں تکوینی طور پر نطق عطا فرمادے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود انسان اتنی ترقی کر جائے کہ بہائم کی جس گفتگو کو آج وہ بے معنی سمجھتا ہے کل ان کے معانی سمجھنے پر قادر ہو جائے- نباتات بہت دنوں تک غیر ذی روح سمجھے گئے لیکن اب ان کا شمار ذی روح میں ہوگیا ہے- ان کی غذا اور صحت و مرض کے مفصل حالات بھی دریافت ہو چکے ہیں تم اپنی بہت محدود معلومات کی بناء پر حیوانات کے کلام سے ابھی سے انکار کرنے میں جلدی نہ کرو شاید وہ زمانہ آجائے کہ اس کا بھی تم کو اقرار کر لینا پڑے-

سبحان اللہ شیخین کا ایمان اور عالم غیب پر ان کا یقین کتنا مستحکم و مضبوط تھا کہ جو بات ہم ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں خاتم الانبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کی طرف سے اس کے ماننے کی ضمانت کر لیتے ہیں- اندازہ کرو کہ جب ان معمولی غیوب پر ان کا ایمان یہ ہو تو اور عالم غیب پر ایمان کس درجہ قوی ہوگا-

ایمان کی حقیقت اور اس کی قیمت یہی ہے کہ نبی کی زبان سے جو کلمہ بھی نکلے ابھی وہ پورا نہ ہو کہ ایک امتی کا قلب اور اس کی زبان دونوں اس کی تصدیق کرنے کے لیے مضطر ہو جائیں-

(۲۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَ لَمَّا اُسْرِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی اَصْبَحَ یَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِذٰلِکَ فَارْتَدَّ نَاسٌ مِّمَّنْ کَانُوْا بِہٖ وَ صَدَّقُوْہُ وَ سَعَوْا بِذٰلِکَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالُوْا ھَلْ لَّکَ اِلٰی صَاحِبِکَ یَزْعُمُ اَنَّہٗ اُسْرِیَ بِہِ اللَّیْلَةَ اِلٰی بَیْتِ الْمُقَدَّسِ قَالَ لَوْ قَالَ ذٰلِکَ لَقَدْ صَدَقَ قَالُوْا اَوَ تُصَدِّقُہٗ اَنَّہٗ ذَھَبَ اللَّیْلَةَ اِلٰی بَیْتِ الْمُقَدَّسِ وَ جَاءَ قَبْلَ اَنْ یُّصْبِحَ قَالَ اِنِّیْ اُصَدِّقُہٗ فِیْمَا ھُوَ اَبْعَدُ مِنْ ذَالِکَ اُصَدِّقُہٗ فِیْ خَبَرِ السَّمَاءِ فِیْ غَدْوَةٍ اَوْ رَوْحَةٍ فَلِذَالِکَ سُمِّیَ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ.

(رواہ الحاکم)

(۲۶۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد اقصیٰ تک سفر کا واقعہ پیش آیا (یعنی قصہ معراج) تو اس پر صبح کو لوگوں کے درمیان بڑی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور بعض ایمان کے کمزور لوگ جو پہلے آپ کی تصدیق کر چکے تھے مرتد بھی ہو گئے اور یہ قصہ لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ آپ نے اپنے نبی کی بات بھی سنی ان کا گمان ہے کہ وہ آج کی شب بیت المقدس کی سیر کر آئے ہیں۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا اگر وہ یہ کہتے ہیں تو بلا شبہ ٹھیک کہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کیا ان کی اس بات کی بھی آپ تصدیق کر لیں گے کہ وہ ایک ہی شب میں بیت المقدس جا کر صبح سے پہلے پہلے واپس بھی آ گئے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا میں تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر بعید باتوں میں ان کی تصدیق کر چکا ہوں۔ میں آسمان کی خبروں کی بابت ان کی تصدیق کرتا ہوں کہ وہ صبح و شام ان کے پاس آتی ہیں (حالانکہ آسمانوں کی مسافت تو بیت المقدس کی مسافت سے کہیں زیادہ ہے) اسی بات پر ان کا لقب صدیق پڑ گیا تھا۔ (حاکم)

الیقین الایمان کلہ

یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے

(۲۶۲) عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْنَا عَامَ اَوَّلَ عَلَی الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَکٰی وَ قَالَ سَلُوا الْعَفْوَ وَ الْعَافِیَةَ فَاِنَّ اَحَدًا لَمْ یُعْطَ بَعْدَ الْیَقِیْنِ خَیْرًا

(۲۶۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال بعد ایک تقریر فرماتے ہوئے) کہا کہ اس سے پہلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے تھے یہ کہہ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ زار و قطار رو

(۲۶۱) * قرآن کریم میں منعم علیہم کے چار گروہ قرار دیئے گئے ہیں سب سے پہلے نبیین پھر صدیقین اس کے بعد شہداء و صالحین۔ صدیق کی فطرت کو نبی کی فطرت سے اتنی مناسبت ہوتی ہے کہ اس کو نبی کی خبروں کی تصدیق میں ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی تردد نہیں گزرتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتابِ نبوت کے چمک اٹھنے کے بعد تو سب ہی نے آپ کی تصدیق کی لیکن ابوبکرؓ وہ تھے جن کو اس کی صداقت میں بوقت طلوع بھی کوئی ادنیٰ تردد نہ تھا۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ صدیق اکبرؓ کی وجہ فضیلت ان کے کثرتِ مناقب نہیں بلکہ سبقیت ایمان اور دین کے لیے اقدمیت انفاق اموال اور اولیت بذلِ نفس ہے یہ قابل قدر تحقیق ہے۔ (مکتوبات جلد سوم مکتوب ۱۷)

(۲۶۲) * یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے خدا تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اس دولت یقین سے کم تر ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مقولہ مروی ہے "الیقین الایمان کلہ" یقین ہی ایمان کی روح ہے۔ بیہقی نے کتاب الزہد میں ....

مِنَ الْعَافِيَةِ . (رواه احمد و الترمذی قال المنذری من روایة عبدالله بن محمد بن عقیل و قال حسن غریب و رواه النسائی و احمد من طرق واحد اسانیده صحیح و قد رمز السیوطی لحسنه)

پڑے (پھر کہا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی معافی اور اپنے لیے عافیت طلب کیا کرو کیونکہ ایمان و یقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر کسی کو کوئی نعمت نصیب نہیں ہوئی۔

(احمد- نسائی- ترمذی)

(۲۶۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

(۲۶۳) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس امت کی سب سے پہلی اصلاح

لله..... ان الفاظ کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے- مسند امام احمدؒ میں حضرت ابن مسعودؓ کی یہ دعا منقول ہے اللھم زدنا ایمانا و یقینا و فقھا. اے اللہ ہمارے دل میں ایمان' یقین' اور ہم میں دین کی سمجھ بڑھا دے- جامع ترمذی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات میں مذکور ہے- و اقسم لنا من الیقین ماتھون به علینا مصائب الدنیا. اے اللہ ہمارے حصہ میں اتنا یقین لگا دے کہ اس کی وجہ سے ہمیں دنیا کی مصیبتیں جھیلنا آسان ہو جائے یہاں یقین جیسی نعمت کو بھی مقید کرنے کی حقیقت سفیان ثوریؒ کے اس مقولہ سے ظاہر ہوتی ہے- وہ فرماتے ہیں لو ان الیقین وقع فی القلب کما ینبغی لطارا شتیا قا الی الجنة و ھربا من النار. (فتح الباری ج ۱ ص ۴۱) اگر یقین پوری حقیقت کے ساتھ دل میں سما جائے تو جنت کے اشتیاق اور دوزخ کے خوف کے مارے دل اڑنے لگے اسی کی طرف حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے- مستدرک حاکم میں سورہ المدثر کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ زرارہ بن ابی اوفیٰ نے ایک بار یہ آیت پڑھی ﴿فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ﴾ (المدثر: ۸) (جب صور پھونکا جائے گا تو یہ دن کافروں کے اوپر بڑا سخت ہوگا الخ) اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور وفات پا گئے بڑا رتبہ پایا لیکن اگر جیتے اور خدا کی عبادت اور کرتے تو اور مراتب طے کرتے آپ نے دیکھا کہ یقین جب حد سے بڑھنے لگتا ہے تو اس کا نتیجہ اس شکل میں بھی نکل سکتا ہے-

(۲۶۳) * حضرت شاہ ولی اللہؒ مراتب احسان پر بحث کرتے ہوئے عقل و نفس اور قلب کی فناء کی تحقیق یہ لکھتے ہیں کہ جب انسان کے یہ جواہر لطیفہ اپنے اصل خواص سے مجرد ہو کر عالم غیب کی سیر میں مستغرق ہو جاتے ہیں تو یہی ان کی فناء سمجھی جاتی ہے- (پس فناء ہونے والے درحقیقت یہ جواہر خود نہیں ہوتے بلکہ ان کے خصائل و خصائص ہوتے ہیں- یہی معنی ان کے فناء کے سمجھنے چاہئیں اور بس- عقل کا اصل خاصہ تصدیق' شک' توہم' اسباب کی تلاش اور جلب منافع' دفع مضار پر غور و خوض کرنا ہے- جب انسانی قلب و جوارح آداب الٰہیہ کی زیر تربیت مہذب ہوتے جاتے ہیں تو ان میں آثار عبودیت اس طرح پھوٹنے لگتے ہیں جس طرح لو کے مارے درخت میں پتیاں اب اس کا رخ عالم مادیت کی بجائے عالم قدس کی طرف بدل جاتا ہے' اسباب بے حقیقت بن جاتے ہیں' منفعت و مضرت کا سوال نظروں سے ساقط ہونے لگتا ہے اور حقائق شرعیہ اور عالم غیب کا یقین اپنی آنکھوں کے مشاہدات سے بڑھ کر نصیب ہونا شروع ہو جاتا ہے- ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ سے دریافت کیا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تم بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا مجھے عرش رحمٰن کا ایسا یقین حاصل ہے جیسا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں- (خلاصہ حجۃ اللہ)

امام شعرانیؒ لکھتے ہیں: المومن الکامل صار الغیب عنده کا لشھادة فی عدم الریب. (الیواقیت ج ۲ ص ۲۵۷) مومن کامل وہ ہے جس کے نزدیک عالم غیب یقین میں عام شہادت کی برابر ہو جائے- یہ دولت یقین جس کے ہاتھ آ گئی اس کی عقل کامل ہو گئی اور لله.....

اَوَّلُ صَلاحِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْيَقِيْنُ وَ الزُّهْدُ وَ اَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَ الْاَمَلُ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

دولت یقین کی وجہ سے ہوئی ہے اور اس کی سب سے پہلی بربادی بخل اور دراز امیدوں کی بدولت ہوگی۔ (شعب الایمان)

لف ....جس کی عقل کامل ہوگئی اس کے لیے نفس وقلب کے تکمیل کی منزل بھی دور نہیں رہی اس کے تمام مراتب احسان طے ہونے کا وقت بھی قریب آ پہنچا وہ قریب ہے کہ اب انسان کامل کے لقب سے نواز دیا جائے۔علامہ اقبالؒ نے اسی صفت یقین کو ذیل کے شعر میں کیا خوب ادا کیا ہے ۔

غلامی میں کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں ☆ جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دلائل کی بنیاد پر یقین کی تعمیر کرنا ایمان کی صفت نہیں۔ایمان کی صفت یہ ہے کہ یقین کی بنیاد پر دلائل کی تعمیر کی جائے جب کسی حقیقت تک یقین کے ساتھ رسائی ہو جاتی ہے تو پھر دلائل کا راستہ خود بخود مختصر ہو جاتا ہے کیونکہ یہی دلائل کا مقصد تھا اور جب یہ مقصد بلا تعب حاصل ہو گیا تو اب دلائل کا مشغلہ مفت ایک سرگردانی ہے لیکن اگر یقین تک رسائی حاصل نہیں ہے تو اب دلائل کے واسطہ سے یقین حاصل کرنا ایک امید موہوم ہے۔یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں نظریات کا کوئی اختلاف نظر نہیں آتا انہیں حقیقت کا پورا علم ہوتا ہے اور کسی شے کی حقیقت ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے اور اہل نظر کے نظریات میں کہیں اتفاق نظر نہیں آتا۔متنبی کہتا ہے:

تخالف الناس حتّٰى لا اتفاق لهم ☆ الا على شجب و الخلف في الشجب

حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ ☆ چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

شیخ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ نورِ ایمان کی دو قسمیں ہیں:

(القسم الاول) من امن من نظر باستدلال و برهان فهذا لا يوثق بثبات ايمانه لدورانه مع الدليل و مثل هذا لا يخالط بشاشة نور ايمانه القلوب لا نه لا ينظر الا من خلف حجاب دليله و ما من دليل من ادلة اصحاب النظر الا وهو معرض محصول الدخل فيه و القدح و لو بعد حين فلهذا كان لا يمكن صاحب البرهان ان يخالط الايمان بشاشة قلبه للحجاب الذى بينو بينه.

(القسم الثانى) من كان برهانه حين حصول الايمان فى قلبه لامر آخر ضرورى و هذا هو الايمان الذى يخالط بشاشة القلوب و لا يتصور فى حق صاحبه شك لان الشك لا يجد محلًا يعمره فان محله الدليل و ما ثم دليل فماثم مايرد عليه الدخل و لا الشك.

(پہلی قسم) اس شخص کا ایمان ہے جو دلیل و برہان کی بنیاد پر حاصل ہو۔یہ ایمان قابل بھروسہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ دلیل کے ساتھ ساتھ گھومتا رہتا ہے (جس طرف کی دلیل واضح ہو جائے) اس قسم کے نور کی تر و تازگی دلوں میں اتر نہیں کرتی' کیونکہ اس کی بصیرت ہمیشہ دلیل ہی کے پس پردہ ہوتی ہے اور دلیل کوئی بھی ہو ایسی نہیں ہو سکتی جس میں شبہ پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو خواہ اب نہ سہی کچھ مدت کے بعد سہی یہی وجہ ہے کہ دلائل پرست کا ایمان کبھی خطرات سے بے خطر نہیں ہو سکتا۔

(دوسری قسم) کا ایمان اس شخص کا ہے جو صرف بداہت پر مبنی ہو یہی وہ ایمان ہے جس کی تر و تازگی دلوں میں سما جاتی ہے اس شخص کے حق میں شک وشبہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ شک دلیل میں ہوا کرتا ہے جہاں دلیل ہی نہیں وہاں شک کا وجود بھی نہیں۔

(اليواقيت والجواهر ج ۲ ص ۲۵۵)

عين اليقين امر فوق علم اليقين

عین الیقین کا مرتبہ علم الیقین کے مرتبہ سے اونچا ہے

(۲۶۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِیْمَ اِذْ قَالَ رَبِّ

(۲۶۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے مستحق ہیں (اگر یہ سوال وہ ازراہِ شک کرتے) اے میرے پروردگار مجھے دکھلا دے

---

(۲۶۴) ٭ محبت وخلوص کی داستانوں کو پڑھنے اور سننے کے لیے رموز محبت سے کچھ آشنائی بھی درکار ہے۔ لذت محبت سے یکسر بیگانہ انہیں کیا جانے اور کیا سمجھے۔ یہاں کوئی بدذوق جب ''رَبِّ اَرِنِیْ'' کے ایک انداز ناز کا سوال سنتا ہے تو اس کو اسرار خلت کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے عام انسانوں کے سوالات کی سطح پر سمجھ لیتا ہے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف شک وتردد کی نسبت کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے اگر وہ اس پر خلت کی روشنی میں غور کرتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ یہاں شک وتردد کا کوئی موقعہ ومحل ہی نہ تھا بلکہ اذعان وایقان کے اس جبل عظیم پر جب محبت وخلت کی کیف آور ہوائیں چلنی شروع ہوئیں تو اس فضا میں ناز ونیاز کا ایک سماں خود بخود پیدا ہو گیا اور اسی فضاء ناز میں حضرت خلیل علیہ السلام کی زبان اسرار احیاء کا مشاہدہ کرنے کے لیے بے ساختہ متحرک ہو گئی قصہ بہت طویل ہو گیا مگر شاید در پردہ کسی خلیل کو اپنی خلت کی گہرائی معلوم کرنے کے سوا اور کچھ منظور نہ تھا ادھر قباء خلت پہنانے والے نے یہ قدر شناسی فرمائی کہ صرف ان کے اطمینان خاطر کے لیے اپنی صفت احیاء کا راز پنہاں ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ ان ہی نزاکتوں اور کج فہمیوں کے پیش نظر قرآن کریم نے از خود ''اَوَلَمْ تُؤْمِنْ'' کا سوال اٹھا دیا تھا اور خود حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی زبانی یہ بات صاف کر دی تھی کہ ان کے سوال کا منشا ضعف یقین نہ تھا بلکہ ربط خلت تھا جس کے بعد ایسے ایسے نازک سوالات کرنے کی گنجائش بھی نکل آتی ہے۔

خدا کے اس مقدس رسول کے دامن یقین کو شک وتردد سے پاک وصاف کرنے کا ایک طریقہ تو یہ تھا۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جو حدیث بالا میں اختیار کیا گیا ہے یعنی یہ کہ یہ فیصلہ خود ان صحابہ کی فہم پر چھوڑ دیا جائے جو آپ کی فیض صحبت سے یقین وایمان کی موجیں اٹھتی ہوئی اپنے سینوں میں مشاہدہ کر رہے تھے وہ سوچیں کہ جب ان کے قلب میں یقین واذعان کا عالم یہ ہے تو اس شمع فروزاں کے قلب میں ایمان وایقان کا عالم کیا ہونا چاہیے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خلت کے رتبہ بلند سے نواز دیا تھا۔ اور اپنے نفس کی کیفیات یقین کے اس عینی مشاہدہ کے بعد انہیں یہ سمجھنا بالکل بدیہی ہو جائے کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوال کو شک وتردد سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں طریقے اپنے اپنے انداز میں ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے کے لیے بہت کافی ہیں۔ مگر آپ کی نسبت ابنیت اور شانِ تواضع کے مناسب وہی طریقہ تھا جو ازراہِ ادب آپ نے یہاں اختیار فرمایا یعنی یہ کہ ہم ان کی ذریت اور ان کے متبع ہیں۔ اگر بالفرض ان سے یہ سوال کسی شک کی بنا پر سرزد ہوتا تو ہم اس شک کے ان سے زیادہ حق دار ہوتے لیکن جب ہمیں کوئی شک وتردد نہیں تو بھلا اس موحد اعظم کو کیا شک وتردد ہو سکتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ سوال مذکور کو ایمانیات سے کوئی تعلق ہی نہیں خدا تعالیٰ کی صفت احیاء پر ایمان لانا بے شک ضروری ہے مگر اس کی کیفیات پر ایمان لانا ہرگز ضروری نہیں۔ قیامت آئے گی اس پر ایمان لانا بے شک واجب ہے لیکن وہ کیسے آئے گی اس پر لانا کوئی ضروری امر نہیں۔ اس لحاظ سے جو سوال یہاں مذکور ہے وہ جواب وسوال کی دردسری کا محتاج ہی نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ بعض ﷺ ....

اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ. الحدیث (رواہ مسلم)

کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ ارشاد ہوا اچھا تو کیا تمہیں اس پر یقین نہیں عرض کیا کیوں نہیں (یقین نہ ہوتا تو تجھ سے یہ سوال ہی کیوں کرتا) لیکن مقصد یہ ہے کہ (کیفیات احیاء کا مشاہدہ کر کے) میرا دل اور مطمئن ہو جائے۔

ف ....علماء نے اس اہم واقعہ کو صرف چند طیور کو مانوس کرنے اور متفرق کر دینے پھر ان کو جمع کر لینے کی ایک سادہ تمثیل قرار دے دیا ہے حالانکہ یہ کوئی ایسا عجیب کرشمہ نہیں ہو سکتا جسے دیکھنے کے لیے حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام درخواست کرتے یہ تو دنیا کے ان روزمرہ واقعات میں شامل ہے جنہیں دیکھنے کی نہ تو قلوب میں کوئی حرکت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ان سے صرف ایک طفل تسلی کے سوا کیفیات احیاء کا کوئی اطمینان بخش مشاہدہ نصیب ہو سکتا ہے اس لیے جمہور مفسرین کی یہی تفسیر صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ چند مختلف پرندے لے کر پہلے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں پھر ان کو باہم آمیز کر کے مختلف مقامات پر ڈال دیں اس کے بعد ایک مقام پر علیحدہ کھڑے ہو کر آواز دیں تو وہ ان کی آنکھوں کے سامنے اپنی اپنی شکل پر علیحدہ علیحدہ مرتب اور زندہ ہو کر چلے آئیں۔ تحلیل و ترکیب کا یہی وہ نقشہ ہو سکتا ہے جس کے دیکھنے کی درخواست کی جا سکتی ہے اور یہی وہ حیرت انگیز نظارہ ہو سکتا ہے جس کے بعد علم الیقین سے عین الیقین تک رسائی با آسانی ممکن ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اذعان و یقین کی ساری منزلیں طے کرنے کے بعد بھی غیب کے ہر گوشہ میں اطمینان و سکون میسر آ جانا ضروری امر نہیں ہو سکتا ہے کہ پورا پورا یقین حاصل ہونے کے بعد بھی غائبات کے کچھ گوشے ایسے تشنہ رہ جائیں جن کے بجھانے کی تلاش نفس انسانی میں باقی رہ جائے۔ چونکہ یہ گوشے ایمانیات کا جزء شمار نہیں ہوتے اس لیے ان کے مشاہدہ کی تمنا تردد نہیں بلکہ مزید تحقیق کی طلب پر مبنی ہوتی ہے۔

یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیے کہ شوق کے سوال اور شک کے سوال میں زمین و آسمان کا فرق ہے ذوق و شوق عین تقاضائے یقین ہے اگر خدا تعالیٰ کے احیاء پر یقین نہ ہو تو کیفیت احیاء کے مشاہدہ کا شوق ہی کیسے پیدا ہو۔ اس کو ایک مثال سے یوں حل کر لیجئے کہ اس پر تو ہر شخص کو یقین حاصل ہے کہ ریڈیو کی جو آواز ہم سنتے ہیں یہ آواز ٹھیک وہی ہوتی ہے جو اس کے اصل مرکز پر نکل رہی ہے لیکن اس مکمل یقین کے باوجود اگر ہم یہ سوال کریں کہ یہ آواز اتنی سرعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ کیونکر منتقل ہو جاتی ہے تو یہ ہرگز اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ہمیں ریڈیو کے اصل وجود ہی میں کوئی شبہ لاحق ہے بلکہ ہمارا یہ سوال ہی اس کی دلیل ہوگا کہ ہمیں اس کے وجود کا یقین حاصل ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ہر گوشہ ہمارے سامنے ایسا ہی یقینی ہو جائے جیسا خود ریڈیو کا وجود۔ یہ سوال تو صرف ایک احیاء موتی کے متعلق تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال تو اس سے کہیں بڑھ کر خود بارگاہِ جمال کے بےحجابانہ دیدار کے لیے تھا "رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ" کون کہہ سکتا ہے کہ محبت و عشق کے اس مضطربانہ سوال میں شک و تردد کی بو بھی آ سکتی ہے بلکہ سرتا سر یقین ہی اس شوق کا محرک بن رہا تھا۔ ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں تک ایمانیات کی حدود ہیں ان پر تو صرف خدا اور اس کے رسول کے بیان پر یقین لے آنا چاہیے ہاں جو گوشے ایمانیات سے متعلق نہیں ان میں اطمینان کے لیے مشاہدہ کے سوال کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر آپ کو ایمانیات کا یقین بھی مشاہدہ کیے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو رسول کے بیان پر کوئی اعتماد ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس رنگ کے یقین کو ایمان کی صفت نہیں کہا جا سکتا۔

(۲۶۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَبَرَ مُوْسٰى بِمَا صَنَعَ قَوْمُهٗ فِى الْعِجْلِ فَلَمْ يُلْقِ الْاَلْوَاحَ فَلَمَّا عَايَنَ مَا صَنَعُوْا اَلْقَى الْاَلْوَاحَ. (رواه احمد كما فى المشكوٰة فى باب بدء الخلق و اخرجه الحاكم فى التفسير و رمزله الذهبى) (خ م)

(۲۶۵) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بات کا سننا اور آنکھوں سے مشاہدہ کرنا برابر نہیں ہوتا (مشہور ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ) اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو ان کے قوم کی گوسالہ پرستی کی اطلاع دی تو انہوں نے تورات کی تختیاں (اپنے ہاتھوں سے) نہیں ڈالیں لیکن جب ان کی کرتوت بچشم خود دیکھ لی تو (صبر نہ کر سکے) اور (غصہ کے مارے) تختیاں (زمین پر) پٹخ دیں۔

(۲۶۶) عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍؓ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّارَ فَاَعْرَضَ وَ اَشَاحَ ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ اَعْرَضَ وَ اَشَاحَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ كَاَنَّمَا يَنْظُرُ اِلَيْهَا و فى رواية فَتَعَوَّذَ مِنْهَا وَ اَشَاحَ بِوَجْهِهٖ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ وَ لَوْبِشِقِّ تَمْرَةٍ و فى رواية مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَتِرَ مِنَ النَّارِ وَ لَوْ بِشِقِّ بِتَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ. (رواه مسلم)

(۲۶۶) عدی بن حاتمؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کا ذکر کیا اور یہ کہہ کر فوراً ادھر سے اپنا رخ انور پھیر لیا اس کے بعد فرمایا دوزخ سے بچو۔ پھر اپنا چہرۂ مبارک اس طرح پھیرا جس سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ گویا آپ اس وقت اپنی آنکھوں سے دوزخ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ (دوزخ کا ذکر کر کے) آپ نے اس سے پناہ مانگی اور اپنا چہرۂ مبارک ادھر سے پھیر لیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی کیا اس کے بعد فرمایا دوزخ سے بچو اگر چہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہو۔ دوسری روایت میں یہ مضمون یوں ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر دوزخ سے بچ سکے وہ ضرور بچ جائے۔ (مسلم)

---

(۲۶۵) * یہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے گوسالہ پرستی کا پورا پورا یقین تو وحی الٰہی کے ذریعہ پہلے ہی حاصل ہو چکا تھا لیکن وہ خاص تاثرات و کیفیات جو کسی واقعہ کے مشاہدہ سے متعلق ہوتی ہیں ابھی مشاہدہ سے قبل حاصل نہ تھیں۔ جب وہی خبر مشاہدہ میں آ گئی تو اب یہ کیفیات و تاثرات بھی یکلخت ابھر آئیں موسیٰ علیہ السلام غصہ میں بھر گئے اور غصہ کی حالت میں جو کچھ وہ کر سکتے تھے کر گذرے۔

اسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاملہ کو قیاس کرنا چاہیے۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت احیاء پر پورے یقین و اذعان کے باوجود اس کی خصوصی کیفیات کے مشاہدہ کی استدعا کرنی بالکل برمحل تھی۔ یہاں شک و تردد کا دخل سمجھنا روزمرہ کے معمولی حالات سے بھی ناواقفی ہے۔ مشاہدہ اور خبر کا فرق فطری ہے اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ (دیکھو تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۱۱۷)

(۲۶۶) * یہاں تو دوزخ کے ایک خاص نظارہ کا تذکرہ تھا لیکن انبیاء علیہم السلام کے عام حالات اور ان کے عام انداز بیان میں بھی جزم و یقین کی کیفیت اس درجہ نمایاں ہوتی ہے کہ ان کے مخاطبین بھی حسب استعداد اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ وہ عالم غیب کی کسی حقیقت کا جب ذکر کرتے ہیں تو اسی جزم کے ساتھ کرتے ہیں جیسا اپنے مشاہدات کا بلکہ بعض اوقات کسی داعیہ کے ماتحت اس کیفیت میں اس درجہ منصبغ نظر آتے ہیں گویا وہ عالم شہود کی مخلوق ہو کر خود عالم غیب کا جزء بن گئے ہیں اس لیے اس جہان کا تذکرہ اس انداز سے .....

(۲۶۷) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحِ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقِیَ عَوْفَ بْنِ مَالِکٍ فَقَالَ کَیْفَ اَصْبَحْتُ یَا عَوْفُ بْنَ مَالِکٍ قَالَ اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِکُلِّ قَوْلٍ حَقِیْقَۃً فَمَا حَقِیْقَۃُ ذٰلِکَ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَطْلَقْتُ نَفْسِیْ مِنَ الدُّنْیَا وَ اَسْھَرْتُ لَیْلِیْ وَ اَظْمَاْتُ ھَوَ اجِرِیْ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی عَرْشِ رَبِّیْ وَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ یَتَزَاوَرُوْنَ فِیْھَا وَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَھْلِ النَّارِ یَتَضَاغُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَرَفْتَ اَوْ لُقِّنْتَ فَالْزَمْ۔ (رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ کما فی کتاب الایمان من الرحمۃ المھداۃ و راجع معہ ترجمان السنہ ص ۵۵٦ ایضًا)

(۲۶۷) محمد بن صالح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عوف بن مالک! کہو کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا بفضلہٖ تعالیٰ سچا اور پکا مؤمن ہوں- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قول کی کچھ حقیقت ہوا کرتی ہے تم اپنے اس قول کی حقیقت بتاؤ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے نفس کو دنیا سے آزاد بنالیا ہے- شب کو بیدار رہتا ہوں اور دوپہر کی گرمیوں میں پیاسا بسر کرتا ہوں (یعنی روزہ دار رہتا ہوں) مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کا عرش اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں (جنت و دوزخ کا اس درجہ یقین ہے) گویا جنتی میری آنکھوں کے سامنے ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں اور دوزخی (عذاب میں) چیختے ہوئے نظر آرہے ہیں- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ٹھیک بات پہچان گئے یا یہ فرمایا کہ تم کو صحیح بات بتادی گئی تو اسی کیفیت کو قائم رکھنا-

(ابوبکر بن ابی شیبہ)

لـلـہ..... سے کرتے ہیں گویا وہ اس وقت اس میں خود موجود ہیں پھر ان کی اس محفل میں جو داخل ہو جاتا ہے وہ بھی علیٰ قدر النصیب اس نعمت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے ھم القوم لا یشقی جلیسھم امتیوں کے حق میں اس قسم کی کیفیات شاید احسان کی تعریف کے ذیل میں آجاتی ہوں اسی لیے ہم نے حدیث جبرئیل کی ذیل میں عرض کیا تھا کہ جس کو ایمان کا مرتبہ احسان نصیب ہو جاتا ہے اس کو حقائق غیبیہ کا یقین مثل مشاہدات کے حاصل ہو جاتا ہے-

(۲۶۷) * اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کی اصل حقیقت صرف جزم و یقین ہے- یہی یقین جب تک الفاظ کے قالب میں رہتا ہے ایمان کا وجودِ لفظی کہلاتا ہے اور جب ترقی کر کے قلب میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کا وجودِ ذہنی کہلاتا ہے اور جب رسوخ کے بعد اس میں کیفیت شہود پیدا کر لیتا ہے تو اس کا وجودِ خارجی کہلاتا ہے- مرتبہ احسان اسی کا نام ہے- ناواقفی اور کم ہمتی کی وجہ سے اس مرتبہ کو صرف صوفیاء کرام کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے- گویا علماء اور عام مؤمنین کو اس کی طلب کرنا اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہے- نعوذ باللّٰہ من ذلک - جس کو تم نے صوفیاء کے حصہ میں لگا دیا ہے وہ عین ایمان ہے اور ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس رنگ کے حاصل کرنے میں پوری جدوجہد کرے اگر وہ اس راہ میں قدم نہیں اٹھاتا تو وہ گویا اپنے ناقص ایمان پر راضی ہے-

اذا نشأقلق فی نفس المؤمن من شدة شعوره بالقدرة الازلیة و غناء الرب تبارک و تعالیٰ فانما هو اثر الیقین

ربّ العزۃ کی بے نیازی اور قدرت علی الاطلاق کی بناء پر جو اضطراب وقتی طور پر پیدا ہو جاتا ہے وہ یقین کے منافی نہیں

(۲۶۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَ خَيْرَ مَا فِيْهَا وَ خَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّمَا فِيْهَا وَ شَرِّمَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَ اِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ وَ خَرَجَ وَ دَخَلَ وَ اَقْبَلَ وَ اَدْبَرَ فَاِذَا مَطَرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذَالِكَ عَائِشَةُ فَسَاَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهٗ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا و فی روایة وَ يَقُوْلُ اِذَا اُمْطِرَ رَحْمَةٌ. (متفق علیہ)

(۲۶۸) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب ہوا تیز چلتی تو آپ یہ دعا پڑھا کرتے تھے- اے اللہ میں تجھ سے اس ہوا کی بہتری اور جو بہتری اس میں ہو اور جس بہتری و برکت کے لیے وہ چلائی گئی ہو ان سب کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر سے اور جو شر اس میں ہو اور جس کے لیے وہ چلائی گئی ہو ان سب سے تیری پناہ لیتا ہوں- اور جب آسمان پر بادل نظر آتے تو آپ کا رنگ فق پڑ جاتا کبھی باہر تشریف لاتے کبھی اندر جاتے کبھی اس طرف جاتے کبھی اس طرف جاتے' جب بارش ہونے لگتی تب کہیں جا کر آپ سے یہ اضطراب کی کیفیت دور ہوتی حضرت عائشہؓ آپؐ کے اس اضطراب کو پہچان گئیں اور آپؐ سے اس کا سبب پوچھا- آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ ڈرتا ہوں کہیں یہ بادل ویسے نہ ہوں جیسے قوم عاد نے اپنی وادی کی طرف آتے دیکھے تھے اور کہا تھا کہ یہ بادل ہمارے لیے بارش لائے ہیں (پھر اس میں عذاب آیا تھا) دوسری روایت میں ہے کہ جب بارش برسنے لگتی تو فرماتے یہ خدا کی رحمت ہے- (متفق علیہ)

(۲۶۹) عَنْ اَبِىْ مُوْسٰىؓ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزِعًا يَخْشٰى اَنْ تَكُوْنَ السَّاعَةُ فَاَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى بِاَطْوَلِ قِيَامٍ

(۲۶۹) ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سورج گرہن پڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے ڈر رہے تھے کہیں قیامت نہ آ گئی ہو' مسجد میں تشریف لائے اور اتنے لمبے لمبے قیام' رکوع اور سجود کے ساتھ نماز ادا کی

---

(۲۶۹) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ قدسی جس طرح قیامت کی آمد سے مانع تھا اسی طرح کسی شبہ کے بغیر عذاب استیصال سے بھی مانع تھا- لیکن جب کبھی قدرت کی بے پناہ طاقت سے عالم کے کسی جزء میں آپ کو شکست و ریخت کے آثار نظر آنے لگتے تو عالم غیب کے اس مشاہدہ کرنے والے کی نظروں کے سامنے قدرت علی الاطلاق کی ہر آئین سے بالاتر ہونے کا یقین ایسا جلوہ گر ہو جاتا کہ جس کے بعد بشریت کی ضعیف فطرت کو ان دو متصادم یقینوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا ایک مشکل ترین مسئلہ بن جاتا حتیٰ کہ جب بارش برس جاتی اور سورج صاف ہو جاتا تو یہ امر منکشف ہو جاتا کہ قدرت نے آپؐ کے وجود کے امن ہونے میں کسی قید و شرط کو ملحوظ نہیں رکھا تھا اور اس لیے امت کی تباہی کے خطرہ سے جو بے چینی آپؐ محسوس کرتے وہ بھی ساتھ ہی رفع ہو جاتی تھی یہ اضطراب کسی تردد کا ثمرہ نہیں تھا بلکہ ایک یقین کے دوسرے یقین کے ساتھ تصادم سے پیدا ہوتا تھا اور جب بصورت توفیق ظاہر ہو جاتی تھی تو یہ تردد بھی زائل ہو جاتا تھا-

وَ رُکُوْعٍ وَ سُجُوْدٍ مَارَاَیْتُهٗ قَطُّ یَفْعَلُهٗ وَ قَالَ هٰذِهِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰهُ لَا تَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَ لَا لِحَیٰوتِهٖ وَ لٰکِنْ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهَا عِبَادَهٗ فَاِذَا رَاَیْتُمْ شَیْئًا مِنْ ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِهٖ وَ دُعَائِهٖ وَ اسْتِغْفَارِهٖ. (متفق علیه)

میں نے تو اتنے لمبے قیام ورکوع کرتے کبھی آپ کو نہ دیکھا تھا' نماز سے فراغت کے بعد آپ نے فرمایا یہ انقلابات اللہ تعالیٰ کسی کی موت یا حیوۃ کی وجہ سے پیدا نہیں کرتا بلکہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جب اس قسم کے کسی انقلاب کو دیکھا کرو تو اس کی یاد' اس کے سامنے عجز و نیاز اور اس سے استغفار کرنے کے لیے دوڑ پڑا کرو۔

(٢٧٠) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ بَدْرٍ نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمُشْرِکِیْنَ وَ هُمْ اَلْفٌ وَ اَصْحَابُهٗ ثَلٰثُمِائَةٍ وَ تِسْعَ عَشَرَ رَجُلًا فَاسْتَقْبَلَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْقِبْلَةَ ثُمَّ مَدَّ یَدَیْهِ فَجَعَلَ یَهْتِفُ بِرَبِّهٖ مَاذًا یَدَیْهِ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِکْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدُ فِی

(٢٧٠) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو مشرکین کی تعداد ایک ہزار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صرف تین سو انیس تھی یہ دیکھ کر اسی وقت آپ روبقبلہ ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور چیخ چیخ کر ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنے پروردگار سے یہ دعا مانگنی شروع کی اے اللہ تو نے جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا اب وہ پورا کر۔ اے اللہ اگر اسلام کی اس مختصر جماعت کو تو ہلاک کر دے گا تو اس زمین پر تیری عبادت اور کون کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر ہاتھ پھیلائے ہوئے اسی طرح چیخ چیخ کر دعا

(٢٧٠) * حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو امت کے غم میں آپؐ کی اس مشقت و بے چینی کو دیکھ دیکھ کر گھلے جا رہے تھے' انہیں اس بار کا بھلا کیا اندازہ ہو سکتا تھا جو ایک کمزور جماعت کی فتح و نصرت کے ذمہ دارانہ وعدہ سے آپؐ محسوس فرما رہے تھے ان کے سامنے صرف آپؐ کے اضطراب و سکون کا ایک مسئلہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اپنی مشقت کے بعد اس مختصر جماعت کی فناء و بقاء کا مسئلہ تھا۔ اس لیے یہ امت کا غم کھانے والے کی موجودگی میں بے غم نظر آ رہے تھے اور امت کا غم کھانے والا نقشہ جنگ دیکھ کر مضطرب نظر آ رہا تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ کی قدرت اور بے نیازی کا اس درجہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہر علم میں کسی نہ کسی کوتاہی کی تاویل کا تصور کر سکتے ہیں مگر قدرت علی الاطلاق کے متعلق کسی قید و عجز کا تصور نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان کا تردد اسباب کی موافقت یا ناموافقت پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ جو اضطراب و بے چینی ان کو لاحق ہوتی ہے وہ صرف حق تعالیٰ کی بے نیازی اور اس کے غیر متناہی شئون کے نظارہ سے لاحق ہوتی ہے۔ دیکھو جنگ حنین شروع ہو گئی تو اسباب کی ناموافقت سے آپؐ ذرا متاثر نہ ہوئے بلکہ نقشہ جنگ جتنا بدلتا گیا۔ رسول خداؐ کا عزم و ثبات اور آپؐ کو اپنی فتح و نصرت کا یقین اتنا ہی اور بڑھتا گیا حتیٰ کہ جب اسلامی فوج میں ایسا انتشار پڑ گیا کہ آپؐ کے ساتھ قدم جما کر لڑنے والوں کی تعداد بہت ہی مختصر رہ گئی تو خدا کا رسولؐ اب سواری کے بجائے زمین پر اتر پڑا اور بڑے جزم و یقین کے ساتھ یہ اعلان کرنے لگا۔

انا النبیّ لا کذب ۔ انا ابن عبد المطّلب ۔

''میں سچا نبی ہوں جھوٹا نہیں۔ میں وہی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

پھر جنگ بدر کے شروع ہونے سے قبل آپؐ کا اضطراب اس بنیاد پر نہ تھا کہ آپؐ کے صحابہ کی تعداد قلیل تھی بلکہ اس بناء پر تھا کہ اگر ...

اَلْاَرْضِ فَمَا زَالَ یَهْتِفُ بِرَبِّہٖ مَادًّا یَدَیْهِ حَتّٰی سَقَطَ رِدَاءُهٗ عَنْ مَنْكِبَیْهِ فَاَتَاهُ اَبُوْبَكْرٍ فَاَخَذَ رِدَاءَهٗ فَاَلْقَاهُ عَلٰی مَنْكِبَیْهِ ثُمَّ الْتَزَمَهٗ مِنْ وَّرَائِهٖ وَ قَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ كَفَاكَ مُنَاشَدَتُكَ رَبَّكَ فَاِنَّهٗ سَیُنْجِزُ لَكَ مَا وَعَدَكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِیْنَ مَاَمَدَّهُ اللّٰهُ بِالْمَلَائِكَةِ...﴾ (رواہ مسلم)

مانگتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر نیچے گر پڑی- ادھر سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک اٹھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں پر ڈال دی اور پیچھے کی جانب سے آ کر آپؐ کو چمٹ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس اب آپؐ اپنے رب سے بہت الحاح کے ساتھ دعا مانگ چکے یقین ہے کہ جو وعدہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا وہ ضرور پورا کرے گا چنانچہ یہ آیت نازل ہو گئی- ﴿اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِیْنَ مَاعَدَهُ اللّٰهُ بِالْمَلَائِكَةِ......﴾

المؤمن لا تصدر عنه المعصية و قلبه ممتلئ بالایمان و الیقین

مؤمن کا قلب جب تک نورِ ایمان و یقین سے منور ہوتا ہے اس سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا

(۲۷۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ

(۲۷۱) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- زنا کرنے والا شخص بحالتِ زنا مؤمن نہیں ہوتا

.... قدرت نے ان کی فتح و نصرت میں کہیں کوئی قید و شرط ملحوظ رکھ لی ہو اور اس لیے آج اسلامی فوج کو شکست ہو جائے تو نبی کو غم یہ ہے کہ اس کا مشن تو ختم ہو ہی جائے گا لیکن اس سے بڑھ کر یہ کہ پھر عالم کی غایت و غرض پورا ہونے کی اور صورت کیا ہوگی- علماء نے لکھا ہے کہ آپؐ کے ان دعائیہ فقروں میں ختم نبوت کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کیونکہ پہلی امتیں اگر ہلاک ہو گئیں تو بعد میں دوسرے انبیاء علیہم السلام نے آ کر خدائے تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کی جماعت اور بنالی لیکن چونکہ اب وہ نبی آ چکے تھے جن کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں اس لیے اگر اب کی بار پہلی امتوں کی طرح یہ امت بھی ختم کر دی گئی تو پھر دوسری عبادت کرنے والی جماعت کا وجود کہاں سے ہوگا اور چونکہ عالم کی غایت و غرض عبادت ہے اور اس کا پورا ہونا بلاشبہ ضروری ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عجز و زاری کے موقعہ پر الحاح کرنے کے جتنے پہلو ممکن تھے وہ سب کے سب سامنے رکھے یعنی یہ کہ اول تو فتح و نصرت کا تیرا وعدہ ہی ہے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ عالم کے غایت و غرض کی تکمیل بھی اس مختصر جماعت کی بقاء پر موقوف ہے- یہ ہر دو سبب تیری فتح و نصرت کے نزول کے لیے ایک سے ایک بڑھ کر ہیں- جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا سے فارغ ہو گئے اور اجابت دعا کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے تو پھر آپؐ ہی تھے جن پر مسرت و خوشی کے آثار بھی سب سے زیادہ نمایاں تھے- راوی بیان کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ مسرور تھے کہ آپؐ کی مسرت کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار میں بھی نمایاں ہو رہے تھے-

(۲۷۱) ✽ معصیت کی حالت میں ایمان کا نور باقی نہیں رہ سکتا- اگر یہ نور باقی رہتا تو وہ یہ معصیت ہی کیوں کرتا- یہ نورِ ایمان کا وجودِ عینی کہلاتا ہے اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے یہاں غریب معتزلہ یہ سمجھے کہ اس حالت میں ایمان یعنی تصدیق ہی باقی نہیں رہتی اس لیے ....

وَ لَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِيْ عَبْدُالْمَلِكِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَابَكْرٍ كَانَ يُحَدِّثُهُمْ هٰؤُلَاءِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ثُمَّ يَقُوْلُ وَ كَانَ اَبُوْهُرَيْرَةَ يَلْحَقُ مَعَهُنَّ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ فِيْهَا اَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ. (رواه البخاری و مسلم و فی طریق و التوبة معروضة بعد)

اور چور بھی بحالتِ چوری مؤمن نہیں ہوتا اور اسی طرح جب کوئی شراب نوشی کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مؤمن نہیں ہوتا - ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنا اور اضافہ کرتے ہیں اور نہ لٹیرا اس وقت مؤمن ہوتا ہے جب کہ وہ ایسی بڑی لوٹ میں مشغول ہوتا ہے کہ لوگ (بے بس ہوکر) اسے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا کریں (اور اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں) ایک اور طریقے میں ہے مگر توبہ کا دروازہ اس کے بعد بھی کھلا رہتا ہے -

(بخاری و مسلم)

(۲۷۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْنِي الْعَبْدُ حِيْنَ يَزْنِيْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَا يَشْرَبُ حِيْنَ يَشْرَبُ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَا يَقْتُلُ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ يُنْزَعُ الْاِيْمَانُ مِنْهُ قَالَ هٰكَذَا وَ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ

(۲۷۲) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مؤمن نہیں ہوتا اور چور جب چوری میں مشغول ہوتا ہے اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ بھی اس حالت میں مؤمن نہیں ہوتے اور جب کوئی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرتا ہے تو اس وقت بھی وہ مؤمن نہیں ہوتا - عکرمہؒ کہتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا - اس بندہ سے اس کا ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے انہوں نے اشارہ کر کے دکھایا کہ اس طرح پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کی

لہ .... انہوں نے مرتکب کبیرہ کو دائرۂ اسلام سے خارج کر ڈالا - پھر معلوم نہیں کہ ان بیسیوں حدیثوں کا ان کے پاس جواب کیا ہوگا جن میں امت کے عاصیوں کی بخشش تواتر کے ساتھ منقول ہے - انسان جب صرف الفاظ کی شوکت اور اسالیب بیان سے مسائل بنانا شروع کر دیتا ہے تو غلط عقائد کا شکار بن کر رہتا ہے اسی لیے اصولیین نے لکھا ہے کہ جو الفاظ مدح و ذم کے موقعہ پر مستعمل ہوں ان کو مسئلہ کا مدار نہ سمجھنا چاہیے - آیت "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" میں بھی مشرکین کے لیے نجاست کا لفظ بسلسلہ مذمت مستعمل ہے - اس لیے فقہاء نے صرف اس لفظ کی وجہ سے ان پر نجاست کے تمام مسائل جاری نہیں کیے - (دیکھو بدایۃ المجتہد لابن رشد).

(۲۷۲) ✽ امام بخاریؒ نے اپنی اس تحقیق کو "باب الزنا و شرب الخمر" میں خود ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے - و عن ابن عباسؓ ینزع عنه نور الایمان فی الدنیا - حافظ ابن تیمیہؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے لڑکوں سے فرمایا کرتے تھے جسے شادی کی ضرورت ہو ہم اس کی شادی کر دیں کیونکہ اگر تم میں کوئی زنا کا مرتکب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کا نور اس سے چھین لے گا - پھر یہ اس کی مرضی ہے خواہ واپس کرے یا نہ کرے - حضرت حسنؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ان معاصی کی حالت میں ایمان اس سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے اگر توبہ کرے تو واپس کر دیا جاتا ہے - طاؤسؒ کہتے ہیں کہ ان حالات میں مؤمن کا ایمان زائل ہو جاتا ہے - حضرت ابوجعفرؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص دائرۂ ایمانی سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے - گویا ان کے نزدیک ایمان کا رتبہ لہ ....

ثُمَّ اَخْرَجَهَا فَاِنْ تَابَ عَادَ اِلَيْهِ هٰكَذَا وَ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهِ وَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ لَا يَكُوْنُ هٰذَا مُؤْمِنًا تَامًّا وَ لَا يَكُوْنُ لَهُ نُوْرُ الْاِيْمَانِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيْ.

انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال دیں پھر ان کو نکال کر علیحدہ کرلیا۔ اگر اس کے بعد تو بہ کر لیتا ہے تو وہ پھر اس طرح واپس آ جاتا ہے۔ (یہ کہہ کر) پھر انگلیاں ملا لیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ارتکابِ معصیت کی حالت میں بندۂ مؤمن کامل نہیں رہتا اور اس کا نورِ ایمانی نکل جاتا ہے۔

(۲۷۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَازَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِيْمَانُ وَ كَانَ كَالظُّلَّةِ فَاِذَا انْقَلَعَ مِنْهَا رَجَعَ اِلَيْهِ الْاِيْمَانُ. (رواه الحاكم في المستدرك ص ۲۲ قال الذهبي على شرط الشيخين)

(۲۷۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان نکل کر اس کے سر پر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس معصیت سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر لوٹ آتا ہے۔

(مستدرک)

(۲۷۴) عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَنٰى وَ شَرِبَ الْخَمْرَ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْهُ الْاِيْمَانَ كَمَا يَخْلَعُ الْاِنْسَانُ الْقَمِيْصَ مِنْ رَأْسِهٖ. (رواه الحاكم في المستدرك ص ۲۲)

(۲۷۴) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے زنا کیا یا شراب پی اللہ تعالیٰ اس کا ایمان اس طرح نکال لیتا ہے جیسا انسان اپنی قمیص سر کی طرف سے اتار لیتا ہے۔

(مستدرک)

؎ .... اسلام سے بلند تر ہے۔ امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے اور امام ابونصر نے ایک بڑی جماعت کا یہی خیال نقل کیا ہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص کامل مؤمن نہیں رہتا اس کا ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ امام زہریؒ سے سوال کیا گیا کہ جب ان حالات میں یہ شخص مؤمن نہیں تو فرمایئے اسے اور کیا کہیں؟ امام کو یہ سوال ناگوار گذرا۔ اصل وجہ یہ تھی کہ اگر مؤمن کہتے اور حدیث کی کوئی تاویل کرتے تو مصلحت کے خلاف ہوتا اور اگر کافر کہتے تو مسئلہ کے خلاف ہوتا۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ سلف اس قسم کی احادیث کی تاویل کرنا پسند نہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ تاویل کرنے سے ان تعبیرات کا زور ختم ہو جاتا ہے اور ان معاصی کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا جو اصل مقصد ہے وہ یکسر فوت ہو جاتا ہے۔ (کتاب الایمان والیواقیت ج ۲ ص ۲۶۰)

(۲۷۳) ٭ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس ٹکڑے کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے۔ ابوداؤدؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں. انـه كـان يـقـول انما الايمان كثوب احدكم يلبسه مرة و يخلعه اخرى. ایمان کی مثال لباس کی سی ہے کبھی آدمی اسے اوڑھ لیتا ہے کبھی اتار دیتا ہے۔ (کتاب الایمان)

(۲۷۴) ٭ آپ نے دیکھا کہ حدیث مذکور جب تک صحابہؓ کے مابین دائر رہی انہوں نے اس کی تاویل میں بھی ایسا عنوان اختیار کیا جو لفظ حدیث کے زیادہ سے زیادہ قریب رہے اور جب وہ ائمہ کے درمیان آ گئی تو مسئلہ اگرچہ زیادہ صاف ہو گیا مگر الفاظِ حدیث سے اتنا قرب باقی نہیں رہا۔ حضرت ابو ہریرہؓ چاہتے ہیں کہ اس قسم کے عاصی سے ایمان ہی کی نفی کر دیں' اور اس لیے فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان اس کے قالب سے نکل کر اس کے اوپر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ جو ان سے افقہ تھے انہوں نے عنوان ؎ ....

من لقی اللہ بالشھادتین غیر شاک فیھا دخل الجنۃ

جس کی موت یقین پر آ جائے وہ یقیناً جنتی ہوتا ہے

(۲۷۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَسِیْرٍ قَالَ فَنَفِدَتْ اَزْوَادُ الْقَوْمِ قَالَ حَتّٰی هَمَّ بِنَحْرِ بَعْضِ حَمَائِلِهِمْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ جَمَعْتَ مَا

(۲۷۵) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک سفر (غزوۂ تبوک) میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے‘ لوگوں کا زادراہ ختم ہو گیا تھا حتیٰ کہ نوبت اس کی آ گئی تھی کہ ان میں کسی کسی نے تو اپنی اونٹنی ذبح کرنے کا بھی ارادہ کر لیا تھا حضرت عمرؓ بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش آپ لوگوں کا باقی ماندہ زادراہ منگا کر ایک جگہ جمع کر لیتے پھر اس میں دعاء برکت فرما

؎ .... اگر چہ وہی رکھا مگر بات ذرا اور صاف کر دی اور فرمایا کہ ان معاصی کے ارتکاب کے وقت مؤمن نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قلب سے نور ایمان نکل جاتا ہے- جب ائمہ کا دور آیا تو انہوں نے اس تعبیر کو اور صاف کیا اور فرمایا کہ جس ایمان میں نورانیت نہ ہو وہ ایمان ایک ناقص ایمان ہے اس لیے حدیث میں نفی کمال مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ عاصی مؤمن کامل نہیں رہتا اصل بات وہی تھی جو حضرت ابو ہریرہؓ کی زبان سے نکلی مگر جتنا زمانہ نبوت کو بعد ہوتا گیا اسی قدر حدیث کی مراد زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھانے کی اہمیت بڑھتی گئی- اس بیان سے اصولی طور پر آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ محدث اور فقیہ کے مزاج میں کیا فرق ہوتا ہے- محدث مزاج تا امکان تعبیر حدیث کے ارد گرد رہنا چاہتا ہے فقیہ کے پیش نظر یہ رہتا ہے کہ غرضِ شریعت تا امکان زیادہ سے زیادہ واضح ہو جائے- الفاظ سے اگر کچھ بُعد ہوتا ہے تو ہو جائے مزاجوں کا یہ تفاوت صحابہؓ کے درمیان بھی ملتا ہے اگر اتنی سی بات صاف ہو جاتی تو محدثین اور فقہاء کے درمیان جو اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہو گئی ہرگز حائل نہ ہوتی- امام اعظمؒ سے محدثین کو زیادہ تر ناراضائی اسی مزاجی فرق کی بناء پر پیش آئی ہے- امام صاحبؒ نے مسئلہ کی چھان بین کے لیے بحثوں میں بڑی وسعت پیدا کر دی اور یہ وسعت محدثین کے لیے ہر موقعہ پر ایک نئی ناگواری کا موجب بنتی رہی- نوبت بایں جارسید کہ ان ہی لفظی اختلافات نے آئندہ چل کر مذہبی تحزب کی شکل اختیار کر لی اور آخر کار اسی پر ذاتیات کی تعمیر ہونے لگی- والی اللّٰہ المشتکی-

یہ حدیث جب ساتویں صدی میں پہنچی تو حافظ ابن تیمیہؒ نے سلف کے اسی مضمون کو اٹھا کر ذرا اور افادی شکل میں ادا کیا وہ لکھتے ہیں کہ ایک عاصی کی مثال ایسی ہے جیسی آنکھیں بند کرنے کے بعد ایک بینا کی- اگر ایک بینا شخص اپنی آنکھیں بند کر لے تو اسے بھی کچھ نظر نہیں آتا اور اس لحاظ سے یہ بینا اور ایک نابینا برابر ہو جاتا ہے نہ یہ دیکھتا ہے نہ وہ- لیکن فرق یہ ہے کہ نابینا نور بصر ہی نہیں رکھتا اور بینا اگر چہ نور تو رکھتا ہے مگر غلافِ چشم کی وجہ سے وہ نور کام نہیں کرتا اس لیے نابینا کے برابر ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مؤمن کے نور بصیرت پر جب بہیمیت کا حجاب پڑ جاتا ہے تو وہ بھی کافر کی طرح معصیت و طاعت کا فرق نہیں پہچانتا- اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ مؤمن جس حالت میں زنا کرتا ہے اس کا نورِ تصدیق جوشِ بہیمیت سے ایسا مدھم پڑ جاتا ہے کہ اسے بھی معصیت کرنے میں کوئی باک نہیں رہتا اور اس تہور و جرأت کے عالم میں اس پر مؤمن کا اطلاق بڑا مشکل ہو جاتا ہے- ہاں اگر توبہ کر لے تو یہ حجاب بہیمیت پھر چاک ہو جاتا ہے اور نور ایمانی پھر جگمگانے لگتا ہے- (دیکھو کتاب الایمان ص ۱۳ و ص ۱۰۰ و ص ۱۲۳ و ص ۱۲۷ و ص ۱۳۲ و ص ۱۳۳ و ص ۱۵۵) دراصل یہ وہی مختصر فقرے تھے جو عہد سلف سے شروع ہوئے اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں آ کر اتنے پھیل گئے-

بَقِیَ مِنْ اَزْوَادِ الْقَوْمِ فَدَعَوْتِ اللّٰهَ عَلَيْهِ قَالَ فَفَعَلَ قَالَ فَجَاءَ ذُو الْبُرِّ بِبُرِّهٖ وَ ذُو التَّمْرِ بِتَمْرِهٖ قَالَ وَ قَالَ مُجَاهِدٌ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَ ذُو النَّوَاةِ بِنَوَاهُ قُلْتُ وَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ بِالنَّوٰی قَالَ كَانُوْا يَمُصُّوْنَهٗ وَ يَشْرَبُوْنَ عَلَيْهِ الْمَاءَ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهَا قَالَ حَتّٰی مَلَأَ الْقَوْمُ اَزْوِدَتَهُمْ قَالَ فَقَالَ عِنْدَ ذٰلِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يُلْقَی اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فِيْهِمَا اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواہ مسلم)

دیتے (تو بہتر ہوتا) آپ ؐ نے ایسا ہی کیا۔ راوی کہتا ہے جس کے پاس گیہوں تھے وہ گیہوں لے آیا اور جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لے آیا' مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جن کے پاس کھجوروں کی گٹھلیاں تھیں وہ اپنی گٹھلیاں ہی لے آیا۔ میں نے پوچھا بھلا گٹھلیاں ان کے کس کام آتی تھیں؟ انہوں نے کہا کہ انہیں ہم چوس لیتے اور اس پر پانی پی لیا کرتے تھے' آپ ؐ نے ان میں دعاء برکت فرمائی پھر اتنی برکت ہوئی کہ لوگوں نے اپنے اپنے ناشتہ دان بھر لیے اس کے بعد آپ ؐ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں اس کا پیغمبر ہوں۔ جو شخص کسی شک و تردد کے بغیر ان دو باتوں کی گواہی دیتا ہو' خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

(۲۷۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَامَ بِلَالٌ يُنَادِیْ فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا يَقِيْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (اخرجه النسائی و الحاکم و ابن حبان)

(۲۷۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بلال اذان دینے کھڑے ہوئے جب فارغ ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یقین کے ساتھ یہ کلمات کہے وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔ (نسائی - حاکم ابن حبان)

(۲۷۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حُبْشِیٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اِيْمَانٌ لَا شَكَّ فِيْهِ وَ جِهَادٌ لَا غُلُوْلَ فِيْهِ وَ حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ قِيْلَ فَاَیُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ. (الحدیث رواہ النسائی)

(۲۷۷) عبداللہ بن حبشی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا عملوں میں کون کون سے عمل سب سے بہتر ہیں؟ آپ ؐ نے فرمایا ایسا ایمان جس میں ذرا شک نہ ہو' ایسا جہاد جس میں ذرہ برابر خیانت نہ ہو اور ایسا حج جس میں کوئی جنایت نہ کی جائے اس کے بعد اس نے پوچھا اور نماز کون سی افضل ہے؟ فرمایا جس میں قیام لمبا ہو۔ (نسائی)

(۲۷۸) عَنْ عُثْمَانَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَ هُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواہ مسلم)

(۲۷۸) عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس یقین کے ساتھ مر جائے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

---

(۲۷۸) * یہاں علم کے معنی صرف دانستن نہیں۔ صرف دانستن نہ تو شرعی نظر میں کوئی اہمیت رکھتا ہے اور نہ اس پر دخول جنت کی بشارت مرتب ہے بلکہ معرفت ویقین کے معنی مراد ہیں جیسا کہ اس باب کی دوسری احادیث سے ظاہر ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ جو اس عقیدۂ جازم اور یقین کامل کے ساتھ دنیا سے گذر جائے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہو کر رہے گا کیونکہ جنت اور دوزخ کی تقسیم ایمان و کفر پر کی گئی ہے' اچھے برے اعمال پر نہیں۔

ذکر ما وقر فی قلوب اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الیقین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے یقین کی چند مثالیں

(۲۷۹) عَنْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ هَلْ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُوْنَ قَالَ نَعَمْ وَ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ وَ قَالَ بِلَالُ بْنُ سَعْدٍ اَدْرَكْتُهُمْ يَشْتَدُّوْنَ بَيْنَ الْاَغْرَاضِ وَ يَضْحَكُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَاِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوْا رُهْبَانًا.

(رواہ فی شرح السنہ)

(۲۷۹) قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہنسا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں لیکن ان کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ بھاری موجود ہوتا تھا- (یعنی ان کی ہنسی غفلت کی ہنسی نہ تھی) بلال بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان کو (دن میں تو) نشانوں اور اہداف کے درمیان بھاگتے دوڑتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مذاق بھی کرتے پایا ہے لیکن جب رات آتی تو وہ درویش صفت بن جاتے تھے (یعنی مصلوں پر کھڑے کھڑے راتیں کاٹ دیا کرتے تھے)- (شرح السنہ)

(۲۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِيْنَ بَلَغَنَا اِقْبَالُ اَبِيْ سُفْيَانَ وَ قَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَا خَضْنَاهَا وَ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَضْرِبَ اَكْبَادَهَا اِلٰى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَنَدَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَانْطَلَقُوْا حَتّٰى

(۲۸۰) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہمیں ابوسفیان کے لشکر کشی کی خبر ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مشورہ فرمایا- سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں تو ہم ابھی ڈال دیں گے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں کہ ہم برک الغماد تک اپنے گھوڑے دوڑا کر ان کے پتے پانی کر ڈالیں تو ہم یہ بھی کر گذریں گے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چلنے کے لیے

---

(۲۷۹) ٭ حافظ ابن کثیرؒ نے آیت ﴿وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِنْهُمْ﴾ (النساء: ٦٦) کی تفسیر کے ذیل میں اعمشؒ سے نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بولے اگر ہمارا پروردگار ہمیں یہ حکم دیتا تو ہم بسر وچشم اس کا امتثال کرتے آپؐ کو اپنے صحابہؓ کے ان جاں نثارانہ کلمات کی جب اطلاع پہنچی تو آپؐ نے فرمایا للایمان اثبت فی قلوب اھلہ من الجبال الرواسی. ایمان داروں کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے بھی زیادہ راسخ ہوتا ہے- صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپؐ مجھے یہ حکم دیں تو میں تو اسی وقت اس کی تعمیل کروں- حضرت عمرؓ سے بھی اسی کے قریب الفاظ منقول ہیں- اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات مروی ہیں- ان من امتی لرجالا الایمان اثبت فی قلوبھم من الجبال الرواسی. میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے زیادہ مستحکم اور راسخ ہے-

نَزَلُوْا بَدْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَ يَضَعُ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ هٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه مسلم)

بلایا لوگ چل پڑے یہاں تک کہ بدر کے میدان میں آ کر مقیم ہو گئے آپ ؐ یہاں زمین پر ہاتھ رکھ رکھ کر بتاتے جاتے تھے کہ یہاں فلاں مشرک مقتول ہو کر گرے گا اور یہاں فلاں گرے گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ (سب اسی اسی جگہ مقتول ہوئے اور) ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو آپ ؐ کی مقرر کردہ جگہ سے ذرا کہیں علیحدہ گرا ہو۔ (مسلم)

(۲۸۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ شَهِدْتُ مِنَ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ مَشْهَدًا لَاَنْ اَكُوْنَ صَاحِبَهٗ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا عُدِلَ بِهٖ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ يَدْعُوْ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ لَا نَقُوْلُ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا وَ لٰكِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ يَمِيْنِكَ وَ عَنْ شِمَالِكَ وَ بَيْنَ يَدَيْكَ وَ خَلْفَكَ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْرَقَ وَجْهُهٗ وَسَرَّهٗ. (رواه البخاري)

(۲۸۱) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے مقداد بن اسود کی ایک ایسی بات دیکھی ہے کہ تمام فضائل و کمالات کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا ہوتی ہے کاش وہ بات مجھے نصیب ہو جاتی (وہ بات یہ تھی) کہ ایک بار آپ ؐ لوگوں کو مشرکین کے مقابلہ کے لیے ترغیب دے رہے تھے اس وقت یہ بھی آ پہنچے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ ؐ کو وہ جواب نہیں دیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ بس تو اور تیرا پروردگار جا کر لڑ آ (ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں) بلکہ ہم آپ ؐ کے دائیں بائیں آپ ؐ کے سامنے اور آپ ؐ کے پیچھے رہ کر جنگ کریں گے۔ میں نے دیکھا کہ یہ بات سن کر آپ ؐ کا روئے انور (مارے خوشی کے چمک اٹھا اور مقداد کے اس جواب نے آپ ؐ کو خوش کر دیا) (بخاری شریف)

(۲۸۲) عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ فَقَامَ رَجُلٌ رَثُّ الْهَيْئَةِ فَقَالَ يَا اَبَا مُوْسٰى اَنْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اَقْرَاُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ ثُمَّ كَسَرَ جَفْنَ سَيْفِهٖ فَاَلْقَاهُ ثُمَّ مَشٰى بِسَيْفِهٖ اِلَى الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِهٖ حَتّٰى قُتِلَ. (رواه مسلم)

(۲۸۲) ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے یہ سن کر ایک شکستہ حال شخص کھڑا ہوا اور بولا اے ابو موسیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے کیا تم نے خود سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد وہ اپنے رفقاء کے پاس آیا اور ان سے کہا لو میرا اسلام لو یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار کی میان توڑ کر ڈال دی اور (ننگی) تلوار لے کر دشمن پر حملہ آور ہوا اور لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔

(اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

---

(۲۸۱) * بقول سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ؎

آں نہ من باشم کہ روزے جنگ بینی پشت من ☆ آں منم کاندر میان خاک و خوں بینی سرے

(۲۸۳) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ انْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ حَتّٰی سَبَقُوا الْمُشْرِكِیْنَ اِلٰی بَدْرٍ وَجَاءَ الْمُشْرِكُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰی جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ قَالَ عُمَیْرُ بْنُ الْحُمَّامِ بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکَ عَلٰی قَوْلِکَ بَخٍ بَخٍ قَالَ لَا وَ اللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) اِلَّا رِجَاءَ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاِنَّکَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِنْ قِرَابِهٖ فَجَعَلَ یَاْكُلُ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ اَنَا حَیِیْتُ حَتّٰی اٰكُلَ تَمَرَاتِیْ اِنَّهَا حَیٰوۃٌ طَوِیْلَةٌ قَالَ فَرَمٰی بِمَا كَانَ مَعَهٗ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتّٰی قُتِلَ. (مسلم)

(۲۸۳) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بدر کی جنگ کے لیے نکلے یہاں تک کہ (میدانِ جنگ میں) یہ مشرکین سے پہلے جا پہنچے جب مشرکین بھی آ گئے تو آپؐ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مخاطب ہو کر فرمایا لو اب اس جنت کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کا عرض زمین اور آسمانوں کے برابر ہے- یہ سن کر عمیر بن حمام بولے واہ واہ- آپ نے فرمایا تم نے اتنی خوشی کا اظہار کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم صرف اس لیے کہ شاید جنت میرے نصیب میں آ جائے- آپؐ نے فرمایا (جاؤ) تم جنتی ہو- یہ سن کر انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کے کھانے میں مشغول ہو گئے پھر خود ہی بولے اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا کہ ان کھجوروں کو ختم کر لوں تو یہ زندگی تو بڑی لمبی زندگی ہو گی- راوی کہتا ہے یہ کہہ کر جو کھجوریں ان کے پاس تھیں پھینک دیں اور مشرکین سے جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے-

(مسلم)

(۲۸۴) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ اُحُدٍ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فَاَیْنَ اَنَا قَالَ فِی الْجَنَّةِ فَاَلْقٰی تَمَرَاتٍ فِیْ یَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰی قُتِلَ. (متفق علیه)

(۲۸۴) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اُحد کی جنگ میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمایئے اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا جنت میں- یہ سن کر اس نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینک دیں پھر لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا- (متفق علیہ)

المؤمنون فی اصل الایمان و العقائد سواء و انما التفاضل بینهم فی مراتب التقوی و الیقین

تمام مسلمان اصل اعتقادات کے لحاظ سے برابر ہیں ان میں جو فرق ہے وہ صرف ان کے مراتب یقین میں تفاوت کی وجہ سے ہے

(۲۸۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ اَنَّ رَسُوْلَ

(۲۸۵) ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۲۸۵) ٭ مومن میں سب سے بڑی صفت اس کا جزم و یقین ہے اور اسی صفت کے لحاظ سے مومنوں کے مراتب میں تفاوت ہے- یقین کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جان بازی کے موقعہ پر اپنا قدم پیچھے نہ ہٹائے جہاد میں کمزوری ایمانی ضعف کی علامت ہے اسی لئے ....

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُوْنَ فِي الدُّنْيَا عَلٰى ثَلٰثَةِ اَجْزَاءٍ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْ يَاْمَنُهُ النَّاسُ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ثُمَّ الَّذِيْ اَشْرَفَ عَلٰى طَمَعٍ تَرَكَهٗ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ. (رواه احمد)

فرمایا مؤمن دنیا میں تین قسم کے ہیں ایک وہ مؤمن جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا پھر اس میں اس نے ذرا شک و تردد نہ کیا اور اپنی جان و مال سے بے دریغ اس کی راہ میں جہاد کیا- دوسرا وہ جس کی طرف سے لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں بے خطر رہے- تیسرا وہ (جو اتنی جاں بازی یا اتنی سلامت روی کا ثبوت تو نہ دے سکا لیکن کم از کم یہی کیا کہ جب اس کے سامنے کوئی لالچ کا موقعہ پیش آیا تو اس نے صرف اللہ کے نام پر اس کو چھوڑ دیا- (مسند احمد)

(۲۸۶) عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ ؓ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ كَاَنَّ مِيْزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فَوُزِنْتَ اَنْتَ وَ اَبُوْبَكْرٍ فَرَجَحْتَ اَنْتَ وَ وُزِنَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ فَرَجَحَ اَبُوْبَكْرٍ وَ وُزِنَ عُمَرُ

(۲۸۶) ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ ایک ترازو آسمان سے اتری اس میں آپ ؐ اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو لے گئے تو آپ ؐ بھاری اترے اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو لے گئے تو ابوبکر ؓ بھاری اترے پھر عمر ؓ و عثمان ؓ تو لے گئے تو عمر ؓ بھاری

.... لیے لَمْ يَرْتَابُوْا کے ساتھ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ کا لفظ رکھا گیا ہے- گویا جس نے جان و مال میں سے کسی میں بھی دریغ کیا یہ اس کی علامت ہے کہ اس کے ایمان و یقین ہی میں پوری پختگی نہیں ہے- بقیہ دو مراتب بھی اگر چہ بظاہر عمل سے متعلق ہیں مگر درحقیقت ان کا تعلق بھی انسان کے قلبی یقین کے ساتھ ہے-

(۲۸۶) * صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ دارمی حضرت ابوذر ؓ سے اسی قسم کا ایک خواب خود صاحب نبوۃ ؐ کا بھی نقل کیا ہے- آپ نے دیکھا کہ بطحاء مکہ میں دو فرشتے آپ کے پاس آئے ایک تو زمین پر اتر آیا اور دوسرا زمین و آسمان کے درمیان معلق کھڑا رہا پھر ان کے باہم یہ گفتگو شروع ہوگئی کیا یہ وہی نبی ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا ہاں وہی ہیں- اس نے کہا اچھا تو پھر ان کو ایک شخص کے مقابلہ میں تول کر دیکھو چنانچہ تولا تو میں بھاری اترا- پھر اس نے کہا اچھا ان کو دس شخصوں کے مقابلہ میں تولو' تو بھی میں ہی بھاری اترا- پھر اس نے کہا اب سو آدمیوں کے مقابلہ میں تولو تو ان کے مقابلہ میں بھی میں ہی بھاری رہا پھر اس نے کہا اچھا اب ہزار کے مقابلہ میں تولو' ان کے مقابلہ میں بھی میں ہی بھاری اترا (آپ ؐ نے فرمایا کہ) ان کے ہلکے ہونے کی وجہ سے ترازو سے ان کے بکھر بکھر جانے کا جو نقشہ اس وقت نظر آ رہا تھا وہ اب تک میری نظروں کے سامنے ہے- اس پر ایک نے دوسرے سے کہا بھئی ان کے مقابلہ میں اگر ساری امت بھی تول ڈالو گے جب بھی یہی بھاری اتریں گے-

عالم بالا کی اس میزان میں یہ وزن یقین و ایمان ہی کا وزن تھا- نبی اس میں سب سے بھاری اترا- اس کے بعد پھر درجہ بدرجہ صدیق ؓ و عمر ؓ و عثمان ؓ بھاری اترتے رہے- رفع میزان کی تعبیر آپ ؐ نے خود بنفس نفیس یہ بیان فرمائی کہ خلفاء ثلاثہ کے بعد خلافت نبوۃ کا دور ختم ہو جائے گا اور صرف ملک گیری کا آغاز ہو جائے گا- حضرت علی ؓ کا زمانہ اول تو تھا ہی کتنا پھر جتنا کچھ تھا وہ بھی جنگ و جدل کی نذر ہوگیا اور خلفاء ثلاثہ کے دور کا سادہ امن و انصاف پھر نہ لوٹ سکا- حضرت علی ؓ کے بعد تو پھر کھلی ہوئی ملک گیری رہ گئی- صَدَقَ اللّٰهُ و رسوله - ....

وَ عُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ الْمِيْزَانُ	اترے اس کے بعد وہ ترازو اٹھالی گئی - یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
فَاسْتَاءَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	کچھ آزردہ خاطر ہوئے اور فرمایا کہ یہ ترازو خلافت نبوۃ کی ترازو تھی اس کے

ﷺ.... ملاعلی قاری نے شرح فقہ اکبر میں یہاں ایک مفید مضمون تحریر فرمایا - ہم اس کو معہ ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں -

(و المؤمنون مستوون) ای مستاوون (فی الایمان) ای فی اصله (والتوحید) ای فی نفسه و انما قیدنا بهما فان الکفر مع الایمان کالعمی والبصیر و لا شک ان البصراء یختلفون فی قوة البصر و ضعفه فمنهم الاخفش و الاعمش و من یری الخط الثخین دون الرقیق الابزجاجة و نحوها و من یری عن قرب زائد علی العادة و اخر بضده و من ههنا قال محمد علی ما تقدم اکره ان یقول ایمانی کایمان جبرئیل علیه السلام بل یقول امنت بما امن به جبرئیل علیه السلام اھ-

و کذا لا یجوزان یقول احد ایمانی کایمان انبیاء علیهم السلام و لا ینبغی ان یقول ایمانی کایمان ابی بکر رضی الله تعالی عنه و عمر رضی الله تعالی عنه و امثا لهما فان تفاوت نور کلمة التوحید فی قلوب اهلها لا یحصیه الا الله سبحانه فمن الناس من نور ها فی قلبه کا لشمس و منهم کا لقمر و منهم کا لکوب الدری و منهم کا لمشعل العظیم و اخر کا لسراج الضعیف لقوله علیه الصلوة و السلام "و ذلک اضعف الایمان" وقوله علیه الصلوة و السلام المومن القوی احب الی الله من المؤمن الضعیف. و القوة تشمل القوة الظاهریة العملیة و القوة الباطنیة العلمیة و هو علی منوال هذه الا نوار فی الدنیا تظهر انوار علومهم و اعمالهم و احوالهم فی العقبی و کلما اشتد نور هذه الکلمة و عظمت مرتبتها احرق عن الشبهات و الشهوات بحسب قوتها بحیث ربما وصل الی حال لایصادف شبهة و لا شهوة و لا ذنبا و لا سیئة الا احرقها بل تقول النار جزیا مؤمن فان نورک أطفأ لهبی و من عرف هذا عرف معنی قوله صلی الله علیه وسلم ان الله تعالی حرم علی النار من قال لا اله الا الله یبتغی بذلک وجه الله و قوله علیه السلام لا یدخل النار من قال لا اله الا الله و امثال ذلک مما اشکل علی کثیر من الناس حتی ظنها بعضهم منسوخة و ظنها بعضهم قبل و رودا لا و امر و النواهی و حملها بعضهم علی نار المشرکین و اول بعضهم الدخول بالخلود فان الشارع لم یجعل ذلک حاصلا بمجرد قول اللسان فقط و تأمل حدیث البطاقة فان من المعلوم ان کل موحد له مثل هذه البطاقة و کثیر منهم یدخل النار. (شرح فقه اکبر ص ۷۸)

اصل ایمان اور اصل توحید میں تو تمام مسلمان برابر ہیں لیکن قوت وضعف کے لحاظ سے ان میں مراتب کا بڑا تفاوت ہے - کیونکہ کفر و ایمان کی مثال ایسی ہے جیسی ایک بینا اور نابینا کی - دیکھئے دیکھنے والوں کی نظروں میں کتنا اختلاف ہوتا ہے - ایک شخص ہوتا ہے جو صرف رات ہی میں دیکھ سکتا ہے دن میں نہیں دیکھ سکتا' ایک وہ ہوتا ہے جو دن میں دیکھ تو لیتا ہے مگر بہ دقت' ایک شخص موٹا خط دیکھ سکتا ہے لیکن باریک خط چشمہ کی مدد کے بغیر نہیں دیکھ سکتا - کوئی ہوتا ہے کہ اسے عام عادت سے زیادہ نزدیک فاصلہ سے دیکھنا پڑتا ہے اور کسی کو عام عادت کے خلاف ذرا دور فاصلہ سے دیکھنا پڑتا ہے ان ہی اختلاف مراتب کی وجہ سے امام محمدؒ ﷺ ....

يَعْنِي فَسَاءَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ ثُمَّ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَاءُ.
(رواه الترمذی و ابو داؤد)

بعد (خلافت نبوت توختم ہو جائے گی اور ملک گیری شروع ہو جائے گی اور) خدائے تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنا ملک حوالہ کر دے گا۔
(ترندی - ابوداؤد)

لله ..... فرماتے ہیں کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص اپنے ایمان کے متعلق یہ تعبیر اختیار کرے کہ میرا ایمان جبرئیل علیہ السلام کے ایمان کی طرح ہے بلکہ اس کو یوں کہنا چاہیے کہ جن چیزوں پر جبرئیل علیہ السلام کا ایمان ہے ان ہی پر میرا بھی ایمان ہے (گویا اتحاد مؤمن بہ اور اعتقادیات میں ہے نہ کہ کیفیت ایمان میں)۔

اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں کہ میرا ایمان انبیاء علیہم السلام ابوبکرؓ وعمرؓ اور صحابہ کرام جیسا ایمان ہے کیونکہ اہل توحید کے قلوب میں کلمہ توحید کی نورانیت کے لحاظ سے جتنا اختلاف ہے اس کا صحیح اندازہ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔ کسی کے قلب میں یہ نور آفتاب کی طرح درخشاں ہے۔ کسی کے قلب میں چاند کی طرح کسی کے قلب میں روشن ستارے کی طرح اور کسی کے بڑے مشعل کی طرح اور کسی کے ایک ٹمٹماتے چراغ کی طرح۔ ان اختلاف مراتب ہی کی وجہ سے آپ نے (اس شخص کے ایمان کے متعلق جو برائی کی اصلاح تو نہیں کرتا مگر اس پر قلبی ناگواری محسوس کرتا ہے) فرمایا ہے کہ یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ مضبوط مؤمن اللہ کو کمزور مؤمن سے زیادہ پیارا ہے۔ مرد مؤمن کی یہ قوت صرف اس کی ظاہری قوت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کی ظاہری و باطنی یعنی جسمانی و ایمانی دونوں کو شامل ہے لوگوں کے اعمال و ایمان کے انوار میں جو تفاوت دنیا میں ہے یہی تفاوت ان کے انوار کے مابین آخرت میں رہے گا یہ نور ایمانی جتنا تیز اور شدید ہوتا ہے اتنا ہی وساوس اور خواہشات نفسانیہ کو وہ زیادہ سوخت کرنے والا ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک ایسا وقت بھی آ جاتا ہے جب کہ تمام وساوس اور ہر قسم کی خواہشات فناء ہو جاتی ہیں اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا جس کو جلا کر وہ خاکستر نہیں کر دیتا۔ بلکہ اس کے سامنے آتش جہنم بھی یہ چیخنے لگتی ہے کہ اے مؤمن ذرا جلدی سے گذر جا کیونکہ تیرے ایمان کا نور میری بھڑکتی ہوئی لپٹوں کو بجھائے دیتا ہے۔ جو شخص یہ مضمون سمجھ لے اسے حسب ذیل حدیثوں کی مرادیں سمجھنا بھی آسان ہو جائے گا۔ ارشاد نبوی ہے۔ جو شخص کلمہ لا الٰہ الا اللہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر آتش دوزخ حرام کر دیتا ہے ایک اور حدیث میں ارشاد ہے جو شخص لا الٰہ الا اللہ دل سے کہے وہ آتش دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اس کے ہم معنی اور بھی حدیثیں ہیں جن کا سمجھنا اکثر لوگوں کو دشوار ہو گیا ہے۔ ان حدیثوں کو بعضوں نے تو منسوخ ہی کہہ ڈالا ہے اور کسی نے یہ سمجھا ہے کہ یہ امر و نہی کی تفصیلات کے نزول سے قبل کے ارشادات ہیں۔ اور کسی نے آتش سے خاص وہ آتش مراد لی ہے جو صرف کفار کے لیے ہو گی اور کسی نے یہ تاویل کی ہے کہ ان حدیثوں میں ہمیشہ دوزخ میں رہنے کی نفی کی گئی ہے۔ مطلقاً دخول کی نفی نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان تمام حدیثوں میں آتش دوزخ کے حرام ہونے کا حکم صرف کلمہ توحید پڑھنے پر نہیں ہے بلکہ اسی نور ایمانی پر ہے جس کا بیان ابھی آپ پڑھ چکے ہیں (اس حدیث کے مضمون پر ذرا غور کیجئے جس میں آتا ہے کہ ایک شخص کا اعمالنامہ تولا جائے گا اور اس کے گناہوں کے ننانوے دفتروں کے مقابلہ میں اس کی نیکی کا صرف ایک پرچہ رکھا جائے گا اور وہ ایک ہی پرچہ ان سب دفتروں کے وزن پر غالب آ جائے گا (اس پرچہ میں کلمہ توحید لکھا ہوا ہو گا) یہ بات سب جانتے ہیں کہ یہ کلمہ ہر موحد کے نامۂ اعمال میں موجود ہے اس کے باوجود بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دوزخ میں جائیں گے (اس سے معلوم ہوا کہ آتش دوزخ کی حرمت کا مدار صرف اس کلمہ کے تلفظ پر نہیں بلکہ اس نور ایمانی پر ہے جو اعمال کی آبیاری کے بعد قلب مؤمن میں پھوٹنا شروع ہو جاتا ہے۔) (شرح فقہ اکبر)

(۲۸۷) عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍؓ قَالَ کُنْتُ فِی الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ یُصَلِّیْ فَقَرَأَ قِرَاءَ ۃً اَنْکَرْتُهَا عَلَیْهِ ثُمَّ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَ ۃً سِوٰی قِرَاءَ ۃِ صَاحِبِهٖ فَلَمَّا قَضَیْنَا الصَّلٰوۃَ دَخَلْنَا جَمِیْعًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّ هٰذَا قَرَأَ قِرَأَۃً اَنْکَرْتُهَا عَلَیْهِ وَ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ سِوٰی قِرَاءَ ۃِ صَاحِبِهٖ فَاَمَرَهُمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَاَ فَحَسَّنَ شَأْنَهُمَا فَسُقِطَ فِیْ نَفْسِیْ مِنَ التَّکْذِیْبِ وَلَا اِذْ کُنْتُ فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَلَمَّا رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِیَنِیْ ضَرَبَ فِیْ صَدْرِیْ فَفِضْتُ عَرَقًا وَ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلَی اللّٰهِ فَرَقًا فَقَالَ لِیْ یَا اُبَیُّ اُرْسِلَ اِلَیَّ اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی حَرْفٍ فَرَدَدْتُ اِلَیْهِ اَنْ هَوِّنْ عَلٰی اُمَّتِیْ فَرُدَّ اِلَیَّ الثَّالِثَةَ اِقْرَأْهُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ وَ لَکَ بِکُلِّ رَدَّۃٍ رَدَدْتُکَهَا مَسْئَلَةٌ تَسْأَلُنِیْهَا فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ وَ اَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِیَوْمٍ یَرْغَبُ اِلَیَّ الْخَلْقُ کُلُّهُمْ حَتّٰی اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ.

(رواہ المسلم)

(۲۸۷) ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نماز کے لیے آیا اور اس نے کچھ نئے طرز سے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا۔ پھر دوسرا شخص آیا اس نے اس سے بھی علیحدہ طرز سے قراءت کی جب ہم نماز سے فارغ ہو گئے تو سب مل کر آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا (یارسول اللہؐ) اس شخص نے قرآن شریف کچھ اس انداز میں پڑھا ہے جو مجھے نیا نیا معلوم ہوتا ہے دوسرے شخص نے اس سے بھی الگ طرز میں پڑھا ہے آپ نے ان دونوں کو پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا انہوں نے پھر اسی طرح پڑھ پڑھ کر سنا دیا آپ نے دونوں کی تحسین فرما دی یہ سن کر میرے قلب میں آپ ؐ کی ایسی تکذیب پیدا ہونے لگی کہ کبھی کفر کے زمانہ میں بھی ایسی پیدا نہ ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ نے جب میرے شک و تردد کی اس کیفیت کو محسوس کیا جو اس وقت مجھ پر چھا گئی تھی تو اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا اس کے اثر سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرے اذعان و یقین کا یہ عالم ہو گیا کہ مارے خوف کے گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اس کے بعد آپ نے فرمایا ابی؟ میرے پاس پہلے یہی وحی آئی تھی کہ قرآن کو صرف ایک ہی طرح پڑھے۔ میں نے (امی امت کے خیال سے) درخواست کی کہ میری امت کے لیے کچھ اور سہولت کر دی جائے۔ تیسری بار مجھے یہ جواب ملا کہ آپ ؐ کو سات طریقے تک پڑھنے کی اجازت دے دی گئی اور اتنا ہی نہیں بلکہ آپ ؐ کی ہر درخواست کے بدلہ میں آپ کو ایک ایک دعا کا حق اور دیا جاتا ہے جو چاہیے مانگ لیجئے۔ آپ ؐ نے دو بار تو یہی دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو بخش دے اور تیسری دعا اس دن کے لیے اٹھا رکھی ہے جس میں تمام مخلوق کو (شفاعت کے لیے) میری ہی تلاش ہو گی یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ کو بھی۔ (مسلم)

---

(۲۸۷) * شبہات کی دنیا دلائل کے لشکروں سے کبھی شکست نہیں کھاتی اس لیے آپ نے اس کے شبہات کا علاج پہلے ہی دلائل سے نہیں کیا بلکہ اس کے سینہ پر ایک ایسی بصیرت افروز ضرب لگائی کہ اس کا قلب اذعان و ایقان سے معمور ہو گیا اور نسبت احسان نے اس شدت سے ظہور کیا کہ اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا شبہات سب برطرف ہو گئے اور خدا کی ذات عظیم البرکات کا جلوہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ جب آپ ؐ نے دیکھ لیا کہ اب مریض کا تردد اچھی طرح شفایاب ہو گیا ہے اس کا ایمان پھر تازہ ہو گیا ہے اور نور یقین پھر سر نو اس کے قلب میں بھڑک اٹھا ہے تو اب فہمائش کا موقعہ بھی نکل آیا آپ نے فرمایا کہ تمہارے شبہ کی بنیاد کچھ نہیں صرف حقیقت سے لاعلمی اور ...

(۲۸۸) عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرُّبَيِّعِ الْاُسَيْدِيِّ قَالَ لَقِيَنِیْ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَ الْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْىَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَ الْاَوْلَادَ وَ الضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَ اَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَا ذَاكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَ الْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْىَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَ الْاَوْلَادَ وَ الضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِیْ وَ فِی الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَ فِیْ طُرُقِكُمْ وَ لٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَ سَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (مسلم، مشکوٰۃ)

(۲۸۸) حنظلہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا حنظلہ! کہو کیا ہے؟ میں نے عرض کیا (حال کیا ہے) میں تو نفاق کی علت میں گرفتار نظر آ رہا ہوں' ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعجب سے فرمایا سبحان اللہ یہ کیا بات کہہ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا (درست کہہ رہا ہوں کیونکہ) جب ہم آپ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ ہمارے سامنے جنت و دوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں جب تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے گویا ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم آپ کی خدمت سے علیحدہ ہو کر باہر آتے ہیں تو پھر وہی بیبیوں' بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ فراموش ہو جاتا ہے (اندرون و بیرون کا فرق یہی نفاق ہے) اس پر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم یہ بات تو ہمیں بھی پیش آتی ہے اس کے بعد میں اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ گئے تو میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ حنظلہ تو منافق ہو گیا- آپ نے تعجب سے پوچھا کیا بات پیش آئی؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے ہیں تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم آپ کے پاس سے باہر آ جاتے ہیں تو پھر وہی بیبیوں' بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ بھول جاتے ہیں- یہ سن کر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ قائم رہو جو میری محفل میں ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بچھونوں پر اور راستوں میں کھلم کھلا تم سے مصافحہ کیا کریں لیکن اے حنظلہ گاہ چنیں گاہ چناں- تین بار فرمایا- (مسلم)

.... بے خبری ہے- دونوں قرأتوں کی تحسین کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی اپنی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے اپنی امی امت کی سہولت کے لیے خود یہ درخواست کی تھی کہ اس کے لیے قرأت میں کچھ توسیع کر دی جائے- میری یہ درخواست قبول ہو گئی اور قرآن کے مختلف صورتوں سے پڑھنے کی اجازت دے دی گئی- لہٰذا یہ دونوں قرأتیں منزل من اللہ ہیں اور میری تعلیم کردہ ہیں-

(۲۸۸) * حضرت حنظلہ جس قلبی کیفیت کو یہاں ذکر فرما رہے ہیں شریعت اس کو احسان سے تعبیر کرتی ہے دراصل یہ یقین ہی کی ....

(۲۸۹) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ غَدَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْنَا وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَ مَا ذَالِكَ قَالُوا النِّفَاقُ النِّفَاقُ قَالَ اَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَيْسَ ذَالِكَ النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوا الثَّانِيَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكْنَا وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَ مَا ذَاكَ قَالُوا النِّفَاقُ النِّفَاقُ قَالَ اَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ

(۲۸۹) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح کے وقت حاضر ہوئے اور کہا رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی نفاق نظر آتا ہے - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کلمہ توحید و رسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے؟ عرض کیا کیوں نہیں - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں - راوی کہتا ہے کہ انہوں نے دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی نفاق معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا کیا تم توحید و رسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے؟ عرض کیا کیوں نہیں - فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں - راوی کہتا ہے کہ تیسری بار انہوں نے پھر یہی کہا - یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب کعبہ کی

..... ایک منزل ہے جس کے بعد کوئی اور منزل نہیں - اس کے بعد جتنی ترقیات نصیب ہوتی ہیں اسی مرتبہ احسان میں نصیب ہوتی ہیں - اسلام یعنی اعمالِ جوارح سے قلب میں ایمان و تصدیق ابھرتی ہے اور قلب میں جتنی تصدیق ابھرتی جاتی ہے اتنا ہی مرتبہ احسان نزدیک ہوتا جاتا ہے - یہ اختیاری عمل نہیں بلکہ کیفیات نفسیہ میں ایک کیفیت ہے اس کے مقدمات بے شک اختیاری ہو سکتے ہیں یہ نعمت صرف ایک موہبت الٰہی ہے جو یقین کے عمل قلب ہے اور اختیاری ہے وہ صرف ایک اعتقاد جازم کا نام ہے جس میں کوئی تردد نہ ہو - پھر یہی اعتقاد جازم ترقی کر کے مقام احسان تک پہنچ جاتا ہے مگر یہ اختیاری امر نہیں صرف خدا کے دین کی بات ہے جسے چاہے مرحمت فرما دے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں یہ مقام پہلے ہی قدم پر میسر آ جاتا تھا اسی کو حنظلہؓ صحابی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ جب ہم آپ کی صحبت میں آ جاتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا عالم آخرت تمام آنکھوں کے سامنے رکھا ہوا ہے اور جب آپ کی صحبت سے اٹھ آتے ہیں تو پھر قلب کی یہ کیفیت نہیں پاتے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری یہ کیفیت دائمی بن جائے تو تم اس کو برداشت نہیں کر سکتے نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری بشریت کی قباء تار تار ہو جائے گی اور تم فرشتوں میں شامل ہو جاؤ گے - شریعت کا مقصد بشریت کی تکمیل ہے - قلب ماہیت نہیں - ہاں رفتہ رفتہ جب انسان کے جسم ناسوتی کے ضعیف تعمیر تجلیاتِ ربانیہ کی عادی بن جاتی ہے تو پہلے جو شخص ایک گھونٹ کی تاب نہ لا سکتا تھا اب وہ خم کے خم چڑھا کر بھی مدہوش نہیں ہوتا - خواجہ حافظؒ نے ان ہی منازل کی طرف اشارہ فرمایا ہے ۔

در بزم دور یک دو قدح درکش و برو ☆ یعنی طمع مدار وصالِ دوام را

انسانی ترقی کا راز غیبت و حضور کے اسی غوطہ زنی میں مضمر ہے - اگر مسلسل غیبت ہو جائے تو بحر محبت کے شناوروں کی ہمت شکستہ ہو جائے اور اگر حضور بے غیبت دائمی بن جائے تو بھی وصل دوام کی وجہ سے حرارتِ عشق سرد پڑ جائے - اسی کی طرف حدیث کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے - و لكن يا حنظلة ساعة و ساعة.

النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوا لثَالِثَة فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْنَا وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَ مَا ذَاكَ قَالُوْا النِّفَاقُ قَالُوْا اَمَّا اِذَ اكُنَّا عِنْدَكَ كُنَّا عَلٰى حَالٍ وَ اِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ هَمَّتْنَا الدُّنْيَا وَ اَهْلُوْنَا قَالَ لَوْ اَنَّكُمْ اِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِيْ تَكُوْنُوْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ بِطُرُقِ الْمَدِيْنَةِ.

قسم ہم تو ہلاک ہو گئے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ (اس مرتبہ انہوں نے زیادہ تفصیل سے) کہا کہ جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ہماری حالت کچھ اور ہی ہوتی ہے- اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر چلے آتے ہیں تو پھر دنیا اور گھر بار کی فکر ہمیں گھیر لیتی ہے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسی حالت پر ہمیشہ رہتے جو میری صحبت میں ہوتی ہے تو مدینہ کی گلیوں میں فرشتے تم سے مصافحہ کرنے لگتے- (ابویعلی)

(رواہ ابو یعلیٰ رجالہ و رجال الصحیح غیر غسان بن برزین و ھو ثقة- مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٣١٠)

(٢٩٠) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ فَلَمَّا بَلَغَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ كَادَ قَلْبِيْ اَنْ يَّطِيْرَ. (رواہ البخاری ص ٧٢٢)

(٢٩٠) جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ والطور پڑھتے سنا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے ﴿اَمْ خُلِقُوْا ...... الخ﴾ کیا یہ لوگ از خود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود خالق ہیں کیا آسمان اور زمین کو انہیں لوگوں نے پیدا کیا ہے- بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں- کیا ان کے پاس خدا کے خزانے ہیں کیا یہی لوگ داروغہ بنائے گئے ہیں تو مجھ کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اب اڑا اب اڑا- (بخاری شریف)

❁ ❁ ❁

الایمان ھو اعتقادٌ بتوحید اللّٰہ تعالٰی و تصدیق بالرسالة و ان الرسل عباد اللّٰہ و ان الجنة حق و النار حق و لا یدخل احدٌ الجنة الا به

خدا تعالیٰ کی توحید' رسولوں کی رسالت' ان کی بندگی کا اعتقاد اور جنت و دوزخ کے وجود کو تسلیم کرنا جزء ایمان ہے اس کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا

واضح رہے کہ حدیثوں میں ایمان کی تعریف کے بارے میں اجمال وتفصیل کا تھوڑا سا اختلاف نظر آتا ہے کہیں اس میں صرف کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ہے اور کہیں اس کے ساتھ رسالت کی تصدیق بھی شرط معلوم ہوتی ہے اور کہیں ان دونوں کے ساتھ بعض اور اعتقادیات بھی شامل نظر آتے ہیں اور کہیں اعتقادیات کے ساتھ اعمال کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے- پھر کہیں صرف اعمال ہی کو ایمان کہہ دیا جاتا ہے لیکن ان تمام صورتوں میں جو صورت عام طور پر حدیثوں میں ذکر ہوتی ہے وہ توحید کے ساتھ رسالت کی بھی تصدیق ہے- اس عبارتی اختلاف کی وجہ سے اعمال کی جزئیت وعدم جزئیت میں تو محدثین وفقہاء کے مابین کچھ لفظی سا نزاع پیدا ہو گیا ہے مگر یہ مسئلہ کسی اختلاف کے بغیر ہمیشہ مسلّم چلا آیا ہے کہ ایمان کے لیے خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت کی تصدیق دونوں ہی اجزاء لاینفک ہیں- اس وقت یہاں ہماری غرض صرف اسی پر کلام کرنا ہے کہ شرائع سماویہ میں رسولوں پر ایمان لانا بھی ہمیشہ توحید الٰہی کے برابر کا جزء سمجھا گیا ہے- آسمانی مذاہب میں سے کسی ایک مذہب میں بھی صرف خدا تعالیٰ کی توحید کو مدار نجات نہیں سمجھا گیا یہ صورت بالکل جداگانہ ہے کہ اگر کوئی زمانہ ایسا گذرا ہو جس میں خدائے تعالیٰ کا کوئی رسول ہی موجود نہ ہو یا کوئی ایسا مقام ہو جہاں کسی رسول کی آواز ہی نہ پہنچ سکتی ہو تو کیا اس کے لیے بھی رسول پر ایمان لانا ضروری ہوگا- ان فرضی صورتوں سے گذر کر ہمیں اس وقت اس پر کلام کرنا منظور ہے کہ کسی رسول کی دعوت پہنچ جانے کے بعد بھی کیا کوئی شخص ایسا ہو سکتا ہے جو رسول پر ایمان لانے سے مستثنٰی ہو سکے- پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن وحدیث کے تواتر سے یہ ثابت ہے کہ رسولوں کی تصدیق نجاتِ ابدی کے لیے ایسی ہی ضروری چیز ہے جیسی کہ خدائے تعالیٰ کی توحید- اس میں کسی تفریق کی کوئی گنجائش نہیں- اس مضمون پر ایمان بالرسول کے عنوان کے تحت ترجمان السنہ جلد اول میں بھی کچھ روشنی ڈالی جا چکی ہے-

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور قیامت کے انکار کو بھی یہی حیثیت حاصل ہے یعنی توحید کی طرح ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے-

وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا. (سورة النساء : ۱۳۶)	اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ تعالیٰ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر وہ یقیناً بھٹک کر دور جا پڑا-

حضرت مجدد الف ثانی'' ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں- انبیاء علیہم السلام عموماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً' سب اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان رحمت ہیں ان ہی کے طفیل میں عالم کو نجات ابدی نصیب ہوئی اگر ان کا مبارک وجود نہ ہوتا تو حق تعالیٰ کی ذات اتنی بے نیاز تھی کہ کسی کو اپنی ذات وصفات کی اطلاع تک نہ دیتی اور نہ کوئی فرد بشر اس کی ذات کو پہچان سکتا- اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کسی کو ان اوامر ونواہی کا مکلف نہ بناتا جن میں سراسر مخلوق ہی کا نفع مضمر تھا اور کسی کو حق تعالیٰ کی

مرضیات و نامرضیات کا علم نہ ہوتا پس اس نعمت عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے-

انبیاء علیہم السلام اصولِ دین میں سب متفق ہیں اور ان میں ایک متفق علیہ عقیدہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہیے اور ایک مخلوق کو دوسری مخلوق کو اپنا معبود نہ بنانا چاہیے یہ سعادت صرف انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہے- ان کے سوا اور کسی کو میسر نہیں ہوئی بلکہ یہ حقیقت بجز انبیاء علیہم السلام کے کسی اور کی زبان سے بھی کبھی ادا نہیں ہوئی- منکرین نبوت اگر خدائے تعالیٰ کو ایک کہتے ہیں تو یا تو وہ صرف اہل اسلام کی تقلید میں کہتے ہیں اور یا پھر صرف صفت وجوب میں اس کو واحد کہتے ہیں استحقاقِ عبادت میں نہیں- اہل اسلام کے نزدیک حق تعالیٰ کی ذات جس طرح صفت وجوب میں یکتا و یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی طرح استحقاق عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے- کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے معنی بھی باطل معبودوں کی عبادت کی نفی اور معبودِ برحق کا اثبات ہے- دوسری بات جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے انسانوں کی طرح ایک بشر ہی تصور کرتے ہیں' صرف ایک اللہ ہی کی ذات کو معبود سمجھتے ہیں اسی کی عبادت کی مخلوق کو دعوت دیتے ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات پاک کو حلول و اتحاد سے منزہ تصور فرماتے ہیں- منکرین نبوت کی تعلیم یہ نہیں ان میں بعض تو یہاں تک تجاوز کر گئے ہیں کہ خود ہی مدعی الوہیت بن گئے ہیں اور اپنی ذات میں حق تعالیٰ کے حلول کے معتقد ہیں- لہٰذا اپنے نفس پر الوہیت کے اطلاق کرنے میں کوئی باک نہیں کرتے اور اس گمراہی کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں کسی بات کی ممانعت ہی کیا لہٰذا جو وہ کہہ دیں وہ سب درست اور جو کر گذریں وہ سب مباح ہے' اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا قدم بندگی کی حدود سے ہی باہر نکل گیا پھر وہ ہر قسم کے برے افعال میں مبتلا ہوئے اور ان کی وجہ سے دوسروں کے لیے بھی ان افعال کی اباحت کا دروازہ کھل گیا-

تیسری بات جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے ساتھ خاص ہے یہ ہے کہ یہ حضرات ملائکہ معصوم کے نزول کے قائل ہیں ان میں کسی قسم کا لوث تسلیم نہیں کرتے اور ان کو امین اور خدا تعالیٰ کی وحی کا حامل سمجھتے ہیں- خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام دین کی جو بات فرماتے ہیں وہ حق تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں اور ان کے اجتہادی احکام بھی وحی سے مؤید ہوتے ہیں- بالفرض اگر ان سے کوئی لغزش واقع ہو جاتی ہے تو فوراً وحی الٰہی اس کا تدارک کر دیتی ہے اس کے برعکس منکرین نبوت کے رؤسا جو کہتے ہیں اپنی جانب سے کہتے ہیں اور اپنی الوہیت کے گھمنڈ میں سب کو حق تصور کرتے ہیں انصاف کرنا چاہیے کہ بھلا ایسے بے عقلوں کی باتوں کا کیا اعتبار کرنا چاہیے اور ان کی اتباع کیسے کرنی چاہیے- (مکتوب نمبر ۶۳ جلد اول ص ۹ ے مکتوب سوم جلد سوم)

حضرت مجدد صاحبؒ کے اس مکتوب سے معلوم ہوا کہ جب یہ کلمہ نفی استحقاق عبادت کے معنی میں صرف انبیاء علیہم السلام کی زبان فیض ترجمان سے شروع ہوتا ہے تو اب اس معنی کے لحاظ سے جو شخص بھی اس کلمہ کو پڑھے گا وہ درحقیقت صرف ان کی اتباع اور ان کی تصدیق کے بعد ہی پڑھے گا اس لیے اس کلمہ کا پڑھنا ہی خود رسالت کی تصدیق کو متضمن ہوگا- اصل یہ ہے کہ کافروں کو براہ راست خدائے تعالیٰ کی ذات سے تو عداوت کبھی نہیں ہوئی ان کو جو کچھ عداوت تھی وہ رسول کی ذات سے تھی یا اس خدا سے تھی جس کی طرف اس رسول نے ان کو دعوت دی- پس انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی توحید کو تسلیم کر لینا یہ درحقیقت ان کی تصدیق ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے- یہ سوال محض فرضی ہے کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت انبیاء علیہم السلام کے توسط کے بغیر حاصل ہو جائے تو اس کا حکم کیا ہوگا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی اس کا وجود اتنا نادر ہوگا کہ ایسی نادر جزئیات پر حدیثوں کو حمل نہیں کیا جا سکتا تاکہ اس میں تاویل کی ضرورت ہو-

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر اس کی تصریح فرمائی ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی حق کا کوئی وجود ہے وہ سب ان حضرات ہی کا طفیل اور ان ہی کے برکات کا بلا واسطہ یا بالواسطہ اثر ہے۔ پس جن کے وجود سے صحیح عقائد دنیا کو پہنچے اگر ان ہی کو درمیان سے علیحدہ کر دیا جائے تو کسی آسمانی دین کی بنیاد ہی قائم نہیں رہتی۔ چہ جائیکہ اس سے اس طرح صرف نظر کر لی جائے کہ رسول کی پوری زندگی اور اس کی پوری تعلیمات کا منکر صرف اپنی مزعوم توحید کی بنا پر نجات پانے کا مستحق ہو۔ یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ توحید کے معنی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک سمجھنا نہیں ہے نہ صرف وحدانیت کوئی کمال ہے بلکہ اجمالاً ان تمام صفاتِ کمالیہ کے ساتھ واحد جاننا بھی ضروری ہے جو حق تعالیٰ کی درحقیقت صفات ہیں پھر ان صفات کا اجمالی علم بھی اسی وقت کافی ہوسکتا ہے جب کہ عقیدہ میں شرک کا کوئی شائبہ موجود نہ ہو اگر صفات کے اجمال بلکہ اس کی تفصیلات کے ساتھ کوئی ادنیٰ درجہ کا شرک بھی موجود ہے تو یہ توحید، توحید ہی نہیں کہلائے گی۔ ایمان کے لیے وہ توحید خالص درکار ہے جس میں شرک کا کوئی شائبہ نظر نہ آئے یہ توحید صرف انبیاء علیہم السلام کے توسط سے حاصل ہو سکتی ہے[1] جس طرح خدا تعالیٰ کی توحید صرف زبان سے اس کو ایک کہنے کا نام نہیں اسی طرح رسول پر ایمان بھی صرف اس کو ایک سچا انسان مان لینے کا نام نہیں بلکہ اس کو ان تمام عظمتوں کے ساتھ ماننا ضروری ہے جو قرآن کریم نے اس کے لیے لازم قرار دیں۔ اسی طرح ان عقائد سے اپنی بیزاری کا اظہار بھی ضروری ہے جو اس کی حدودِ عظمت سے باہر ہوں اور اسی کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ آپ کی شریعت کو اپنی معاش و معاد کا واحد دستور العمل بنا لے۔ ایک نصرانی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لا کر اس وقت تک مؤمن نہیں کہلا سکتا جب تک وہ ان کو خدائے تعالیٰ کا ایک بندہ تسلیم نہ کر لے اور آپ کے دین کو مکمل طور پر قبول نہ کر لے۔ پھر جب رسول کی ہستی اس طرح واجب التسلیم ہو جاتی ہے تو بقیہ تمام مغیبات کی تصدیق بھی اسی کی تصدیق کے ضمن میں خود بخود لپٹ جاتی ہے۔ جنت و دوزخ، فرشتے، تقدیر اور آخرت کے تمام احوال سب اسی ذیل میں آ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر حدیثوں میں صرف شہادتین کے ذکر پر کفایت کر لی گئی ہے اور کہیں ان کے ساتھ اور اعتقادیات کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ اب اگر ان کا پیغام رسول ہونا امت کو بذریعہ تواتر ثابت ہو گیا ہے تو امت نے ان کو بھی رسول ہی کے تصدیق کا جزء سمجھ لیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام مغیبات پر ایمان، رسول پر ایمان میں درج ہے اور رسول پر ایمان کلمہ لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لانے میں درج ہے۔ اس لیے ان حدیثوں کے درمیان اصل مضمون کا کوئی اختلاف نہیں صرف اجمال و تفصیل یا محض ایک اسلوب بیان کا اختلاف ہے اس سے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی موشگافی کرنی تحقیق نہیں بلکہ زندقہ ہے۔

---

[1] حافظ ابن تیمیہؒ کی حسب ذیل تحقیق نہایت قابل قدر ہے وہ فرماتے ہیں:

"وقد بينا في (الصارم المسلول) ان التوحيد و الايمان بالرسل متلازمان و كل امة لا تصدق الرسل فلا تكون الا مشركة و كل مشرك فانه مكذب للرسل فمن دخل في نوع من الشرك الذي نهت عنه الرسل فانه مناقض لهم مخالف لموجب رسالتهم". (كتاب الرد على البكري ص ٢٦٦)

"ہم نے اپنی کتاب (الصارم المسلول) میں یہ بات واضح طور پر ثابت کر دی ہے کہ توحید اور رسولوں پر ایمان لانا یہ دونوں باتیں باہم متلازم ہیں جو لوگ رسولوں کی تصدیق نہیں کرتے وہ یقیناً مشرک ہوتے ہیں اور جو مشرک ہیں وہ بلاشبہ رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اس لیے جو شخص شرک کی کسی نوع میں بھی مبتلا ہوگا وہ ان کا دشمن اور ان کی رسالت کے مقتضیٰ کا مخالف کہلائے گا کیونکہ رسولوں نے شرک کی جملہ اقسام کی ممانعت کی ہے"۔

4

اسی لیے حافظ ابن تیمیہؒ نے کلمہ طیبہ کی حقیقت کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

فدین الاسلام مبنی علی اصلین من خرج عن واحد منهما فلا عمل له و لا دین ان نعبد اللّٰه وحده و لا نشرک به شیئا و علی ان نعبده بما شرع لا بالحوادث و البدع وهو حقیقة قول لا اله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه. (صلی اللّٰه علیه وسلم) (الرد علی البکری ص ۵۳)

یعنی دین اسلام کے دو اصول ہیں جو شخص ان میں سے کسی ایک کو ترک کر دے نہ اس کا دین معتبر ہے نہ کوئی عمل- ایک یہ کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں- دوم یہ کہ ہم ان طریقوں سے اس کی عبادت کریں جو شریعت کے مقرر کردہ ہوں نو ایجاد طریقے نہ ہوں- یہی کلمہ طیبہ کی اصلی حقیقت ہے-

عبارت بالا میں حافظ موصوف نے بڑی خوبی سے توحید و رسالت کی روح بتا دی ہے- یعنی دعوت انبیاء علیہم السلام کا اصل مرکز توحید فی العبادۃ ہے' لہٰذا صرف زبان سے خدائے تعالیٰ کو ایک کہہ کر کوئی شخص فرض توحید سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا- دوم رسالت کے تسلیم کرنے کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت میں ان کے بتائے ہوئے طریقوں سے سر مو تجاوز نہ کرے- گویا اسلام یہ ہے کہ صرف ایک ہی کی عبادت کرے اور وہ بھی صرف اس طریقے سے کرے جس طرح کہ اس کے رسول نے بتائی ہو-

یہاں حضرت استاد قدس سرہ نے ایک نہایت لطیف اور اہم نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو حدیثیں اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں ان میں جہاں کہیں صرف کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ہے وہاں رسالت کا دوسرا جزء محذوف ہے اور جہاں اس کے ساتھ شہادۃ کا لفظ بھی موجود ہے وہاں رسالت کی شہادت کا دوسرا اجزء بھی ضرور موجود ہوتا ہے- ان کے سوا جن حدیثوں میں صرف توحید کی شہادت پر نجات کا وعدہ مذکور ہے اول تو وہ اس درجہ صحیح نہیں پھر وہ بھی بہت شاذ و نادر ہے- اس کا راز یہ ہے کہ شہادتین ایمان کے اجزاء ہیں اس کا ایک جزء دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتا اور کلمہ طیبہ تمام شریعت کا ایک سرنامہ اور اسلام کا گویا ایک کلی عنوان بن گیا ہے- لہٰذا اس سرخی میں وہ سارا مضمون اجمالاً سمایا ہوا ہوتا ہے جس کی یہ سرخی قرار دی گئی ہے- اس لیے لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ دوسری شہادۃ کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور ان حدیثوں کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ اس کلمہ کے قائل ہیں یعنی مسلمان' ان کے لیے جنت کی بشارت ہے- اور جہاں شہادت کا لفظ اضافہ ہو جاتا ہے وہاں خاص ایک عقیدہ کا بیان کرنا منظور ہوتا ہے جس کی شہادت ایمان کے لیے ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ایمان کے لیے چونکہ صرف توحید کی شہادت کافی نہیں اس لیے اس کے ساتھ محمدؐ رسول اللہ کی شہادت کا دوسرا اجزء بھی لازمی طور پر مذکور ہوتا ہے- خلاصہ یہ کہ اگر یہ مضمون اداء کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس ایمان کی حقیقت کیا ہے جس کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا تو اس جگہ توحید و رسالت دونوں اجزاء کی شہادت لازمی طور پر ذکر ہوتی ہے اور جہاں یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ کون سی جماعت یا کون سا مذہب ہے جس کے لیے جنت کی بشارت ہے تو اس کو یوں ادا کر دیا جاتا ہے کہ جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو اور جس کا انتساب اس کلمہ کی طرف ہو- (دیکھو ترجمان السنہ ص ۳۳۵)

(۲۹۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ اَنَّ عِيْسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِنْهُ وَ اَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَ النَّارُ حَقٌّ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنْ عَمَلٍ و فى رواية اَدْخَلَهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى الْجَنَّةَ مِنْ اَبْوَابِهَا الثَّمَانِيَةِ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ دَخَلَ. (متفق عليه)

(۲۹۱) عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں' جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ جو تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اس کے بندہ اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے بندہ اس کے رسول' اور اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے حضرت مریم علیہا السلام پر القاء فرمایا تھا اور اس کی طرف سے بھیجی ہوئی ایک روح ہیں اور جنت حق ہے جہنم حق ہے تو (ان اصولی عقائد کے تسلیم کرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ضرور داخل کرے گا خواہ اس کے اعمال کچھ بھی ہوں- دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا (اور اسے اختیار دے گا کہ) وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں جس سے چاہے داخل ہو جائے- (متفق علیہ)

---

(۲۹۱) * حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود ملعون قرار دیتے تھے (والعیاذ باللہ) اور نصاریٰ خدا کا بیٹا- اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ دونوں عقیدے سراسر افراط وتفریط کی راہیں ہیں وہ عبدیت و رسالت کی صفت سے سرمو بھی متجاوز نہ تھے- روح اللہ ان کا صرف ایک لقب تھا- نصاریٰ کو یہاں یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے جزئیت کی نسبت سمجھنے لگے- (والعیاذ باللہ) حالانکہ عرب میں اضافت کی بہت سی قسمیں ہیں' ان میں ایک قسم اضافت تشریف بھی ہے- جیسی بیت اللہ میں اس اضافت کا مطلب بھی یہ نہیں کہ اس بیت محترم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کو تمکن کا حقیقۃ کوئی علاقہ ہے بلکہ صرف اس کی شرافت کا اظہار مقصود ہے روح اللہ اور کلمۃ اللہ کی اضافت کا مفہوم بھی تشریف سے زیادہ اور کچھ نہیں- یہاں شیخ اکبرؒ نے ایک اور لطیف تحقیق لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یوم میثاق میں تمام ارواح سے عہد لے کر سب کو تو پھر اصلاب آباء میں واپس کر دیا گیا تھا ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی جو واپس نہیں کی گئی تھی اس کو حضرت جبرئیل کے سپرد کر دیا گیا تھا تا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ آئے تو وہ اس امانت الٰہیہ کو براہ راست حضرت مریمؑ کے حوالہ کر دیں- چنانچہ جب ان کی ولادت کا زمانہ آیا تو وہ ایک خوبصورت انسان کی شکل میں متمثل ہوئے اور یہ امانت ان کے حوالہ کر گئے- حضرت عیسیٰؑ کے روح اللہ اور روح منہ ہونے کی حقیقت یہ ہے- (دیکھو الیواقیت والجواہر ج ا ص ۱۱۸) اس تحقیق کا ابتدائی حصہ مسند امام احمد میں بھی مذکور ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے بھی تقدیر کے باب میں اس کو نقل کیا ہے-

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نجات ابدی کا تمام دارومدار ایمان و عقائد کی اصلاح پر ہے- اس میں کوئی ادنیٰ فروگذاشت بھی قابل درگذر نہیں ہوسکتی- ہاں اعمال کی ہر کمزوری قابل درگذر ہوسکتی ہے- اسلامی تمام عقائد کی روح توحید و رسالت ہے مگر وہ توحید نہیں جس کو عقیدۂ تثلیث کے ساتھ نبھایا جاسکے بلکہ وہ توحید جس میں مثال ونظیر کی شرکت کی گنجائش نہ ہو اس لیے نصاریٰ کو یہ اقرار کرنا ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں تھے بلکہ اس کے بندہ تھے اور یہود کو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ملعون (والعیاذ باللہ) نہیں تھے بلکہ خدا کے مقدس رسول تھے' کلمۃ اللہ بھی تھے اور روح اللہ بھی راہ اعتدال بس یہی ہے اس کے بغیر جنت میں داخلہ نہیں ہوسکتا-

اس روایت سے معلوم ہوا کہ توحید کا اصل رکن شرک سے بیزاری ہے- جن عقائد میں شرک کی بو آتی رہے وہ اسلامی توحید کے منافی ہیں- اور یہ بھی معلوم ہوا کہ توحید و رسالت اسلام کے وہ بنیادی اصول ہیں جن کے ماننے سے انبیاء خود بھی مستثنیٰ نہیں ہیں- ان کے لیے بھی یہ اسی طرح واجب التسلیم ہیں جس طرح ان کی امت کے لیے- اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان صرف ایک علم نہیں بلکہ قلب کا اختیاری عمل ہے جیسا جہاد درحج جوارح کے عمل ہیں-

(الف۲۹۱) عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ بَيْنَهُمَا نَحْنُ نَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ سَمِعَ الْقَوْمَ وَ هُمْ يَقُوْلُوْنَ اَىُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَحَجٌّ مَبْرُوْرٌ ثُمَّ سَمِعَ نِدَاءً فِي الْوَادِيْ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَا اَشْهَدُ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّايَشْهَدَ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا بَرِئَ مِنَ الشِّرْكِ.

(الف۲۹۱) عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ دفعۃً صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرتے سنا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے عمل افضل ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا' اللہ کے لیے جہاد کرنا اور جنایت کے بغیر حج کرنا - اتنے میں وادی سے ایک آواز سنائی دی کوئی کہنے والا کہتا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ - یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی اس کی گواہی دیتا ہوں اور اس کی بھی کہ جو شخص یہ گواہی دے اس نے شرک سے اپنی بیزاری کا اظہار کر دیا - (احمد)

(رواہ احمد و الطبرانی فی الکبیر قال الہیثمی و رجال احمد موثوقون)

(ب۲۹۱) يَحْيٰى عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ اَنَّهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَ هُوَ فِي الْمَوْتِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ مَهْلًا لِمَ تَبْكِيْ فَوَ اللّٰهِ لَئِنِ اسْتُشْهِدْتُ لَاَشْهَدَنَّ لَكَ وَ لَئِنْ شُفِّعْتُ لَاَشْفَعَنَّ لَكَ وَ لَئِنِ اسْتَطَعْتُ لَاَنْفَعَنَّكَ ثُمَّ قَالَ وَ اللّٰهِ مَا مِنْ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهٗ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ خَيْرٌ اِلَّا حَدَّثْتُكُمُوْهُ اِلَّا حَدِيْثًا وَاحِدًا وَ سَوْفَ اُحَدِّثُكُمُوْهُ الْيَوْمَ وَ قَدْ اُحِيْطَ بِنَفْسِيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (اخرجه مسلم)

(ب۲۹۱) یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ میں عبادۃ بن الصامت کی خدمت میں ایسے وقت پہنچا جب کہ وہ نزع کی حالت میں تھے - ان کو دیکھ کر مجھ پر گریہ طاری ہو گیا - انہوں نے فرمایا ٹھہرو کیوں روتے ہو' اگر تمہارے حق میں مجھ سے شہادت طلب کی گئی تو میں تمہارے لیے شہادت دوں گا اور اگر میری سفارش منظور کی گئی تو تمہارے لیے ضرور سفارش کروں گا اور اگر کوئی نفع رسانی میرے بس میں ہوگی تو میں ہرگز اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا - اس کے بعد فرمایا بخدا کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں تمہارے لیے کوئی بہتری کی بات ہو اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو مگر اس کو میں نے تم سے بیان کر دیا ہے صرف ایک حدیث باقی ہے اور آج جب کہ میرا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرنے والا ہے اسے بھی تم سے بیان کیے دیتا ہوں - میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو شخص اس کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے پیغمبر ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر عذاب دوزخ حرام کر دے گا - (مسلم)

(۲۹۲) عَنْ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِؓ قَالَ قُلْتُ يَا

(۲۹۲) ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول

---

(۲۹۲) * مسند امام احمد میں اس حدیث کے شروع میں حضرت عثمانؓ کا ایک طویل واقعہ ذکر کیا ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے باب الکبائر میں نقل کیا ہے - حضرت عثمانؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو صحابہؓ کے دلوں پہ غموں کے ﷲ ....

رَسُوْلَ اللّٰهِ مَانَجاةُ هٰذَا الْاَمْرِ الَّذِیْ نَحْنُ فِیْهِ فَقَالَ مَنْ شَهِدَاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَهُوَ لَهٗ نَجاةٌ.
(اخرجه ابو یعلی و العقیلی و الدارقطنی فی الافراد)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین میں مدارنجات کیا چیز ہے؟ فرمایا جو اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ بس یہی اس کے لیے باعث نجات ہے۔

(۲۹۳) زَعَمَ مَحْمُوْدٌ اَنَّهٗ عَقَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجَّةً مَجَّهَا مِنْ دَلْوٍ كَانَتْ مِنْ دَارِهِمْ قَالَ سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكِ الْاَنْصَارِیَّ ثُمَّ اَحَدَ بَنِیْ سَالِمٍ قَالَ غَدَا عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَنْ يُّوَا فِیْ عَبْدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِیْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (رواه البخاری)

(۲۹۳) محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ مجھے وہ کلی خوب یاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر کے ڈول سے پانی پی کر میرے منہ پر ڈالی تھی۔ محمود بیان کرتے ہیں کہ میں نے عتبان بن مالک انصاری سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک روز میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا جو بندہ ایسا ہوگا کہ اس نے لا الٰہ الا اللہ صرف اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے کہا ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ ضرور حرام کردے گا۔ (بخاری شریف)

(۲۹۴) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَاَصَابَنَا جُوْعٌ شَدِيْدٌ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْعَدُوَّ قَدْ حَضَرَ وَهُمْ شِبَاعٌ وَالنَّاسُ جِيَاعٌ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ اَلَا نَنْحَرُ نَوَاضِحَنَا فَنُطْعِمُهَا النَّاسَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَابَلْ

(۲۹۴) عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (زادراہ کے فقدان کی وجہ سے) ہمیں سخت بھوک کی نوبت آئی ہم نے عرض کیا یارسولؐ اللہ دشمن سامنے موجود ہے وہ شکم سیر ہے اور ہم لوگ بھوکے۔ انصار نے کہا تو کیا ہم اپنی اونٹنیاں ذبح کر کے ان کا گوشت لوگوں کو نہ کھلا دیں۔ آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ کسی کے کجاوہ میں جو کچھ ہو یا یہ فرمایا جس کے پاس کچھ بچا ہوا کھانا ہو

للہ .... پہاڑ ٹوٹ پڑے اور ان کے دلوں میں طرح طرح کے وساوس گذرنے لگے میں بھی ان ہی میں کا ایک فرد تھا میں اسی غم واندوہ کے حال میں بیٹھا ہوا تھا کہ عمرؓ میرے پاس سے گذرے انہوں نے سلام کیا مگر مجھے کچھ خبر نہ ہوئی انہوں نے ابوبکرؓ سے اس بات کی شکایت کی وہ دونوں مل کر میرے پاس آئے اور سلام کیا ابوبکرؓ بولے آپ نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ میں نے کہا میں نے تو ہرگز ایسا نہیں کیا۔ عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم آپ نے ضرور یہ بے اعتنائی کی ہے۔ انہوں نے فرمایا بخدا مجھے تو اپنے غم میں یہ خبر تک نہ ہوئی کہ آپ یہاں سے گذرے تھے اور مجھے سلام کیا تھا۔ ابوبکرؓ نے فرمایا عثمانؓ نے سچ کہا انہیں ایک بڑے معاملہ کی فکر نے ادھر سے بے خبر بنا دیا تھا۔ میں نے کہا یہی بات تھی۔ انہوں نے فرمایا تو فرمایئے وہ فکر کیا ہے میں نے کہا فکر یہ ہے کہ آپؐ کی تو وفات ہوگئی اور ہم آپؐ سے یہ تحقیق نہ کر سکے کہ دین میں مدارنجات کیا چیز ہے۔ ابوبکرؓ بولے میں اس کی تحقیق کر چکا ہوں۔ یہ سن کر میں ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوگیا اور میں نے کہا میرے والدین آپ پر قربان ہوں آپ ہی اس تحقیق کے سب سے زیادہ اہل تھے (تو بتایئے وہ بات کیا ہے) انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا دین میں مدارنجات کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو شخص وہی ایک کلمہ جو میں نے اپنے چچا کے سامنے پیش کیا تھا اور انہوں نے نہ مانا تھا۔ میرے جانب سے قبول کرلے گا تو وہی اس کے لیے نجات کا موجب ہو جائے گا۔

يَجِيُ كُلُّ رَجُلٍ مِنكُمْ بِمَا فِي رَحْلِهِ وَ فِي لَفْظٍ مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ طَعَامٍ فَلْيَجِيْ بِهِ وَ بَسَطَ نِطَعًا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ بِالْمُدِّ وَ الصَّاعِ وَ اَكْثَرَ وَ اَقَلَّ فَكَانَ جَمِيعُ مَا فِي الْجَيْشِ بِضْعًا وَ عِشْرِيْنَ صَاعًا فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جَنْبِهِ وَ دَعَا بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ دَعَا النَّاسَ فَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ خُذُوْا وَ لَا تَنْتَهِبُوْا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَاْخُذُ فِيْ جِرَابِهِ وَ فِيْ غَرَارَتِهِ وَ اَخَذُوْا فِيْ اَوْعِيَتِهِمْ حَتّٰى اَنَّ الرَّجُلَ لَيَرْبِطُ كُمَّ قَمِيْصِهِ فَيَمْلَاءُهُ فَفَرَغُوْا وَ الطَّعَامُ كَمَا هُوَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَاْتِيْ بِهِمَا عَبْدٌ مُحِقٌّ اِلَّا وَ قَاهُ اللّٰهُ حَرَّ النَّارِ. (اخرجه ابن راهويه و العدني و ابويعلى و الحاكم وغيرهم)

وہ میرے پاس لے آئے اور (یہ کہہ کر) آپؐ نے چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا- کوئی ایک مد لایا' کوئی ایک صاع' کوئی اس سے زیادہ اور کوئی اس سے کم- اس وقت تمام لشکر میں سے کھانے کی جو مقدار جمع ہو سکی وہ بیس صاع سے کچھ زیادہ ہوگی آپ اس کے ایک طرف بیٹھ گئے اور اس میں برکت کے لئے دعا فرمائی- اس کے بعد لوگوں کو آواز دی اور فرمایا لو بسم اللہ کہہ کر اب اس میں سے اطمینان کے ساتھ لیتے جاؤ اور لوٹ نہ مچاؤ- لوگ اپنے اپنے توشہ دان اور گونوں اور برتنوں میں بھر بھر کر لے جانے لگے- یہاں تک کہ (کسی کو کچھ نہ ملا تو اس نے) اپنی آستین ہی کا منہ باندھ کر اسی کو بھر لیا- یہ تمام لشکر اپنا راشن لے کر فارغ ہو گیا اور وہ کھانا تھا کہ جوں کا توں ہی رکھا ہوا تھا- اس عظیم الشان برکت کے ظہور کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں اس کا رسول ہوں' جو بندہ سچے دل کے ساتھ یہ شہادت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آنچ سے بچا لے گا-

(حاکم)

(۲۹۵) عَنْ رِفَاعَةَ الْجُهَنِيِّ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْكُدَيْدِ اَوْ قَالَ بِقُدَيْدٍ فَجَعَلَ رِجَالٌ يَسْتَاْذِنُوْنَ اِلٰى اَهْلِيْهِمْ فَيَاْذَنُ لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ يَكُوْنُ شِقُّ الشَّجَرَةِ الَّتِيْ تَلِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْغَضَ اِلَيْهِمْ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَلَمْ نَرَ عِنْدَ ذٰلِكَ مِنَ الْقَوْمِ اِلَّا بَاكِيًا فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الَّذِيْ يَسْتَاْذِنُكَ بَعْدَهُ لَسَفِيْهٌ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ قَالَ حِيْنَئِذٍ اَشْهَدُ عِنْدَ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُ عَبْدٌ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ

(۲۹۵) رفاعہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے یہاں تک کہ جب مقام کدید یا قدید (شک راوی ہے) پہنچ گئے تو کچھ لوگ اپنے گھر جانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اجازت دیتے رہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگوں کا حال کیا ہو گیا ہے کہ ان کے نزدیک درخت کا وہ رخ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے اس کی دوسری سمت سے زیادہ مبغوض ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ ہم نے لوگوں میں کسی کو نہ دیکھا جو رو نہ رہا ہو- ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اب جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جانے کی اجازت مانگے وہ پرلے درجے کا بیوقوف ہوگا- یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا میں خدائے تعالیٰ کے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ جو بندہ بھی سچے

رَسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ ثُمَّ يُسَدِّدُ اِلَّا سَلَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ وَ قَدْ وَ عَدَنِيْ رَبِّيْ اَنْ يَّدْخُلَ مِنْ اُمَّتِيْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَ لَا عَذَابَ وَ اِنِّيْ لَاَ رْجُوْاَنْ لَا يَدْخُلُوْهَا حَتّٰى تَبَوَّئُوْا اَنْتُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَائِكُمْ وَ اَزْوَاجِكُمْ وَ ذُرِّيَّاتِكُمْ مَسَاكِنَ فِي الْجَنَّةِ.

(و عنه من طريق ثاني) قَالَ صَدَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَسْتَاْ ذِنُوْنَهٗ فذكر الحديث قَالَ وَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَّ الَّذِيْ يَسْتَاْذِنُكَ بَعْدَ هٰذِهٖ لَسَفِيْهٌ فِيْ نَفْسِيْ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِدَ اللّٰهَ وَ قَالَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ كَانَ اِذَا حَلَفَ قَالَ وَ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَامِنْ عَبْدٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ثُمَّ يُسَدِّدُ اِلَّا سَلَكَ فِي الْجَنَّةِ فذكر الحديث.

(وعنه من طريق ثالث) قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْكُدَيْدِ اَوْ قَالَ بِعَرَفَةَ فذكر الحديث.

(رواه احمد و الطبراني و البغوي و الباردوي و ابن قانع و ابن ماجه بعضه قال الهيثمي و رجاله موثوقون)

(۲۹۶) عَنْهُ عُثْمَانُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُوْلُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَنَا اُحَدِّثُكَ مَا هِيَ

دل سے گواہی دیتا ہوا مرے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی کہ میں اس کا رسول ہوں اس کے بعد اس کو اس شہادت پر صحیح طور پر قائم رہنے کی توفیق ملے گی تو وہ سیدھا جنت میں چلا جائے گا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں ستر ہزار افراد کسی حساب و عذاب کے بغیر جنت میں جائیں گے اور مجھے پوری امید ہے کہ جب تک تم، تمہارے باپ، تمہاری بیبیاں اور تمہارے بچے جو جو بھی ان میں نیک ہوں گے جنت میں اپنے اپنے ٹھکانے سے نہ بیٹھ جائیں گے کوئی امت اس میں داخل نہ ہو سکے گی۔

اس کے دوسرے طریقے میں یہ قصہ اس طرح مذکور ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے لوٹ رہے تھے واپسی میں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر جانے کی اجازت طلب کرنے لگے۔ (الحدیث) اس میں یہ بھی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرے خیال میں تو اس کے بعد جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جانے کی اجازت مانگے وہ بڑا ہی بیوقوف ہوگا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تعریف کی اور اچھے کلمات کہے۔ آخر میں فرمایا میں خدا کے سامنے گواہی دیتا ہوں (آپ کی عادتِ مبارک یہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھاتے تو یوں قسم کھایا کرتے تھے' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے) اللہ کا جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے پھر اسے سلامتی کی توفیق نصیب ہو جائے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ (الحدیث)

اس روایت کے تیسرے طریقے میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تو جب کدید یا عرفہ کے پاس آ گئے۔ (الحدیث)

(۲۹۶) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ میں ایک کلمہ ایسا جانتا ہوں جسے اللہ کا کوئی بندہ صدق دل سے نہ کہے گا مگر وہ دوزخ پر حرام کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے آؤ میں تمہیں بتا دوں وہ کلمہ کیا ہے؟ وہ

هِيَ كَلِمَةُ الْاِخْلَاصِ الَّتِيْ اَعَزَّ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى مُحَمَّدًا وَ اَصْحَابَهٗ وَ هِيَ كَلِمَةُ التَّقْوٰى الَّتِيْ اَلَاصَ عَلَيْهَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَا طَالِبٍ عِنْدَ الْمَوْتِ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواه احمد و له شواهد في الصحاح)

کلمہ اخلاص ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کو عزت بخشی ہے اور یہ کلمہ وہی کلمۂ تقویٰ ہے جس کے قبول کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کی وفات کے وقت منت کرتے رہے- وہ کلمہ اس بات کی گواہی ہے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ- (مسند احمد)

(۲۹۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

(۲۹۷) معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جنت کی کنجیاں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینا ہے- (احمد)

(رواه احمد قال الهيثمي و رواه البزار و فيه انقطاع قال صاحب التنقيح اخرجه ايضا ابو داؤد و الحاكم)

(۲۹۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِّنْ اُمَّتِيْ

(۲۹۸) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امیری امت میں سے ایک شخص کو تمام مخلوق کے سامنے نکال کر لائے گا (اس کی سیاہ کاری کا عالم یہ ہوگا کہ اس کے سامنے

---

(۲۹۷) * یعنی جس طرح ہر مقفل مکان کی ایک خاص کنجی ہوتی ہے اور وہ اپنی اسی کنجی سے کھولا جا سکتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کی جنت کی بھی ایک خاص کنجی ہے جس کے بغیر وہ کھولی نہیں جائے گی- وہ کنجی لا الٰہ الا اللہ یعنی عقیدۂ توحید ہے-

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کیا کلمہ لا الٰہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں (یعنی پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟) تو انہوں نے فرمایا کیوں نہیں مگر کنجی کے لیے دندانے بھی ہوتے ہیں اگر تم ایسی کنجی لے کر آؤ گے جس کے دندانے سالم ہوں تو تمہارے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا ورنہ تو نہ کھولا جائے گا-

یہاں وہب بن منبہ نے سائل کو اس کی دماغی ساخت کے مطابق جواب دینے کی کوشش کی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ محض ایک مؤثر اسلوب بیان تھا اس کو مسئلہ کی پوری حقیقت سمجھ لینی غلط ہے- لا الٰہ الا اللہ کے مفتاح ہونے سے آپ کا یہ مطلب تو تھا نہیں کہ اب نجات کے لیے اس کے علاوہ کسی اور امر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی بلکہ مطلب یہ تھا کہ اگر عمدہ سے عمدہ اعمال بھی موجود ہوں سخاوت کے دریا بہہ رہے ہوں- شجاعت کا ڈنکا پٹ رہا ہو اور عرب کی مایۂ ناز عبادت حج بھی سالانہ ادا کی جارہی ہو جب بھی جنت کا دروازہ نہیں کھل سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ کلمہ لا الٰہ الا اللہ نہ ہو- اس لیے کہ ان اعمال میں سے کوئی عمل بھی اس کی اصل کنجی نہیں-

خلاصہ یہ ہے کہ جنت کے کھلنے نہ کھلنے کا سوال اسی وقت سامنے آ سکتا ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا یہ کلمہ ساتھ ہو- اگر یہ نہیں تو سب کچھ بھی ہو جب بھی کچھ نہیں اب رہا یہ کہ اس کلمہ کی تاثیر کی تفصیلات کیا ہیں تو وہ اس جگہ زیر بحث نہیں اس کے بیان کا محل دوسری حدیثیں ہیں-

(۲۹۸) * اس حدیث کی شرح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ وزن تنہا اسی کلمہ کا ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شخص کے پاس کچھ نیکیاں بھی ہوں لیکن اس کی نیکیوں کا پلہ اسی کلمہ کی برکت کی بدولت بھاری ہوا ہو لہ ....

عَلٰی رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُنْشَرُ عَلَیْهِ تِسْعَةٌ وَّ تِسْعِیْنَ سِجِلًّا کُلُّ سِجِلٍّ مِثْلَ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَتُنْکِرُ مِنْ هٰذَا شَیْئًا اَظَلَمَکَ کَتَبَتِی الْحَافِظُوْنَ فَیَقُوْلُ لَا یَا رَبِّ فَیَقُوْلُ اَفَلَکَ عُذْرٌ قَالَ لَا یَا رَبِّ فَیَقُوْلُ بَلٰی اِنَّ لَکَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَ اِنَّهٗ لَاظُلْمَ عَلَیْکَ الْیَوْمَ فَتَخْرُجُ بِطَاقَةٌ فِیْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ فَیَقُوْلُ اُحْضُرْ وَ زْنَکَ فَیَقُوْلُ یَا رَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَیَقُوْلُ اِنَّکَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِیْ کِفَّةٍ وَ الْبِطَاقَةُ فِیْ کِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَ ثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا یُثْقَلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَیْءٌ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجة)

(اس کے اعمالنامہ کے) ننانوے دفتر پھیلا دیئے جائیں گے ہر دفتر وسعت نظر کی بقدر لمبا ہوگا پھر اس سے ارشاد ہوگا ان میں سے کسی بات کا انکار کر سکتے ہو میرے ان فرشتوں نے جو نیکی بدی لکھنے پر تعینات تھے تم پر کوئی زیادتی تو نہیں کی وہ کہے گا پروردگار نہ تو انکار کر سکتا ہوں اور نہ تیرے فرشتوں نے کوئی زیادتی کی ہے ارشاد ہوگا اچھا تو پھر تمہارے پاس ان گناہوں کا کوئی عذر ہے وہ کہے گا پروردگار کچھ نہیں۔ اس پر ارشاد ہو ہوگا کیوں نہیں ہمارے یہاں تمہاری ایک بہت بھاری نیکی موجود ہے اور آج تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اس کے بعد ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا اس میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہوگا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ارشاد ہوگا جاؤ اس پرچہ کا وزن کرا کر دیکھو وہ عرض کرے گا میرے پروردگار بھلا ان لمبے چوڑے دفتروں کے بالمقابل اس پرچہ کا وزن ہی کیا ہوگا ارشاد ہوگا آج تم پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تمام دفتر ایک پلہ میں رکھ دیئے جائیں گے اور یہ پرچہ دوسرے پلہ میں رکھا جائے گا تو دفتروں کا پلہ اٹھ جائے گا اور پرچہ والا پلہ بھاری ہو جائے گا اور اللہ کا نام پاک اتنا وزنی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز بھاری نہیں پڑ سکتی۔ (ترمذی۔ احمد)

لله ..... اس لیے ذکر اسی کلمہ کو کیا گیا ہو۔ فقہ اکبر کی شرح میں ان کی جو رائے ہے وہ بھی آپ کے ملاحظہ سے گذر چکی ہے یعنی یہ وزن صرف اس کلمہ کے تلفظ کا نہیں بلکہ اس کی اس عمیق حقیقت کا ہے جس کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے اس بندہ کی زبان سے کسی وقت یہ کلمہ شاید اس اخلاص کے ساتھ نکل گیا ہوگا کہ جو اس کا پورا وزن ہے وہ سب کا سب اس کے حصہ میں آ گیا ہوگا۔ لا الہ الا اللہ کبھی تو حلق سے اوپر بھی نہیں جاتا اور کبھی ساتوں آسمانوں کو پھاڑ کر عرشِ عظیم تک جا پہنچتا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کا نام اتنا وزنی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز تولی نہیں جا سکتی مگر اس کا وزن اس کی ادائیگی میں خلوص پر موقوف ہے۔

حضرت استاذؒ کی یہاں ایک عجیب تحقیق اور بھی تھی وہ فرماتے تھے کہ کلمہ طیبہ اذکار میں ایک ذکر بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ثواب اس ذکر کا ہو جیسا کہ ملا علی قاری کی رائے ہے مگر یہ کلمہ ایمان حاصل کرنے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ یعنی اس کلمہ کو پڑھنے سے ایک کافر مسلمان ہو جاتا ہے پس مؤمن کے قلب میں یہ کلمہ ایمان رہتا ہے اور جب وہ تبرک کے لیے اس کو پڑھتا ہے تو یہ اس کا ایک وظیفہ بھی بن جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں یہ کلمہ اس شخص کا ایمان ہو اگرچہ بظاہر محشر میں وزن صرف اعمال کا ہوگا یعنی نیکی اور بدی کا۔ کفر و ایمان غالباً میزانِ آخرت میں اعمال کے ساتھ تولے نہیں جائیں گے کیونکہ ایمان اگر تولا جا سکتا ہے تو کفر کے مقابلہ میں ہی تولا جا سکتا ہے اور کفر و ایمان کے جمع ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس لیے جب اعمال کا وزن شروع ہوگا تو بدیوں کے مقابلہ میں صرف مؤمن کی نیکیاں ہی رکھی جائیں گی۔ اس کا ایمان میزانِ آخرت میں نہ رکھا جائے گا لیکن قیامت خدائے تعالیٰ کے نکتہ نوازی اور شانِ بے نیازی دونوں کے ظہور کا دن ہوگا لله .....

(۲۹۹) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ یَا رَبِّ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَذْکُرُکَ بِهٖ وَ اَدْعُوْکَ بِهٖ فَقَالَ یَا مُوْسٰی قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ یَا رَبِّ کُلُّ عِبَادِکَ یَقُوْلُ هٰذَا اِنَّمَا اُرِیْدُ شَیْئًا تَخُصُّنِیْ بِهٖ قَالَ یَا مُوْسٰی لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَ عَامِرَهُنَّ غَیْرِیْ وَ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ وَ ضِعْنَ فِیْ کِفَّةٍ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِیْ کِفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواہ فی شرح السنۃ)

(۲۹۹) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک بار) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے کوئی ایسا وظیفہ تعلیم فرما دے جس کے ذریعہ میں تجھے یاد کیا کروں اور تجھے پکارا کروں ارشاد ہوا موسیٰ لا الٰہ الا اللہ پڑھا کرو- انہوں نے عرض کیا پروردگار یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے پڑھتے ہیں میں تو ایسا کلمہ چاہتا ہوں جو خاص طور پر تو مجھے ہی تعلیم فرمائے- ارشاد ہوا موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور جو اس میں آباد ہیں میری ذات کے سوا اور ساتوں زمینیں ایک پلہ میں رکھے جائیں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلہ میں تو ان سب کے مقابلہ میں لا الٰہ الا اللہ کا پلہ ہی بھاری پڑے گا- (شرح السنہ)

(۳۰۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ عَبْدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا قَطُّ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ

(۳۰۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا کوئی بندہ اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ نہیں کہتا مگر اس کے لیے آسمان کے دروازے فوراً کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ

..... اس لیے جب اس گنہگار کی بخشش منظور ہوگی تو محض اپنے لطف و کرم سے اس کا ایمان اس کی نیکیوں کے پلہ میں رکھ دیں گے بلاشبہ ایمان کا وزن اتنا ہی ہے کہ اگر اسے میزان آخرت میں رکھ دیں تو پھر سیئات کا وزن اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے- آخر جب کفر کی عمر بھر کی بدیاں اس کلمہ کی بدولت چشم زدن میں سب عفو ہو جاتی ہیں تو زمانہ اسلام کی برائیاں اس کے سامنے بھلا کب ٹھہر سکتی ہیں یہ کلمہ ایمانی سب کے پاس ہے اور سب کے ایمان کا وزن اتنا ہی ہے لیکن یہاں آئین فضل نے اس کی بخشش کے لیے اسی کے ایمان کے وزن کا ایک بہانہ نکال لیا تھا-

(۲۹۹) * اہل فہم کے لیے یہ نکتہ قابل غور ہے کہ آسمانوں اور ان کی آبادیات کے ذکر کے ساتھ تو غیری یعنی اللہ کی ذات پاک کا استثناء مذکور ہے مگر زمینوں کے ذکر کے ساتھ یہ استثناء مذکور نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات پاک کا مجازی تصور اگر کیا جا سکتا ہے تو اس کے لیے جہت علو یعنی آسمانوں کی ہی جہت موزوں ہے سادہ فطرت انسان جب تلاش ربوبیت کے لیے سر اٹھاتا ہے تو اس کی نظریں بے اختیار آسمانوں ہی کی طرف اٹھ جاتی ہیں پھر اس مجاز میں اتنی حقیقت بھی ہے کہ تجلیات الٰہیہ کی جتنی حقیقت آسمانوں میں ہے زمینوں میں نہیں اس لیے فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے سماوات کے ساتھ اللہ کی ذات پاک کا استثناء عین مقتضائے احتیاط ہے اور زمینوں کے تذکرہ کے ساتھ اس کا تذکرہ بے حاجت چیز ہے-

(۳۰۰) * یہ کلمہ نفی ماسوی اللہ کے لیے موضوع ہے اس لیے اس کی نفی کا دامن سارے عالم کو شامل ہونا چاہیے- اگر کہیں عرش پر رحمٰن کی تجلی نہ ہوتی تو یہ کلمہ عرش کو بھی یقیناً پار کر جاتا مگر چونکہ عرش پر اِلَّا اللّٰہ کے اثبات کا کچھ اتہ پتہ ملتا ہے اس لیے اس سرحد تک جا کر اس کی پرواز ختم ہو جاتی ہے یہی مطلب "لَیْسَ لَهَا دُوْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ" کا ہے علماء اس مضمون کو صرف سمجھ لیتے ہیں اور عرفاء اس کا مشاہدہ بھی کر لیں .....

حَتّٰی یُفْضِیَ اِلَی الْعَرْشِ مَا اجْتُنِبَ الْکَبَائِرَ وَ فـی روایة له لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ لَیْسَ لَهَا دُوْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ حَتّٰی تَخْلُصَ اِلَیْهِ. (رواه الترمذی و قال هذا حدیث غریب- وضعف اسناد الثانیه)

یہ کلمہ عرش تک جا پہنچتا ہے- جب تک بندہ کبائر سے اجتناب کرتا رہے اس کلمہ کی پرواز کا عالم یہی رہتا ہے- ترمذی کی دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ اللہ کی ذاتِ پاک اور اس کلمہ کے درمیان کوئی روک نہیں یہ کلمہ وہیں جا کر پہنچتا ہے- مگر اس کی اسناد کو ترمذی نے ضعیف کہا ہے-

(۳۰۱) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

(۳۰۱) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور خدا کو پکارنے کا سب سے افضل کلمہ الحمد للہ ہے- (ترمذی- ابن ماجہ)

(۳۰۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَکْبَرُ صَدَّقَهُ رَبُّهُ قَالَ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنَا وَ اَنَـا اَکْبَـرُ وَ اِذَا قَـالَ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وُحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ یَقُوْلُ اللّٰهُ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنَا وَحْـدِیْ لَا شَـرِیْکَ لِیْ وَ اِذَا قَالَ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْکُ وَ لَهُ الْحَمْدُ قَالَ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنَا لِیَ الْمُلْکُ وَ لِیَ الْحَمْدُ وَ اِذَا قَالَ لَا اِلٰـهَ اِلَّا

(۳۰۲) ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ کلمہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو اس کا پروردگار اس کی تصدیق فرماتا ہے اور کہتا ہے بے شک خدا میرے سوا کوئی نہیں اور میں سب سے بزرگ ہوں اور جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خدا کوئی نہیں مگر میں اکیلا میرا کوئی شریک نہیں- اور جب وہ کہتا ہے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے خدا کوئی نہیں بجز میرے ملک اور تعریف سب میرے لیے ہے اور جب وہ کہتا ہے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ تو

ﷺ .... لیتے ہیں ایسا مشاہدہ جس کے بعد ان کو قسم کھا کر یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے ؎

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست
بے نشا نیست کز و نام و نشاں چیزے نیست

یہ اخص الخواص کی توحید ہے رہ گئے توحید وجودی اور توحید شہودی کے جھگڑے تو ان کا یہ محل نہیں- توحید وجودی کے مذاق والوں کے لیے حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے وہ فرماتے ہیں وحدتِ موجود تو حال ہے اور وحدتِ وجود حقیقت حال ہے- و اللّٰه تعالٰی اعلم بحقیقة الحال-

(۳۰۱) ﷺ کلمہ طیبہ کا افضل الذکر ہونا تو ظاہر ہے اور اسی لیے اس کی پرواز بھی سب اذکار سے بلند ہے- حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ کا دائرہ صرف زمین اور آسمانوں کے درمیان درمیان ہی محدود رہتا ہے اور آسمانوں کو نفوذ کر کے عرش تک پہنچ جانا یہ صرف اسی کلمہ طیبہ کا خاصہ ہے- رہا الحمد للہ کا افضل دعا ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا کا لفظ عربی زبان میں اردو کے استعمال سے ذرا جداگانہ ہے- عربی میں دعا کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے پکارنے کو کہتے ہیں اور اس ذاتِ بے نیاز کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس کی تعریف سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں اسی لیے سورۂ فاتحہ کو الحمد للہ سے شروع کیا گیا ہے-

اللّٰهُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِیْ وَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ قَالَهَا فِیْ مَرَضِهٖ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ.

(رواه الترمذی و ابن ماجة)

ارشاد فرماتا ہے کہ خدا کوئی نہیں میرے سوا اور برائیاں دفع کرنے اور بھلائی حاصل کرنے کی طاقت کسی میں نہیں سوا میری مدد کے اور آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی بیماری میں یہ کلمات پڑھے اور اس کی وفات ہو جائے تو آتش دوزخ ہرگز اس کو نہیں کھا سکتی۔

الایمان هو التصدیق بکل ماجاء به النبی صلی الله علیه وسلم

ایمان دین کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے

(۳۰۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ يُؤْمِنُوْا بِیْ وَ بِمَا جِئْتُ بِهٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَائَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ.

(رواه البخاری و مسلم واللفظ لمسلم)

(۳۰۳) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور مجھ پر اور اس تمام دین پر ایمان لائیں جو میں لے کر آیا ہوں' جب یہ عہد کر لیں تو اب انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی اس کے بعد ان کے باطن کا حساب خدا کے حوالہ ہے وہ جانے کہ ان کا اسلام نمائشی تھا یا حقیقی۔ (مسلم)

---

(۳۰۳) * اس حدیث کے مختلف الفاظ ہیں اس کے سب سے پورے الفاظ یہ ہیں جو ہم نے یہاں نقل کیے۔ بعض الفاظ میں صرف توحید کا ذکر ہے' بعض میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر ہے اور بعض میں توحید و رسالت کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ کا بھی تذکرہ موجود ہے یہ سب ایک ہی مقصد کی مختلف تعبیرات ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام دین کو تسلیم نہ کیا جائے ایمان حاصل نہیں ہوتا اب اس حقیقت کی طرف کہیں تو اسلام کے دو مشہور ارکان نماز اور زکوٰۃ ذکر کر کے اشارہ کر دیا گیا ہے کہیں تمام دین کو شہادتین کے ضمن میں لپیٹ دیا گیا ہے اور کہیں یہ دیکھ کر کہ صحیح توحید رسول پر ایمان لائے بغیر میسر ہی نہیں آ سکتی صرف کلمہ توحید پر کفایت کر لی گئی ہے اور مدعا ان سب کا وہی ایک بات ہے یعنی آپ کے تمام دین کی تصدیق و تسلیم۔

نسائی کے الفاظ میں یہاں الناس کی بجائے المشرکین کا لفظ ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس حدیث میں جنگ کے ختم کرنے کی صورت صرف دین الٰہی کی صداقت کا اعتراف قرار دی گئی ہے لیکن اس کا مفہوم جبر و اکراہ نہیں۔ اسلام و کفر دو برابر کی طاقتیں ہیں جو دنیا میں ہمیشہ نبرد آزما رہی ہیں۔ ان کی باہمی جنگ کبھی اکراہ و جبر کی تعریف میں نہیں آ سکتی۔ جبر یہ ہے کہ جب اسلام کو اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ بے بس لوگوں کی گردنوں پر تلوار رکھ رکھ کر اسلام لانے کے لیے مجبور کرے۔ ہمارے علم میں اسلام کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں کیا گیا بلکہ عین جنگ کی حالت میں بھی یہاں دو صورتیں ایسی نکال دی گئی ہیں کہ اگر کفار اسلام قبول کرنا نہ چاہیں اور اپنے دین پر ہی رہنا چاہیں تو مصالحت کر کے یا جزیہ ادا کر کے اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ مصالحت اور جزیہ عارضی باتیں ہیں ان کو مقاصد کے درجہ پر نہیں رکھا جا سکتا اس لیے اصلی مقصد تو دین الٰہی کی اشاعت ہی رہے گا۔ اور اس کے ضمنی دفعات میں مصالحت اور جزیہ بھی شامل رہیں گے۔ دوسری حدیثوں میں ان ضمنی دفعات کا بھی ذکر ہے۔

(۳۰۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلدِّیْنُ خَمْسٌ لَا یَقْبَلُ مِنْھُنَّ شَیْءٌ دُوْنَ شَیْءٍ شَھَادَۃُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ وَ اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَ مَلَائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْجَنَّۃِ وَ النَّارِ وَ الْحَیٰوۃِ بَعْدَ الْمَوْتِ ھٰذِہٖ وَاحِدَۃٌ وَ الصَّلَوٰاتُ الْخَمْسُ عَمُوْدُ الْاِسْلَامِ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ الْاِیْمَانَ اِلَّا بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃُ طَھُوْرٌ مِّنَ الذُّنُوْبِ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ الْاِیْمَانَ وَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا بِالزَّکٰوۃِ مَنْ فَعَلَ ھٰؤُلَاءِ ثُمَّ جَاءَ رَمَضَانُ فَتَرَکَ صِیَامَہٗ مُتَعَمِّدًا لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ مِنْہُ الْاِیْمَانَ وَ لَا الصَّلٰوۃَ وَ لَا الزَّکٰوۃَ وَ مَنْ فَعَلَ ھٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَ وَ تَیَسَّرَ لَہُ الْحَجُّ وَ لَمْ یَحُجَّ وَ لَمْ یُوْمِنْ بِحَجِّہٖ وَ لَمْ یَحُجَّ عَنْہُ بَعْضُ اَھْلِہٖ لَا یُقْبَلُ مِنْہُ الْاِیْمَانُ وَ لَا الصَّلٰوۃُ وَ لَا الزَّکٰوۃُ وَ لَا الصِّیَامُ۔

(۳۰۴) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے (جو سب کی سب ضروری ہیں) ان میں کوئی جزء بھی دوسرے کے بغیر مقبول نہیں۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا معبود کوئی نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتے' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں' جنت و دوزخ پر یقین رکھنا اور اس پر کہ مرنے کے بعد پھر (حساب و کتاب کے لیے) جی اٹھنا ہے۔ یہ ایک بات ہوئی۔ اور پانچ نمازیں اسلام کا ستون ہیں' اللہ تعالیٰ نماز کے بغیر ایمان بھی قبول نہیں کرے گا۔ زکوٰۃ گناہوں کا کفارہ ہے' زکوٰۃ کے بغیر اللہ تعالیٰ ایمان اور نماز بھی قبول نہیں کرے گا پھر جس نے یہ ارکان ادا کر لیے اور رمضان شریف کا مہینہ آ گیا اور کسی عذر کے بغیر جان بوجھ کر اس میں روزہ نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ نہ اس کا ایمان قبول کرے گا اور نہ نماز اور نہ زکوٰۃ۔ اور جس شخص نے یہ چار رکن ادا کر لیے اس کے بعد اسے حج کرنے کی بھی وسعت ہوئی پھر اس نے نہ خود حج کیا اور نہ اس کے بعد کسی دوسرے عزیز نے اس کی طرف سے حج کیا تو اس کا ایمان' نماز' زکوٰۃ اور روزے کچھ قبول نہیں۔ (الحلیہ)

(رواہ فی الحلیۃ۔ و قدمر نحوہ فی المجلد الاول من ترجمان السنہ ص ۵۲۲)

٭..... موجود ہے اسلامی جنگ کے مقاصد' اس کے انواع اور اس کے ختم کرنے کی صورتوں کا مسئلہ ایک عظیم الشان مسئلہ ہے اس کا اصل محل کتاب الجہاد ہے۔ اس جگہ ان مباحث کا انتظار قبل از وقت اور بے محل ہے۔ یہاں ترجمان السنہ ج ۱ ص ۴۷۴ بھی ضرور ملاحظہ فرما لیجئے۔

(۳۰۴) ٭ یہ حدیث الرحمۃ المھداۃ سے نقل کی گئی تھی اس وقت اس کا اصل نسخہ میرے پاس موجود نہیں اس لیے و لم یؤمن بحجہ کا ترجمہ نہیں لکھا گیا ممکن ہے کہ اصل لفظ و لم یامر بحجہ ہو موجودہ لفظ کا کوئی مفید مطلب اس وقت ذہن میں نہیں آیا علماء غور کر لیں۔

اس حدیث سے ہمارے عنوان کا مضمون بخوبی واضح ہے اور اس کی اصل روح وہ ہے جو ترجمان السنہ جلد اول ص ۵۲۲ پر زیر عنوان ارکانِ اسلام کا باہم ربط بیان کی گئی ہے اس لیے اس کو دوبارہ دیکھ لینا چاہیے۔

من اقام شعائر اللّٰه فله ذمة اللّٰه و ذمة رسوله

جس نے شعائر اسلام ادا کر لیے اس کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہو گیا

(۳۰۵) عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَ اسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَ اَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَ ذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِىْ ذِمَّتِهٖ. (رواہ البخاری)

(۳۰۵) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھالے تو یہ مسلمان وہ ہے کہ اب اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا عہد ہو چکا ہے اس لیے تم (بھی اس عہد کی رعایت کرو اور) اس کو مت توڑو۔ (بخاری)

---

(۳۰۵) * اسی حدیث کی وجہ سے علم کلام میں یہ عنوان مشہور ہو گیا ہے کہ سب اہل قبلہ مؤمن ہیں ان کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ قبلہ و نماز میں شرکت کے بعد پھر کسی شخص پر کسی قسم کے اختلاف سے بھی کفر عائد نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ مسئلہ بہت غور کے قابل تھا کہ نمازوں میں صرف قبلہ کی طرف منہ کر لینا ایسا کون سا مرکزی رکن ہے جس کے بعد عقائد کا تخلخل بھی مضرت رساں نہیں ہوتا اس کے ماسوا مسلمانوں کا ذبیحہ کھالینا تو کوئی خاص عبادت بھی نہیں پھر اس کو اسلامی ارکان میں اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے۔ نیز اکل ذبیحہ مسلم اقامت صلوٰۃ یا استقبال قبلہ کے درجہ کی چیز بھی نہیں پھر اس کو ان اہم اجزاء کے ساتھ ایک سیاق میں کیوں جمع کر دیا گیا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے زمانہ میں اہل کتاب اور اہل اسلام کے مابین جو اعمال مابہ الامتیاز اور حد فاصل تھے وہ یہی اعمال تھے کیونکہ تصدیق اگرچہ اصل ایمان ہے لیکن وہ ایک قلبی صفت ہے اور اقرار اگرچہ زبان سے متعلق ہے مگر وہ بھی وقتی چیز ہے دو دینوں میں کھلا ہوا امتیاز ان کے علیحدہ علیحدہ شعائر کے ذریعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اسلامی شعائر میں نماز سب سے زیادہ امتیازی عمل ہے اور قبلہ کا معاملہ تو یہود و نصاریٰ کے نزدیک حقانیت مذہب کا معیار تھا حتیٰ کہ ان کے مقابلہ میں قرآن کو یہ تعبیر اختیار کرنی پڑی۔ ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾(البقرۃ:۱۷۷) نیکی اور بھلائی صرف مشرق و مغرب کی جانب منہ کرنے کا نام نہیں اصل نیکی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کا نام ہے۔ معاشرتی لحاظ سے جس امر میں وہ ہم سے کھلا ہوا احتراز کرتے تھے وہ ذبیحہ کا مسئلہ تھا پس اگر عبادات میں وہ ہماری سی نماز اور ہمارے قبلہ کا اتباع کر لیتے ہیں اور معاشرتی لحاظ سے ہم سے اتنا ملنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ ہمارا ذبیحہ کھا لیتے ہیں تو یہ اس بات کی کھلی شہادت ہوگی کہ اب وہ دل سے ہمارا دین قبول کر چکے ہیں اس لیے ان کے ساتھ خدا اور رسول کا عہد ہو جانا چاہیے اب ان کے ساتھ کوئی بد معاملگی درحقیقت خدا اور رسول کے ساتھ بد معاملگی کے مترادف ہوگی۔ لیکن فرض کر لو کہ اگر کسی دور میں کفر کسی اور مذہب کی شکل میں نمودار ہو اس کے مذہبی شعار ان شعاروں سے مختلف ہوں تو اسی حدیث کے مطابق کیا ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اپنی صفائی کے لیے ان مخصوص شعاروں کو ترک کر کے ان کے بالمقابل اسلامی شعائر اختیار کریں۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت کا اقرار جتنا ایک نصرانی کے لیے ضروری ہے اتنا ایک یہودی یا دوسرے غیر مسلم کے لیے ضروری کیوں نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ابنیت مسیح علیہ السلام کا مسئلہ ان ہی کے مذہب کا رکن ہے اس لیے ان کے ایمان پر اس وقت تک اطمینان نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ ان کے بندہ اور رسول ہونے کا کھلا ہوا اعتراف نہ کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث کا تعلق ان اندرونی ☜ ....

(٣٠٦) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا وَ صَلَّوْا صَلَاتَنَا وَ اسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَ ذَبَحُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَ اَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ. (رواه البخاری)

(٣٠٦) انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس کا اقرار کرلیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ' جب یہ اقرار کرلیں' ہماری طرح نمازیں پڑھیں' ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں اور ہماری طرح ذبح کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر) تو اب ہمارے لیے ان کی جان و مال بھی قابلِ احترام سمجھی جائے گی ہاں آئینِ اسلامی کے تحت میں جو مطالبات ہوں گے وہ اب بھی باقی رہیں گے۔ ان کے باطن کا معاملہ خدا کے سپرد۔ (بخاری)

من ابی قبول بعض الفرائض فقد ابی الاسلام کلمه

اسلام کے کسی ایک قطعی فرض کا منکر اسلام کا ہی منکر شمار ہوتا ہے

(٣٠٧) اِنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

(٣٠٧) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال

☜ ... فرقوں کے ساتھ نہیں جو مدعی اسلام ہوں بلکہ ان کے ساتھ ہے جو اپنا دین چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کریں۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ اگر ان کی عملی زندگی پہلی زندگی سے بالکل علیحدہ ہو چکی ہے اور وہ اسلامی شعائر کی اقامت کرنے لگے ہیں تو ان کے اسلام میں شبہ کرنے کی اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔ حدیث کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ جو مدعی اسلام یہ تین افعال ادا کرلے وہ پکا مسلمان ہی رہے گا۔ خواہ وہ ہزار قسم کے افعالِ کفر کرتا رہے۔ آئندہ نوٹ میں حافظ ابن حجرؒ کی عبادت مذکور ہے اس سے بھی ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

(٣٠٦) * حافظ ابن حجر ان تین افعال کے تخصیص کی حکمت یہ تحریر فرماتے ہیں۔

وحكمة الاقتصار علی ماذكر من الافعال ان من يقر بالتوحيد من اهل الكتاب و ان صلو او استقبلوا و ذبحوا و لكنهم لا يصلون مثل صلوتنا و لا يستقبلون قبلتنا و منهم من يذبح لغير الله و منهم من لا ياكل ذبيحتنا و لهذا قال فی الرواية الاخری و اكل ذبيحتنا. والا طلاع علی حال المرء فی صلوته و اكله يمكن بسرعة فی اول يوم بخلاف غير ذلک من امور الدين.

صرف ان تین افعال کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اہل کتاب توحید کے اقرار کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے ہیں' استقبالِ قبلہ بھی کرتے ہیں اور جانور ذبح کر کے ہی کھاتے ہیں مگر نہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں نہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور نہ ہمارا ذبیحہ کھاتے ہیں اور کوئی ان میں غیر اللہ کے نام پر بھی ذبح کرتا ہے۔ نماز اور ذبیحہ مسلم کھالینا ایسے کھلے ہوئے افعال ہیں کہ ان کی اطلاع بسہولت اور بہت جلد ہوسکتی ہے۔ برخلاف دین کے اور افعال کے۔ اس حدیث نے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ لوگوں کے ساتھ معاملہ ظاہری حالات کے موافق کیا جاتا ہے جو شخص جس دین کے شعاروں کو علی الاعلان ادا کرے گا اس کے ساتھ اسی دین و مذہب والوں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس سے اس کے خلاف کوئی امر سرزد نہ ہو۔

(٣٠٧) * قطعیات اور متواترات دین میں تفریق کی کوئی گنجائش نہیں ان میں کسی ایک کے منکر کا حکم بھی وہی ہے جو تمام دین کے ☜ ....

قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اسْتُخْلِفَ اَبُوبَكْرٍ وَ كَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ يَا اَبَابَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهٗ وَ نَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَ حِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ قَالَ اَبُوبَكْرٍ وَ اللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَ اللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ رَاَيْتُ اَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ اَبِيْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ. (رواہ البخاری)

ہوگیا اور ان کے بعد ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور عرب میں جن جن قبائل کو کافر بننا تھا وہ کافر بن گئے (تو ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا) حضرت عمرؓ نے کہا اے ابوبکرؓ آپ ان سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ میں اس بات کا حکم دیا گیا ہوں کہ مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ یہ اقرار کر لیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ جو شخص یہ اقرار کر لے تو اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچالیا- ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی- رہی یہ بات کہ اس کا یہ اقرار دل سے تھا یا زبانی اس کا حساب خدا کے سپرد- ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم جو شخص نماز پڑھے گا اور زکوٰۃ کا انکار کرے گا میں اس کے ساتھ بھی ضرور جنگ کروں گا کیونکہ (جس طرح نماز بدنی عبادت ہے اسی طرح) زکوٰۃ مالی عبادت ہے خدا کی قسم اگر یہ لوگ مجھے ایک بکری کا بچہ بھی دینے سے انکار کر دیں گے جس کو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس پر ان سے بھی جنگ کروں گا- عمرؓ کہتے ہیں خدا کی قسم میں سمجھ گیا کہ ان سے جنگ کے معاملہ میں ان کو پورا پورا شرح صدر ہو گیا ہے بالآخر مجھے بھی یقین ہوگیا کہ حق بات یہی ہے- (بخاری شریف)

؂.... منکر کا یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منکرین زکوٰۃ سے جنگ کرنے میں کوئی پس و پیش نہ تھا- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابتداءً اس معاملہ میں جو تردد دربار اس کا مبنیٰ حضرت استاد قدس سرہ کے نزدیک صورتِ واقعہ کی تشخیص میں اختلاف تھا- وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ منع زکوٰۃ صرف ایک بغاوت کا جرم ہے اور حالات کی نزاکت ابھی اس کی مقتضی نہیں ہے کہ باغیوں سے جنگ چھیڑ دی جائے- حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک یہ ارتداد کی دفعہ میں آتا تھا اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ منکر صلوٰۃ اور منکر زکوٰۃ میں آخر کیا فرق ہے- اگر منکر صلوٰۃ پر ارتداد کی دفعہ عائد ہوتی ہے تو منکر زکوٰۃ پر کیوں عائد نہیں ہوتی- وہ عبادت بدنیہ ہے یہ عبادت مالیہ حافظ زیلعی تحریر فرماتے ہیں- و قــد يـقـال ان عـمـر لم يتحقق ردتهم يدل على ذلك في القصة ان ابابكر لما استشار فيهم قال له عمر يا خليفة رسول الله انهم قـوم مـؤمـنـون و انما شحوا با موالهم الخ یعنی اس اختلاف کی توجیہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک ابھی تک ان کا مرتد ہونا ہی ثابت نہ ہوا تھا جیسا کہ اس قصہ میں ان کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ لیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اے خدا کے رسول کے خلیفہ یہ تو مؤمن لوگ ہیں صرف اپنا مال دینے سے بخل کرتے ہیں-

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ جماعت مؤمن تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حالات کی تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ ان کا جرم ارتداد کی حد تک پہنچ چکا ہے جب بحث و تمحیص کے بعد یہ واقعات و حالات حضرت عمرؓ کے سامنے بھی اسی درجہ واضح ہو گئے تو انہیں بھی حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا- حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں! فـعـمـر وافـق ابـابـكـر على قتال اهل الردة مانعي الزكوة و ؂....

(٣٠٨) عَنْ دَيْلَمِ الْحِمْيَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضٍ بَارِدَةٍ نُعَالِجُ فِيْهَا عَمَلًا شَدِيْدًا وَ اِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهٖ عَلٰى اَعْمَالِنَا وَ عَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوْهُ قَالَ قُلْتُ اِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيْهِ قَالَ فَاِنْ لَّمْ يَتْرُكُوْهُ فَقَاتِلُوْهُمْ. (رواہ ابوداؤد)

(٣٠٨) دیلم حمیری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سرد ملک میں رہتے ہیں اور وہاں سخت سے سخت محنت و مشقت کے کام کاج کرتے ہیں اس لیے ہم گیہوں کی شراب بنا کر استعمال کر لیتے ہیں تاکہ اس کی مدد سے اپنے ملک کی سردی اور اپنے کاموں کی سختی کا مقابلہ کر سکیں' آپ نے پوچھا کیا یہ شراب نشہ آور ہے؟ میں نے کہا نشہ آور تو ہے فرمایا تو پھر اس کے پاس بھی نہ پھٹکو میں نے عرض کیا لوگ تو اس کو چھوڑ نہیں سکتے - فرمایا نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرنا- (ابوداؤد)

(٣٠٩) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ بَدْرٍ جِيْءَ بِالْاُسَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ هٰؤُلَاءِ الْاُسَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا

(٣٠٩) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں جب جنگ بدر ہو چکی تو جو قیدی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بولو ان کے بارے میں تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں فدیہ یا قتل کے بغیر کسی کو چھوڑنا مناسب

.... كذلك سائر الصحابة . (منہاج السنہ ج ٣ص ٢٣٢) آخر کار حضرت عمرؓ اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان مرتدین سے جنگ کے معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا- (منہاج السنہ) حضرت قبیصہؓ فرماتے ہیں هم المرتدون الذين ارتدوا على عهد ابوبكر فقاتلهم ابوبكر - یہ وہ لوگ تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے تھے اور اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کی تھی- (بخاری شریف ج ا ص ٤٩٠)

اس بحث سے یہ روشن ہو گیا کہ اسلام کے کسی ایک رکن کا منکر اسلام ہی کا منکر ہے- تفصیل کے لیے دیکھئے رسالہ اكفار الملحدين مصنفہ حضرت استاذ-

(٣٠٨) * پہلی حدیث میں حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کی تھی اور اس حدیث میں براہ راست ارشاد نبوی یہ ہے کہ جو لوگ من حیث الجماعت شراب کے متعلق حکم شرعی کی خلاف ورزی کریں وہ بھی قابل جنگ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کچھ منع زکوٰۃ یا اقامت صلوٰۃ' استقبال قبلہ اور اکل ذبیحہ کے خلاف ہی پر موقوف نہیں بلکہ ان کے موجود ہوتے ہوئے بھی اگر اسلام کے کسی قطعی فرض کا انکار ہو تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو ان میں سے کسی ایک کے انکار کا-

یہ خیال بالکل بے بنیاد اور محض احمقانہ ہے کہ استقبال قبلہ کے بعد کوئی سبب کفر بھی موجب کفر نہیں رہتا- گویا کوئی شخص کھلے ہوئے اسباب کفر کے ارتکاب کے بعد بھی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا- حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ان ہر سہ اشیاء میں سے کسی ایک میں اختلاف کرنا پورے اسلام سے اختلاف کرنا ہے اسی طرح اس کے کسی اور فرض قطعی سے اختلاف کرنا بھی اسلام ہی کے اختلاف کے ہم پایہ شمار ہوتا ہے- (الیواقیت والجواہر ج ٢ ص ٢٦٩)

يَنْفَلِتَنَّ اَحَدٌ مِنْهُمْ اِلَّا بِفِدَاءٍ اَوْ ضَرْبِ عُنُقٍ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا سَهْلُ بْنُ بَيْضَاءَ فَاِنَّهُ سَمِعْتُهُ يَذْكُرُ الْاِسْلَامَ قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَمَا رَأَيْتُنِيْ فِيْ يَوْمٍ اَخْوَفَ اَنْ تَقَعَ عَلَيَّ حِجَارَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ مِنِّيْ فِيْ ذَالِكَ الْيَوْمِ حَتّٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا سَهْلُ بْنُ بَيْضَاءَ قَالَ وَ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِقَوْلِ عُمَرَ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ اِلٰى اخرا لايات. (رواه الترمذی)

نہیں-عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا صرف ایک سہل بن بیضاء کا استثناء منظور کرلیا جائے کیونکہ میں نے ان سے اسلام کی حقانیت کا ذکر سنا ہے- یہ کہتے ہیں کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے- مجھے اس دن سے زیادہ کسی دن اس امر کا اتنا خطرہ محسوس نہیں ہوا کہ مجھ پر آسمان سے کوئی پتھر آ پڑے جتنا اس دن محسوس ہوا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے فرمادیا اچھا بجز سہل بن بیضاء کے- یہ کہتے ہیں اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق قرآن کریم نازل ہوگیا (اور وہ یہ آیت ہے) یہ بات نبی کی شایان شان نہیں کہ وہ قیدیوں کو قبول کرے یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کی زمین کا فردوں کے خون سے رنگین نہ کرے- (آخر آیت تک) (ترمذی)

ليس الايمان محض العلم و انما هو عقد القلب

ایمان قلب کا ایک اختیاری عمل ہے صرف علم کا مرتبہ نہیں

(٣١٠) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ فَقَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ. (بخاری شریف)

(٣١٠) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پوچھا گیا کہ پھر کون سا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا' پوچھا گیا اس کے بعد؟ فرمایا وہ حج جس میں جنایت نہ کی جائے- (بخاری)

---

(٣١٠) ✽ حدیث مذکور میں سوال سب سے افضل عمل کی بابت ہے اس کے جواب میں آپ نے ایمان کو افضل اعمال فرمایا ہے معلوم ہوا کہ ایمان علم اور جاننے کا نام نہیں بلکہ عمل کا نام ہے وہ انسان کے باطن کے اختیاری انقیاد کا نام ہے اور احکام اسلامیہ کی پابندی اس انقیاد باطن کی دلیل ہوتی ہے پس ایمان کامل یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطیع بن جائے- یہ ایمان ابتداء میں فعل اختیاری ہوتا ہے لیکن جب اور ترقی کرتا ہے تو پھر اختیاری سے غیر اختیاری بن جاتا ہے- اس وقت اسے حال سے تعبیر کرتے ہیں اور رسوخ کے بعد بھی مقام کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے- کیفیت احسان اسی کے ثمرات اور لوازم میں سے ہے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور میں ایمان کو منجملہ اور اعمال کے ایک عمل ہی قرار دیا ہے- صرف علم کا مرتبہ کوئی کمال نہیں اس میں کفار بھی شریک ہو سکتے ہیں- اسی لیے محدثین کہتے ہیں کہ ایمان قول و عمل کے مجموعہ کا نام ہے جس نے ایمان کو علم سمجھا ہے اس کی مراد بھی وہی علم ہے جس کے ساتھ اختیاری تسلیم بھی موجود ہو-

الایمان هو العهد بالتزام طاعة الرسول و الانقیاد للدین کله و لیس مجرد التصدیق و الاقرار

ایمان صرف تصدیق واقرار کا نام نہیں دین اسلام میں داخل ہو جانے اور اس کے تمام احکام کی بجا آوری کا نام ہے

(۳۱۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ رَجُلًا مِنَ النَّصَارٰى مُتَمَسِّكًا بِالْاِنْجِيْلِ وَ رَجُلًا مِنَ الْيَهُوْدِ مُتَمَسِّكًا بِالتَّوْرٰةِ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ بِيْ مِنْ يَهُوْدِيٍّ اَوْ نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْنِيْ فَهُوَ فِي النَّارِ.

(اخرجه الدارقطنی فی الافراد)

(۳۱۱) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ اگر ایک نصرانی شخص انجیل پر تو عمل کرتا ہے اور اسی طرح یہودی اپنی تورات پر تو عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے مگر اس کے باوجود وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پیروی نہیں کرتا۔ تو فرمایئے اس کا کیا حکم ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نصرانی اور یہودی میری خبر سن پائے پھر میرے دین کی پیروی نہ کرے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ (دارقطنی)

(۳۱۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهٖ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ لَوْ لَا اَنْ تُعَيِّرَنِيْ قُرَيْشٌ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا حَمَلَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ الْجَزَعُ لَاَقْرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ.

(رواہ مسلم)

(۳۱۲) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا آپ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجئے کہ قیامت کے دن میں آپ کے حق میں اس کی گواہی تو دے سکوں انہوں نے کہا کہ اگر قریش میرے سر پر بدنامی کا داغ نہ لگاتے کہ میں نے عذاب آخرت پر بے صبری کی وجہ سے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے تو میں ضرور (آپ کا حکم مان لیتا اور) آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا (یعنی آپ کے دین میں داخل ہو جاتا) اس پر یہ آیت نازل ہوگئی اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ الخ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے یہ اللہ کا کام ہے وہی جسے چاہے ہدایت نصیب فرما دے۔ (مسلم شریف)

---

(۳۱۱) ٭ اس حدیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد تمسک بالانجیل اور تمسک بالتورات بھی نجات کے لیے کافی نہیں۔ اگر ایک یہودی یا ایک نصرانی اللہ اور اپنے رسول پر ایمان رکھتا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف تصدیق بھی کر لیتا ہے مگر آپ کے دین کی اتباع کا عہد نہیں کرتا تو اس کا ایمان بھی غیر معتبر رہے گا۔ کسی رسول کی تصدیق کے معنی ہی اس کی اتباع کرنی ہیں، اسی لیے یہاں ایمان کو اتباع سے تعبیر کیا گیا ہے کہ تصدیق کی اصل حقیقت اتباع کرنی ہے یہ صرف علم کا مرتبہ نہیں۔

(۳۱۲) ٭ ابو طالب کی علمی تصدیق میں کسے شبہ ہو سکتا ہے اور ان کا اقرار بھی ان کے اشعار سے ظاہر ہے پھر وہ کس بات کا انکار کر رہے تھے؟ صرف آپ کے دین اختیار کرنے کا اور آپ کی اطاعت کرنے کا اور اسی عمل کے فقدان کی وجہ سے جمہور امت نے ان کو مسلمان قرار نہیں دیا۔ قلب جب تک اپنے اختیار سے عہد وفاداری کے لیے تیار نہیں ہوتا اس کی اضطراری تصدیق کارآمد نہیں ہوتی۔

(۳۱۴) وَ كَانَ ابْنُ النَّاطُوْرِ صَاحِبُ اِيْلِيَاءَ وَ هِرَقْلَ سُقُفًّا عَلٰى نَصَارَى الشَّامِ يُحَدِّثُ اَنَّ هِرَقْلَ حِيْنَ قَدِمَ اِيْلِيَاءَ اَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيْثَ النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ بِطَارِقَتِهٖ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُوْرِ وَ كَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ فِى النُّجُوْمِ فَقَالَ لَهُمْ حِيْنَ سَاَلُوْهُ اِنِّىْ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِيْنَ نَظَرْتُ فِى النُّجُوْمِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالُوْا لَيْسَ يَخْتَتِنُ اِلَّا الْيَهُوْدُ فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَاْنُهُمْ وَ اكْتُبْ اِلٰى مَدَائِنِ مُلْكِكَ فَلْيَقْتُلُوْا مَنْ فِيْهِمْ مِنَ الْيَهُوْدِ فَبَيْنَا هُمْ عَلٰى اَمْرِهِمْ اُتِىَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ اَرْسَلَ بِهٖ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهٗ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوْا فَانْظُرُوْا اَمُخْتَتِنٌ هُوَ اَمْ لَا فَنَظَرُوْا اِلَيْهِ فَحَدَّثُوْا اَنَّهٗ مُخْتَتِنٌ وَ سَاَلَهٗ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَتِنُوْنَ فَقَالَ هِرَقْلُ هٰذَا مَلِكُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ اِلٰى صَاحِبٍ لَهٗ بِرُوْمِيَةَ وَ كَانَ نَظِيْرُهٗ فِى الْعِلْمِ وَ سَارَ هِرَقْلُ اِلٰى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتّٰى اَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهٖ يُوَافِقُ رَأْىَ هِرَقْلَ عَلٰى خُرُوْجِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَّهٗ نَبِىٌّ فَاَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّوْمِ فِىْ دَسْكَرَةٍ لَهٗ بِحِمْصَ ثُمَّ اَمَرَ بِاَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّوْمِ هَلْ لَكُمْ فِى الْفَلَاحِ وَ الرُّشْدِ وَ اَنْ يَثْبُتَ مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوْا

(۳۱۴) ابن الناطور ایلیا کا حاکم تھا اور ہرقل مذہبی لحاظ سے شام کے نصرانیوں کا سردار تھا- بیان کیا جاتا ہے کہ ہرقل جب ایلیا میں آیا تو ایک دن صبح کو بہت پریشان خاطر اٹھا اس کے بعض خواص نے پوچھا ہم (آج) آپ کی حالت کچھ متغیر دیکھتے ہیں (خیر تو ہے) ابن الناطور کہتا ہے کہ ہرقل کاہن بھی تھا-علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا جب انہوں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا میں نے آج شب جب ستاروں میں غور کیا تو (حساب سے) مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ ختنے کرنے والوں کا بادشاہ پیدا ہو چکا ہے تو دیکھو اس زمانہ کے لوگوں میں ختنہ کون کرتا ہے لوگوں نے کہا سوائے یہود کے ختنہ کوئی نہیں کرتا تو ان کی طرف سے آپ کوئی اندیشہ نہ کریں اور اپنے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں یہ حکم لکھ کر بھیج دیں کہ جتنے یہود وہاں ہیں سب قتل کر دیئے جائیں- ابھی وہ اسی مشورہ میں مشغول تھے کہ ہرقل کے سامنے ایک شخص حاضر کیا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر بیان کرتا تھا- ہرقل نے جب اس سے آپ کے متعلق دریافت کیا تو کہا جاؤ تحقیق کرو کہ وہ ختنہ کئے ہوئے ہیں یا نہیں؟ لوگوں نے تحقیق کی تو کہا کہ وہ ختنہ کئے ہوئے ہیں- پھر ہرقل نے اس سے عرب کے متعلق پوچھا اس نے کہا وہ ختنہ کرتے ہیں- ہرقل نے کہا تو اس دور کے لوگوں کے بادشاہ یہی ہیں جو ظاہر ہو چکے ہیں- اس کے بعد ہرقل نے رومیہ میں اپنے ایک دوست کو یہ ماجرا لکھ بھیجا وہ بھی علم و فضل میں ہرقل ہی کے ٹکر کا تھا (یہ لکھ کر) ہرقل حمص کی طرف چلا گیا ابھی حمص سے باہر نہیں جانے پایا تھا کہ اس کے دوست کا جواب آ گیا- اس نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بارے میں ہرقل کی رائے کی موافقت کی اور اس کی بھی کہ آپ واقعی نبی ہیں- اس کے بعد ہرقل نے روم کے سرداروں کو اپنے محل میں جو حمص میں تھا (جمع ہونے کے لیے) طلب کیا اور حکم دیا کہ محل کے دروازے بند کر لیے جائیں وہ (حسب الحکم) بند کر دیئے گئے اس کے بعد ہرقل (محل سے) باہر آیا اور یہ تقریر کی اے روم کے باشندو! کیا ہدایت اور کامیابی میں تم بھی اپنا کچھ حصہ لگانا چاہتے ہو؟ کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تمہاری سلطنت

هٰـذَا الـنَّبِـيَّ فَـحَاصُوْا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ اِلَى الْاَبْوَابِ فَوَجَدُوْهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَاٰى هِـرَقْـلُ نَـفْـرَتَهُـمْ وَ اَيِـسَ مِنَ الْاِيْمَـانِ قَـالَ رُدُّوْهُـمْ عَـلَـيَّ وَقَـالَ اِنِّـيْ قُلْتُ مَقَالَتِيْ اٰنِفًا اَخْتَبِـرُ بِهَـا شِـدَّتَـكُمْ عَلٰى دِيْنِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ فَسَـجَـدُوْا لَهٗ وَ رَضُوْا عَنْهُ فَكَانَ ذٰلِكَ اٰخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ. (بخاری شریف)

قائم رہے اگر ہے تو اس نبی کی بیعت کرلو (یہ سنتے ہی) وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگ پڑے (دیکھا تو) دروازے بند تھے- بالآخر ہرقل نے جب (اس درجہ) ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہوگیا (تو مجبوراً اپنا رنگ بدلا) اور کہا کہ انہیں میرے پاس واپس بلاؤ- (جب وہ حاضر ہوگئے) تو کہا میں نے یہ بات جو ابھی کہی تھی صرف تمہارے عقیدہ کی مضبوطی کے امتحان کے لیے کہی تھی وہ مجھے ثابت ہوگئی اس پر لوگوں نے اسے سجدہ کیا اور اس سے خوش ہوگئے- ہرقل کا آخری عقیدہ یہی رہا-

(۳۱۴) عَـنْ صَـفْـوَانَ بْنِ عَسَّـالٍ قَـالَ قَـالَ يَهُـوْدِيٌّ لِـصَـاحِبِـهٖ اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ فَـقَـالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ اِنَّهٗ لَوْ سَمِعَكَ لَـكَـانَ لَـهٗ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ فَاَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَـلَيْـهِ وَسَـلَّمَ فَسَاَلَاهُ عَنْ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَـقَـالَ رَسُـوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشْـرِكُـوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَ لَا تَسْـرِقُوْا وَ لَا تَزْنُوْا وَ لَا تَـقْـتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

(۳۱۴) صفوان بن عسال مرادی بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے رفیق سے کہا ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو ہم ان سے اس آیت کی مراد دریافت کریں گے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى. الخ وہ بولا ایسا غضب نہ کرنا انہیں نبی نہ کہنا اگر کہیں انہوں نے تمہاری زبان سے نبی کا لفظ سن لیا تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی- یہ مشورہ کر کے دونوں آپ کی خدمت میں آئے اور ان آیات کے متعلق آپ سے پوچھا آپ نے فرمایا وہ احکام یہ ہیں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ چوری نہ کرو زنا نہ کرو کسی محترم جان کو قتل نہ کرو مگر ضابطہ میں جادو نہ چلاؤ سود نہ کھاؤ کسی بے گناہ کو کسی صاحب اقتدار کے پاس پکڑ کر نہ لے جاؤ تاکہ وہ

---

(۳۱۴) * حافظ ابن کثیر نے سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کر کے لکھا ہے و هو حـديث مشكل و عبدالله بن سلمه فـي حـفـظـه شـيء وقـد تـكلموا فيـه. اس حدیث کے مضمون میں کچھ الجھاؤ ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم میں تو تسع آیات سے معجزات مراد ہیں- اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مصداق احکام ہیں وہ بھی بجائے نو کے یہاں دس ذکر کیے گئے ہیں- حافظ موصوف نے اپنی جانب سے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کے راوی عبداللہ بن سلمہ ہیں ان کے حفظ میں کچھ خامی ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ ان کو صحیح الفاظ کے بیان کرنے میں کچھ التباس پڑ گیا ہو- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل تذکرہ تورات کے وصایا عشرہ کے متعلق فرمایا ہو اور اس کی بجائے انہیں تسع آیات کا مغالطہ لگ گیا ہو-

حافظ ابن قیمؒ نے وفود کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے- و مـن تامل ما في السير و الاخبار الثابتة من شهادة كثير من اهل الكتاب و المشركين له صلى الله عليه وسلم بالرسالة انه صادق فلم تد خلهم هذه الشهادة في الاسلام علم ان الاسلام امر و راء ذلك و انه ليس هو المعرفة فقط ولا المعرفة و الا قرار فقط بل المعرفة و الاقرار و الانقياد و التزام طاعته و دينه ظاهراً و باطنا. (زادالمعاد ج ۳ ص ۵۵) یعنی جو شخص سیرت کے صحیح واقعات اور مشرکین اور اہل کتاب کی ان شہادتوں پر غور کرے گا جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق دی ہیں اور اس کے باوجود ان کو مسلمان نہیں سمجھا گیا وہ ؕ ....

وَ لَا تَمْشُوْا بِبَرِیْءٍ اِلٰی ذِیْ سُلْطَانٍ لِیَقْتُلَهٗ وَ لَا تَسْحَرُوْا وَلَا تَاْكُلُوا الرِّبَا وَ لَا تَقْذِفُوْا مُحْصِنَةً وَ لَا تَوَلَّوْا لِلْفِرَارِ یَوْمَ الزَّحْفِ وَ عَلَیْكُمْ خَاصَّةً الْیَهُوْدَ لَا تَعْتَدُوْا فِی السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلَا یَدَیْهِ وَ رِجْلَیْهِ وَ قَالَا نَشْهَدُ اِنَّكَ نَبِیٌّ قَالَ فَمَا یَمْنَعُكُمْ اَنْ تَتَّبِعُوْنِیْ قَالَا اِنَّ دَاوٗدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهٗ اَنْ لَا یَزَالَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ نَبِیٌّ وَ اِنَّا نَخَافُ اِنْ تَبِعْنَاكَ اَنْ یَقْتُلَنَا الْیَهُوْدُ.

(رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی)

اسے مار ڈالے‘ کسی پاک باز عورت پر تہمت نہ لگاؤ اور جہاد میں پشت نہ پھیرو‘ اور اے یہود خاص تمہارے لیے یہ حکم اور ہے کہ شنبہ کے دن شکار کھیلنے کے بارے میں اپنی شریعت سے تجاوز نہ کرو- یہ جوابات سن کر دونوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ خدائے تعالیٰ کے نبی ہیں- آپ نے فرمایا تو پھر میری اتباع کیوں نہیں کرتے (اس کے جواب میں انہوں نے یہ جھوٹا بہانہ بنا دیا اور) کہا اس لیے کہ داؤد علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ ان کی نسل میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی نبی ہوتا رہے گا اگر ہم آپ کی تابعداری قبول کرلیں تو اس کا خوف ہے کہ یہود کہیں ہمیں مار نہ ڈالیں-

(احمد‘ ترمذی‘ نسائی‘ ابوداؤد)

(۳۱۵) عَنِ الْحَارِثِ بْنِ ضِرَارٍ الْخُزَاعِیِّ قَالَ قَدِمْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَانِیْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَدَخَلْتُ فِیْهِ وَ اَقْرَرْتُ بِهٖ وَ دَعَانِیْ اِلَی الزَّكٰوةِ فَاَقْرَرْتُ بِهَا وَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرْجِعُ اِلٰی قَوْمِیْ فَاَدْعُوْهُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ وَ اَدَاءِ الزَّكٰوةِ فَمَنْ

(۳۱۵) حارث بن ضرار خزاعیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ اسلام کی دعوت دی- میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام قبول کر لی اور اسلام میں داخل ہوگیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوۃ دینے کے لیے فرمایا میں نے اس کا بھی اقرار کرلیا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میں واپس جا کر اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور ان سے زکوۃ دینے کے لیے کہتا

ﷺ ..... یہ بات بخوبی سمجھ جائے گا کہ اسلام تصدیق کے ساتھ اور بھی کسی چیز کا نام ہے- صرف رسول کی معرفت یا اس کی صداقت کے اقرار کر لینے کا نام نہیں بلکہ اصل ایمان یہ ہے کہ اپنے ظاہر و باطن سے آپ کے دین میں داخل ہونے کا عہد کرے- ورنہ بہت سے اہل کتاب نے آپ کی تصدیق کی ہے آپ کی رسالت کا اقرار بھی کیا ہے مگر آپ کا دین اسلام قبول نہیں کیا- اسی نکتہ کی بنا پر ان کو مسلمان نہیں کہا گیا- (زاد المعاد ج۳ ص۵۵)

(۳۱۵) ٭ اس حدیث میں ’’دخلت فی الاسلام‘‘ کے صاف الفاظ موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام صرف تصدیق کرنے کا نام نہیں بلکہ دراصل دین میں داخل ہو جانے کا نام ہے اور کسی دین میں داخل ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کا عہد بھی کیا جائے اس لیے اسلام میں داخلہ کا مطلب یہی ہوگا کہ اس کے جملہ احکام کی پابندی کا عہد کیا جائے جو شخص حقانیت اسلام کا اقرار تو کرتا ہے مگر اس کے احکام کی بجا آوری کا عہد نہیں کرتا وہ اسلام کا حلقہ بگوش شمار نہیں ہو سکتا- اسی نکتہ کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے بہت سے اشخاص مسلمان شمار نہیں کیے گئے- حضرت ابوطالب کے حسب ذیل شعر کا مطلب بھی یہی تھا-

لو لا الملامة او حذار مسبة ☆ لو جدتنی سمحا بذاک مبینا

اگر مخالفین کی ملامت یا ان کے برا بھلا کہنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ مجھے دیکھ لیتے کہ میں آپ کے دین میں بڑی مسرت اور فراخ دلی کے ساتھ داخل ہو جاتا-

اسْتَجَابَ لِيْ جَمَعْتُ زَكٰوتَهٗ فَتُرْسِلُ اِلَيَّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَسُوْلًا اِبَّانَ وَقْتِ كَذَا وَكَذَا لِيَأْتِيَكَ بِمَا جَمَعْتُ مِنَ الزَّكٰوةِ فَلَمَّا جَمَعَ الْحَارِثُ الزَّكٰوةَ مِمَّنِ اسْتَجَابَ لَهٗ وَ بَلَغَ الْاِبَّانَ الَّذِيْ اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَبْعَثَ اِلَيْهِ احْتَبَسَ الرَّسُوْلُ فَلَمْ يَأْتِ فَظَنَّ الْحَارِثُ اَنْ قَدْ حَدَثَ فِيْهِ سَخَطٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَدَعَا سَرَوَاتِ قَوْمِهٖ فَقَالَ لَهُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ وَقَّتَ لِيْ وَقْتًا يُرْسِلُ اِلَيَّ رَسُوْلَهٗ لِيَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدِيْ مِنَ الزَّكٰوةِ وَ لَيْسَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخُلْفُ وَ لَا اَرٰى حَبْسَ رَسُوْلِهٖ اِلَّا مِنْ سُخْطَةٍ كَانَتْ فَانْطَلِقُوْا فَنَأْتِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلِيْدَ بْنَ عُقْبَةَ اِلَى الْحَارِثِ لِيَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدَهٗ مِمَّا جَمَعَ مِنَ الزَّكٰوةِ فَلَمَّا اَنْ سَارَ الْوَلِيْدُ حَتّٰى بَلَغَ بَعْضَ الطَّرِيْقِ فَرِقَ فَرَجَعَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْحَارِثَ مَنَعَنِيْ مِنَ الزَّكٰوةِ وَ اَرَادَ قَتْلِيْ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَعْثَ اِلَى الْحَارِثِ وَ اَقْبَلَ بِاَصْحَابِهٖ حَتّٰى اِذَا اسْتَقْبَلَ الْبَعْثَ وَ فَصَلَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ لَقِيَهُمُ الْحَارِثُ فَقَالُوْا هٰذَا الْحَارِثُ فَلَمَّا غَشِيَهُمْ قَالَ لَهُمْ اِلٰى مَنْ بُعِثْتُمْ قَالُوْا اِلَيْكَ قَالَ وَ لِمَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

ہوں پھر جو شخص ان میں میری دعوت قبول کرے گا میں اس کی زکوۃ جمع رکھوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اپنا کوئی قاصد فلاں فلاں وقت پر بھیج دیں تا کہ جو زکوۃ میں جمع کرلوں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دے- حارث جب ان لوگوں سے زکوۃ وصول کر کے جمع کر چکے جنہوں نے دعوت اسلام قبول کر لی تھی اور وہ مقرر کردہ وقت بھی آ گیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قاصد بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا تو اس وقت مقرر پر آپ کا قاصد نہ پہنچا- حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خطرہ ہو گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ان سے کوئی ناگواری تو پیش نہ آ گئی ہو (جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قاصد نہ بھیجا ہو) اس لیے انہوں نے اپنی قوم کے چند سربرآوردہ اشخاص کو بلایا اور ان سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس اپنا قاصد بھیجنے کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا تھا تا کہ زکوۃ کا جو مال میرے پاس جمع ہو جائے وہ وصول کر لے- (مگر قاصد وقت مقرر پر نہیں آیا اور) وعدہ خلافی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے غیر ممکن ہے اس لیے ہو نہ ہو میرا خیال یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قاصد کسی ناگواری کی وجہ سے ارسال نہیں فرمایا ہے چلو ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں- ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس روانہ کر دیا تھا تا کہ وہ ان کے پاس سے جمع شدہ زکوۃ وصول کر لیں جب ولید روانہ ہو گئے اور ایک راستہ پر پہنچے تو ان کو کچھ خطرہ محسوس ہوا اور ڈر کر وہ واپس لوٹ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے زکوۃ دینے سے انکار دیا اور میرے قتل کا بھی ارادہ کیا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انتقام کے لیے ایک لشکر روانہ فرمایا ادھر حارث اپنی جماعت کو لیے ہوئے مدینہ روانہ ہو چکے تھے جب اس لشکر سے ان کا آمنا سامنا ہوا تو انہوں نے پوچھا تم لوگ کن کے مقابلہ کے لیے بھیجے گئے ہو انہوں نے جواب دیا آپ ہی کے لیے- یہ بولے آخر کیوں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ کی وصولیابی کے لیے ولید کو تمہارے پاس

وَسَلَّمَ بَعَثَ اِلَيْکَ الْوَلِيْدَ بْنَ عُقْبَةَ فَزَعَمَ اَنَّکَ مَنَعْتَهُ الزَّکٰوةَ وَ اَرَدْتَّ قَتْلَهُ قَالَ وَ الَّذِیْ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ مَارَأَيْتُهُ بَتَّةً وَ لَا اَتَانِیْ فَلَمَّا دَخَلَ الْحَارِثُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنَعْتَ الزَّکٰوةَ وَ اَرَدْتَّ قَتْلَ رَسُوْلِیْ قَالَ لَا وَ الَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَارَأَيْتُهُ وَ لَا رَاٰنِیْ وَ مَا اَقْبَلْتُ اِلَّا حِيْنَ احْتَبَسَ عَلَیَّ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَشْيَةَ اَنْ تَکُوْنَ کَانَتْ سُخْطَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ قَالَ فَنَزَلَتِ الْحُجُرَاتِ (يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ) الی هذا المکان فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَکِيْمٌ۔ (رواہ احمد)

بھیجا تھا ان کا بیان یہ ہے کہ تم نے ان کو زکٰوۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور (الٹا) ان کے قتل کرنے کا بھی ارادہ کیا ہے' انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے میں نے تو ان کو دیکھا بھی نہیں اور وہ تو میرے پاس تک نہیں آئے- جب حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا' حارث کہو تم نے زکٰوۃ دینے سے کیوں انکار کیا اور میرے قاصد کے قتل کا بھی ارادہ کیا انہوں نے عرض کیا اس کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے' میں نے تو ان کو اور انہوں نے مجھ کو دیکھا تک نہیں اور میں (انتظار کر کے) اس وقت چلا ہوں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس نہیں آیا اور مجھے یہ ڈر ہوا کہ مجھ سے خدا اور اس کا رسول کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے- اسی پر سورۂ حجرات نازل ہوئی- يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ...... "مسلمانو اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی سے تم کسی قوم پر چڑھ جاؤ" الخ......

الایمان هو الرضاء بکل ماقضی به النبی صلی اللّٰه علیه وسلم

ایمان آنحضرت کے ہر فیصلہ پر رضاء وتسلیم کے سر جھکا دینے کا نام ہے

(۳۱۶) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّهُ حَدَّثَهُ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ فِیْ شِرَاجٍ مِنَ الْحَرَّةِ يُسْقٰی بِهَا النَّخْلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْقِ يَا زُبَيْرُ فَاَمَرَهُ بِالْمَعْرُوْفِ ثُمَّ اَرْسِلْ اِلٰی جَارِکَ قَالَ الْاَنْصَارِیُّ اَنْ کَانَ ابْنُ عَمَّتِکَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اِسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتّٰی يَرْجِعَ الْمَاءُ اِلَی الْجَدْرِ وَ اسْتَوْعٰی لَهُ حَقَّهُ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اُنْزِلَتْ

(۳۱۶) عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص نے ایک سنگستان کی نالی کے بارے میں زبیرؓ کے خلاف مقدمہ دائر کیا- اس نالی سے کھجوروں کے باغ کی آب پاشی کی جاتی تھی آپؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ زبیرؓ پہلے تم آب پاشی کر لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی جانے دو' اس فیصلہ میں آپ نے دونوں کی بھلائی مدنظر رکھی تھی- اس پر انصاری بولا (جی ہاں) زبیر آپؐ کے چچازاد بھائی لگتے ہیں اسی لیے آپ نے ان کے دل لگتا فیصلہ کیا ہے یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک غصہ کی وجہ سے متغیر ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا زبیر تو اب تم اپنے باغ کو پانی دو اور جب تک پانی ڈولوں تک نہ پہنچ جائے مت چھوڑو- اس فیصلہ میں آپ نے زبیر کا پورا پورا حق دلوایا (اور پچھلے فیصلہ میں آپؐ نے دونوں جانبوں کی رعایت فرمائی تھی) زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی تھی (فلا

فِیْ ذٰلِکَ فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ. (رواہ البخاری)

و ربک ...... الخ تیرے پروردگار کی قسم ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپس کے ہر معاملہ میں آپ ہی کو فیصل نہ بنائیں پھر اس پر فراخ دلی کے ساتھ راضی بھی نہ ہو جائیں۔ (بخاری شریف)

(۳۱۷) عَنْ ضَمْرَةَ اَنَّ رَجُلَیْنِ اِخْتَصَمَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰی لِلْمُحِقِّ عَلَی الْمُبْطِلِ فَقَالَ الْمَقْضِیُّ عَلَیْهِ لَا اَرْضٰی فَقَالَ صَاحِبُهٗ فَمَا تُرِیْدُ قَالَ اَنْ نَذْهَبَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ فَذَهَبَا اِلَیْهِ فَقَالَ الَّذِیْ قَضٰی لَهٗ قَدِ اخْتَصَمْنَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰی لِیْ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَنْتُمَا عَلٰی مَا قَضٰی بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَبٰی صَاحِبُهٗ اَنْ یَّرْضٰی فَقَالَ نَاْتِیْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَالَ الْمَقْضِیُّ لَهٗ قَدِ اخْتَصَمْنَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰی لِیْ عَلَیْهِ فَاَبٰی اَنْ یَّرْضٰی فَسَاَلَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ کَذٰلِکَ فَدَخَلَ عُمَرُ مَنْزِلَهٗ وَ خَرَجَ وَ السَّیْفُ فِیْ یَدِهٖ قَدْ سَلَّهٗ فَضَرَبَ بِهٖ رَاْسَ الَّذِیْ اَبٰی اَنْ یَّرْضٰی فَقَتَلَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ الْاٰیَه. (تفسیر ابن کثیر)

(۳۱۷) ضمرۃ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص اپنا جھگڑا لے کر آئے آپ نے جو سچا تھا اس کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ بولا کہ میں تو اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا اس کے رفیق نے کہا تو اب اور کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا آؤ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلیں دونوں روانہ ہو گئے جس شخص کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے روئداد مقدمہ بیان کی کہ ہم اپنا جھگڑا رسول خدا کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرما دیا ہے (یہ اس پر راضی نہیں ہوتا) ابوبکرؓ نے (روئداد مقدمہ سنے بغیر کہا) تمہارا فیصلہ وہی رہے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اس کے بعد بھی اس کے رفیق نے رضامندی سے انکار کیا اور کہا اچھا عمر بن الخطابؓ کے پاس چلیں۔ جس شخص کے حق میں فیصلہ ہو چکا تھا اس نے کہا کہ ہم اپنا مقدمہ رسول اللہؐ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ صادر کر دیا تھا مگر یہ اس پر راضی نہیں ہوتا۔ عمر بن الخطابؓ نے اس سے دریافت کیا' کیا واقعہ اسی طرح ہے؟ اس نے کہا اسی طرح ہے۔ یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئے اور ہاتھ میں تلوار کھینچے ہوئے باہر تشریف لائے اور جو شخص آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا تھا اس کا سر اڑا دیا۔ اس پر یہ آیت اتر آئی: فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ...... الخ (تفسیر ابن کثیر)

---

(۳۱۷) * حافظ ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے اس واقعہ کو ایک اور سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے اس کی اسناد میں ابن الہیعہ ہے اور اس کو مرسل ضعیف قرار دیا ہے اس کے بعد حافظ ابو اسحٰق کی سند سے ایک دوسرا طریقہ پیش کیا جس میں ابن لہیعہ نہیں ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل جس طرح صرف ایک علم نہیں اسی طرح صرف التزام طاعت بھی نہیں بلکہ ایسی جان سپردگی کا نام ہے جس کے بعد اپنی خواہشات کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہے۔ خدائے تعالیٰ کو جاننا' اس کو ماننا' اس کے ایک ایک حکم کو ماننا اور بالآخر اس کے تمام فیصلوں کے سامنے اس طرح اعتراف و تسلیم کا سر جھکا دینا کہ روح کا کامل سرور اور نفس کی پوری مسرت اسی میں منحصر ہو جائے۔ یہ ہے ایمانِ کامل ۔

سر مد گلہ اختصار می باید کرد　　یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضاء دوست می باید داد　　یا قطع نظر زیار می باید کرد

(٣١٨) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی کَلِمَةٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ کَنْزِ الْجَنَّةِ لَاحَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَسْلَمَ عَبْدِیْ وَ اسْتَسْلَمَ. (رواه البیهقی فی الدعوات الکبیر و رواه رزین عن ابن عمرؓ)

(٣١٨) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسے کلمہ کی اطلاع نہ دوں جو اس خزانہ میں کا ہے جو عرش کے نیچے ہے وہ کلمہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے (برائیوں کے چھوڑنے کی طاقت اور بھلائیوں کے حاصل کرنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے وابستہ ہے)۔ (بندہ جب یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اب میرا بندہ مسلمان ہوگیا اور پورا پورا مسلمان ہوگیا۔

ذکر ماجاء فی رضاء اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بما قضاه لهم او علیهم

اپنی مرضی کے خلاف فیصلوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی شان رضا کی چند مثالیں

(٣١٩) عَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍؓ اَنَّهٗ تَقَاضٰی ابْنَ

(٣١٩) کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ابن ابی حدرد پر ان کا کچھ قرضہ

---

(٣١٨) ٭ اسلام کے ایک معنی تو عام ہیں اور دوسرے معنی خاص ہیں جس کا مخاطب آیت ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنایا گیا۔ ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (بقرہ) جب اس کے پروردگار نے اس سے کہا کہ اپنے آپ کو (خدا تعالیٰ کے) حوالہ کردے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اپنے آپ کو اس اللہ کے حوالہ کر چکا جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ یہ استسلام وہ نہیں جس کی طرف امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے باب اذ لم یکن الا سلام علی الحقیقة و کان علی الاستسلام میں اشارہ فرمایا ہے بلکہ قدرت الٰہیہ کے قہر و غلبہ کے اس مشاہدہ کا نام ہے جس کے بعد انسان کو اپنی قدرت و طاقت کی سب داستان محض ایک افسانہ نظر آنے لگتی ہے۔ یہ منزل صرف کلمہ طیبہ زبان سے ادا کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسلام کی اس عملی زندگی گذارنے سے حاصل ہوتی ہے جس میں قدم قدم پر یہ سبق ملتا رہتا ہے کہ اس کو درحقیقت کوئی اختیار نہیں نہ وہ اپنی جان کا مالک ہے نہ مال کا اور نہ سونے جاگنے کا حتیٰ کہ نہ کسی نقل و حرکت کا اس کی ہر ہر حرکت و سکون اور اس کا ایک ایک نطق و سکوت سب ان ہدایات کے ماتحت ہے جو اسلام نے اس کو دی ہیں جب وہ شریعت کے امر و نہی کے سامنے اس طرح گردش کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اب اس پر یہ راز آشکارا ہونے لگتا ہے کہ درحقیقت یہ اس پر کوئی جبر نہ تھا بلکہ بندگی کی حقیقت یہی تھی۔ جس طرح ایک غلام اپنے نفع و نقصان کی کوئی طاقت نہیں رکھتا اس کے تمام معاملات سب اس کے آقا کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اسی طرح بندۂ مومن کا حال ہو جانا چاہیے اور اگر اس کو اس منزل تک رسائی میسر نہیں ہوئی تو کم از کم زبانی طور پر لاحول ولاقوۃ الخ پڑھ کر اس زمرہ کے ساتھ ایک ظاہری مشابہت سے تو محروم نہ رہنا چاہیے۔ زمین و آسمان کے خزائن سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لیکن زمین کے خزانوں میں برائے گفتن کچھ تمہارا حصہ بھی لگا دیا گیا ہے لیکن وہ سرکاری خزانہ جس کی مخلوق کو ہوا بھی نہیں لگی وہ خالق کے عرش کے نیچے ہے جہاں جنت ہے اسی میں کا ایک در مکنون یہ کلمہ ہے فردائے قیامت میں روشن ہو جائے گا کہ اس کی قیمت خالق کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا۔

(٣١٩) ٭ آپ کا یہ حکم بطور کسی قضاء شرعی کے نہ تھا بلکہ صرف باہم مصالحت پر مبنی تھا۔ کعب کے لیے اتنی گنجائش تھی کہ وہ عذر و معذرت کرنا چاہتے تو کر دیتے لیکن صحابہ کی شان تسلیم و رضا کا یہ عالم تھا کہ ان کے نزدیک ضابطہ اور بے ضابطہ حکم کا فرق ہی باقی نہ رہا تھا ان کے نزدیک آپ کا قلبی میلان اور حکم ناطق دونوں برابر تھے اسی لیے دین ان کے نزدیک اپنی مجموعی شکل کا نام تھا جب اسلام کا بقیہ.....

اَبِیْ حَدْرَدٍ دَیْنًا کَانَ لَهٗ عَلَیْهِ فِی الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا حَتّٰی سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ فِیْ بَیْتِهٖ فَخَرَجَ اِلَیْهِمَا حَتّٰی کَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ فَنَادٰی یَا کَعْبُ قَالَ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَیْنِکَ هٰذَا وَ اَوْمَأَ اِلَیْهِ اَیِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهٖ۔ (بخاری)

چاہیے تھا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آ کر اس کا تقاضہ کیا اس پر دونوں کی آوازیں اونچی ہوگئیں یہاں تک کہ آپ نے گھر میں سے سن لیا۔ آپ ان کے پاس باہر تشریف لائے اور اپنے مکان کا پردہ اٹھا کر آواز دی کعب؟ وہ بولے یا رسول اللہ حاضر ہوں' آپ نے فرمایا اتنا قرض معاف کر دو اور نصف کا اشارہ کیا انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں نے معاف کیا۔ آپ نے فرمایا ابن ابی حدرد اٹھو اور اس کو ادا کر دو۔ (بخاری شریف)

(۳۲۰) عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَبِسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا قَبَاءً مِنْ دِیْبَاجٍ اُهْدِیَ لَهٗ ثُمَّ اَوْشَکَ اَنْ نَزَعَهٗ فَاَرْسَلَ بِهٖ اِلٰی عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی

(۳۲۰) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ریشمی قبا زیب تن فرمایا جو آپ کے لیے بطور ہدیہ پیش کیا گیا تھا آپ نے اسے پہنا پھر بہت جلدی سے اتار ڈالا اور حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا لوگوں نے آپ سے دریافت کیا یا رسول اللہ (کیا بات تھی کہ) آپ نے اس قباء کو اتارنے میں

.... دور انحطاط شروع ہوا تو اب یہ بحثیں قائم ہونی شروع ہوگئیں کہ اس کے اجزاء میں باہم توازن کیا ہے کون رکن کا مرتبہ رکھتا ہے اور کون شعبہ کا۔ شان رضا و تسلیم جو ایمان و اسلام کی آخری منزل ہے جب کسی کو میسر آ جاتی ہے تو اس کے سامنے یہ سوالات ختم ہو جاتے ہیں اور صرف یہی ایک بات باقی رہ جاتی ہے۔

زندہ کنی عطاء تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اگر کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا عقیدہ رکھنے اور اس کا ورد کرنے والے اتنی بات سمجھ لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اس نفی و اثبات میں راہ عشق کے کیسے کیسے دقیق رموز پنہاں ہیں اور اس کے بعد ان کو واضح ہو جاتا کہ ایمان صرف ایک علم کا مرتبہ نہیں' صرف التزام طاعت اور انقیاد باطن بھی نہیں' بلکہ تسلیم و رضا کے اس منزل کا نام ہے جس میں نفس اور مقتضیات نفس سب فنا ہو جاتے ہیں اور صرف ایک خدائے تعالیٰ کی ذات پاک مطلوب و مقصود بن کر رہ جاتی ہے اگر ایمان یہ ہے تو پھر اس کی قیمت میں خدا کی وسیع جنت بھی ارزاں ہے۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتی نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(۳۲۰) * حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ رضاء و تسلیم نے یہاں محبوب و مکروہ کا فرق بھی اٹھا دیا تھا بس محبوب وہ تھا جو آپ کو محبوب ہو اور مکروہ وہ تھا جو آپ کے نزدیک مکروہ ہو متنبی کہتا ہے۔

ما الخل الا من او دبقلبه وارى بطرف لا يرى بسوائه

فقہاء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ بیع و شراء کے جواز کا مسئلہ استعمال کی اباحت و حرمت پر موقوف نہیں بلکہ ملکیت پر موقوف ہے دیکھئے ریشمی کپڑا مردوں کے لیے پہننا حرام ہے اس کے باوجود اس کی بیع درست ہے کیونکہ اس کی ملکیت میں کوئی نقصان نہیں۔ کلیات دین معلوم کرنے کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے اس کے لیے دین کے تمام اصول و ضوابط کا پیش رکھنا بھی ضروری ہے اس لیے اس ایک ہی مسئلہ سے کلیات نہ بنائے جائیں۔

عَنْهُ فَقِيلَ قَدْ اَوْشَکَ مَا انْتَزَعْتَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ نَهَانِیْ عَنْهُ جِبْرَئِيْلُ فَجَاءَ عُمَرُ يَبْكِیْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَرِهْتَ اَمْرًا وَ اَعْطَيْتَنِيْهِ فَمَالِیْ فَقَالَ اِنِّیْ لَمْ اُعْطِكَهُ تَلْبَسُهُ اِنَّمَا اَعْطَيْتُكَهُ تَبِيْعُهُ فَبَاعَهُ بِاَلْفَیْ دِرْهَمٍ.

(رواہ مسلم)

بہت ہی جلدی کی آپ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے اس کے پہننے سے مجھے منع فرما دیا تھا (جب یہ خبر حضرت عمرؓ کو پہنچی) تو روتے ہوئے آپؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ ایک چیز کو آپؐ نے خود تو برا سمجھا پھر اسے مجھے کیوں دے دیا- بھلا جب آپؐ اسے برا سمجھتے ہیں تو میں اسے برا کیوں نہ سمجھوں- آپؐ نے فرمایا میں نے تم کو اس لیے تو دیا نہیں تھا کہ تم اسے پہن لو میں نے تو اس لیے دیا تھا کہ بیچ لینا- حضرت عمرؓ نے اسے دو ہزار درہم میں بیچ ڈالا- (مسلم)

(۳۲۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا وَ نَحْنُ مَعَهٗ فَرَاٰى قُبَّةً مُشْرِفَةً فَقَالَ مَا هٰذِهٖ قَالَ اَصْحَابُهٗ هٰذِهٖ لِفُلَانٍ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَسَكَتَ وَ حَمَلَهَا فِیْ نَفْسِهٖ حَتّٰى لَمَّا جَاءَ صَاحِبُهَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فِی النَّاسِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ صَنَعَ ذٰلِكَ مِرَارًا حَتّٰى عَرَفَ الرَّجُلُ الْغَضَبَ فِيْهِ وَ الْاِعْرَاضَ عَنْهُ فَشَكَا ذٰلِكَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ وَ قَالَ وَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَا نُكِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَرَجَ فَرَاٰى قُبَّتَكَ فَرَجَعَ الرَّجُلُ اِلٰى قُبَّتِهٖ فَهَدَمَهَا حَتّٰى سَوَّاهَا بِالْاَرْضِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمْ يَرَهَا قَالَ مَا فُعِلَتِ الْقُبَّةُ قَالَ شَكٰى اِلَيْنَا صَاحِبُهَا اِعْرَاضَكَ فَاَخْبَرْنَاهُ فَهَدَمَهَا فَقَالَ اَمَا اِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَ بَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ اِلَّا مَا لَا يَعْنِیْ اِلَّا مَا لَا بُدَّ مِنْهُ.

(رواہ ابو داؤد)

(۳۲۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے ہم بھی آپؐ کے ساتھ ساتھ تھے آپؐ نے ایک اونچا سا قبہ دیکھا تو فرمایا یہ قبہ کس کا ہے- صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا فلاں انصاری کا ہے آپؐ خاموش ہو گئے اور اس بات کو اپنے دل میں رکھا جب اس کا مالک آیا اور اس نے سب لوگوں کے درمیان آپ کو سلام کیا آپؐ نے اس کی طرف کوئی التفات نہ فرمایا چند بار اس نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ شخص آپؐ کا غصہ اور اپنی جانب سے آپؐ کی بے التفاتی سمجھ گیا اس نے اپنے رفقاء سے اس پر اظہارِ افسوس کیا اور کہا بخدا آپؐ کی یہ بات تو میں کچھ نئی سی دیکھتا ہوں انہوں نے کہا (ہمیں کچھ اور تو معلوم نہیں) بس اتنی بات ہوئی ہے کہ آپؐ باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارا قبہ دیکھا تھا وہ شخص فوراً اپنے قبہ کی طرف واپس آیا اور اس کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا- ایک دن کبھی پھر آپؐ (اس طرف) تشریف لے گئے تو اس قبہ کو نہ دیکھا پوچھا قبہ کیا ہوا؟ عرض کیا اس کے مالک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے التفاتی پر ہم سے افسوس ظاہر کیا تھا تو ہم نے جو واقعہ تھا وہ اس سے کہہ دیا تھا بس اس کے بعد ہی اس نے یہ قبہ گرا دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- سن لو ہر تعمیر اپنے بنانے والے کے لیے وبال ہوگی مگر جو بقدرِ ضرورت ہو-

---

(۳۲۱) ✽ بلند قبہ بنانا بھی حرام نہ تھا مگر جس دور میں حب دنیا کا تخم قلوب سے مٹایا جا رہا تھا اور جب آخرت کا تخم بکھیرا جا رہا تھا یہ کیسے ممکن تھا کہ حب دنیا کے اسباب ترقی کو بخوشی گوارا کر لیا جاتا اس لیے اس مصلح اعظم نے اپنے چشم و ابرو کے اشاروں سے اپنی بے التفاتی ﷲ .....

(۳۲۲) عَنْ اَبِیْ اُسَیْدِ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَ هُوَ خَارِجٌ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اسْتَاْخِرْنَ فَاِنَّهٗ لَیْسَ لَکُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِیْقَ عَلَیْکُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِیْقِ فَکَانَتِ الْمَرْاَۃُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اَنَّ ثَوْبَهَا لَیَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ.

(رواہ ابو داؤد و البیہقی فی شعب الایمان)

(۳۲۲) ابو اسید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کو یہ حکم دیتے ہوئے سنا ہے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر نکل رہے تھے دیکھا تو مرد اور عورتیں سب راستہ میں ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو گئے تھے فرمایا تم مردوں کے پیچھے چلا کرو- راستہ کے بیچ میں چلنے کا تمہارا کوئی حق نہیں ہے تمہیں راستہ کے کنارے کنارے چلنا چاہیے اس کے بعد حالت یہ ہوگئی کہ ایک عورت دیوار سے اتنا مل کر چلا کرتی تھی کہ اس کا کپڑا دیوار سے رگڑا کرتا تھا-

(ابوداؤد)

(۳۲۳) قَالَ عَمْرٌو وَ کَانَ هٰهُنَا رَجُلٌ اِسْمُهٗ نَوَّاسٌ وَ کَانَتْ عِنْدَهٗ اِبِلٌ هِیْمٌ فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ فَاشْتَرٰی تِلْکَ الْاِبِلَ مِنْ شَرِیْکٍ لَهٗ فَجَاءَ اِلَیْهِ شَرِیْکُهٗ فَقَالَ بِعْنَا تِلْکَ الْاِبِلَ

(۳۲۳) عمرو بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں یہاں ایک شخص رہتا تھا اس کا نام نواس تھا اور اس کے پاس بیمار اونٹ تھے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما گئے اور اس کے شریک سے وہ اونٹ خرید لائے- جب اس کا دوسرا شریک آیا تو اس نے کہا (آج) تو میں نے وہ بیمار اونٹ بیچ ڈالے- اس نے کہا

...... کا اظہار ضروری سمجھا- آپ پر قربان ہونے والے صحابیؓ کے لیے یہ ادنیٰ سی بے التفاتی ناقابل برداشت بن گئی- واضح رہے کہ اس قبہ کی اہمیت اس ماحول اور اس دور زندگی کے حالات کے اعتبار سے محسوس کی گئی تھی ہمارے دور ترقی میں اب اس قبہ کے حکم میں وہ عمارات داخل ہو سکتی ہیں جو اس زمانہ میں دوسری عمارتوں میں وہی نسبت رکھتی ہوں جو اس زمانہ کی عمارتوں میں قبہ کی نسبت تھی مسئلہ کبھی نہیں بدلتا مصلحت ہمیشہ بدل سکتی ہے اس نے کسی مزید تحقیق کے بغیر قبہ کو گرا دیا اور اتنی بڑی قربانی کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ آپؐ کی محفل میں آ کر اپنی سرخروئی کے لیے اس کا ذکر ہی کر دیتا ۔

فراق یار اگر اندک است اندک نیست درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است

(۳۲۲) ٭ عام راستہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا مگر آپؐ کا حکم سننے والی عورتوں نے اپنا حق صرف اتنے ہی حصہ میں سمجھ لیا تھا جتنے حصہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چلنے کے لیے حکم دے دیا تھا بقیہ حصہ سے وہ کسی بحث کے بغیر دستبردار ہو چکی تھی اور اس حکم کی تعمیل بھی اس مبالغہ سے کی جاتی تھی جس کا نقشہ حدیث میں موجود ہے- حقیقت یہ ہے کہ جب تک طبیعت رضاء و تسلیم کی خوگر نہیں ہو جاتی شریعت پر پورا عمل بھی میسر نہیں آتا-

(۳۲۳) ٭ نہایہ میں ہے آہیم اس اونٹ کو کہتے ہیں جسے پیاس کی بیماری ہو وہ پانی پئے اور سیراب نہ ہو- یہ بیماری عرب کے نزدیک متعدی امراض میں شمار ہوتی تھی- ابن عمرؓ چاہتے تو اس اونٹ کو بیع و شراء کے ضابطہ سے بائع کو واپس کر سکتے تھے مگر چونکہ اس کی تہ میں ایک فاسد عقیدہ کی تقویت ہوتی تھی اور اس کے برقرار رکھنے میں اس کا استیصال ہوتا تھا اس لیے انہوں نے بیع فسخ نہیں کی- اور اگرچہ اس خاص واقعہ میں ان کے پاس آپ کا کوئی صریح حکم بھی نہ تھا لیکن ان کی شان رضاء و تسلیم نے دوسرے باب کی ایک عام حدیث ہی لے کر اس کے تحت میں اپنے معاملہ کا فیصلہ کر دیا-

فَقَالَ مِمَّنْ بِعْتَهَا فَقَالَ مِنْ شَيْخٍ كَذَا وَ كَذَا فَقَالَ وَيْحَكَ ذَاكَ وَاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ فَجَاءَهُ فَقَالَ إِنَّ شَرِيكِي بَاعَكَ إِبِلًا هِيمًا وَ لَمْ يُعَرِّفْكَ قَالَ فَاسْتَقْهَا فَلَمَّا ذَهَبَ يَسْتَاقُهَا قَالَ دَعْهَا رَضِينَا بِقَضَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى.

(رواه البخاری)

بھلا کس کے ہاتھ بیچے اس نے کہا ایسی ایسی صورت کے ایک بڑے میاں تھے' اس نے کہا ارے تیرا ناس ہو' خدا کی قسم وہ تو ابن عمرؓ تھے اس کے بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے شریک نے ناواقفی میں آپ کے ہاتھ بیمار اونٹ بیچ دیئے' انہوں نے فرمایا تو ان کو لے جاؤ جب وہ انہیں لے جانے لگا تو فرمایا اچھا رہنے دو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہیں- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کوئی مرض اڑ کر نہیں لگا کرتا- (بخاری شریف)

(۳۲۴) عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ كَانَ لِي ذُؤَابَةٌ فَقَالَتْ أُمِّي لَا أَجُزُّهَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُدُّهَا وَ يَأْخُذُهَا. (رواه ابوداؤد)

(۳۲۴) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے سر پر زلفیں تھیں میری والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ میں ان کو (کبھی) نہ تراشوں گی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (از راہ محبت) ان کو کھینچا کرتے اور ان پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے- (ابوداؤد)

(۳۲۵) عَنْ أَبِي قَتَادَةَؓ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِي جُمَّةً أَفَأُرَجِّلُهَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ أَكْرِمْهَا. قَالَ فَكَانَ أَبُو قَتَادَةَ رُبَّمَا دَهَنَهَا فِي الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ مِنْ أَجَلِ قَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ أَكْرِمْهَا. (رواه مالك)

(۳۲۵) ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرے سر پر زلفوں والے بال ہیں کیا میں ان میں شانہ کرلیا کروں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں ان کا لحاظ بھی رکھا کرو- راوی کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سر میں کبھی کبھی دو دو بار تیل ڈال لیا کرتے تھے- (مالک)

---

(۳۲۴) * ظاہر ہے کہ بالوں کا بالکل نہ تراشنا کوئی مسئلہ شرعی نہ تھا بلکہ یہ ان کی والدہ کا صرف ایک جذبہ محبت تھا کہ جن بالوں کو آپؐ کے دست مقدس نے مس کیا ہو ان کو یادگار کے طور پر ہمیشہ باقی رکھا جائے- اس قسم کی حدیثوں سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ بعض افعال اگرچہ فی نفسہ کوئی مقبولیت نہیں رکھتے لیکن کسی خارجی سبب کی بنا پر کسی حد تک مقبول بن جاتے ہیں- مگر یہ صرف ان اشیاء تک محدود ہوگا جو مباح ہوں- منکرات اور منہیات کسی وقت بھی قابل مدح نہیں ہو سکتے- اسی طرح اس کو سب کے حق میں عام حکم بھی نہیں کہا جا سکتا- یہی وجہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عام دستور کے خلاف اپنی والدہ کے اس فعل کی کچھ معذرت سی کرنی پڑ رہی ہے اور اسی جنس کی وہ معذرت ہے جو آئندہ حدیث میں آ رہی ہے-

(۳۲۵) * یعنی اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "و اکرمها" کا (بالوں میں دو دو بار تیل ڈالنا) اقتضاء لغوی نہ سہی لیکن حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اقتضاء قلبی تھا کہ آپ کے ارشاد کا جو وسیع سے وسیع دائرہ ہو وہ سب کا سب اپنے عمل میں شامل کرلیا جائے اس کا نام جذبات محبت ہے ان کی تعریف تو کی جائے گی مگر ان کو مسئلہ کی حیثیت نہیں دی جا سکتی- اسی لیے سر میں دو بار تیل ڈالنا سنت نہیں کہا جا سکتا بلکہ بہت زیادہ زیبائش کی حدیثوں میں ممانعت آئی ہے- یہی وجہ ہے کہ یہاں بھی راوی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل کی کچھ معذرت پیش کر رہا ہے-

من اتی بالشھادتین فقد رضی باللّٰہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیا و رسولا

شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ قلب میں اللہ کے سوا ربّ اور اسلام کے سوا دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور رسول کی تلاش باقی نہ رہے

(۳۲۶) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ فَعَجِبَ لَھَا اَبُوْ سَعِیْدٍ فَقَالَ اَعِدْھَا عَلَیَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) فَاَعَادَھَا عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ وَ اُخْرٰی یَرْفَعُ اللّٰہُ بِھَا الْعَبْدَ مِائَۃَ دَرَجَۃٍ فِی الْجَنَّۃِ مَا بَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ قَالَ وَ مَا ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (رواہ مسلم)

(۳۲۶) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کو رب اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر راضی ہوگیا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی- ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خوش خبری بہت امید افزا معلوم ہوئی- انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مکرر فرمایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی ارشاد فرمایا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ایک بات اور بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندہ کے لیے جنت میں سو درجے بلند کرتا ہے- ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بات کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے لیے جہاد کرنا' اللہ کے لیے جہاد کرنا' اللہ کے لیے جہاد کرنا- (مسلم)

(۳۲۷) عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ یَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ وَ اِذَا اَمْسٰی ثَلَاثًا رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّرْضِیَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

(رواہ احمد و الترمذی)

(۳۲۷) ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بندہ صبح و شام تین بار یہ کلمات پڑھ لیتا ہے رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا... الخ (میں اللہ کی ربوبیت اور اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر دل سے رضامند ہوگیا) تو اللہ تعالیٰ اپنے اوپر یہ لازم کرلیتا ہے کہ قیامت کے دن اس کو راضی کردے-

(احمد- ترمذی)

---

(۳۲۷) ※ قرآن کریم کی مختصری آیت میں اس رضاء کا تذکرہ اس انداز پر کیا گیا ہے "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ" (البینۃ: ۸) صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ شانِ رضا اس درجہ غالب تھی کہ اب امت کے مابین رضی اللہ عنہم اُن کا ایسا طغرۂ امتیاز بن چکا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا لفظ ایسا ہی جزءِ لاینفک بن گیا ہے جیسا انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ الفاظ درود کا-

(٣٢٨) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا غُفِرَلَہٗ ذَنْبُہٗ. (رواہ مسلم)

(٣٢٨) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے مؤذن کو یہ کہتے سنا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ پھر اس کے جواب میں یہ کہا میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اور اسلام کو اپنا دین مان کر دل سے راضی ہو چکا اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں- (مسلم)

السرور و الحزن و ما اتی ذلک مما یتقاضاہ طبیعۃ البشر لیس فی شیء من مخالفۃ شان الرضی و التسلیم

خوشی اور غم اور انسان کے دوسرے فطری تاثرات اس کی شان رضا و تسلیم کے منافی نہیں

(٣٢٩) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَبِیْ سَیْفِ الْقَیْنِ وَ کَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاھِیْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِبْرَاھِیْمَ فَقَبَّلَہٗ وَ شَمَّہٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَیْہِ بَعْدَ ذٰلِکَ وَ اِبْرَاھِیْمُ یَجُوْدُ بِنَفْسِہٖ فَجَعَلَتْ عَیْنَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

(٣٢٩) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو یوسف لوہار کے گھر گئے یہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی دودھ پلائی کے شوہر تھے آپؐ نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو گود میں لیا اور ان کو خوب پیار کیا دوبارہ اس کے بعد پھر ان کے گھر گئے تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ دنیا سے سفر کر رہے ہیں یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک بہنے لگیں- اس پر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے

---

(٣٢٨) * انسان میں دین کی تلاش اس کی فطرت ہے- پھر دین میں اللہ اور رسول کا تصور لازم ہے- شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ دین اسلام کے بعد فطرت میں اب کسی اور دین کا تقاضا نہ رہنا چاہیے وہ تقاضا اب دین اسلام سے پورا ہو جانا چاہیے- پھر دین اسلام نے ربوبیت کا ایسا ٹھیک پتہ دے دیا ہے کہ اس کے بعد اب ربوبیت کی تلاش بھی ختم ہو جانی چاہیے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس مقام رسالت کو ایسا پر کر دیا ہے کہ اب اس کے بعد رسول کی تلاش بھی نہ ہونی چاہیے- اگر اسلام کے بعد بھی ان گوشوں میں کچھ تردد و تلاش کا سلسلہ باقی ہے تو یہ شہادتیں صرف زبانی ہوں گی- جب ان تمام گوشوں میں سکون ہی سکون پیدا ہو جائے اور نظروں میں دوسری جانب اٹھنے کی گنجائش ہی نہ رہے تو اب سمجھنا چاہیے کہ شہادتین دل میں اتر چکے ہیں۔

از یکے گو وز ہمہ یکسوئے باش یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

(٣٢٩) * آپ کے یہ مختصر جملے اسرار شریعت و طریقت سے کتنے لبریز ہیں' ان میں آپؐ نے ہم کو یہ ہدایت کی کہ انسان جامع اس کو سمجھنا چاہیے جس میں قدرت کی جامعیت کا جلوہ نظر آئے اس میں اپنے محل پر شدت و قہر بھی ہو اور رحمت و کرم بھی اگر اپنے لخت جگر کی موت پر بھی اس کا دل غمگین نہیں ہوتا اور اس کی آنکھیں آنسو نہیں بہاتیں تو وہ پتھر ہیں' ان میں قدرت کی بے نہایت شفقت و رحمت کا ایک ذرہ بھی اثر نہیں اس کا نام رضاء و تسلیم نہیں قساوت اور بے حسی ہے- اس میں فرشتوں کی سی صفت تو ہے مگر بشر کی سی کوئی صفت نہیں- درد کی ...

6 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَ اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰى فَقَالَ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَ الْقَلْبُ يَحْزَنُ وَ لَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَ اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ. (متفق عليه)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روتے ہیں آپ نے فرمایا ابن عوف یہ خدائے تعالیٰ کی رحمت کا اثر ہے- یہ کہہ کر آپؐ پھر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا آنکھیں بے شک بہتی ہیں اور بے شبہ دل بھی غمگین ہے لیکن زبان سے صرف وہ نکلے گا جو اس حالت میں خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا- اے ابراہیم اس میں شبہ نہیں کہ ہم سب تمہاری جدائی سے دردمند ہیں- (متفق علیہ)

(۳۳۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ اَيُّوْبُ يَحْتِىْ فِىْ ثَوْبِهِ فَنَادَاهُ رَبُّهُ يَا اَيُّوْبُ اَلَمْ اَكُنْ اَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرٰى قَالَ بَلٰى وَ عِزَّتِكَ وَ لٰكِنْ لَا غِنٰى بِىْ عَنْ بَرَكَتِكَ. (رواه البخاری)

(۳۳۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ایوب علیہ السلام (کسی مقام پر تنہا) برہنہ غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں ان پر آ کر گریں فوراً وہ انہیں اپنے کپڑوں میں جمع کرنے لگے- پروردگار کی طرف سے ندا آئی ایوب؟ کیا یہ مال و دولت دے کر جو تمہیں بھی نظر آ رہی ہے ہم نے تمہیں غنی نہیں بنا دیا تھا انہوں نے عرض کیا تیری عزت کی قسم کیوں نہیں لیکن میں تیری برکت سے بھلا کیسے بے نیاز بن سکتا ہوں- (بخاری شریف)

لٹھ..... بے چینی سے نہ وہ آشنا ہیں نہ یہ- بشر کی شانِ رضا یہ ہے کہ اس کے دل پر غموں کے پہاڑ ٹوٹیں اس کی آنکھیں بھی روتے روتے بے نور ہو جائیں- وَ ابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ. (یوسف: ۸۴)

مگر وہ ان صبر آزما حالات میں بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لا سکے اور اپنے عجز و ضعف کا اس طرح برملا اعتراف کر کے خاموش ہو جائے اے ابراہیم تمہاری جدائی سے ہمارا کمزور دل بے شبہ بہت دردمند ہے-

جلادت و شجاعت اور استغناء و بے نیازی وہ بھی مالک الملک علی الاطلاق کے مقدرات کے سامنے یہ بندہ کے عجز و نیاز کے شایانِ شان نہیں- ماسوی اللہ سے اعراض کر کے خدا کی جنت سے بھی اغماض کر لینا شانِ اولیاء ہے اور جنت کو خدا تعالیٰ کا ایک انعام سمجھ کر اس کے لیے دستِ سوال پھیلا دینا یہ شانِ انبیاء ہے (علیہم السلام) ان کے نزدیک اگر اللہ تعالیٰ کے سوا چشم زدن کے لیے بھی کسی غیر کی طرف نظر اٹھائی تو توحید مقصد فوت ہو گئی اور ان کے نزدیک اگر کسی حرکت سے بھی ذرا بے نیازی ٹپکی تو شانِ بندگی پر حرف آ گیا- پہلی صورت تقاضائے محبت ہے اور دوسری مقتضائے عبدیت- کمال یہ ہے کہ محبت کے پورے جوش میں بھی عبدیت کا پورا ہوش رہے-

(۳۳۰) * خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کے یہی وہ باکمال بندے ہیں کہ قدرت نے جب کبھی ان کو آزمایا ہے تو ان کی زبانوں سے ہمیشہ ایسے ہی صحیح اور خوب صورت جوابات نکلے ہیں جن پر اس نے خود ہی اپنی صناعی کی داد دی ہوگی یہاں ذرا سوال کی گرفت ملاحظہ کیجئے اور اس بے ساختہ جواب کی داد دیجئے کتنا صحیح اور شانِ بندگی میں کتنا ڈوبا ہوا ہے یعنی اے پروردگار مجھے تو نے غنی تو ضرور بنا دیا ہے مگر اپنی برکتوں سے تو نہیں- میں ساری دنیا سے بے نیاز ہوں مگر تیرے سامنے تو نیاز ہی نیاز ہوں- اغناء تیری شانِ غناء تھی اور تیری برکتوں کا لٹھ.....

(۳۳۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ مَلَکُ الْمَوْتِ اِلٰی مُوْسَی بْنِ عِمْرَانَ فَقَالَ لَهٗ اَجِبْ رَبَّکَ قَالَ فَلَطَمَ مُوْسٰی عَیْنَ مَلَکِ الْمَوْتِ فَفَقَاَهَا قَالَ فَرَجَعَ الْمَلَکُ اِلَی اللّٰهِ فَقَالَ اِنَّکَ اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَّکَ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ وَقَدْ فَقَاَ عَیْنِیْ قَالَ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَیْهِ عَیْنَهٗ وَ قَالَ اِرْجِعْ اِلٰی عَبْدِیْ فَقُلِ الْحَیٰوةَ تُرِیْدُ فَاِنْ کُنْتَ تُرِیْدُ

(۳۳۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملک الموت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا آپ کے رب نے آپ کو بلایا ہے چلئے تشریف لے چلئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ایسا تھپڑ مارا کہ اس کی آنکھ جاتی رہی - ملک الموت نے واپس آ کر بارگاہ ایزدی میں عرض کیا پروردگار تو نے تو مجھے اپنے ایک ایسے بندہ کے پاس بھیجا ہے جو ابھی مرنا نہیں چاہتا اور اس نے میری ایک آنکھ بھی پھوڑ دی ہے اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو آنکھ بخش دی اور فرمایا جا میرے بندہ کے پاس پھر واپس جا اور ان سے عرض کر کیا

ؒ ..... محتاج بنا رہنا میری شانِ بندگی ہے - یہ وہی ایوب ہیں (علیہم السلام) جن کی ایک بار اور بھی مصائب و آلام میں ڈال کر قدرت نے آزمائش کی تھی مگر وہاں بھی ان کو اپنی شانِ احتیاج برابر یاد رہی آخر یوں بول اٹھے رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ.

یاد پڑتا ہے کہ حضرت مرزا شہید جان جاناں کی سوانح حیات میں کسی جگہ نظر سے گذرا ہے کہ کسی زمانہ میں کسی ولی نے اپنے مریدین کو جمع کر کے پوچھا دیکھو میرے جسم پر تمہیں کہیں کوئی جگہ ایسی نظر آتی ہے جہاں کوئی زخم نہ ہو انہوں نے عرض کیا نہیں اس کے بعد فرمایا مگر میں نے اب تک اپنی زبان سے یہ کلمات نہیں کہے رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ. بظاہر شبہ ہو سکتا ہے کہ اس ولی کا صبر اس مقدس رسول کے صبر پر شاید فوقیت رکھتا ہو مگر حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس ولی نے تو جذبہ محبت میں اپنی شانِ بے نیازی دکھلائی مگر اس نبیؑ نے بے نیاز حقیقی کے سامنے اپنے عجز و نیاز کا مظاہرہ قرین ادب سمجھا - جب تک مشیت الٰہیہ ابتلاء کی نظر آتی رہی اس وقت تک یہ بھی لبوں پر مہر خاموشی لگائے بیٹھے رہے - مگر جب کچھ کچھ علامات صحت نظر آنے لگیں تو جھٹ خود آگے بڑھ کر دست سوال پہلے پھیلا دیا کہ شانِ بندگی اسی میں نظر آتی تھی کہ صحت ملے تو مانگ کر ملے - یہ اپنے مولیٰ کی بے نیازی اور قدم قدم پر اپنے احتیاج کی شان دکھلا رہے ہیں اور وہ اپنے عشق و محبت کی آن بان نباہ رہے ہیں - رضا و تسلیم کا ایک مقام یہ ہے اور دوسرا وہ - دونوں قابل تعریف ہیں - مگر بھلا اس کو اس سے کیا نسبت - اس میں محبت کا مظاہرہ تو ہے مگر وہ شانِ عبدیت کہاں -

(۳۳۱) ٭ مادہ پرست اور منکرین حدیث ہر دو کی نظروں میں یہ حدیث ہمیشہ سے قابل مضحکہ بنی ہوئی ہے اور شروع ہی سے ائمہ حدیث بھی اس کی جواب دہی میں مشغول نظر آ رہے ہیں چنانچہ ابن قتیبہ (۲۷۶) نے بھی اپنی تالیف مختلف الحدیث میں اس کی طرف تعرض کیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہاں کوئی مضمون درحقیقت قابل مضحکہ ہے بھی یا نہیں مادہ پرستوں کے نزدیک تو طبیعیات کے سوا الٰہیات کا سارا باب ہی قابل مضحکہ ہے اور منکرین حدیث کے نزدیک صرف یہی ایک حدیث نہیں بلکہ وہ حدیثیں بھی جو معقول سے معقول مضامین پر مشتمل ہیں قابل اعتبار نہیں پس ان ہر دو فریق کے نزدیک قابل انکار خاص اس حدیث کا مضمون نہیں بلکہ ان کا ایک عام طبعی انحراف اور انکار ایک اصولی انکار ہے اگر ان کے انکار کی بنیاد خاص طور پر اس حدیث کا بعید از عقل ہونا ہوتی تو ان کا دائرۂ انکار بھی صرف اسی حدیث تک محدود رہتا مگر یہاں تو اس قسم کی حدیثوں کو دوسری اور معقول حدیثوں کے انکار کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے درحقیقت ایک بڑا مغالطہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص کی ہزاروں باتوں میں سے دو چار باتیں بھی اپنی نارسائی عقل کی وجہ سے قابل فہم نہ ؒ .....

الْحَيٰوةَ فَضَعْ يَدَكَ عَلٰى مَتْنِ ثَوْرٍ فَمَا تَوَارَتْ يَدُكَ مِنْ شَعْرَةٍ فَإِنَّكَ تَعِيْشُ بِهَا سَنَةً قَالَ ثُمَّ مَهْ قَالَ ثُمَّ تَمُوْتُ قَالَ فَالْاٰنَ مِنْ

آپ کو زندگی زیادہ عزیز ہے- اگر عزیز ہو تو اپنا ہاتھ ایک بیل کی کمر پر رکھ دیجئے جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آ جائیں گے اتنے ہی سال آپ اور جئیں گے (فرشتہ آیا اور اس نے یہ بات ان کی خدمت میں عرض کر دی)

☜ .... ہوں تو اس کی بقیہ بے شمار معقول باتیں بھی قابل قبول نہ رہیں- میں سمجھتا ہوں کہ اس طریقہ کو کوئی انسان بھی معقول نہیں کہے گا-

اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تیزی طبع کا ظہور کچھ اسی ایک واقعہ میں منحصر نہیں بلکہ ان کی تمام روئداد اور زندگی میں یہی نقشہ نظر آتا ہے- قرآن کریم میں موجود ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے گھونسا مارا اور اس کا دم نکل گیا- گوسالہ پرستی کے معاملہ میں اپنے بھائی کی ڈاڑھی پر ہاتھ ڈالا اور اسی سلسلہ کی وہ حدیث ہے جس میں ان کا ایک پتھر کی طرف بھاگنا ثابت ہے اور جس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ان کا مناظرہ منقول ہے وہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے اصولاً کسی انسان کا فطرۃً نرم دل ہونا معیوب نہیں اور نہ کسی کا فطرۃً غصہ ناک ہونا قابل اعتراض ہے بشرطیکہ اس کا غصہ حدود شریعت سے متجاوز نہ ہو' آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بھی حدیثوں میں موجود ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک چور کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتے ہوئے دیکھا اور اس کے قسم کھا جانے پر فرمادیا کہ میں خدا تعالیٰ کے نام کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنی آنکھوں کی تکذیب کرتا ہوں- پس رقت وشدت بھی حیاء و جرأت کی طرح غرائز طبعیہ میں سے ہیں یہ سب اگر اپنی حدود میں اور خدا کی راہ میں ہوں تو اپنی اپنی جگہ قابل ستائش ہی ہیں- اگر امت میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحمدلی ضرب المثل ہے تو اس کے پہلو بہ پہلو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شدت بھی مشہور ہے- اور یہ دونوں ہی شانیں اپنی اپنی جگہ محبوب ہیں-

دوم یہ کہ حیات طبعاً ہر انسان کو محبوب ہوتی ہے- پھر انبیاء علیہم السلام کو محبوب کیوں نہ ہو جنہیں اپنی امت کو بندۂ خدا بنانے کی تمنا اپنی حیات سے بھی زیادہ ہوتی ہے- پس اگر خدا کا فرشتہ کسی لاعلمی کی حالت میں ان کے پاس اچانک آ پہنچتا ہے اور اس پر انہیں غصہ آ جاتا ہے تو یہ غصہ نہ تو ان کی بشریت سے بعید ہے- نہ ان کی نبوت کے منافی ہے- ان کی شانِ رضا کے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ اگر ایک شخص ان کے پاس آ کر کہے کہ لیجئے آپ ابھی اپنی موت کے لیے تیار ہو جایئے تو وہ انکشافِ حقیقت سے قبل اس سے یہ کہہ دیں کہ لیجئے آپ ابھی میری روح قبض کر لیجئے- فرشتہ کو ہمیشہ پہچان لینا کوئی ضروری نہیں ہے- آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں قوم لوط (علیہ السلام) کے عذاب کے سلسلہ میں ملائکۃ اللہ کا آنا اور ان کو آپ کا شناخت نہ کرنا قرآن کریم میں موجود ہے پس اگر خدا کا فرشتہ ایک انسان کی صورت میں ان کی لاعلمی میں آپ کے پاس آتا ہے اور ایسے ماحول میں آتا ہے جہاں مخالفین کی جماعت بھی موجود ہو تو کیا اس نبی اولوالعزم کا جس کی جلالی شان کتب سماویہ میں مشہور ہے ایک تھپڑ رسید کر دینا کچھ قابل اعتراض ہو سکتا ہے یہ کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خدائے تعالیٰ کا مامور فرشتہ سمجھ کر تھپڑ مارا تھا- حدیثوں میں موجود ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وفات سے قبل صرف ان کی تشریف وتکریم کے لیے اختیار دیا جاتا ہے اگر وہ چاہیں تو دنیا میں رہنا پسند کریں اور اگر چاہیں تو دار آخرت کو اختیار کر لیں- اسی آئین کے مطابق خود خاتم الانبیاء علیہم السلام کو بھی وفات سے قبل اختیار ملنا ثابت ہے آپ نے اپنے صحابہؓ کے سامنے ایک عام مجمع میں بیان بھی کر دیا تھا- پس اگر اس تخییر سے قبل خدائے تعالیٰ کا فرشتہ کسی عمیق حکمت کے ماتحت ان کے پاس آ پہنچا ہو اور اس لیے اس وقت ان کی جلالی شان ظاہر ہو گئی ہو اس میں استبعاد کیا ہے اور کون سی بات اس میں شان نبوت کے خلاف ہے- پوری حدیث کو پڑھ جایئے تو یہاں بھی آپ کو یہی نظر آئے گا کہ جب خدائے تعالیٰ کے فرشتے نے دوبارہ آ کر حسب دستور موت وحیات میں آپ کو اختیار دیا تو آپ نے خود ہی اپنی موت کو اختیار کر لیا ☜ ....

قَرِيْبٍ رَبِّ اَدْنِنِيْ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رِمْيَةً بِحَجَرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اللّٰهِ لَوْ اِنِّيْ عِنْدَهُ لَاَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ اِلٰى جَنْبِ الطَّرِيْقِ عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْاَحْمَرِ. (متفق عليه)

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اچھا اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے عرض کیا پھر یہی موت ہے فرمایا تو پھر ابھی سہی اور دعا فرمائی خدایا تو مجھے بیت المقدس سے اتنا تو قریب کر دے جتنی دور کہ پتھر پھینکا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم اگر میں اس جگہ موجود ہوتا تو تم کو دکھلا دیتا کہ ان کی قبر راستہ کے قریب ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔ (متفق علیہ)

للہ.... اور آخر کار اسی فرشتے نے اس خدمت کو انجام دیا۔ موت کوئی بہت مطلوب چیز تو نہیں حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو شفقت پدری میں آکر اپنی عمر کے چالیس یا ساٹھ سال بخش دیے تھے لیکن جب اس میعاد پر خدائے تعالیٰ کا فرشتہ آیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تم ابھی قبل از وقت آ گئے ہو' میری عمر میں سے اتنے سال اور باقی ہیں اس نے کہا حضرت آپ کو یاد نہیں رہا آپ اپنی عمر میں اتنے سال اپنے ایک فرزند کو بخش چکے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اسی بناء پر نسیان کی خصلت ان کی اولاد میں بھی چلی جاتی ہے۔

الغرض یہاں نہ تو زندگی کی محبت کوئی قابل اعتراض امر ہے نہ کسی انسان نما فرشتے کی بے جا جرأت پر تھپڑ مار دینا قابل اعتراض ہے۔ اب رہا یہ کہ فرشتہ کی آنکھ پھوٹنا قابل فہم امر نہیں تو سن لیجئے کہ فرشتے شریعت میں بالکل مجرد نہیں۔ عالم مادیات اور مجردات کے مابین ایک مخلوق ہیں اَجْنِحَة اور پروں کا ہونا ان کے لیے قرآن کریم میں بھی ثابت ہے اسی طرح دیگر اور بعض اعضاء کی نسبت کا بھی ان کے عالم میں ثبوت ملتا ہے پس ان کی طرف کسی عضو کی مثلاً آنکھ وغیرہ کی نسبت ہو تو یہ کوئی غیر معقول امر نہیں ان کے لیے یہ اعضاء حقیقۃً ثابت ہیں۔ اگرچہ مادی نہ ہوں۔ پس فرشتے درحقیقت ایک صورت رکھتے ہیں لیکن چونکہ وہ مادہ سے پیدا نہیں ہوئے اس لیے ان میں تشکل اور تمثل کی قوت بھی ہوتی ہے انسان اپنی مادیت کی وجہ سے یہ قدرت نہیں رکھتا۔ عنصریات میں بھی جو عنصر زیادہ سخت ہے اسی قدر اس میں تشکل مشکل ہوتا ہے۔ پانی اور ہوا ہر قالب کے مطابق ایک شکل اختیار کر لیتے ہیں مگر مٹی میں یہ صفت نہیں' یہی حال مرکبات میں بھی ہے پس ملائکۃ اللہ اپنی لطافت کی وجہ سے اس پر قادر ہیں کہ مشیت ایزدی کے مطابق ہیکل انسانی میں جب چاہیں نمودار ہو جائیں۔ جبرئیل علیہ السلام کا تمثل خود قرآن کریم میں موجود ہے اور دحیہ کلبیؓ کی صورت میں آپؐ کے پاس ان کی آمد حدیثوں میں بلانزاع ثابت ہے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اس تمثل کی وجہ سے فرشتہ کی حقیقت نہیں بدلتی وہ اپنے تصرف سے ہم کو صرف ایک صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔ آج مسمریزم کی طاقت کا مشاہدہ کرنے والے کے لیے اس کی تصدیق کرنا کچھ مشکل نہیں رہی۔ احقر کا خیال ہے کہ اگر محض کوئی مادی ضرب ہو تو شاید اس تمثل پر اس کا کوئی اثر ظاہر بھی نہ ہو لیکن نبی صرف مادی نہیں ہوتا اس کا دوسرا عنصر ملکی بھی ہوتا ہے اور وہ بھی انتہا درجہ قوی ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں اس ملکی عنصر پر خدائے تعالیٰ کی شانِ جلالی کا غلبہ تھا اس لیے ان کی ضرب کا اثر ملک پر بھی ظاہر ہو تو جائے تعجب نہیں بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ وجود ملکی ہی تھا جس کی مثالی صورت میں صرف آنکھ ہی میں نقصان آیا اگر انسان ہوتا تو شاید اس کی تاب ہی نہ لا سکتا اور مر جاتا دیکھئے جب آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا تو حضرت جبرئیلؑ نے آکر آپؐ کو اپنے قریب کیا اور افاضہ ملکیۃ کے لیے دبایا بھی اور اتنا دبایا کہ آپؐ کو ضبط کرنا پڑا۔ لوگوں کو تو اس پر تعجب ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو جبرئیل علیہ السلام کے اس تمثل اور دبانے کا کسی اور بشر کو تحمل ہی نہ ہو سکتا۔ یہ رسول اقدس کی ہی شان مطہر تھی کہ وہ جامہ بشری رکھنے کے باوجود شانِ ملکی بھی رکھتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام جیسے فرشتے کا اثر بھی اتنا ہی قبول کرتے تھے جتنا کہ حدیثوں میں آتا ہے پس للہ....

(۳۳۲) عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْسِمُ بَیْنَ نِسَائه فَیَعْدِلُ وَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا لَا اَمْلِکُ. (رواه الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجه و الدارمی)

(۳۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیبیوں کے درمیان شب باشی میں برابر کی تقسیم کرتے۔ اس کے باوجود یہ فرماتے اے اللہ یہ میری تقسیم میرے اس عمل میں ہے جس کا میں مالک ہوں۔ رہا (میرا قلبی رجحان) جس کا تو مالک ہے اس کا مواخذہ تو مجھ سے نہ فرمانا۔ (ترمذی-ابوداوٗد-ابن ماجہ-نسائی-دارمی)

(۳۳۳) عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهٗ فَوَقَعَتْ یَدِیْ عَلٰی بَطْنِ

(۳۳۳) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بستر پر نہ پایا تو میں آپؐ کی تلاش کے لیے نکلی (میں نے دیکھا) کہ آپ مسجد میں ہیں اور آپ کے دونوں قدم مبارک (بحالت

لا ..... اگر صرف مادیت کا ملکیت سے تصادم ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ملکیت میں کوئی اثر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر ملکیت کا ملکیت سے تصادم ہو تو اس کا اثر ظاہر ہونے میں کوئی تعجب نہیں۔ عالم رؤیا میں جو صورتیں نظر آتی ہیں اس میں ایک شیر اگر ایک انسان پر حملہ کرتا ہے تو اس کی صورت اسی طرح پارہ پارہ ہو جاتی ہے جس طرح عالم اجسام کی لیکن اگر اس خوابی صورت پر کوئی مادی انسان حملہ آور ہو تو اس کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس تمثیل سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ فرشتے کی کوئی حقیقت نہیں وہ صرف ایک خیالی دنیا ہے بلکہ صرف یہ تفہیم مقصود ہے کہ اگر کوئی قوت اپنے عالم میں کسی قوت سے متصادم ہو تو اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا ورنہ ملائکۃ اللہ تعالیٰ تو عالم اجسام سے بھی کہیں زیادہ قوی مخلوق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کہیں ان کا اس عالم سے تصادم ہو جاتا ہے تو اس کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ ہاں اس کے برعکس صورت کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی انسان پہاڑ سے ٹکر مارے۔ ظاہر ہے کہ اسی کا سر زخمی ہوگا پس مادی محض اگر ملکیتہ سے ٹکرائے تو اس میں کوئی اثر ظاہر ہونا معقول نہیں لیکن نبی جو کہ ملکیت اور بشریت کا جامع ہے اگر کسی موقعہ پر اس کا تصادم ہوگا تو اس کا اثر ظاہر نہ ہونا معقول نہیں۔ اس لیے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک قہر آلود تھپڑ نے فرشتے کی اس مثال صورت میں کوئی نقص پیدا کر دیا تھا تو یہ عین عقل اور شرع کے مطابق ہے۔ اگر آپ ان حقائق کو سمجھنے کی عقل نہیں رکھتے تو ذرا بازی گروں کے تماشہ ہی میں کبھی آ کر دیکھئے اگر ان کی محفل میں اس فن کا کوئی ان سے بڑھ کر ماہر آ جاتا ہے تو وہ اس کا کھیل چلنے نہیں دیتا اور وہ اپنی قوت نفس سے اس کے اس ساری خیال بندی کی دنیا کو بگاڑ دیتا ہے جو وہ تماشائیوں کو دکھا رہا تھا پہلے انسائیکلو پیڈیا اٹھا کر روح کی بحث اور اس کے احوال کا اس میں مطالعہ کیجئے اور موجودہ عقلاء کے نزدیک جو اس کے عجائبات ہیں ان کو زیر نظر رکھئے اس کے بعد پھر آپ اس واقعہ کو پڑھئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان حدیثوں کا مضحکہ آپ کے لیے خود ایک قابل مضحکہ امر تھا۔ آپ کے نزدیک جب عالم روحانیات حد ثبوت کو ہی نہیں پہنچتا اور اس لیے نہیں پہنچتا کہ آپ نے اسی کا مطالعہ ہی نہیں کیا تو آپ اگر اس کا مضحکہ نہ اڑائیں تو اور کریں کیا۔

(۳۳۲) ٭ علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تقسیم واجب ہی نہ تھی لیکن جس کو امت کا معلم بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس نے خود اپنے ذمہ اس کو ایک لازم حق بنا لیا تھا تاکہ جن کے ذمہ یہ لازم حق ہے وہ اس میں کوئی کوتاہی نہ کر سکیں۔ قلبی رجحان غیر اختیاری چیز ہے اور تکلیف کا دائرہ صرف اختیار کے حدود کے اندر اندر محدود ہے لیکن جہاں انسان کا نفس کوئی خیانت کر سکتا ہے وہاں صاحب شریعت اس کی اہمیت کے پیش نظر ایسے کلمات فرما دیتے ہیں گویا زوجہ کا معاملہ اتنا نازک ہے کہ اس میں غیر اختیاری رجحانات میں بھی ترجیح پر ڈرنے کی ضرورت ہے۔

قَدَمَيْهِ وَ هُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَ هُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَ هُوَ يَقُوْلُ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ. (رواہ مسلم)

سجدہ) کھڑے ہوئے ہیں میرا ہاتھ آپؐ کے دونوں تلووں سے لگا (میں نے سنا) کہ آپؐ یہ دعا فرما رہے تھے اے اللہ میں تیری ناراضائی سے تیری رضا کی پناہ لیتا ہوں اور تیری صفت عقوبت سے تیری صفت عفو کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں- تیری پوری پوری تعریف میری قدرت سے باہر ہے بس تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف فرمائی- (مسلم)

(۳۳۴) عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ اَكُنْتِ تَخَافِيْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَ رَسُوْلُهُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنَّكَ اَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِاَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ. (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ و زاد رزین ممن استحق النار و قال الترمذی سمعت محمداً یعنی البخاری یضعف ھذا الحدیث)

(۳۳۴) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آپؐ کو (اپنے بستر) پر نہ پایا- تلاش کیا تو آپؐ بقیع میں تھے آپؐ نے فرمایا کیا تم کو یہ وہم گذرا کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے حق میں ظلم کر سکتے ہیں- میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے یہ خطرہ گذرا تھا کہ شاید آپؐ اپنی کسی اور بی بی کے گھر تشریف لے گئے ہیں آپؐ نے فرمایا شعبان کی پندرہویں کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے اور اتنے گنہگاروں کی بخشش فرما دیتا ہے جن کا شمار قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے- اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے- رزین نے اس میں اتنا اور اضافہ نقل کیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی بداعمالی کی وجہ سے دوزخ کے مستحق تھے- (ترمذی)

(۳۳۵) وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى فَقُلْتُ

(۳۳۵) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خوب پہچان لیتا ہوں تم مجھ سے کب خوش ہوتی ہو اور کب ناخوش' میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ یہ بات کیسے پہچان لیتے

---

(۳۳۴) ٭ مثل مشہور ہے ع عشق است ہزار بدگمانی- حضرت عائشہؓ نزاہت اور تقدس کے سارے میدان طے کر جانے کے باوجود بشری خصائل سے مستثنیٰ نہ تھیں- جب اپنی نوبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر نہ پاتیں تو فطرۃً مضطرب ہو جاتیں' اپنے نفس کو ہزار سمجھاتیں مگر عشق و محبت کی بدگمانی سے پھر معذور ہو جاتیں- آخر تلاش کے لیے نکل جاتیں- جب آپؐ سے ملاقات ہوتی تو معاملہ دگرگوں دیکھ کر حیرت آمیز لہجہ میں فرماتیں من درچہ خیالم و فلک درچہ خیال- یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بلاغت قابل داد ہے کہ آپؐ کے ارشاد اکنت تخافین (کیا تم کو میرے متعلق ناانصافی کا خطرہ تھا) کے جواب میں نعم (جی ہاں) نہیں فرماتیں- بلکہ اسی بات کو دوسرے انداز میں ادا کرتی ہیں کیونکہ خدا کے رسول کے حق میں ناانصافی کا عنوان تو کسی حالت میں بھی قابل تصور نہ تھا البتہ اپنی نوبت میں آپؐ کو نہ دیکھ کر آپؐ کا کسی اور بی بی کے گھر چلے جانے کے خطرہ کا روکنا بھی اپنے اختیار سے باہر تھا-

(۳۳۵) ٭ انسان کی بلندی کا معیار اس کے کمالات ہیں اس کا انسانی خصائل سے معریٰ ہو جانا نہیں' کسی کسی محل پر ناراضگی کی لطف ....

مِنْ اَیْنَ تَعْرِفُ ذَالِکَ فَقَالَ اِذَا کُنْتِ عَنِّیْ رَاضِیَةً فَاِنَّکِ تَقُوْلِیْنَ لَا وَ رَبِّ مُحَمَّدٍ وَ اِذَا کُنْتِ عَلَیَّ غَضْبٰی قُلْتِ لَا وَ رَبِّ اِبْرَاهِیْمَ قَالَتْ قُلْتُ اَجَلْ وَ اللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اِسْمَکَ. (متفق علیه)

ہیں؟ فرمایا جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو رب محمدؐ کی قسم کھاتی ہو اور جب ناخوش ہوتی ہو تو رب ابراہیمؑ کی قسم کھاتی ہو- میں نے عرض کیا ہے تو بات یہی لیکن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم میں آپ کا صرف اسم مبارک زبان پر نہیں لیتی (دل میں اس وقت بھی آپ ہی کی محبت ہوتی ہے) (متفق علیہ)

(۳۳۶) عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ دَخَلَ اَبُوْبَکْرٍ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ) یَسْتَأْذِنُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوْسًا بِبَابِهٖ لَمْ یُؤْذَنْ لِاَحَدٍ مِنْهُمْ قَالَ فَاُذِنَ لِاَبِیْ بَکْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ اَقْبَلَ عُمَرُ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ) فَاسْتَأْذَنَ فَاُذِنَ لَهٗ فَوَجَدَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا حَوْلَهٗ نِسَاؤُهٗ وَاجِمًا سَاکِتًا قَالَ فَقُلْتُ لَاَقُوْلَنَّ شَیْئًا اُضْحِکُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

(۳۳۶) جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت حاصل کرنے کے لیے آئے دیکھا تو وہاں اور لوگ بھی آپؐ کے دروازہ پر موجود تھے اور اب تک کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں مل سکی تھی وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو اجازت مل گئی اور وہ اندر تشریف لے آئے ان کے پیچھے پیچھے حضرت عمرؓ تشریف لائے اور انہوں نے اجازت طلب کی ان کو بھی اجازت مل گئی انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغموم اور خاموش بیٹھے ہیں آپ کے اردگرد آپؐ کی بیبیاں ہیں یہ دیکھ کر انہوں نے کہا میں کوئی ایسی بات کہوں گا جس پر آپ کو ہنسی آ جائے (یہ سوچ کر) میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اگر بنت خارجہ (یہ ان کی بی بی ہیں) مجھ سے میری حیثیت سے زیادہ نفقہ مانگیں تو

٭ ....ادا بھی فطرت کا اقتضا اور محبوبیت کا کمال سمجھا جاتا ہے- اسی اندازِ محبوبیت کو حضرت عائشہؓ نے اپنے آخری فقروں میں ظاہر فرمایا ہے- حضرت عائشہؓ کی کمال بلاغت دیکھئے کہ اپنے محبوبانہ ناگواری کی حقیقت صرف ہجران اسمی تک محدود کر دینا چاہتی ہے- جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول کی محبت رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے تو کسی اندازِ ناز کے موقعہ پر محبوب زوجہ کا اسمی ہجران اس کے قلبی محبت کے منافی نہیں بلکہ یہ بھی اس کا ایک اقتضاء ہے- دیکھئے یہی حضرت عائشہؓ ہیں کہ جب بات ذرا حدودِ زوجیت سے نکل کر حدودِ شریعت میں داخل ہوتی دیکھ لیتی ہیں تو ہمہ تن ادب ہی ادب اور طاعت ہی طاعت بن جاتی ہیں- جیسا کہ آئندہ واقعہ سے ظاہر ہے-

(۳۳۶) ٭ انبیاء علیہم السلام کی اندرونی زندگی میں بھی تکوینی طور پر ایسے معاملات رونما ہوتے ہیں جن سے ان کی بشریت کا بدیہی ثبوت ملتا ہے- وہ انسانوں کی طرح دنیا میں آتے ان ہی کی طرح اپنی معیشت رکھتے' کھاتے اور پیتے' جاگتے اور سوتے' شادی بیاہ کرتے اور اس کے بعد ان کے گھروں میں ایک حد تک وہ معاملات بھی پیش آ جاتے جو ازدواجی زندگی میں پیش آیا کرتے ہیں- اور اس ضمن میں عملی طور پر امت کے لیے وہ مسائل سامنے آ جاتے جن کی امت کو ضرورت تھی اور ان نازک مراحل میں آپ کے ازواج کی وہ بے مثال استقامت بھی عیاں ہو جاتی جس کی بنا پر قدرت نے ان کو آپ کی زوجیت کے لیے منتخب فرما لیا تھا- دیکھئے اسی فضا میں جب معاملہ یہ آ جاتا ہے کہ خدا کے رسول یا دنیا میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیا جائے تو آپ کی سب بی بیوں کے منہ سے ایک ہی جواب نکلتا ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم ہمیشہ کے لیے دنیوی فراوانی سے قطع نظر کر سکتے ہیں مگر خدا کے محبوب رسول سے ایک لمحہ کے لیے بھی صرفِ نظر نہیں کر سکتے- یہ اس لیے ٭....

وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ رَأَيْتَ بِنْتَ خَارِجَةَ سَأَلَتْنِي النَّفَقَةَ فَقُمْتُ اِلَيْهَا فَوَجَأْتُ عُنُقَهَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ هُنَّ حَوْلِيْ كَمَا تَرٰى يَسْئَلْنَنِيْ النَّفَقَةَ فَقَامَ اَبُوْبَكْرٍ اِلٰى عَائِشَةَ يَجَأُ عُنُقَهَا وَ قَامَ عُمَرُ اِلٰى حَفْصَةَ يَجَأُ عُنُقَهَا كِلَاهُمَا يَقُوْلُ تَسْئَلِيْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَيْسَ عِنْدَهٗ فَقُلْنَ وَ اللّٰهِ لَا نَسْأَلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اَبَدًا لَيْسَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اعْتَزَلَهُنَّ شَهْرًا اَوْ تِسْعًا وَّ عِشْرِيْنَ ثُمَّ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ حَتّٰى بَلَغَ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا قَالَ فَبَدَأَ بِعَائِشَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا) فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اَعْرِضَ عَلَيْكِ اَمْرًا اُحِبُّ اَنْ لَا تَعْجَلِيْ فِيْهِ حَتّٰى تَسْتَشِيْرِيْ اَبَوَيْكِ قَالَتْ وَ مَا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَتَلَا عَلَيْهَا الْاٰيَةَ قَالَتْ اَفِيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْتَشِيْرُ اَبَوَيَّ بَلْ اَخْتَارُ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ اَسْأَلُكَ اَلَّا تُخْبِرَ

میں تو کھڑے ہو کر اس کا گلا دبا دیتا' ان کی اس بات پر آپ کو ہنسی آ گئی اور آپ نے فرمایا جیسا تم دیکھ رہے ہو یہ میری بیبیاں بھی اسی سوال کے لیے میرے اردگرد بیٹھی ہوئی ہیں- اس پر فوراً حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور حضرت عائشہؓ کا گلا پکڑنے لگے اور حضرت عمرؓ اٹھے اور حضرت حفصہ کا گلا دبانے لگے دونوں صاحب یہی ایک بات فرماتے جاتے تھے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے نفقہ کا سوال کیوں کرتی ہو جتنا آپؐ کے پاس نہیں انہوں نے کہا خدا کی قسم آئندہ ہم کبھی آپؐ سے اس قسم کا سوال نہ کریں گے- اس سلسلہ میں آنحضرتؐ نے ایک ماہ (۲۹ دن تک) اپنی بیبیوں سے علیحدگی اختیار کر لی تو اور قرآن کی آیت قل لازواجک سے لے کر المحسنات منکن اجرا عظیما تک نازل ہوئی (اس آیت میں آپ کی بیبیوں کو دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لینے کے لئے کہا گیا تھا- یا وہ خدا و رسول کو اختیار کر لیں تو دنیوی فراوانی سے قطع نظر کر لیں اور اس تقدیر پر آخرت میں ان کے لیے بڑے ثواب کا وعدہ ہے اور اگر چاہیں تو حیات دنیا کو اختیار کر لیں تو پھر ان کو رسول اللہ سے علیحدگی کرنی پڑے گی) راوی کہتا ہے کہ اس آیت کو سنانے کی ابتداء سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہؓ سے کی اور فرمایا عائشہ دیکھو میں ایک خاص بات تمہارے سامنے رکھتا ہوں اور میرا جی یہ چاہتا ہے کہ تم اس کے جواب میں جلد بازی سے کام نہ لو جب تک کہ اپنے والدین سے مشورہ نہ لے لو' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا بات ہے' آپ نے یہی آیت پڑھ کر ان کو سنا دی' یہ بے ساختہ بولیں یا رسول اللہ کیا آپ کی رفاقت کا معاملہ بھی ایسا ہے جس میں میں اپنے والدین سے مشورہ لوں گی' میں کسی استخارہ کے بغیر اللہ اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کرتی

ؒ .... کہ ان کی زوجیت کے مقابلہ میں ساری دنیا ہماری نظروں میں ہیچ ہے- حضرت عائشہؓ آپ کی سب سے کم سن بی بی ہیں مگر ان کے انداز جواب کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ اس مسئلہ کو قابل سوچ بچار ہی نہیں سمجھتیں اور اس کو اتنی عظیم نعمت سمجھتی ہیں جس میں فطری غیرت کی بنا پر نہیں چاہتیں کہ کہ آپ کی کوئی دوسری سوتن شریک ہو سکے- اس نازک مرحلہ میں رسول کی بزرگی کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ وہ رشتہ محبوبیت کے باوجود یہاں خاموش بھی نہیں رہ سکا اور بڑی صفائی سے اس نے یہ کہہ دیا کہ میں تو اس معاملہ میں کوئی رعایت نہیں کر سکتا میں معلم کا منصب لے کر آیا ہوں اس میں کسی سے خیر خواہی کی بات چھپانی خیانت ہے- اس حدیث کے مضمون سے ظاہر ہے کہ یہاں رسول خدا کی مرضی گو یہی تھی کہ آپ کی ازواج کہیں اس اختیار میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھیں' لیکن اس کے باوجود آیت تخییر سنا دینے میں آپ نے کوئی تاخیر نہیں کی- طبعی جذبات اور فطری اقتضاء کا معدوم ہو جانا کمال نہیں- کمال ان سب کو پامال کر کے حکم شریعت کی بجا آوری میں ہے-

اِمْرَءَ ةٌ مِنْ نِسَائِکَ بِالَّذِیْ قُلْتُ قَالَ لَا تَسْأَلُنِیْ اِمْرَءَ ةٌ مِنْهُنَّ اِلَّا اَخْبَرْتُهَا اِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَبْعَثْنِیْ مُعْنِتًا وَ لَا مُتَعَنِّتًا وَ لٰکِنِّیْ بَعَثَنِیْ مُعَلِّمًا مُیَسِّرًا. (رواہ مسلم)

ہوں لیکن میری ایک عرض ہے وہ یہ کہ آپ میرے اس جواب کی اپنی بیبیوں میں سے کسی کو اطلاع نہ دیں- آپؐ نے فرمایا مجھ سے تو ان میں جو بھی دریافت کرے گی میں اس سے تمہارا جواب صاف صاف کہہ دوں گا- اللہ تعالیٰ نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے-(مسلم)

(۳۳۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ کَانَ زَوْجُ بَرِیْرَةَ عَبْدًا اَسْوَدَ یُقَالُ لَهٗ مُغِیْثٌ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَیْهِ یَطُوْفُ خَلْفَهَا فِیْ سِکَکِ الْمَدِیْنَةِ یَبْکِیْ وَ دُمُوْعُهٗ تَسِیْلُ عَلٰی لِحْیَتِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ یَا عَبَّاسُ اَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِیْثٍ بَرِیْرَةَ وَ مِنْ بُغْضِ بَرِیْرَةَ مُغِیْثًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ رَاجَعْتِیْهِ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَاْمُرُنِیْ قَالَ اِنَّمَا اَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِیْ فِیْهِ. (رواہ البخاری)

(۳۳۷) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر ایک سیاہ فام غلام تھے ان کو مغیث کہا جاتا تھا ان کا وہ نقشہ گویا اب میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ مدینہ کی گلیوں میں وہ بریرہ کے پیچھے پیچھے روتے پھر رہے ہیں اور ان کے آنسو ان کی ڈاڑھی پر بہہ رہے تھا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا: عباس! یہ تم کو اس پر تعجب نہیں ہوتا کہ مغیث کو بریرہ سے کتنی اُلفت ہے اور بریرہ کو ان سے کتنی نفرت ہے؟ اس کے بعد آپ نے بریرہ سے کہا کاش تم مغیث کی زوجیت میں رہنا قبول کر لیتیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے حکم ہے؟ (یا صرف سفارش) آپ نے فرمایا میں تو صرف سفارش کرتا ہوں (حکم نہیں دیتا) بریرہ نے عرض کیا تو پھر مجھے ان کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں- (بخاری شریف)

---

(۳۳۷) * بریرہؓ ایک باندی تھیں اور باندی کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ جب وہ آزاد ہو جائے تو اس کو اپنے سابقہ نکاح کے قائم رکھنے نہ رکھنے میں شرعاً اختیار دیا جاتا ہے اسی قاعدہ کے ماتحت جب بریرہ آزاد ہوگئیں تو ان کو بھی اختیار مل گیا اگر وہ چاہیں تو اپنے دیرینہ شوہر کی زوجیت میں رہنا قبول کریں اور چاہیں تو ان سے علیحدگی اختیار کر لیں- حضرت بریرہؓ اگرچہ ایک باندی تھیں لیکن زمانہ نبوت کے فیض عام کی وجہ سے کتنی حدود شناس ہوگئی تھیں کہ ان کے دو لفظوں میں ساری کتاب الایمان کی روح کھنچی ہوئی نظر آتی ہے یعنی وہ اس امر کو خوب پہچانتی تھیں کہ ایک امتی کے حدود اختیارات کہاں تک باقی رہتی ہیں اور کہاں جا کر ختم ہو جاتی ہیں اس لیے وہ نہایت مؤدبانہ استفسار کرتی ہیں کہ یہ آپؐ کا حکم ہے یا صرف ایک سفارش کا مرتبہ- گویا نبی اگر کسی کی طرف سے سفارش کرے تو امتی کے لیے اس کا تسلیم کر لینا ایسی حتمی چیز نہیں ہو جاتی جس کے بعد پھر اس کے لیے کوئی اختیار اور آزادی رائے کا حق ہی باقی نہ رہے بلکہ اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس صورت میں اس کے لیے شرعی حدود کا نباہ مشکل ہوگا تو اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی آزادی رائے کو ملحوظ رکھے لیکن جس جگہ پہنچ کر امتی کے تمام اختیارات مسلوب ہو جاتے ہیں اور اس کے لیے آزادی رائے کا کوئی حق نہیں رہتا وہ صاحب شریعت کا حکم ہے- رسول کے امر و نہی کے بعد اطاعت کرنے کے سوا اب کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہتی- مذہب پر نکتہ چینی کرنے والے اس نکتہ کو پورے غور سے ملاحظہ کریں کہ مذاہب عالم کی صفوف میں اسلام نے انسانوں میں ایک باندی کی رائے کا بھی کس حد تک احترام کیا ہے یعنی پرائیویٹ معاملات میں اس نے ایک ایسی حد قائم کر دی ہے جہاں پہنچ کر رسول جیسی شخصیت کو بھی آئینی دست اندازی کا حق نہیں ہوتا اور اس کو بھی اتنا ہی حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار....

الایمان عقد للقلب و لیست اعمال الجوارح اجزاء للایمان

ایمان دراصل قلبی اعتقاد کا نام ہے فرائض و اعمال ایمان کے اجزا نہیں

(۳۳۸) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْئَهُنَّ وَ صَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَ اَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَ خُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدًا اَنْ يَّغْفِرَلَهٗ وَ مَنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَلَهٗ وَ اِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ. (رواه احمد و ابوداؤد وروى مالك و النسائى)

(۳۳۸) عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو شخص ان کے لیے اچھی طرح وضو کرے اور ان کا رکوع وخشوع بھی پورا پورا ادا کرے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہوگا کہ وہ اس کو بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے بھی بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔

(احمد-ابوداؤد-مالک-نسائی)

(۳۳۹) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغِيْرُ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَ كَانَ يَسْتَمِعُ الْاَذَانَ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا اَمْسَكَ وَ اِلَّا اَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْفِطْرَةِ

(۳۳۹) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جنگ شروع کرتے جب فجر ہو جاتی اور اذان کا خیال رکھتے اگر اذان کی آواز آ جاتی تو جنگ کا ارادہ ملتوی کر دیتے ورنہ جنگ شروع کر دیتے - ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا اللہ اکبر! اللہ اکبر! تو فرمایا تو ٹھیک اپنی فطرت پر قائم ہے' جب اس نے یہ کہا

بقیہ ....صرف اظہار کر دے جو مذہب اپنے تسلیم کرنے والوں پر جبر کرنا پسند نہیں کرتا سوچو کہ وہ خود مذاہب کے اختیار کرنے پر کب جبر کرنا گوارا کر سکتا ہے اس قسم کے واقعات سے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بدیہی اور غیر اختیاری سبق ملتا ہے کہ اتنی با اختیار ہستی ہو کر وہ کسی انسان پر کوئی دباؤ ڈالنا پسند نہیں فرماتے اور اگر ایک باندی اپنی جائز آزادی کے ماتحت آپؐ کی سفارش قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کرتی ہے تو اس کا بھی کوئی برا نہیں مانتے - کیا ہے کوئی انسان جو اتنے اختیارات کا مالک ہو کر روزمرہ کے معاملات میں اتنی آزادی اور اتنی رواداری کو جائز رکھ سکے جب اس کے کسی شرعی حکم کا خلاف کیا جائے تو اسے برداشت نہ کر سکے اور بیک وقت جب ذاتی معاملات میں اس کی سفارش پر عمل درآمد نہ ہو تو ذرا چیں بہ جبیں نہ ہو کیا ایسے انسان کی ایک ایک حرکت صرف رضاء الٰہی کے لیے نہ ہوگی - اس موقعہ پر آپ کو ترجمان السنہ ج اص ۳۹۷ پر حدیث (۱۸۲) کا ملاحظہ کرنا بھی مفید ہوگا -

(۳۳۸) * یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ مغفرت ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتی - اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بے نمازی کے اسلام کی خواہ کوئی حیثیت بھی ہو مگر آخر کار اس کی مغفرت ہو جائے گی معلوم ہوا کہ نماز جیسا عمل بھی ایمان کا جزء نہیں ورنہ بے نمازی کی مغفرت نہ ہوتی - یہ مسئلہ بہت نازک ہے اس کی ایک طرف ارجاء اور دوسری طرف اعتزال ہے اور راہ صواب اعتدال میں ہے مفصل کلام پہلے گذر چکا ہے -

(۳۳۹) * حدیث مذکور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شہادتین سن کر جنت کی بشارت دے دی اگر اعمال ایمان کا جزء ہوتے تو اعمال کے بغیر یہ بشارت نہ دی جاتی -

ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتُ مِنَ النَّارِ فَنَظَرُوْا اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ رَاعِيْ مِعْزًى. (رواہ مسلم)

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو فرمایا جا تجھے آتش دوزخ سے نجات مل گئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس شخص کو جا کر دیکھا تو وہ بکریوں کا چرواہا تھا۔ (مسلم)

(۳۴۰) عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ سَفَرٍ فَسَمِعَ مُؤَذِّنًا يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَعَ الْاَنْدَادَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ خَرَجَ مِنَ النَّارِ الحديث.

(رواه البزار و قال الهيثمي رجاله ثقات)

(۳۴۰) ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک مؤذن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ کہتے ہوئے سنا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو فرمایا اس نے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے تمام شریکوں سے بیزاری کا اظہار کر دیا پھر جب یہ سنا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ تو فرمایا عذاب دوزخ سے نجات پا گیا۔

(مسند بزار)

(۳۴۱) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ.

(رواه الحاكم في التفسير و هو مروي غير مسلم وغيره)

(۳۴۱) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول تلاوت کیا وَ لَا يَشْفَعُوْنَ الخ اور شفاعت بھی نہیں کر سکیں گے مگر اس کے لیے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اس کے بعد فرمایا کہ میری شفاعت میرے ان سب امتیوں کے لیے ہو گی جنھوں نے گناہ کبیرہ کیے ہیں۔ (حاکم)

(۳۴۲) عَنِ الْحَسَنِ ثَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ اِذْ ذَاكَ وَ نَحْنُ بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِيْءُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتَجِيْءُ الصَّلٰوةُ فَتَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنَا الصَّلٰوةُ فَيَقُوْلُ اِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ فَتَجِيْءُ الصَّدَقَةُ فَتَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنَا الصَّدَقَةُ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ ثُمَّ يَجِيْءُ

(۳۴۲) حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے مدینہ میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن تمام اعمال کی صورتیں آئیں گی۔ نماز آئے گی اور کہے گی اے رب میں نماز ہوں' ارشاد ہو گا تو بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد صدقہ آئے گا اور کہے گا اے رب میں صدقہ ہوں ارشاد ہو گا تو بھی بہت اچھا عمل ہے پھر روزہ آئے گا اور کہے گا اے رب میں روزہ ہوں

---

(۳۴۱) * اگر اعمال اجزاء ایمان ہوتے تو مرتکب کبیرہ مؤمن نہ ہوتا اور نہ اس کے لیے شفاعت ہو سکتی۔

(۳۴۲) * اس حدیث میں اسلام کی صورت اعمال سے جداگانہ مذکور ہے حضرت استاد قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کو اسلام سے خواہ کتنا ہی گہرا ربط ہوتا ہم وہ اس کے اجزاء نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اعمال کی جزئیت کا مسئلہ محدثین و فقہاء کے مابین ثمرہ کے اعتبار سے کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ مؤمن عاصی سب کے نزدیک آخر کار جنت میں داخل ہو گا اور اسی طرح اعمال کی اہمیت سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے یہ صرف وقتی مصالح کے لحاظ سے مختلف تعبیرات تھیں جو بعد میں مذاہب بن گئیں۔ تفصیلی بحث گذر چکی ہے۔

الصِّیَامُ فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ اَنَا الصِّیَامُ فَیَقُوْلُ اِنَّکَ عَلٰی خَیْرٍ ثُمَّ تَجِیْءُ الْاَعْمَالُ عَلٰی ذٰلِکَ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّکَ عَلٰی خَیْرٍ ثُمَّ یَجِیْءُ الْاِسْلَامُ فَیَقُوْلُ یَا رَبِّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ اَنَا الْاِسْلَامُ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّکَ عَلٰی خَیْرٍ بِکَ الْیَوْمَ اٰخُذُ وَبِکَ اُعْطِیْ فَقَالَ اللّٰهُ فِیْ کِتَابِهٖ (وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ).

ارشاد ہوگا تو بھی بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد اسی طرح سب اعمال آتے رہے گے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہی ارشاد ہوتا رہے گا کہ تم اچھے عمل ہو- آخر میں اسلام کی صورت آئے گی یہ عرض کرے گا اے پروردگار تیرا نام ''سلام'' ہے اور میرا نام اسلام' ارشاد ہوگا تو سب سے بہتر عمل ہے' آج گرفت اور انعام دونوں کا دارومدار تیری ہی ذات پر ہے' جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے (جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور یہ شخص آخرت میں بہت نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا-) (احمد)

(تفرد به احمد و ذکره ابن کثیر فی تفسیره و رجاله ثقات و لکن یقال ان الحسن لم یسمع من ابی هریرة)

(۳۴۳) عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَوْفٍ الشَّیْبَانِیِّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِنْ دَهْرٍ نَاوَ اِنَّ اَحَدَنَا یُؤْتَی الْاِیْمَانَ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ وَ یَنْزِلُ السُّوْرَةُ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَ حَرَامَهَا وَ مَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُوْقَفَ عِنْدَهٗ فِیْهَا کَمَا تَعَلَّمُوْنَ اَنْتُمُ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَأَیْتُ رِجَالًا یُؤْتٰی اَحَدُهُمُ الْقُرْاٰنَ فَیَقْرَأُ مَا بَیْنَ فَاتِحَتِهٖ اِلٰی خَاتِمَتِهٖ مَا یَدْرِیْ مَا اٰمِرُهٗ وَلَا زَاجِرُهٗ وَ لَا مَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُوْقَفَ عِنْدَهٗ مِنْهُ یَنْثُرُهٗ نَثْرَ الدَّقْلِ.

(رواه الحاکم فی المستدرك ص ۳۵ قال الذهبی علی شرطهما)

(۳۴۳) قاسم بن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ ہمارا ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جب کہ ہم میں سے ایک شخص کو قرآن سے پہلے ہی ایمان نصیب ہو جاتا تھا- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی ایک سورت اترتی وہ اس کے حلال وحرام سیکھ لیتا اور ان مقامات کو بھی معلوم کر لیتا کہ کہاں کہاں اس میں ٹھہرنا مناسب ہے (غرض وہ اسی طرح ادب کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھتا جیسا ادب واحترام کے ساتھ آج تم سیکھتے ہو) اس کے بعد فرمایا کہ اب میں ایسے لوگ بھی دیکھ رہا ہوں جنھیں سارا قرآن (پہلے ہی) نصیب ہو جاتا ہے وہ اس کو از اول تا آخر پڑھتے بھی ہیں مگر نہ اس کے امر و نہی کو سمجھتے ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ کس جگہ ٹھہرنا مناسب ہے بس اس طرح اس کو لاپرواہی سے پڑھتے ہیں جس طرح ردی کھجوریں لاپرواہی کے ساتھ بکھیر دی جاتی ہیں- (حاکم)

(۳۴۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

(۳۴۴) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے یہ

(۳۴۳) ٭ اس مضمون کو ابن عمرؓ نے پہلی حدیث میں اپنے زمانہ کی شکایت کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب کہ لوگوں کو ایمان پہلے میسر آجاتا تھا قرآن بعد میں رفتہ رفتہ نازل ہوتا- جتنا قرآن اترتا ان کا ایمان اتنا ہی اور قوی ہوتا تھا وہ اسے سمجھ سمجھ کر پڑھتے اور اس پر عمل کرتے تھے اور ایک زمانہ اب ہے کہ تمام قرآن پہلے نازل ہو چکا ہے لوگ بعد میں اس پر ایمان لاتے ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ ....

وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ فَلَا اَجِدُ قَلْبِیْ يَعْقِلُ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّ قَلْبَکَ حُشِیَ الْاِيْمَانَ وَ اِنَّ الْاِيْمَانَ يُعْطَی الْعَبْدُ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ. (رواه احمد و فی اسناده ابن لهيعة)

شکایت کی کہ یا رسول اللہ میں قرآن پڑھتا تو ہوں مگر مجھے اس میں کچھ دل جمعی نہیں ہوتی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا قلب ایمان سے (پہلے ہی) لبریز ہو چکا ہے اور اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہیں قرآن سے پہلے ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ (احمد)

(۳۴۵) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْاِسْلَامُ عَلَانِيَةٌ وَ الْاِيْمَانُ فِی الْقَلْبِ قَالَ ثُمَّ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ ثُمَّ يَقُوْلُ التَّقْوٰی هٰهُنَا. (رواه احمد و البزار و ابو يعلی و ابن ابی شيبة و سنده جيد)

(۳۴۵) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور ایمان اس اعتقاد کا نام ہے جو دل میں ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اپنے سینہ کی طرف تین بار اشارہ فرمایا' راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد فرمایا تقویٰ اس جگہ ہے۔ (احمد وغیرہ)

و زّعت الشريعة الجنة و النار علی الايمان و الكفر دون الاعمال

جنت اور دوزخ کی تقسیم شرک و ایمان پر دائر ہے صرف اچھے برے اعمال پر نہیں

(۳۴۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۳۴۶) جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں ایسی ہیں جو انسان کے لیے دو چیزیں واجب کر دیتی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ

ﷺ .... کہ قرآن کریم کی موجودگی میں ان کا ایمان اور پختہ ہوتا وہ دلجمعی سے قرآن پڑھتے اور سرگرمی سے اس پر عمل کرتے مگر ہو یہ رہا ہے کہ نہ وہ اس کو اس جوش و خروش کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسے پہلے پڑھا کرتے تھے اور نہ ان میں وہ جذبہ عمل نظر آتا ہے جو پہلے نظر آتا تھا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ ان کا قلب قرآن سے پہلے ہی ایمان سے لبریز ہو چکا ہے۔ اگر قرآن پڑھنے میں ان کے معیار کے مطابق دل جمعی میسر نہیں آتی تو یہ ضعف ایمانی کی دلیل نہیں جب ایمان قرآن سے پہلے ہی میسر آ سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا جز نہیں لفظ يَعْقِلُ عَلَيْهِ قابل غور ہے میرے پاس اس وقت کوئی شرح موجود نہ تھی۔

(۳۴۵) ٭ اس حدیث میں اعمالِ ظاہرہ کو اسلام اور تصدیق باطنی کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب محل ایمان قلب ہے تو اعمالِ جوارح ایمان کا جزء کیسے ہو سکتے ہیں۔ معتزلہ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ عمل نہ ہونے سے ایمان نہیں رہتا ایمان قلب کی صفت ہے وہ اعمال جوارح نہ ہونے کی صورت میں بھی باقی رہ سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں نور و بالیدگی نہ رہے۔

(۳۴۶) ٭ بقول امام غزالیؒ انسان اگر چہ ازلی نہیں مگر ابدی ضرور ہے اس لیے اس کو ایک ابدی مستقر کی ضرورت بھی ہے دنیا اس کا ابدی مستقر نہیں صرف عارضی مستقر ہے ﴿وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِيْنٍ﴾ (البقرة: ۳۶) تمہیں خدا کی زمین پر صرف چند روز رہنا ہے اور ایک وقت مقرر تک اس کی نعمتوں سے کچھ فائدہ حاصل کرنا ہے۔

اس کا دائمی مستقر جنت یا دوزخ ہیں قادر مطلق نے اس کی تقسیم اچھے' برے اعمال پر نہیں رکھی بلکہ ایمان و کفر پر رکھی ہے' اس لیے مؤمن خواہ کتنا بھی گنہگار کیوں نہ ہو مگر اس کا ابدی مستقر جنت ہی رہے گا اور کافر خواہ کتنے بھی اچھے اچھے کام کیوں نہ کرے لیکن ﷺ ....

قَالَ الْمُوْجِبَتَانِ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَ هُوَ يُشْرِكُ بِهٖ دَخَلَ النَّارَ.

(رواه مسلم)

کے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا ہو (تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی) اور وہ ضرور جنت میں جائے گا اور جو شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا ہو (تو اس کے لیے دوزخ واجب ہو جائے گی اور) وہ ضرور دوزخ میں جائے گا- (مسلم)

(۳۴۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَ قُلْتُ اَنَا مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

(رواه البخاری)

(۳۴۷) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہو تو وہ دوزخ میں جائے گا- یہ مضمون تو میں نے خود بارگاہ رسالت سے سنا ہے) اور دوسری بات میں اپنی جانب سے کہتا ہوں کہ جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا- (بخاری شریف)

يخرج من النار من كان في قلبه مثقال ذرّة من نور الايمان

جس کے قلب میں نور ایمان کا ایک ذرّہ ہوگا وہ بھی (بالآخر) دوزخ سے نکال لیا جائے گا

(۳۴۸) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۳۴۸) انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ

.....اس کا ابدی مستقر دوزخ ہی رہے گا اب رہی یہ بات کہ موقت ایمان وکفر کی جزاء خلود کیوں رکھی گئی ہے تو ہمارے علم میں اس کا سب سے بہتر جواب وہ ہے جو ابن قتیبہ نے زیر کلام حدیث نية المرء خير من عمله اپنی کتاب تاویل مختلف حدیث میں ذکر کیا ہے دیکھو ص ۱۸۵ پھر اس کا خلاصہ شیخ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں اور عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں ذکر کیا ہے-

لان تخليد الله العبد في الجنة ليس لعمله و انما هو لنيته لا نه لو كان لعمله لكان خلوده فيها بقدر رمدة عمله او اضعافه الا انه جازاه بنيته لانه كان ناويا أن يطيع الله تعالى ابد الوبقى ابدا فلما اخترمنه منيته دون نيته جزاه الله عليها و كذا الكافر. (عمدة القارى ج ۱ ص ۴۰۲)

''جنت میں خلود اور ابدی زندگی کی بنیاد عمل پر نہیں بلکہ بندہ کی نیت پر رکھی گئی ہے اگر اس کی بنیاد عمل پر ہوتی تو اخروی حیٰوۃ کی مدت بھی اتنی ہی ہونی چاہیے تھی جتنی کہ اس کے عمل کی تھی یا بہت سے بہت اس سے دوگنی لیکن چونکہ اس کی بنیاد نیت پر رکھی گئی ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ ہمیشہ جئے گا تو خدا تعالیٰ کی اطاعت ہمیشہ ہی کیا کرے گا اس نیت میں اگر حائل ہوتی ہے تو موت ہوتی ہے اس کا تو کوئی قصور ہوتا نہیں اس لیے اس کو اپنی نیت کے مطابق دوام وخلود کا بدلہ مل جاتا ہے اور یہی حال دوزخ میں کافر کے خلود کا بھی ہے-'' (عمدۃ القاری)

یہاں ہمارا مقصد اعمال کی قیمت گھٹانا نہیں ہے بلکہ ایمان کی اہمیت اور کفر کی شامت بتانا ہے عمل کی حد سے زیادہ اہمیت اعتزال اور اس سے زیادہ بے اعتنائی ارجاء کے قریب کردیتی ہے- صحیح راہ پر قائم رہنے کے لیے حدود شناسی لازم ہے-

(۳۴۸) * اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن اگرچہ کتنا ہی ادنیٰ درجہ کا ہو مگر وہ بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخر کار.....

وَسَلَّمَ قَالَ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ فِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ شَعِيْرَةٍ مِنْ خَيْرٍ وَ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ فِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ بُرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ وَ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ فِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ. (رواہ البخاری)

(۳۴۹) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَيُخْرَجُوْنَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوْا فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهْرِ الْحَيَا اَوِ الْحَيَاةِ (شَكَّ مَالِكٌ) فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ اَلَمْ تَرَ اَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً. (رواہ البخاری و مسلم)

نے فرمایا جس شخص نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں جو برابر بھی نورِ ایمان ہوگا تو (بالآخر) وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں گیہوں کے ایک دانہ برابر بھی نورِ ایمان ہوگا وہ بھی (بالآخر) دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس شخص نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی نورِ ایمان ہوگا وہ بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (بخاری شریف)

(۳۴۹) ابوسعید خدریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوچکیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اسے بھی دوزخ سے نکال لو چنانچہ ان کو بھی نکال لیا جائے گا ان کی حالت یہ ہوگی کہ جل کر سیاہ فام ہو گئے ہوں گے اس کے بعد ان کو نہر حیا یا نہر حیات میں ڈالا جائے گا (مالک راوی حدیث کو اصل لفظ میں شک ہے) تو وہ اس طرح ہرے بھرے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کے اوپر بہے ہوئے کوڑے میں (سڑ گل کر) نکل آتا ہے کبھی تم نے غور کیا ہے کہ وہ کیسا زرد زرد بل کھایا ہوا نکلتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

لہ ..... دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ ایمان گو خدائے تعالیٰ سے ایک عہد کا نام ہے مگر قلب میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو اس کا وجودِ خارجی کہلاتی ہے یہ حقیقت کسی کے دل میں پہاڑوں کے برابر ہوگی اور کسی کے رائی کے دانہ کے برابر۔ لیکن اس حقیقت کے ہوتے کوئی شخص دوزخ میں رہ نہیں سکتا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بارگاہِ صمدیت میں ایمان کی قدر و قیمت کتنی ہے اس کے بالمقابل کفر و شرک ہے جس کے دل میں شرک ہوگا وہ خدائے تعالیٰ کی جنت کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ ﴿حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ (الاعراف: ۴۰) اس سے شرک کی قباحت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے جنت و دوزخ کی تقسیم ایمان و کفر پر کی گئی ہے نہ کہ اعمال پر۔

(۳۴۹) * اس قسم کی حدیثوں سے معتزلہ اور مرجئہ ہر دو فرقوں کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے ساتھ اعمال کا وجود بھی ضروری ہے ورنہ عاصی مؤمن دوزخ میں نہ جاتا لہٰذا مرجئہ کے خیال کی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد عمل کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح معتزلہ کے عقیدہ کی بھی تغلیط ہوگئی کیونکہ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ عاصی مؤمن ہمیشہ کے لیے دوزخ میں نہیں رہے گا۔ معتزلہ ان کے حق میں بھی خلود کے قائل ہیں پس حق یہ ہے کہ اعمال انتہاء درجہ ضروری ہیں لیکن اگر کسی کے دل میں ایمان کا کوئی ذرہ موجود ہے تو فقدان اعمال کی وجہ سے اگر چہ اس کو عذاب ہو مگر آخر کار اس ایمان کی بدولت اس کی بھی نجات ہو جائے گی۔ ایمان خواہ کتنا ہی ضعیف ہو مگر دوزخ میں نہیں رہ سکتا اور شرک خواہ کتنا ہی خفیف ہو مگر وہ جنت میں نہیں جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں مسلم اور کافر اور اسی لیے ان کے دو ہی مستقر ہیں جنت اور دوزخ۔

(۳۵۰) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُھُمْ فِیْ بَعْضٍ فَیَاْتُوْنَ اٰدَمَ فَیَقُوْلُوْنَ اِشْفَعْ اِلٰی رَبِّکَ فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَھَا وَ لٰکِنْ عَلَیْکُمْ بِاِبْرَاھِیْمَ فَاِنَّہٗ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ فَیَاْتُوْنَ اِبْرَاھِیْمَ فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَھَا وَ لٰکِنْ عَلَیْکُمْ بِمُوْسٰی فَاِنَّہٗ کَلِیْمُ اللّٰہِ فَیَاْتُوْنَ مُوْسٰی فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَھَا وَ لٰکِنْ عَلَیْکُمْ بِعِیْسٰی فَاِنَّہٗ رُوْحُ اللّٰہِ وَ کَلِمَتُہٗ فَیَاْتُوْنَ عِیْسٰی فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَھَا وَ لٰکِنْ عَلَیْکُمْ بِمُحَمَّدٍ فَیَاْتُوْنِیْ فَاَقُوْلُ اَنَا لَھَا فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰی رَبِّیْ فَیُؤْذَنُ لِیْ وَ یُلْھِمُنِیْ مَحَامِدَ اَحْمَدُہٗ بِھَا لَا تَحْضُرُنِیْ الْاٰنَ فَاَحْمَدُہٗ بِتِلْکَ الْمَحَامِدِ وَ اَخِرُّ لَہٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَکَ وَ قُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَہٗ وَ اشْفَعْ

(۳۵۰) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت ہو گی تو (مارے پریشانی کے) لوگ ایک دوسرے کے پاس بھاگے بھاگے پھریں گے آخر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے عرض کریں گے آپ علیہ السلام اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کر دیجئے وہ فرمائیں گے میں اس لائق کہاں، تم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں یہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے وہ فرمائیں گے بھلا میں اس کا اہل کہاں لیکن تم حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ خدائے تعالیٰ کے شرف ہم کلامی میں ممتاز ہیں یہ ان کی خدمت میں جائیں گے وہ بھی فرما دیں گے میں اس قابل کہاں لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان کا لقب روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہے یہ ان کی خدمت میں آئیں گے وہ بھی فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں البتہ تم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو یہ میرے پاس آئیں گے میں کہوں گا (بہت اچھا) یہ خدمت میرے ہی سپرد کی گئی ہے اس کے بعد میں اپنے پروردگار سے اجازت مانگوں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور حق تعالیٰ میرے دل میں اپنی ایسی پاکیزہ اور بلند تعریفیں القاء فرمائے گا جو اس وقت

(۳۵۰) * انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں کلمہ طیبہ کے ایک جزء پر نجات کی بشارت مذکور ہے۔ علماء کے مابین اس بارے میں گفتگو ہے کہ یہ جماعت کون سی جماعت ہے جس کی مغفرت صرف توحید پر ہو جائے گی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو کسی رسول کا زمانہ نہیں ملا اصطلاح میں ان کو اصحاب فترۃ کہا جاتا ہے چونکہ ان کے پاس خدائے تعالیٰ کا کوئی رسول آیا ہی نہیں اس لیے ایمان بالرسالۃ کے یہ مکلف بھی نہ ہوں گے اس لیے ان کی نجات بھی صرف خدائے تعالیٰ کی توحید پر ہو جائے گی۔ اب رہے وہ لوگ جنہوں نے کسی رسول کا زمانہ پایا، اس کی تعلیمات بھی ان کو پہنچیں اور اس پر غور و خوض کا انہیں کافی موقعہ بھی ملا اس کے باوجود انہوں نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ اس کو رد کر دیا تو ہمارے علم میں ان کی نجات کی ادیانِ سماویہ میں کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ کسی رسول کی کا دور نہ ہونے یا اس کی دور بعثت سے لاعلمی کی بنا پر اس پر ایمان و عدم ایمان کی بحث سے خالی الذہن رہنے اور دور بعثت کے پورے پورے علم کے باوجود اس کے قبول نہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہے اگر پہلی قسم کے لوگ قابل معذوری سمجھے جائیں تو کیا دوسری قسم کے لوگ بھی معذور تصور کیے جا سکتے ہیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ ایمان بالرسالۃ گویا ایمان کا رکن ہی نہ رہے صرف خدائے تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھنا نجات کے لیے کافی ہو پھر اسی پر مسئلہ ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد یہ مرحلہ بھی زیر غور آ سکے گا کہ اگر رسول کے توسط کے بغیر صرف عقل کی رو سے اللہ تعالیٰ کی وہ پاکیزہ توحید میسر آ سکتی ہے جو شرک کی ہر قریب و بعید آلائش سے صاف ہو تو اب رسول کی ضرورت کس درجہ پر باقی رہے گی توحید خداوندی کے فطری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر قلب .....

تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ شَعِيْرَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّلَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَ قُلْ تُسْمَعْ وَ سَلْ تُعْطَهْ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ اَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّلَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَ قُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ اَدْنٰى اَدْنٰى اَدْنٰى مِثْقَالَ حَبَّةِ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَ قُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ

مجھے نہیں آتیں میں ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا ارشاد ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر تو اٹھاؤ (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی مانگو ملے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا اے اللہ میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں جو برابر بھی نور ایمان دیکھو اسے بھی نکال لو، میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ لوٹ کر پھر ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا خطاب ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی، میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخش دے میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ملے گا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں ایک ذرہ یا ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا نور ہو اسے بھی نکال لو۔ میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ واپس ہو کر پھر ان کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا۔ ارشاد ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور (اس مرتبہ) جس کے قلب میں ایک رائی کے دانہ سے بھی کم سے کم تر نور ایمان ہو اسے بھی نکال لو میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کر کے چوتھی بار پھر واپس آؤں گا اور

ﷺ ... گرد و پیش کے حالات انسانی ذہنیت کو مکدر نہ کریں تو اس کے دماغ میں سوائے وحدانیت کے دوسرا تصور سا ہی نہیں سکتا لیکن جب کہ بساط عالم پر جا بجا شرک ہی کا کھیل چل رہا ہو شیاطین نے انسانی دماغوں کو نجاست شرک سے ملوث کر رکھا ہو کیا ان حالات میں بھی ایک انسان خدا کی مقدس توحید کو آسانی پا سکتا ہے؟ یہ بحث ابھی نہیں ہے کہ جو توحید انبیاء علیہم السلام لے کر آتے ہیں اس میں تنزیہ و تشبیہ کے مابین کیسے کیسے خوش نما نقش و نگار اور بھی ہوتے ہیں جن کے بغیر توحید کا عقیدہ صرف عقل ہیولانی کا ایک سادہ تصور رہتا ہے پس کسی تردد کے بغیر ان سادہ یہ کا یہ ایک طے شدہ عقیدہ سمجھنا چاہیے کہ نجات کے لیے رسول پر ایمان لانا بھی اسی درجہ ضروری ہے جس درجہ خدائے تعالیٰ کی توحید پر۔

حضرت استاد قدس سرہ فرماتے تھے کہ ان حدیثوں میں شہادت رسول کا دوسرا جزء مذکور نہ ہونے کا اصل راز یہ ہے کہ یہ جماعت صرف اسی امت کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ سب امتوں کی مشترکہ ہوگی اس لیے ان کی نجات کا مشترکہ نقطہ یہی عقیدہ توحید ہوگا۔ رسول پر ایمان اپنے اپنے دور کے اعتبار سے ان میں مختلف رہے گا یہی وجہ ہے کہ ان کو آپ کے ہاتھوں سے نکالا نہیں جائے گا بلکہ اس کا تکفل وہ رحمٰن فرمائے گا جس کی رحمت کی ساری امتیں اسی طرح متوقع ہوں گی جس طرح کہ ہر رسول کی امت اپنے اپنے رسول کی ﷺ ....

تُعْطَهُ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ ائْذَنْ لِيْ فِيْمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَيْسَ ذَالِكَ لَكَ وَ لٰكِنْ وَ عِزَّتِيْ وَ جَلَالِيْ وَ كِبْرِيَائِيْ وَ عَظْمَتِيْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ فِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ شَفَعَتُ الْمَلَائِكَةُ وَ شَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَ شَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ لَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قُبْضَةً مِنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوْا حُمَمًا فَيُلْقِيْهِمْ فِيْ نَهْرٍ فِيْ اَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ نَهْرُ الْحَيٰوةِ فَيَخْرُجُوْنَ كَمَا تَخْرُجُ الْحَبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ فَيَخْرُجُوْنَ كَاللُّؤْلُؤْ فِيْ رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ فَيَقُوْلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الرَّحْمٰنِ اَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَ لَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ فَيُقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَا رَاَيْتُمْ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ. (متفق علیہ)

وَ فِيْ حَدِيْثِ اَنَسٍ عِنْدَ الْبُخَارِيْ قَالَ لَيُصِيْبَنَّ اَقْوَامًا سَفْعٌ مِنَ النَّارِ بِذُنُوْبٍ اَصَابُوْهَا عُقُوْبَةً ثُمَّ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِهٖ وَ رَحْمَتِهٖ فَيُقَالُ لَهُمُ الْجَهَنَّمِيُّوْنَ.

پھر ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا ارشاد ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھالو- کہو تمہاری بات مانی جائے گی مانگو ملے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی- میں عرض کروں گا اے پروردگار! مجھے ان کے نکالنے کی بھی اجازت ہو جنہوں نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا ہے ارشاد ہوگا یہ تمہارا حق نہیں البتہ اپنی عزت و جلال' کبریاء اور بزرگی کی قسم- جنہوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے انہیں تو میں خود نکالوں گا- اور ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں یہ مضمون ان الفاظ میں مذکور ہے کہ (چوتھی بار آپ کے جواب میں ارشاد ہوگا) فرشتے بھی شفاعت کر چکے خدا کے نبی بھی شفاعت کر چکے اور مؤمنین بھی شفاعت کر چکے اب ارحم الراحمین کی باری ہے لہٰذا قدرت ایک مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالے گی جنہوں نے کبھی کوئی بھلا کام نہ کیا ہوگا یہ لوگ دوزخ میں پڑے پڑے جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ فام ہو گئے ہوں گے' جنت کے سامنے ایک نہر ہوگی اس میں ان کو ڈال دیا جائے گا وہ اس میں غوطہ لگا کر) ایسے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کی رو میں بہتے ہوئے کوڑے پر اُگ آتا ہے اسی طرح یہ موتی کی طرح صاف ستھرے چمک دار ہو جائیں گے ان کی گردنوں پر مہریں ہوں گی ان کی وجہ سے جنتی ان کو عتقاء الرحمٰن کہیں گے (یعنی عذاب دوزخ سے رحمٰن کی آزاد کردہ جماعت) جس نے ان کو یونہی جنت میں داخل کر دیا ہے نہ انہوں نے کوئی اچھا عمل کیا تھا اور نہ ان کے پیش نظر کوئی نیک نیتی تھی' ان سے خطاب ہوگا جاؤ جتنا تم نے دیکھا تم کو وہ دیا اور اسی کے برابر اور دیا- (متفق علیہ) بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ اپنے گناہوں کی شامت میں عذاب دوزخ میں گرفتار ہو کر سیاہ فام ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرما دے گا ان لوگوں کا لقب جہنمی ہوگا-

---

لٰه ..... سفارش کی- قرآن کریم نے جہاں انفرادی دعوت سے قطع نظر انبیاء علیہم السلام کی مشترک دعوت کو ذکر فرمایا ہے وہاں صرف توحید ہی کو ذکر فرمایا ہے- ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۲۵) ہم نے آپ سے پیشتر جتنے رسول بھیجے سب کے پاس یہی وحی بھیجی ہے کہ معبود ہمارے سوا کوئی نہیں ہے-

حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر رسول پر اس کی رسالت کی حقانیت کی وحی بھی یقینی طور پر نازل کی گئی ہے لیکن یہ جزء ہر دور کے لحاظ سے مختلف تھا جو مشترک نقطہ تمام رسولوں کے دور میں کبھی نہیں بدلا وہ صرف خدائے قدوس کی توحید تھی اس لیے رسولوں کی سفارش کر لینے لٰه .....

(٣٥١) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْرَجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُسَمُّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ. (رواه البخاری)

(٣٥١) عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت پر دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیے جائیں گے ان کا لقب جہنمی ہوگا۔ (بخاری شریف)

المؤمن اذا عمل بالفرائض و احل الحلال و حرم الحرام دخل الجنة من غير عذاب انشاء الله تعالىٰ

جوشخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے وہ پکا مؤمن ہے اور کسی عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا

(٣٥٢) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النُّعْمَانُ بْنُ قَوْقَلٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَأَيْتُ اِذَا صَلَّيْتُ الْمَكْتُوْبَةَ وَ حَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَ اَحْلَلْتُ الْحَلَالَ اَ اَدْخُلُ الْجَنَّةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ. (رواه مسلم)

(٣٥٢) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نعمان بن قوقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے جب میں فرض نمازیں ادا کرلوں اور حرام کے ساتھ حرام کا معاملہ کروں اور حلال کے ساتھ حلال کا تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ (مسلم)

(٣٥٣) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ

(٣٥٣) سفیان بن عبداللہ ثقفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول

☜ ..... کے بعد جب اس سفارش کا وقت آیا جس کا تعلق نہ تو کسی زمان و مکان سے ہو اور نہ کسی خاص امت سے تو اس کے لئے وہ ذات متکفل ہوگئی جس کی رحمت پر سب بندوں کا حق یکساں واجب تھا وہ ایک ارحم الراحمین کی ذات تھی مگر خاتم الانبیا علیہم السلام کی بعثت عامہ کا اثر یہاں بھی اتنا ظاہر ہوئے بغیر نہ رہا کہ ان کی نجات کی منظوری آپ کی ہی سفارش پر ہوگی گو اس کا اجراء قدرت نے براہ راست خود اپنے ذمہ لے لیا جیسا کہ عمران بن حصین کی حدیث سے صاف واضح ہے۔ اس جگہ یہ واضح رہنا چاہیے کہ ابتداء حدیث شفاعت کبریٰ کے متعلق تھی یعنی بندوں کے حساب و کتاب شروع ہونے کے لیے پھر درمیان میں کچھ حصہ حذف ہو کر آخر حدیث میں شفاعت صغریٰ کا ذکر آ گیا ہے جو امتوں کی بخشش کے متعلق ہوگی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ صاف تصریح موجود ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے پاس کوئی نیک عمل نہ ہوگا حتیٰ کہ کسی ادنیٰ نیک نیتی میں بھی ان کا نمبر صفر ہوگا کسی ایک حرف سے بھی یہ اشارہ نہیں نکلتا کہ ان کے پاس توحید کے علاوہ رسول پر ایمان بھی نہ ہوگا۔ حلال کو حلال سمجھنے کے معنی اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا اور تحریم حرام کا مطلب حرام سے بچنا ہے جو شخص حلال سے بچتا اور حرام سے احتراز نہیں کرتا وہ نہ حلال کو حلال سمجھتا ہے اور نہ حرام کو حرام۔

(٣٥٣) ٭ استقامت ایک مختصر لفظ ہے اور اس مختصر لفظ میں شرع کی تمام نزاکتیں لپٹی ہوئی ہیں اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "استقیموا ولن تحصوا۔" دیکھو استقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنا مگر مقتضائے استقامت سے عہدہ برائی ہے مشکل۔ تاہم جتنا ہو سکے اس میں دریغ نہ کرنا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا الخ. (حٰم السجدہ: ٣٠) جن لوگوں نے زبان سے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس بات پر پوری طرح قائم بھی رہے ان پر خدا کے فرشتے یہ پیغام لے کر آتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ ☜ .....

قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِّيْ فِي الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْئَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ وفي حديث اسامة غَيْرَكَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ. (رواه مسلم)......

اللہ اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی جامع بات فرما دیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے (اسامہ کی حدیث میں بعد کے بجائے غیر کا لفظ یعنی آپ کے سوا کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے) آپ نے فرمایا اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کہو اس کے بعد اس قول پر پوری طرح قائم رہو۔ (مسلم)

من لم يعمل بفرائض الاسلام فانه مؤاخذ به وان كان مقرًا بالتوحيد والرسالة

جو شخص فرائض و اعمال ادا نہیں کرتا وہ مواخذہ سے بری نہیں اگرچہ توحید و رسالت کا معترف بھی ہو

(۳۵۴) عَنْ ثَوْبَانَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ فِيْ مَسِيْرٍ اِنَّا مُدْلِجُوْنَ اللَّيْلَةَ فَلَا يَرْجِلَنَّ مَعَنَا مُضْعَفٌ وَّ لَا مُصْعَبٌ فَارْتَحَلَ رَجُلٌ عَلٰى نَاقَةٍ لَّهُ صَعْبَةٍ فَسَقَطَ فَانْدَقَّتْ عُنُقُهُ فَمَاتَ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّدْفَنَ ثُمَّ اَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰى اَنَّ الْجَنَّةَ لَا تَحِلُّ لِعَاصٍ. (رواه الحاكم في المستدرك في كتاب قسمة الفيء و لم يتعقبه الذهبي)

(۳۵۴) ثوبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں فرمایا آج شب ہم اندھیرے اندھیرے روانہ ہو جائیں گے لہٰذا ہمارے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس کے پاس کمزور یا کڑوے مزاج کا اونٹ ہو اس کے بعد بھی ایک شخص نے اپنی کڑوی اونٹنی کس لی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس پر سے گرا اس کی گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دفن کرنے کا حکم دیا پھر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جنت کسی نافرمان کے لیے حلال نہیں ہے۔ انہوں نے حسب الحکم یہ اعلان کر دیا۔ (حاکم)

(۳۵۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ عَلٰى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ

(۳۵۵) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کی نگرانی کے لیے ایک شخص تعینات تھا جس کا نام

......اور نہ غم اور اس جنت کی خوش خبری سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا سفیانؓ کی یہ حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اوپر والی حدیث سے بھی زیادہ تفصیل پر حاوی ہے کلمہ طیبہ پر جنت کی بشارت کی احادیث میں کہیں کلمہ طیبہ کے ساتھ خالصاً من قلبه کا لفظ (خلوص کے ساتھ اپنے دل سے کہے) اور کہیں يبتغي بذلك وجه الله کی قید (اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی ارادہ نہ ہو) اور کہیں (ثم استقم) کے الفاظ مذکور ہوتے ہیں ان سب کا ماحصل ایک ہے اور وہ اسلام کی مجموعی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اسی کو حدیث جابر میں ذرا اور مفصل الفاظ میں ادا کیا گیا ہے یعنی دین کی حلال باتوں پر عمل کرنا اور حرام باتوں سے احتراز کرنا۔ ان مجمل الفاظ کو دوسری حدیثوں میں اس سے اور زیادہ مفصل شکل میں ادا کیا گیا ہے یعنی ان میں ارکان اسلام کے ساتھ کچھ اور تفصیلات بھی آ جاتی ہیں پھر معلوم نہیں کہ اگر کسی مقام پر صرف کلمہ توحید پر جنت کی بشارت مذکور ہو جاتی ہے تو فرقہ مرجئہ اس کو اطلاق پر کیسے حمل کر لیتا ہے۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ کلمہ طیبہ کے ساتھ اگر شرعی اعمال موجود ہیں تو جنت میں داخلہ ان شاء اللہ کسی عذاب کے بغیر ہوگا اور اگر کلمہ طیبہ کے ساتھ عمل کا ذخیرہ نہیں یا کم ہے تو پھر ضابطہ میں تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اگر رحمت عفو کر دے تو یہ اس کا فضل ہوگا لیکن اس کے بعد ایمان کی بدولت پھر نجات حاصل ہو جائے گی۔ معتزلہ کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ گناہ کرنے سے ایمان ہی باقی نہیں رہتا۔

يُقَالُ لَهُ كَرْكَرَةُ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي النَّارِ فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ فَوَجَدُوْا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا. (رواہ البخاری)

کرکرہ تھا اس کا انتقال ہوگیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا وہ تو دوزخ میں ہے (یہ سن کر) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس کا سامان ٹٹولنے لگے دیکھا تو اس میں (مال غنیمت کا) ایک عباء ملا جو اس نے خیانت کر کے چرالیا تھا۔

(۳۵۶) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَذَكَرُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وُجُوْهُ النَّاسِ لِذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ غَلَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَفَتَّشْنَا مَتَاعَهُ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِنْ خَرَزِ يَهُوْدَ لَا يُسَاوِيْ دِرْهَمَيْنِ. (رواہ مالک و ابوداود و النسائی)

(۳۵۶) یزید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص کا انتقال ہوگیا (نماز جنازہ کے لیے جب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی گئی تو آپ نے فرمایا اپنے رفیق پر تم ہی نماز پڑھ لو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ سے کنارہ کشی دیکھ کر) لوگوں کے چہرے متغیر ہوگئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص نے جہاد کے مال میں خیانت کی ہے اس کا سامان تلاش کیا گیا تو اس میں یہود کے منکوں میں کا ایک منکا ملا جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔ (مالک)

(۳۵۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَهْدٰى رَجُلٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا يُقَالُ لَهُ مِدْعَمٌ فَبَيْنَهُمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَهُ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ النَّاسُ هَنِيْئًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ

(۳۵۷) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام بطور ہدیہ پیش کیا جس کا نام مدعم تھا۔ یہ مدعم اونٹ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک کسی نا معلوم سمت سے ایک تیر آ کر لگا اور اس کو ختم کر دیا۔ لوگ بولے لو اس کے لیے جنت مبارک ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ ادنیٰ سی چادر

---

(۳۵۶) * آخر توحید و رسالت کے ان معترفین سے بھی دو دو درہم کی حقیر چوریوں کا مواخذہ ہو کر رہا اور صرف اس بناء پر کہ انہوں نے ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا تھا اس معمولی لغزش کی پاداش سے نجات نہ مل سکی خدائے تعالیٰ کی رحمت کا فیاض ہاتھ تو کون پکڑ سکتا ہے مگر یہاں گفتگو صرف اس دائرہ میں ہے جو آئین اسلامی کے تحت ہو سکتی ہے مرجئہ نے یہ غلط سمجھا ہے کہ صرف ایمان لا کر جنت کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے اور اب خدائی گرفت کا کوئی کھٹکا باقی نہیں رہتا ہرگز نہیں اس کو شرعی اوامر و نواہی کا پورا پورا احترام بھی بجالانا ہوگا بلکہ بڑی سے بڑی قربانیاں کر کے اپنے اقرار وفاداری کا امتحان بھی دینا ہوگا۔ ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (البقرة:٢١٤)

(۳۵۷) * یہ غلام رفاعہ بن زید نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا اس کے متصل ہی آپ کو یہ غزوہ پیش آ گیا اور اسی میں یہ بھی شہید ہوگیا (دیکھو بخاری شریف ص۹۹۲) اس سے معلوم ہوا کہ ابھی اس کو آپ کی فیض صحبت اٹھانے کا موقع نہ ملا تھا۔

اِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِیْ اَخَذَهَا یَوْمَ خَیْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَیْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِکَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاکٍ اَوْ شِرَاکَیْنِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاکٌ مِنْ نَارٍ اَوْ شِرَاکَانِ مِنْ نَّارٍ. (متفق علیه)

جو اس نے خیبر کی غنیمت میں سے قبل از تقسیم لے لی تھی آگ کی صورت میں اس پر بھڑک رہی ہے جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص (گیا) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چمڑے کے ایک یا دو تسمے لے کر آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک یا دو تسمے درحقیقت آگ کے تسمے ہیں۔ (متفق علیہ)

(۳۵۸) عَنِ[1] ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عُمَرُ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ خَیْبَرَ اَقْبَلَ نَفَرٌ مِّنْ صَحَابَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ وَ فُلَانٌ شَهِیْدٌ حَتّٰی مَرُّوْا عَلٰی رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَلَّا اِنِّیْ رَأَیْتُهٗ فِی النَّارِ فِیْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا اَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِذْهَبْ فَنَادِ فِی النَّاسِ اِنَّهٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَیْتُ اَلَا اِنَّهٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا. (رواه مسلم)

(۳۵۸) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب خیبر کی جنگ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آ آ کر کہنے لگے فلاں شہید ہو گیا' فلاں شہید ہو گیا یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس سے گذرے تو اس کے متعلق بھی یہی کہا کہ فلاں شہید ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے تو اس کو آگ میں جلتا ہوا دیکھا ہے' اس سزا میں کہ اس نے ایک چادر یا ایک عباء (راوی کو شک ہے) چرالیا تھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مؤمن جائیں گے تین بار فرمایا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے باہر آ کر اعلان کر دیا کہ جنت میں صرف مؤمن جائیں گے تین بار فرمایا۔ (مسلم)

من ترک خصلة من خصال الاسلام نقص ایمانه

جو اسلام کے کسی حصہ کو ترک کرتا ہے اُس کا اسلام ناقص ہو جاتا ہے

(۳۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ لَا تُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا وَ تُقِیْمَ الصَّلٰوةَ وَ تُؤْتِی الزَّکٰوةَ وَ تَصُوْمُ

(۳۵۹) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسلام یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ' باضابطہ نماز پڑھو' زکوٰۃ ادا کرو' رمضان کے روزے

---

[1] یہ حدیث ترجمان السنہ ج اص ۴۴۷ پر کچھ مغایرت کے ساتھ گذر چکی ہے اس کا نوٹ ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۳۵۹) * یہ حدیث محدثین کے مذاق کے موافق ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کا اسلام کے ساتھ جزئیۃ کا تعلق ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں اور پہلی حدیثوں میں اصل مسئلہ مختلف نہیں ہونا چاہیے اس لیے بعضوں نے تو اسلام کے دو اطلاق مان لیے ہیں ایک صرف شہادتین پر دوم مجموعہ دین پر۔ اور کسی نے اس کو اعمال کی اہمیت بتانے کا صرف ایک اسلوب بیان قرار دیا ہے۔

رَمَضَانَ وَ تَحُجَّ الْبَيْتَ وَ الْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّهْىُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تَسْلِيْمُكَ عَلٰى اَهْلِكَ فَمَنِ انْتَقَصَ شَيْئًا مِنْهُنَّ فَهُوَ سَهْمٌ مِنَ الْاِسْلَامِ يَدَعُهُ وَ مَنْ تَرَكَهُنَّ كُلَّهُنَّ فَقَدْ وَلَّى الْاِسْلَامَ ظَهْرَهُ. (رواه الحاكم فى المستدرك ص ۲۱)

رکھو بیت اللہ کا حج کرو' بھلی بات بتایا کرو' بری سے روکا کرو (گھر میں آ کر) گھر والوں کو سلام کیا کرو جو شخص ان باتوں میں کوئی بات نہیں کرتا وہ اسلام کا ایک جزء ناقص کرتا ہے اور جو ان سب ہی کو چھوڑ دے' اس نے تو اسلام سے اپنی پشت ہی پھیر لی۔

(حاکم)

(۳۶۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا شَقِىٌّ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنِ الشَّقِىُّ قَالَ مَنْ لَمْ يَعْمَلْ لِلّٰهِ بِطَاعَةٍ وَ لَمْ يَتْرُكْ لَهُ بِمَعْصِيَةٍ. (رواه ابن ماجه)

(۳۶۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں کوئی نہ جائے گا مگر بد بخت' دریافت کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بد بخت شخص کون ہوگا فرمایا جو اللہ کے واسطے کوئی نیک کام نہ کرے اور اس کے ڈر سے کوئی گناہ نہ چھوڑے۔

(ابن ماجہ)

(۳۶۱) عَنْ اَوْسِ بْنِ شُرَحْبِيْلَ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهُ وَ هُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

(۳۶۱) اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے جو شخص جان بوجھ کر کسی ظالم کے ساتھ اس کے ظلم کا ساتھ دینے کے لیے گیا وہ اسلام کی سرحد سے باہر ہو گیا۔

(شعب الایمان)

(۳۶۲) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

(۳۶۲) بہز بن حکیم اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے غصہ ایمان کی حلاوت اس طرح برباد کر دیتا ہے جیسا ایلوا شہد کی۔

(شعب الایمان)

---

(۳۶۰) * یہ تمام تعبیرات کسی بات پر زور دینے کے لیے فقط ایک اسلوب بیان ہوتی ہیں گویا جو شخص ظلم کی مدد کے لیے اپنے گھر سے باہر قدم نکال رہا ہے وہ یہ سمجھ کر قدم نکالے کہ وہ گویا اب اسلامی احکام کے دائرہ سے قدم نکال رہا ہے۔

(۳۶۲) * بعض اعمال کی زد تو اسلام کی بنیاد پر پڑتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے اس کی صرف ظاہری زیبائش بدنما ہوتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے اسلام کی شیرینی ختم ہو جاتی ہے اور کچھ وہ بھی ہیں جن سے اس کے ذائقہ میں تلخی آ جاتی ہے غصہ ایسی صفت ہے جس سے صرف انسان کا ذائقہ حس برباد نہیں ہوتا بلکہ ذائقہ ایمان بگڑ جاتا ہے عام حالات میں غصہ ایسی ہی خراب چیز ہے لیکن اگر اپنے مولیٰ اور اس کے دین کی خاطر ہو تو یہ عین ایمان ہے اس سے ایمان کی چاشنی دونی ہوتی ہے جس کو خلافِ شرع امور پر غصہ نہیں آتا اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ اس کا ایمان پہلے سے بے ذائقہ ہے اس میں مداہنت اور مساہلت کا زہر پہلے سے شامل ہے۔

(۳۶۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَ اَكْثِرْنَ الْاِسْتِغْفَارَ فَاِنِّيْ رَاَيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِنْهُنَّ جَزْلَةٌ وَ مَا لَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَكْثَرُ اَهْلِ النَّارِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَ تَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَ مَا رَاَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَ دِيْنٍ اَغْلَبَ لِذِيْ لُبٍّ مِنْكُنَّ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَ الدِّيْنِ قَالَ اَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ فَشَهَادَةُ امْرَاَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ فَهٰذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَ تَمْكُثُ اللَّيَالِيْ مَا تُصَلِّيْ وَ تُفْطِرُ فِيْ رَمَضَانَ فَهٰذَا نُقْصَانُ الدِّيْنِ. و لفظ البخاری اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَ لَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا. (رواہ الخمسة)

(۳۶۳) ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے (ایک بار) فرمایا اے عورتوں کی جماعت تم (خاص طور پر) صدقہ دیا کرو اور زیادہ استغفار کیا کرو کیونکہ دوزخیوں میں زیادہ تعداد میں نے عورتوں کی دیکھی ہے ان میں ایک ہوشیار عورت بولی یا رسول اللہ ہم نے کیا قصور کیا ہے کہ ہم دوزخ میں زیادہ جائیں گی؟ آپؐ نے فرمایا تمہیں (باہم گفتگو میں) لعنت کرنے کی زیادہ عادت ہوتی ہے اور تم اپنے شوہر کی بھی بہت ناشکری کرتی ہو میں نے تم جیسا دین و عقل میں ناقص ہو کر پھر ایک دانش مند شخص پر غالب آ جانے والا کسی کو نہیں دیکھا انہوں نے عرض کیا ہمارے عقل و دین کے نقصان کی تشریح فرما دیجئے آپؐ نے فرمایا تمہاری عقل کا نقصان تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر سمجھی جاتی ہے یہ تو عقل کا نقصان ہوا اور کئی کئی راتیں ایسی گذر جاتی ہیں کہ تم نماز نہیں پڑھ سکتیں اور رمضان شریف کے روزے نہیں رکھ سکتیں یہ دین کا نقصان ہوا- اور بخاری میں یہ مضمون اس طرح ہے اچھا تو کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو نہ وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے انہوں نے عرض کیا ایسا تو ضرور ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا تو پھر یہی تو اس کے دین کا نقصان ہے- (بخاری و مسلم وغیرہ)

---

(۳۶۳) * حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام اس مجموعۂ آئین پر عمل کرنے کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی زندگی کے لیے لے کر آئے تھے صرف زبانی قول کا نام نہیں' اس لیے جو شخص اس مجموعہ پر جتنا زیادہ عمل پیرا ہوگا اس کا دین بھی اتنا ہی زیادہ مکمل شمار ہوگا اور جو عمل میں جتنا پیچھے رہ جائے گا وہ اتنا ہی اپنے دین میں بھی ناقص کہا جائے گا- عورت اپنے فطری عذر کی بنا پر کچھ مدت نماز اور روزہ سے معطل رہتی ہے اس لئے اس کا دین بھی اس مرد کی نسبت ناقص ہونا چاہئے جو کسی وقت عبادت سے معطل نہیں ہے عورت کے دینی نقصان کی ٹھیک شرح یہ ہے- (دیکھو کتاب الایمان ص۹۲)

رہا یہ سوال کہ صنف نساء کا یہ تعطل اختیاری نہیں بلکہ فطری ہے یہ ان کے دینی نقصان کا موجب کیوں ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس فطری نقصان کے ساتھ شریعت ان سے صنف رجال کے کمالات حاصل کرنے کا مطالبہ کرتی تو بے شک ناانصافی ہوتی مگر ان سے مطالبہ ہے تو ان ہی کمالات کا ہے جو ان کے عالم میں کمال تصور کیے جاتے ہیں قدرت نے اگر انسان کو بازوئے پرواز نہیں دیئے اور اس حیثیت سے اس کو ایک پرندے سے ناقص بنایا ہے تو اس سے اڑنے کا مطالبہ بھی نہیں کیا پھر اسے اس کا کیا حق ہے کہ وہ قدرت سے اپنے اس نقصان کا گلہ کر سکے اصل یہ ہے کہ اجناس ہوں یا انواع سب خدا کی مخلوق ہیں اور سب ہی میں ایک نہ ایک جہت سے نقصان موجود ہے- شریعت اس فطری نقصان پر تم سے مواخذہ نہیں کرتی تم کمال و نقصان کی اس تقسیم سے اس پر اعتراض مت کرو- وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ .... وَ اسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ. (النساء:۳۲) اللہ نے ان فضیلتوں کی تمناء مت کرو جن کی بناء پر اس نے تم میں ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے بلکہ صرف اس کی مہربانی اور عنایت مانگا کرو- (جو تمہارے مقدر کا ہے تم کو مل جائے گا)

لیس تائید الدین او تلاوۃ القران و امثالھما فقط موجبا لدخول الجنۃ و انما یجب لھا التصدیق و العمل بالاحکام

جنت دین کی وقتی تائید یا صرف تلاوتِ قرآن کرنے سے واجب نہیں ہوتی اس کے لیے تمام احکام اسلامی پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے

(۳۶۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ شَھِدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْبَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَہٗ یَدَّعِی الْاِسْلَامَ ھٰذَا مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَکَثُرَتْ بِہِ الْجِرَاحُ فَاَثْبَتَتْہُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَأَیْتَ الَّذِیْ تُحَدِّثُ اَنَّہٗ مِنْ اَھْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَکَثُرَتْ بِہِ الْجِرَاحُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّہٗ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَکَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِیْنَ یَرْتَابُ فَبَیْنَا ھُمْ عَلٰی ذٰلِکَ اِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ اَلَمَ الْجِرَاحِ فَاَھْوٰی بِیَدِہٖ اِلٰی کِنَانَتِہٖ فَانْتَزَعَ مِنْھَا سَھْمًا فَانْتَحَرَ بِہٖ فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَدَّقَ اللّٰہُ حَدِیْثَکَ قَدِ انْتَحَرَ فُلَانٌ فَقَتَلَ نَفْسَہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا بِلَالُ قُمْ فَاَذِّنْ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا مُؤْمِنٌ فَاِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ. (رواہ البخاری ص ۹۷۷)

(۳۶۴) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ خیبر میں شریک ہوئے تو اپنے ساتھیوں میں ایک ایسے شخص کے متعلق جو اسلام کا دعویٰ بھی کرتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ دوزخیوں میں ہے لیکن جب جنگ کا وقت آیا تو اس شخص نے بڑی سرگرمی سے جنگ کی اور اتنے زخم کھائے کہ اس میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہ رہی - یہ سماں دیکھ کر آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں ایک شخص نے (آکر) کہا یا رسول اللہ فرمائیے جس شخص کے متعلق آپ کہتے تھے کہ وہ دوزخی ہے اس نے تو (آج) اللہ کی راہ میں بڑی سرگرمی سے جنگ کی ہے زخموں سے اس کا جسم چور چور ہوگیا ہے آپ نے فرمایا پھر سن لو کہ وہ دوزخی ہے اس پر قریب تھا کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں شبہ پڑنے لگا - ابھی وہ اسی حیص وبیص میں تھے کہ اس شخص کو زخموں کی تکلیف زیادہ محسوس ہوئی (اور وہ اس پر صبر نہ کرسکا) آخر اس نے اپنے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے ایک تیر نکال کر اپنے سینے کے پار کردیا یہ دیکھ کر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑ پڑے اور بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیشگوئی سچی کردی، فلاں شخص نے اپنے سینے میں تیر مار کر خودکشی کرلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - بلال! اعلان کردو کہ جنت میں صرف مؤمن جائیں گے اور یوں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تائید فاجر آدمی سے بھی کرالیتا ہے- (بخاری)

---

(۳۶۴) * اسلام کی اعانت وہ مقبول عمل ہے جس کی بدولت وحی الٰہی نے اہل مدینہ کو انصار کا لقب دیا تھا۔ اسی لیے صاحب نبوت کو یہ تنبیہ کرنی ضروری ہوگئی کہ دنیا اعانت و نصرت کے صرف ظاہری عمل کو دیکھ کر کسی کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے میں عجلت نہ کرے - الخ .....

(۳٦۵) عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ وَ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ اَنَّهُمَا اَتَیَا اَبَا سَعِیْدِ الْخُدْرِیَّ فَسَاَلَاهُ عَنِ الْحَرُوْرِیَّةِ اَسَمِعْتَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اَدْرِیْ مَا الْحَرُوْرِیَّةُ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یَخْرُجُ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ لَمْ یَقُلْ مِنْهَا قَوْمٌ تَحْقِرُوْنَ صَلَاتَکُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ یَقْرَئُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا یُجَاوِزُ حُلُوْقَهُمْ اَوْ حَنَاجِرَهُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمُرُوْقِ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِیَّةِ فَیَنْظُرُ الرَّامِیْ اِلٰی سَهْمِهٖ اِلٰی نَصْلِهٖ اِلٰی رِصَافِهٖ فَیَتَمَارٰی فِی الْفُوْقَةِ هَلْ عَلِقَ بِهَا مِنَ الدَّمِ شَیْءٌ. (رواہ البخاری ص ۱۰۲٤)

(۳٦۵) ابوسلمہ اور عطاء دونوں ابوسعید خدری کے پاس آئے اور حروریہ (خوارج) کے متعلق ان سے دریافت کیا' آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرقہ حروریہ کے متعلق کچھ سنا ہے انہوں نے کہا میں تو یہ نہیں جانتا کہ حروریہ کیا فرقہ ہے ہاں میں نے آپ کو یہ فرماتے تو سنا ہے کہ اس امت میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے (اور فی هذه الامة کی بجائے راوی نے منها کا لفظ نہیں کہا) اس درجہ عبادت گذار ہوں گے کہ ان کی نمازوں کے سامنے تمہیں اپنی نمازیں ہیچ نظر آئیں گی- قرآن کی تلاوت بھی کریں گے مگر وہ ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا- دین سے اس طرح صاف نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے تیر انداز اپنے تیر کی لکڑی دیکھتا ہے اس کا لوہا اور پروں کو دیکھتا ہے پھر اس کے پچھلے حصہ کو دیکھتا ہے مگر اس کو یہ شبہ ہی رہتا ہے کہ اس میں کہیں خون کا نشان بھی لگا ہے یا نہیں- (بخاری شریف)

سرعة الناس على الصراط تكون بقدر اعمالهم في الدنيا

پل صراط پر لوگوں کی رفتار دنیا میں ان کے اعمال کی شدت وضعف کے مطابق ہوگی

(۳٦٦) عَنْ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجْمَعُ تَبَارَکَ وَ تَعَالَی النَّاسَ فَیَقُوْمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

(۳٦٦) حذیفہؓ اور ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کو (قیامت میں) جمع کرے گا مسلمان کھڑے ہوں گے اور ان کے سامنے جنت قریب کر دی جائے گی وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے والد بزرگوار چلئے ہم لوگوں کے لیے جنت کا دروازہ

لہ .... قبولیت کا اصلی مدار ایمان اور اعمالِ صالحہ پر ہے اگر یہ نہیں تو صرف دینی نصرت کا عمل خواہ کتنا ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو مگر وہ بھی نظر رب العزۃ میں کچھ نہیں' یہاں قدرت کا ایک آئین اور بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ چاہے تو دشمن سے بھی اپنا کام لے لیتی ہے- مشہور ہے ۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

مگر آج اس کے برعکس دنیا کی نظروں میں فیصلہ عمل پر رہ گیا ہے اور روح ایمانی سے کوئی بحث نہیں رہی- انا للّٰه و انا الیه راجعون.

(۳٦۵) * قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی مقدس کتاب نہیں اور اس کی تلاوت سے بڑھ کر کوئی مقدس عمل نہیں مگر دین صرف اتنے ہی حصہ کا نام نہیں اس کے اصول و ارکان کچھ اور بھی ہیں جن کے بعد اعمال کے حسن و قبح سے بحث ہو سکتی ہے- فروعی اعمال میں تو ایک کافر بھی مسلمان سے فوقیت لے جا سکتا ہے مگر جب اس کے اعمال کی بنیاد ہی غلط ہو تو اس کے اعمال کی بلندی صرف ایک بے بنیاد تعمیر ہی کی مثال ہوگی-

(۳٦٦) * اعمال گو ایمان کا جزء نہ ہوں مگر مرجئہ کے عقیدہ کی طرح غیر ضروری بھی نہیں پل صراط کو عبور کرنا اعمال میں شدت وضعف پر ہی منحصر ہے-

حَتّٰی تُزْلَفُ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَیَاْتُوْنَ اٰدَمَ فَیَقُوْلُوْنَ یَا اَبَانَا اسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَیَقُوْلُ وَ هَلْ اَخْرَجَكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا خَطِیْئَةُ اَبِیْكُمْ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَالِكَ اِذْهَبُوْا اِلٰی اِبْنِیْ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلِ اللّٰهِ قَالَ فَیَقُوْلُ اِبْرَاهِیْمُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِنَّمَا كُنْتُ خَلِیْلًا مِنْ وَّرَاءَ وَرَاءَ اِعْمَدُوْا اِلٰی مُوْسٰی الَّذِیْ كَلَّمَهُ اللّٰهُ تَكْلِیْمًا فَیَاْتُوْنَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَقُوْلُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِذْهَبُوْا اِلٰی عِیْسٰی كَلِمَةِ اللّٰهِ وَرُوْحِهٖ فَیَقُوْلُ عِیْسٰی لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ فَیَاْتُوْنَ مُحَمَّدًا فَیَقُوْمُ فَیُؤْذَنُ لَهٗ وَ تُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَ الرَّحِمُ فَیَقُوْمَانِ جَنْبَتَیِ الصِّرَاطِ یَمِیْنًا وَ شِمَالًا فَیَمُرُّ اَوَّلُكُمْ كَالْبَرْقِ قَالَ قُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ اَیُّ شَیْءٍ كَمَرِّ الْبَرْقِ قَالَ اَلَمْ تَرَوْا اِلَی الْبَرْقِ كَیْفَ یَمُرُّ وَ یَرْجِعُ فِیْ طَرْفَةِ عَیْنٍ ثُمَّ كَمَرِّ الرِّیْحِ ثُمَّ كَمَرِّ الطَّیْرِ وَ شَدِّ الرِّجَالِ تَجْرِیْ بِهِمْ اَعْمَالُهُمْ وَ نَبِیُّكُمْ قَائِمٌ عَلَی الصِّرَاطِ یَقُوْلُ یَا رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتّٰی تَعْجِزَ اَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتّٰی یَجِیْءَ الرَّجُلُ لَا یَسْتَطِیْعُ السَّیْرَ اِلَّا زَحْفًا وَ قَالَ وَ فِیْ حَافَتَیِ الصِّرَاطِ كَلَالِیْبُ مُعَلَّقَةٌ مَامُوْرَةٌ تَاْخُذُ مَنْ اُمِرَتْ بِهٖ فَمَخْدُوْشٌ نَاجٍ وَ مُكَرْدَسٌ فِی النَّارِ وَ الَّذِیْ نَفْسُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ بِیَدِهٖ اِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعِیْنَ خَرِیْفًا. (رواہ مسلم)

کھلوا دیجئے وہ فرمائیں گے میں اس کام کے لائق کہاں' اپنے والد کی ایک فروگذاشت ہی کی بدولت تو تم جنت سے باہر نکلے ہو'جاؤ میرے فرزند ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ خدا کے خلیل ہیں- حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے میں اس خدمت کے قابل کہاں میں تو بس دور دور ہی سے خلیل تھا- موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان سے اللہ تعالیٰ نے بڑی خصوصیت سے باتیں کی ہیں وہ ان کے پاس آئیں گے یہ فرمائیں گے میں اس خدمت کے لائق کہاں' عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ' وہ اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور روح اللہ کہلائے- عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں- اس کے بعد لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے آپ شفاعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور آپ کو اجازت مل جائے گی (اور حساب شروع ہو جائے گا) اس دن صفت امانت اور صلہ رحمی کو (اتنی اہمیت دی جائے گی کہ ان کو ایک حسی شکل دے دی جائے گی- یہ) پل صراط کے دائیں بائیں کھڑی ہو جائیں گی (تاکہ اپنی رعایت کرنے والوں کی سفارش اور نہ رعایت کرنے والوں کا شکوہ کریں) پھر تمہارا پہلا قافلہ بجلی کی طرح تیزی کے ساتھ گذر جائے گا راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان' بجلی کی طرح تیز گذرنے کا کیا مطلب ہوا فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح پل بھر میں گذر کر لوٹ بھی آتی ہے (اسی تیزی کے ساتھ تمہارا گذرنا ہوگا) پھر ہوا کی طرح پھر تیز پرندے کی طرح پھر انسانوں کی دوڑ کی طرح غرض کہ جیسے ان کے اعمال ہوں گے اسی تیزی کے ساتھ وہ ان کو لے جائیں گے اور تمہارا نبی کھڑا ہوا یہ دعا مانگ رہا ہوگا میرے پروردگار ان کو سلامتی سے گذار' ان کو سلامتی سے گذار' یہاں تک کہ اب ضعیف الاعمال اور گنہگار لوگوں کا نمبر آئے گا حتیٰ کہ ایک شخص وہ ہوگا جسے گھسٹ کر چلنے کے سوا طاقت نہ ہوگی فرمایا کہ پل صراط کے دونوں طرف کانٹے لٹکے ہوئے ہوں گے اور جس کے متعلق حکم دیا جائے گا وہ اس کو پکڑ لیں گے پس جس کے صرف کھرونچ آئے گی وہ تو نجات پا جائے گا اور جس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے جائیں گے وہ دوزخ میں جائے گا- (ابو ہریرہؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ) اس کی قسم جس کے دست قدرت میں ابو ہریرہ کی جان ہے جہنم کی گہرائی ستر سال کی مسافت ہے- (مسلم)

الاسلام یدرس بالمعصیة کما یدرس وشی الثوب

گناہ کرنے سے اسلام اسی طرح پرانا ہوجاتا ہے جیسا کپڑا استعمال سے

(۳۶۷) عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْرُسُ الْاِسْلَامُ کَمَا یَدْرُسُ وَ شْیُ الثَّوْبِ لَایُدْرِیْ مَا صِیَامٌ وَ لَا صَدَقَةٌ وَ لَا نُسُکٌ وَ یُسْرٰی عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فِیْ لَیْلَةٍ فَلَا یَبْقٰی فِی الْاَرْضِ مِنْہُ اٰیَةٌ وَ یَبْقٰی طَوَائِفُ مِنَ النَّاسِ الشَّیْخُ الْکَبِیْرُ وَ الْعَجُوْزُ الْکَبِیْرَةُ یَقُوْلُوْنَ اَدْرَکْنَا اٰبَاءَ نَا عَلٰی ھٰذِہِ الْکَلِمَةِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَنَحْنُ نَقُوْلُھَا فَقَالَ صِلَةُ فَمَا تُغْنِیْ عَنْھُمْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا یَدْرُوْنَ مَا صِیَامٌ وَ لَا صَدَقَةٌ وَ لَا نُسُکٌ فَاَعْرَضَ عَنْہُ حُذَیْفَةُ فَرَدَّدَ عَلَیْہِ ثَلَاثًا کُلُّ ذٰلِکَ یُعْرِضُ عَنْہُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْہِ فِی الثَّالِثَةِ فَقَالَ یَا صِلَةُ تُنَجِّیْھِمْ مِنَ النَّارِ تُنَجِّیْھِمْ مِنَ النَّارِ تُنَجِّیْھِمْ مِنَ النَّارِ.

(۳۶۷) حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح کپڑے کے نقش و نگار گھس جاتے ہیں اور ماند پڑ جاتے ہیں اسی طرح نورِ اسلام بھی ایک زمانہ میں ماند پڑ جائے گا پھر کسی شخص کو یہ علم تک نہ رہے گا کہ روزہ کیا چیز ہے اور صدقہ و حج کیا چیز- ایک شب آئے گی کہ قرآن سینوں سے اٹھالیا جائے گا اور زمین پر اس کی ایک آیت بھی باقی نہ رہے گی- متفرق طور پر کچھ بوڑھے مرد اور کچھ بوڑھی عورتیں رہ جائیں گی جو یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے کلمہ لا الہ الا اللہ سنا تھا اس لیے ہم بھی یہ کلمہ پڑھ لیتے ہیں- صلہ (ایک شخص کا نام ہے) نے پوچھا جب انہیں روزہ، صدقہ، اور افعال حج کا بھی علم نہ ہوگا تو بھلا صرف یہ کلمہ انہیں کیا سود مند ہوگا- حذیفہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا انہوں نے تین بار یہی سوال دہرایا- ہر بار حذیفہ اعراض ہی کرتے رہے ان کے تیسرے بار اصرار کے بعد فرمایا اے صلہ یہ کلمہ ہی ان کو عذاب دوزخ سے نجات دلادے گا- تین بار فرمایا- (حاکم)

(رواہ الحاکم و قال صحیح علی شرط مسلم و رواہ ابن ماجہ کما فی کتاب الفتن من الرحمۃ المھداۃ)

---

(۳۶۷) * وہب بن منبہ کی حدیث میں اعمال کو مفتاح کے اسنان سے یعنی کنجی کے دندانوں سے اور اس حدیث میں کپڑے کے نقش و نگار سے تشبیہ دی جارہی ہے- نہ کنجی دندانے گھس جانے کے بعد زیادہ کارآمد رہتی ہے نہ کپڑا پرانا ہونے کے بعد قابلِ استعمال ہوتا ہے مگر یہ بھی نہیں ہوتا کہ کنجی کی حقیقت یا کپڑے کی حقیقت معدوم ہوجائے ان کا وجود پھر بھی باقی رہتا ہے- دیکھئے اس قسم کی تمام حدیثوں میں سوال و جواب کا دائرہ صرف اعمال تک محدود ہے- رسالت کی شہادت ہونے نہ ہونے کا خیال بھی کسی کے ذہن میں نہیں گذرتا- اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوال اس زمانہ میں پیدا ہی نہیں ہوسکتا تھا جہاں متکلم خود ہی کلام کرتا تھا- آج ذرا سے حجاب نے بدذوق ذہنوں میں بلاوجہ یہ سوال پیدا کردیا ہے تفصیلی بحث پہلے کی جاچکی ہے اسلامی انقلابات میں یہ ایک عظیم انقلاب کی پیشگوئی ہے کہ جس امت نے بسیط ارض پر خدا کی توحید کا پرچم لہرایا تھا ایک دن آئے گا کہ وہی اس سے اتنی جاہل ہوجائے گی کہ اس کے دماغ میں اس کلمہ کا نقش صرف اپنی آبائی تاریخ کی ایک نشانی بن کر رہ جائے گا- ایسی نازک حالت کے متعلق حذیفہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی زبان سے کوئی صاف جواب دیں مبادا مغفرت کا حکم سن کر پست طبائع میں اور سہل انگاری پیدا ہوجائے لیکن جب ان کو مجبور کیا گیا تو جو حقیقت تھی وہ انہیں واضح کردینی پڑی- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل مدارِ نجات صرف توحید و رسالت ہے اور اسی بنا پر اس کو مفتاح سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر یہ کلمہ ....

(۳۶۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَخْلُقُ فِيْ جَوْفِ اَحَدِكُمْ كَمَا يَخْلُقُ الثَّوْبُ الْخَلِقُ فَاسْئَلُوا اللّٰهَ اَنْ يُّجَدِّدَ الْاِيْمَانَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ.

(۳۶۸) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان تمہارے سینوں میں اسی طرح پرانا اور کمزور ہو جاتا ہے جس طرح کپڑا پرانا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان پھر سرنو نیا اور مستحکم کر دے۔ (مستدرک)

(رواه الحاكم فى المستدرك ص ٤ قال الذهبى رواته ثقات)

(۳۶۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ كَيْفَ نُجَدِّدُ اِيْمَانَنَا قَالَ اَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

(۳۶۹) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ایمانوں کی تجدید کر لیا کرو۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی تجدید کیسے کیا کریں فرمایا کہ کثرت کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ پڑھا کرو۔ (حاکم)

(اخرجه الحاكم فى كتاب التوبة و قال صحيح الاسناد قال الذهبى و فيه صدقة و ضعفوه)

ﷺ.... عقیدہ صرف تقلیدی طور پر قائم رہے جب بھی نجات کے لیے کافی ہے اور یہ بھی کہ اعمال ایمان کا جزء نہیں اور یہ کہ ایمان کے بغیر اعمال بے قیمت ہیں مگر ایمان اعمال کے بغیر بھی بے قیمت نہیں وہ یوں بھی نصیب ہو جائے تو بھی زہے نصیب۔ مؤمن بے عمل کی مثال ایک غیر مہذب دوست کی ہے اور نیک عمل غیر مؤمن کی مثال ایک مہذب دشمن کی۔ دونوں کا فرق ظاہر ہے۔

(۳۶۸) * امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں حضرت معاذ کا قول نقل کیا ہے قال معاذ اجلس بنا نؤمن ساعة. آؤ تھوڑی دیر بیٹھ کر ایمان لائیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عربی سے اس کی شرح یہ نقل کی ہے انما اراد تجديد الايمان لان العبد يؤمن فى اول مرة فرضا ثم يكون ابدا مجددا كلما نظر و فكر. حضرت معاذ کا مطلب یہاں ایمان سے تجدید ایمان ہے کیونکہ بندہ ایمان ایک ہی مرتبہ لاتا ہے۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ کے ثواب و عذاب آیات و عبر میں غور کر کر کے اپنے ایمان کی تجدید کیا کرتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۴۱)

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ اگر کسی کی زبان سے غلطی سے لات و عزیٰ کی قسم نکل جائے تو اسے فوراً لا الٰہ الا اللہ کہہ لینا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کبھی دامن پر داغ معصیت یا کسی اور ناشایاں کلمہ کا دھبہ لگ جائے تو اسی طرح چھوڑ نہ دینا چاہیے بلکہ فوراً صاف کر دینا چاہیے تاکہ اس کے اثرات اور نہ بڑھنے پائیں یا کم از کم اس کے اسلام کی بدنمائی کا باعث نہ ہوں۔

(۳۶۹) * اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذکار اور بالخصوص تکرار کلمہ طیبہ کو تجدید ایمان میں بڑا دخل ہے اب انصاف کیجئے کہ اس ایمان کا حال کیا ہوگا جو ہر لحظہ پرانا تو ہو رہا ہے مگر اس کی تجدید کا سامان کچھ نہیں ہے۔ کیا یہ اندیشہ نہیں ہے کہ وہ بھی ایک نہ ایک دن پرانے کپڑے کی طرح تار تار ہو جائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار. صحیح بخاری میں بھی یہ مضمون صحابہ کی زبان سے موجود ہے۔

المعاصی قد تفضی الی حبط بعض الحسنات

گناہ کبیرہ کرنے سے کبھی کبھی نیکیوں کے اکارت ہونے کی بھی نوبت آجاتی ہے

(۳۷۰) عَنْ بُرَيْدَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ. (رواہ البخاری)

(۳۷۰) بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے عمل اکارت ہوئے۔ (بخاری)

(۳۷۱) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَذْفُ الْمُحْصَنَةِ يَهْدِمُ عَمَلَ مِائَةِ سَنَةٍ.

(رواہ البزار)

(۳۷۱) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی پاک باز عورت کو تہمت لگانے سے سو سال کے عمل برباد ہوجاتے ہیں۔

(البزار)

(۳۷۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلٰوةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا الخ... (ترمذی - نسائی - ابن ماجه - دارمی)

(۳۷۲) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نمازیں قبول نہیں کرتا۔

(ترمذی-نسائی-ابن ماجہ-دارمی)

(۳۷۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَيَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَ قَطَعُوا الطَّرِيْقَ فَبَعَثَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُنَادِيْ اَنَّ مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا اَوْ قَطَعَ طَرِيْقًا فَلَا جِهَادَ لَهُ. (رواہ ابو داؤد)

(۳۷۳) سہل بن معاذؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہی میں ایک غزوہ کیا لوگوں نے (جلد بازی میں) دوسروں کے اترنے کی جگہوں میں تنگی پیدا کردی اور آمدورفت کے لیے راستے بند کردیئے (جب آپؐ کو یہ خبر ملی) تو آپ نے ایک منادی بھیج دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کردے کہ جو لوگوں کے اترنے کے مقامات میں کوئی تنگی پیدا کرے گا یا راستے بند کرے گا اس کا جہاد اکارت۔ (ابوداؤد)

(۳۷۴) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَرْضًا بِجِزْيَتِهَا فَقَدِ اسْتَقَالَ هِجْرَتَهُ وَ مَنْ نَزَعَ صَغَارَ كَافِرٍ مِنْ عُنُقِهِ فَقَدْ وَلَّى الْاِسْلَامَ ظَهْرَهُ. (ابو داؤد)

(۳۷۴) ابودرداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے کافر کی خراجی زمین خریدی اس نے اپنی ہجرت کا عمل اکارت کردیا اور جس نے کسی کافر کی گردن سے ذلت کا طوق نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیا اس نے اسلام کی طرف اپنی پشت کر دی۔ (ابوداؤد)

(۳۷۵) عَنْ سَلَمَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى خَيْبَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ اَسْمِعْنَا يَا عَامِرُ مِنْ هُنَيَّاتِكَ فَحَدَابِهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ السَّائِقُ قَالُوْا عَامِرٌ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَّاهُ اَمْتَعْتَنَا بِهٖ فَاُصِيْبَ صَبِيْحَةَ لَيْلَتِهٖ فَقَالَ الْقَوْمُ حَبِطَ عَمَلُهٗ قَتَلَ نَفْسَهٗ فَلَمَّا رَجَعْتُ وَ هُمْ

(۳۷۵) سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اہل خیبر سے جنگ کے لیے نکلے رفقاء میں سے ایک شخص بولا اے عامر ہمیں بھی اپنے کچھ اشعار سناؤ- عامر گا گا کر انہیں سنانے لگے اور ان کی مستانہ آواز سے اونٹوں نے بھی تیز تیز قدم اٹھادیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اونٹوں کو حدی پڑھ کر یہ تیز چلانے والا کون شخص ہے لوگوں نے عرض کیا عامر ہیں آپ نے فرمایا خدا ان پر رحم فرمائے- یہ سن کر صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کاش عامر کی صحبت سے آپ ہمیں کچھ اور لطف اندوزی کا موقعہ دیتے اس کے بعد واقعہ یہ ہوا کہ اسی شب کی صبح (انہوں نے ایک کافر پر حملہ کیا ان کی تلوار چھوٹی تھی وہ اوٹ کر ان کے گھٹنے میں لگی اور وہ اپنی ہی

---

(۳۷۵) * صحابہ کو یہ تجربہ سے ثابت ہو چکا تھا کہ جنگ کے موقعہ پر جب کسی شخص کی نسبت آپ ''رحمہ اللہ'' کا کلمہ ارشاد فرما دیتے تو وہ ضرور شہید ہو کر رہتا اس لیے عامر کے متعلق یہ کلمہ سن کر وہ سمجھ گئے کہ یہ بھی شہید ہوئے بغیر نہ رہیں گے اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہمیں ان کی صحبت سے لطف اندوزی کا کچھ اور موقع دیتے-

واضح رہے کہ شرک و کفر تو سب کے نزدیک حقیقتاً حبط عمل کا موجب ہیں لیکن کبائر کے حبط عمل کے مفہوم میں ذرا اختلاف ہے کسی نے اس کو گناہوں کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا صرف ایک عنوان قرار دیا ہے اور کسی نے ظاہری معنی پر ہی محمول کر لیا ہے لیکن اس تقدیر پر مشکل یہ ہے کہ یہ اہلسنت کا مذہب نہیں معتزلہ کا مذہب ہے- ہمارے نزدیک یہاں صاحب روح المعانی کی رائے زیادہ صواب ہے وہ سورۂ محمد کی تفسیر میں معتزلہ کی جواب دہی کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں-

و فی الکشف لا بد فی ھذا المقام من تحریر البحث بان یقال ان اراد المعتزلہ ان نحو الزناء اذا عقب الصلٰوۃ یبطل ثوابھا مثلا فذلک مما لا دلیل علیہ و ان ارادوا ان عقابہ قد یکبر حتی لا یعادلہ صغار الحسنات فھذا صحیح و الکلام فی تسمیتہ احباطا و لا باس بہ و لکن عندنا ان ھذا الا حباط غیر لازم و عندھم لازم و ھو مبنی علی جواز العفو و ھی مسئلۃ اخری و اما الکبیرۃ التی تختص بذلک العمل کا لعجب و نحوا لمن و الاذی بعد التصدق فھی محبطۃ لا محالۃ اتفاقا. (ص ۲۶ - ۷۳ روح المعانی)

''کشف میں اس مسئلہ کی تحقیق یوں کی گئی ہے کہ معتزلہ سے یہ پوچھنا چاہیئے کہ حبط سے ان کا کیا مطلب ہے اگر یہ یہ مطلب ہے کہ مثلاً نماز کے بعد زنا کرنے سے نماز کا حاصل شدہ ثواب برباد ہو جاتا ہے تو اس پر کوئی دلیل نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ کبھی کسی عمل کا گناہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا ثواب اس کی تلافی نہیں کر سکتا تو یہ بات صحیح ہے مگر اس وقت گفتگو صرف اس میں رہے گی کہ اس کو حقیقتہً حبط کہنا بھی چاہیے یا نہیں ہمارے خیال میں اصل بات یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک تو گناہ کبیرہ سے نیکیوں کا برباد ہو جانا لازم اور ضروری امر ہے اور اہل حق کے نزدیک ضروری اور لازم نہیں ہے درحقیقت یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ گناہ کی بخشش جائز بھی ہے یا نہیں- یہ بحث تو عام کبائر کے متعلق تھی اب رہے وہ گناہ جو کسی خاص عمل سے متعلق ہیں جیسے صدقہ دے کر اترانا' یا احسان جتانا اور بات مارنا تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اس قسم ☜ . . . .

يَتَحَدَّثُوْنَ اَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ فَجِئْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فِدَاكَ اَبِيْ وَ اُمِّيْ زَعَمُوْا اَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ فَقَالَ كَذَبَ مَنْ قَالَهَا اِنَّ لَهُ لَاَجْرَيْنِ اِثْنَيْنِ اِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ وَ اَيُّ قَتْلٍ يَزِيْدُهُ عَلَيْهِ. (رواه البخاري)

شمشیر سے زخمی ہو گئے) اور شہید ہو گئے صحابہؓ نے (یہ دیکھ کر کہ یہ اپنی ہی شمشیر سے ہلاک ہوئے ہیں اس کو خودکشی سمجھا اور) کہا عامرؓ نے خودکشی کر لی اور ان کی سب نیکیاں اکارت ہو گئیں۔ جب میں واپس ہوا تو وہ یہی گفتگو کر رہے تھے کہ عامر کے اعمال اکارت ہو گئے میں نے آ کر آپ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں لوگوں کا یہ خیال ہو رہا ہے کہ عامر کے عمل اکارت ہو گئے آپ نے فرمایا کون کہتا ہے جس نے کہا غلط کہا اس کو دوہرا ثواب ملے گا وہ بڑا پکا مجاہد تھا اس کے قتل سے بڑھ کر اور کون سا قتل ہو سکتا ہے۔ (بخاری شریف)

﴿.... کے گناہ سے خاص اس عمل کا ثواب برباد ہو جاتا ہے۔'' (روح المعانی)

ہمارے نزدیک اعمال مکفرہ (یعنی وہ نیکیاں جو گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں) میں یہ تفصیل ضروری ہے کہ کون سا عمل کس گناہ کے لیے کفارہ بنتا ہے اسی طرح کبائر محبطہ (یعنی وہ گناہ جو نیکیاں برباد کر دیتے ہیں) میں بھی یہ تفصیل ہونی چاہیے کہ کس گناہ سے کس قسم کے نیک عمل کا ثواب برباد ہوتا ہے۔ نہ تکفیر علی الاطلاق ہے اور نہ حبط عمل علی الاطلاق ہونا چاہیے۔ لیکن اس کا کوئی ضابطہ کلیہ حدیثوں میں ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ ہاں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہوں سے تو صرف اسی ایک نیک عمل کا ثواب حبط ہوتا ہے جس سے وہ گناہ متعلق ہوتا ہے جیسے جہاد میں تضییق منازل یا صدقہ کے بعد من واذی (احسان جتانا اور بات مارنا) اور بعض گناہوں سے متعدد اعمال بھی حبط ہو سکتے ہیں پھر کبھی یہ تعلق ظاہر ہوتا ہے اور کبھی اندرونی جیسا ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار شراب نوشی سے چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ یہاں شراب نوشی اور نمازوں کے درمیان کوئی اندرونی علاقہ ہے جس کی وجہ سے اس کا اثر خاص نمازوں ہی پر پڑتا ہے۔ چالیس کے عدد سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حبط عمل کا دائرہ اتنا وسیع بھی نہیں جتنا کہ معتزلہ نے سمجھ رکھا ہے۔ اس مقام پر نماز اور شراب کے مابین تناسب ہے اس کا ایضاح منظور نہیں ہے ورنہ اس عمیق ربط کی طرف قرآن کریم کی متعدد آیات میں اشارات ملتے ہیں۔

حضرت استاد قدس سرہ کے کلمات سے یہاں حبط عمل کی ایک اور شرح بھی مفہوم ہوتی ہے وہ امام بخاری کے ترجمہ ''باب خوف المؤمن ان یحبط عمله'' کی شرح کے ذیل میں فرماتے تھے کہ اس ترجمہ سے امام بخاری کی غرض مرجئہ کی تردید ہے یعنی گناہ اتنی ہلکی چیز نہیں جتنی کہ مرجئہ نے سمجھی ان کی شامت سے بعض مرتبہ سوء خاتمہ اور سلب ایمان کا اندیشہ بھی ہو سکتا ہے مگر اس کا نام شرعی کفر نہیں تکوینی کفر ہے یہاں بظاہر کوئی عمل کفر نظر نہیں آتا اس لیے ظاہر میں ایمان و اسلام کا حکم باقی رہتا ہے لیکن چونکہ قلب حقیقت ایمانیہ اور اذعان سے خالی ہو جاتا ہے اس لیے عالم آخرت میں اس کا شمار مسلمانوں میں نہیں رہتا۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب پئے گا پھر وہ آخرت میں نہ پئے گا۔ ترمذی کی شرح میں صاحب قوت المغتذی اس کا یہ مطلب تحریر فرماتے ہیں کہ اگر شراب خواری کی بدعادت رک نہ کی گئی تو اس کی شامت سے انجام خراب ہو جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب خاتمہ بخیر نہ ہو تو آخرت میں وہ شراب جو صرف مومنین کا حصہ ہو گی کیونکر میسر آئے گی۔ اس بنا پر حبط عمل کا اصل سبب کفر ہی ہو گا لیکن چونکہ بظاہر یہاں کوئی سبب کفر موجود نہیں ہوتا صرف معصیت ہوتی ہے اس لیے حبط عمل کا حکم اس معصیت ہی کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث سے بھی اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔ ''حضرت ابوالدرداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن اپنے دینی معاملات میں برابر مستعد ﴿....

(۳۷۶) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَاِذَا اَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ. (رواہ ابوداؤد)

(۳۷۶) ابوالدرداء صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان دار آدمی اپنے دین میں اس وقت تک برابر تیز رفتار رہتا ہے جب تک کسی کا خون ناحق اپنے سر نہیں لیتا جونہی اس نے کسی کا خون ناجائز طور پر بہایا بس فوراً ہی اس کی دینی رفتار سست پڑنی شروع ہو جاتی ہے۔(ابوداؤد)

(۳۷۷) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِيْنَ فَيُصِيْبُهٗ مَا اَصَابَهُمْ. (رواہ الترمذی)

(۳۷۷) سلمہ بن اکوع بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنی بڑائی کے تصور میں بڑھا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا نام دنیا کے اور متکبرین کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے اور آخر اس کو بھی وہی سزا ملتی ہے جو دوسرے متکبروں کو ملی۔ (ترمذی)

.... رہتا ہے لیکن جب کسی کا ناحق خون کر دیتا ہے تو پھر اس کی مستعدی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔'' (ابوداؤد)

گویا قاتل عمد کو تکوین اسی طرح آہستہ آہستہ خلود یا مکث طویل کی طرف لے چلتی ہے پس جس طرح یہاں فتویٰ اپنی جگہ قائم رہے گا اور تکوین اپنی جگہ کام کرے گی۔ اسی طرح معاصی صرف معاصی کہلائیں گے لیکن ان کا تکوینی اثر کشاں کشاں کفر کی طرف لیتا چلا جائے گا۔ پس اعمال اگر چہ اجزاء ایمان نہ ہوں مگر قوت ایمانیہ قائم رکھنے کے لیے ان کا وجود اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ درخت کی حیوۃ کے لیے پانی کا۔

(۳۷۶) ٭ قدرت نے جنت اور دوزخ کی تقسیم تو ایمان و کفر پر رکھی ہے مگر ان میں مراتب کی تقسیم اعمال کے واسطہ سے کی ہے جس کو وہ مراتب علیا پر فائز کرنا چاہتی ہے اس کو یونہی فائز نہیں کر دیتی بلکہ اس کے عمال حسنہ کی رفتار تیز کر دیتی ہے اور جس کو جنت سے محروم کرنے کا ارادہ فرمالیتی ہے اس کو بھی دفعۃً محروم نہیں کر دیتی بلکہ اس سے نیکی کی توفیق سلب فرمالیتی ہے یہ ہر دو راستے بتدریج طے ہوتے رہتے ہیں بندہ راہ ترقی پر گامزن ہو یا تنزل کی راہ پر جائے دونوں جگہ اس کی حرکت تدریجی رہتی ہے اس لیے وہ اپنی منزل سفر کی یومیہ ترقی یا تنزل کا احساس نہیں کرتا ایک نیک شخص کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ کل وہ کہاں پڑا ہوا تھا اور کچھ عرصہ بعد کہاں جا پہنچا۔ نہ ایک بداطوار کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کل تک وہ کس اوج پر تھا اور آج کہاں جا پڑا ہے ہوشمند وہ ہے جو ہر آن اپنی رفتار اور منازل سفر کو بغور دیکھتا ہے۔ عمداً قاتل کے لیے دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ عذاب کی وعید آئی ہے۔ یہ وعیدیں پوری ہوتی ہے کہ اس سے رفتہ رفتہ اعمال خیر چھوٹتے چلے جاتے ہیں اور معلوم نہیں کہ اس عملی خسارہ کی انتہاء کہاں جا کر ہو ممکن ہے کہ ایمانی خسارہ پر جا کر ہوتی ہو اور آخر کار اس کا ٹھکانا بھی وہی ہو جاتا ہو جو ایک کافر کا ہوتا ہے اسی کو ہم نے پہلے کفر تکوینی سے تعبیر کیا تھا۔ گناہوں کی نوعیت سے ڈرتے رہنا چاہیے بعض قسم کے گناہوں سے سوء خاتمہ اور عاقبت کے خراب ہو جانے کا بھی اندیشہ ہو جاتا ہے ان میں ایک مسلمان کا عمداً خون ناحق ہے اور سب سے زیادہ خطرناک خدا کے دوستوں کے ساتھ دشمنی ہے۔ ہمارے دور میں اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑانا ہماری محفلوں کا ایک خاص مشغلہ بن گیا ہے۔ حدیثوں میں خدا کے اولیاء کے ساتھ عداوت رکھنے والوں کے لیے خدا کی طرف سے اعلانِ جنگ لفظاً آیا ہے۔نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِکَ۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر — تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(۳۷۷) ٭ اسی طرح ایک متفق علیہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے و ما يزال الرجل يصدق و يتحرى الصدق حتى يكتب عند الله صديقا آدمی راست گوئی کی صفت اختیار کرتے کرتے خدائے تعالیٰ کے یہاں صدیقوں کی فہرست میں شمار ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی تمام حدیثوں میں خیر و شر کے اسی تدریجی رفتار اور ان کے نتائج پر تنبیہ کی گئی ہے۔

من سبق علی لسانہ کلمۃ الکفر لم یکفر

اگر سبقت لسانی سے کلمہ کفر زبان سے نکل جائے تو اس سے کفر عائد نہیں ہوتا

(۳۷۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَ رَاحِلَتُهٗ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَ عَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَ شَرَابُهٗ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا قَدْ اَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَ اَنَا رَبُّكَ اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ. (رواہ مسلم)

(۳۷۸) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کا بندہ توبہ کرتا ہے تو اس کو اپنے بندہ کی توبہ سے تم میں کے اس شخص سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے جس کی سواری کسی جنگل میں ہو اور اسی پر اس کا کھانا اور پینا بھی ہو پھر وہ اس سے چھوٹ کر کہیں بھاگ جائے اور یہ شخص اس سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سایہ میں آ کر لیٹ رہے وہ ابھی اسی مایوسانہ حالت میں لیٹا ہوا ہو کہ دفعۃً وہ اپنی سواری اپنے پاس کھڑی ہوئی دیکھے اور اس کی مہار پکڑ ے پھر مارے خوشی کے اس کی زبان سے غلطی سے یہ نکل جائے کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا پروردگار ہوں۔ (مسلم)

(۳۷۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِيْ حَلْفِهٖ بِاللَّاتِ وَ الْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَنْ قَالَ لِصَاحِبِهٖ تَعَالَ اُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ. (متفق علیہ)

(۳۷۹) ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس نے قسم اٹھانے کا ارادہ کیا اور اس کی زبان پر بلا ارادہ لات اور عزیٰ کا نام آ گیا تو اسے فوراً لا الٰہ الا اللہ کہہ کر اپنے ایمان کی تجدید کر لینی چاہیے اور جس نے اپنے دوست سے کہا آؤ جوا کھیلیں اسے صدقہ دینا چاہیے۔ (متفق علیہ)

---

(۳۷۸) * خوشی کی حالت میں انسان کی زبان سے اس قسم کی لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ کہنا یہ چاہیے تھا کہ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا پروردگار ہے مگر خوشی میں زبان کی لکنت سے اس کے برعکس نکل گیا۔ اس کلمہ پر سبقت لسانی کی وجہ سے کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا حالانکہ اس کے کلمہ کفر ہونے میں ذرا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۳۷۹) * یہ اسلام کے ابتدائی دور کی باتیں ہیں جس طرح مسرت و غم میں انسان کی زبان قابو میں نہیں رہا کرتی اور کچھ کا کچھ کہہ ڈالتی ہے اسی طرح عام بات چیت میں بھی جن باتوں پر وہ رواں ہو چکی ہے ان میں بھی لغزش کھائے بغیر نہیں رہتی۔ عرب عام گفتگو میں کثرت سے لات و عزیٰ کی قسمیں کھانے کا عادی تھے۔ اسلام کے بعد بھی بہت ممکن تھا کہ ان کی زبان سے اس قسم کے مواقع پر بے اختیار لغزش ہو جائے۔ دین حنیف نے ان کی اس غلطی پر کفر کا فتویٰ عائد نہیں کیا بلکہ اس کفر نما حرکت کو فوراً اصلاح کرنے کی تعلیم دی اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دے دیا تا کہ اگر اس کی اس سبقت لسانی پر شیطان ایک مرتبہ خوش ہوا ہو تو اس کی زبان سے کلمہ توحید سن کر ہزار بار جل بھی جائے۔

دوسرے فقرہ کا مطلب عام طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ شریعت نے قمار بازی کی بد خصلت ترک کرانے کے لیے نفسیاتی طور پر اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کچھ صدقہ دے دے اس کے نفس کے لیے یہ تعزیر بہت نتیجہ خیز ہو گی۔ .....

لا يكفر المسلم بذنب

(۳۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ الْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا تُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَ لَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ وَ الْجِهَادُ مَاضٍ مُذْ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُقَاتِلَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَ لَا عَدْلُ عَادِلٍ وَ الْاِيْمَانُ بِالْاَقْدَارِ۔ (رواہ ابو داؤد)

کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہنا چاہیے

(۳۸۰) انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں اسلام میں داخل ہیں۔ (۱) جو لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لے اس سے جنگ ختم کر دینا اب کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اس پر اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ لگاؤ۔ (۲) جب سے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے جہاد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اس امت کے آخر میں ایک شخص آ کر دجال سے جنگ کرے گا۔ کسی منصف بادشاہ کے انصاف یا کسی ظالم کے ظلم کا بہانہ لے کر جہاد ختم نہیں کیا جا سکتا (۳) اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان لانا (ابوداؤد)

ﷺ..... لیکن امام خطابی کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جتنا مال اس نے قمار بازی کے لیے لگایا تھا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ کرے۔ قال معناه فليتصدق بقدر ما جعله خطراً في القمار. (معالم السنن ج ۴ ص ۴۵)

(۳۸۰) * واضح رہے کہ جس طرح نیک اعمال کی بنا پر کسی کافر کو مسلمان کہنا صحیح نہیں تاوقتیکہ وہ توحید و رسالت کا اعتراف نہ کرے اسی طرح کسی مسلمان کو صرف اس کی بداعمالی اور گناہوں کی وجہ سے کافر کہنا بھی صحیح نہیں تاوقتیکہ وہ کسی عقیدۂ کفریہ کا اعلان نہ کر دے۔ اسلام میں کسی مسلمان کو کافر کہنا یا کسی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت یکساں ہے اس حدیث کا مقصد مؤمن عاصی کو کافر کہنے کی ممانعت کرنا ہے نہ کہ کافر صریح کو کافر کہنے کی ممانعت کرنا۔ حیرت ہے کہ متواترات دین کے منکرین کو اس حدیث سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جب کہ اس حدیث میں لفظ ذنب کی صاف تصریح موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ذنب اور معصیت کی بنا پر کسی شخص کی طرف کفر کی نسبت نہیں کرنی چاہیے۔ اس میں اختلاف کس کو ہے۔ بحث طلب یہ ہے کہ صریح کفر کے عقائد کے بعد بھی کیا یہ حدیث کسی کو کافر کہنے سے روکتی ہے اگر ایک شخص نماز پڑھ کر قبلہ کا استقبال کر کے ذبیحہ مسلم کھا کے کسی قسم کے عقائد کفریہ سے بھی کافر نہیں ہوتا تو پھر یا تو اس قسم کے عقائد کو عقائد کفریہ کہنا ہی غلط ہوگا یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ تین افعال کوئی ایسا مضبوط قلعہ ہیں جس کو کفر و شرک کی بمباری بھی مضرت رساں نہیں ہو سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطرت بہت کمزور ہے وہ گناہ کی طرف رغبت کر سکتی ہے اس میلان میں قدرت نے بھی اس کو معذور تسلیم کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی اس کمزوری کی توبہ و استغفار کے ذریعہ تلافی کرے لیکن شرک و کفر کی طرف میلانِ انسان کی فطرت نہیں یہ خلافِ فطرت ہے۔ اس میں کوئی انسان معذور نہیں رکھا جا سکتا یہ اپنے خالق سے کھلی مخالفت اور اعلانِ بغاوت ہے اس لیے اس کے بعد اس کا شمار دشمنوں کی صف میں ہونے لگتا ہے یہ کمزوری نہیں کہ اسے نباہ لیا جائے بلکہ سرکشی و بغاوت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے دور میں اس اہم حدیث پر صحیح طور پر غور نہیں کیا گیا اس لیے کسی نے تو محض فروعی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے پر کفر کی بوچھار شروع کر دی اور کسی نے متفق علیہ کفریات کے ہوتے ہوئے بھی کفر کا حکم لگانے میں احتیاط برتی۔

حالانکہ اس حدیث میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ تنبیہ کر دی گئی تھی کہ جن افعال پر تکفیر کی ممانعت کی گئی ہے وہ عقائد کفریہ ﷺ.....

من قتل نفسہ لم یکفر

خودکشی کرنے والا کافر نہیں

(۳۸۱) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِيَّ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَّكَ فِيْ حِصْنٍ حَصِيْنٍ وَ مَنَعَةٍ قَالَ كَانَ لِدَوْسٍ حِصْنٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَبٰى ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِيْ ذَخَرَ اللّٰهُ لِلْاَنْصَارِ فَلَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ

(۳۸۱) جابرؓ سے روایت ہے کہ طفیل بن عمرو الدوسی (اپنے قبیلہ کی طرف ہجرت کرنے کی درخواست لے کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا آپؐ ایک مضبوط قلعہ اور محافظ جماعت کی طرف ہجرت کرنا منظور فرما سکتے ہیں- راوی کہتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ دوس کے پاس ایک قلعہ تھا- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوش نصیبی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انصار کے لیے مقدر فرما دی تھی ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا- جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت

ﷺ ..... ضروریات دین کا انکار اور دین کا استخفاف نہیں بلکہ صرف وہ عملی فروگذاشتیں ہیں جن کو معاصی و ذنوب کہا جاتا ہے- فقہ میں اہل قبلہ کا عنوان بھی ان ہی لوگوں کے لیے اختیار کیا گیا تھا جنہیں اسلامی اصول کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں گویا قبلہ اصولِ اسلامی کا ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے کہ جو شخص اس میں متفق ہو گیا اس کا بقیہ اصول میں بھی متفق ہونا ضروری ہے لہٰذا اب اس کا اختلاف اگر ہوگا تو صرف فروعات ہی میں ہوگا- صرف فروعی اختلاف سے کسی کو کافر قرار دینا صحیح نہیں- احادیث میں بھی کلمہ توحید کو تمام اسلام کا سرنامہ بنا دیا گیا ہے- اسی وجہ سے بہت سے مقامات پر توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر بھی نہیں اور صرف توحید کے عقیدہ پر جنت کی بشارت مذکور ہے- پس جس جس طرح احادیث میں کلمہ توحید کے اقرار کا مطلب تمام اسلامی اصول کا اقرار ہے- اسی طرح یہاں بھی اہل قبلہ کا مطلب سمجھنا چاہیے- ہمارے نزدیک حدیث واستقبل قبلتنا ان لوگوں کے متعلق ارشاد ہوئی ہے جو کفر کی زندگی چھوڑ کر حال میں اسلامی زندگی میں داخل ہوئے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کا تعلق مسلمانوں کے باہمی فرقوں کے ساتھ ہے- کھلے ہوئے کافروں سے نہ اُس حدیث کا تعلق ہے نہ اِس کا- مسیلمہ کذاب بھی مدعی اسلام تھا بلکہ کسی حد تک آپ کی رسالت کا بھی معترف تھا مگر کیا اسلام کی تاریخ میں اس حدیث کی وجہ سے اس کو مسلمان سمجھا گیا' کیا جن لوگوں نے صرف ایک زکوٰۃ کا انکار کیا تھا اگرچہ وہ اہل قبلہ تھے نمازیں بھی ہماری طرح پڑھتے تھے- ہمارے ذبیحہ کھانے سے بھی انہیں کوئی استنکاف نہ تھا ان کو معذور رکھا گیا ہرگز نہیں بلکہ ان سے جنگ کی گئی اور اس بنا پر کی گئی کہ اس وقت جماعت صحابہؓ نے ان کو مرتدین کی فہرست میں شمار کیا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسی قسم کے کسی اور منکر فرضِ قطعی کو مرتد شمار نہ کیا جائے- خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جو حقیقت بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ فروعی اختلاف کی بنا پر کسی کو کافر نہ کہنا چاہیے اسلامی زبان میں اس کا لقب فاسق ہے کافر نہیں- یہ ایک اہم اصلاحی آئین ہے اگر امت اس پر عمل کرتی تو آج اس کا شیرازہ یوں نہ بکھرتا-

(۳۸۱) * اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغفرت میں بھی تجزیہ ہو سکتا ہے یہاں مغفرت نے طفیل کے رفیق کے سارے جسم کو تو گھیر لیا تھا مگر امانت الہیہ میں بے جا دست اندازی کی وجہ سے اس کے ہاتھوں کو چھوڑ دیا تھا یہ شخص کیا ہی خوش نصیب تھا کہ اس کا مقدمہ رحمۃ للعالمین کے سامنے آ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ اس کی سفارش کے لیے اٹھ گئے پھر کیا تھا رحمت نے اس کی رگ رگ کو گھیر لیا-

هَـاجَـرَ اِلَيْـهِ الـطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَهَاجَرَ مَعَهُ رَجُـلٌ مِـنْ قَـوْمِـهٖ فَـاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَمَرِضَ فَجَزِعَ فَاَخَذَ مَشَاقِصَ لَهُ فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهُ فَشَخَبَتْ يَـدَاهُ حَتّٰى مَاتَ فَرَاٰهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْـرٍو فِـىْ مَنَامِهٖ فَرَاٰهُ وَ هَيْئَتُهُ حَسَنَةٌ وَ رَاٰهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ فَقَالَ مَا صَنَعَ بِكَ رَبُّكَ فَقَالَ غَـفَـرَلِـىْ بِهِـجْـرَتِىْ اِلٰى نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّـمَ فَـقَالَ لَهُ مَالِىْ اَرَاكَ مُغَطِّيًا يَدَيْكَ قَـالَ قِيْـلَ لِـىْ لَـنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَا اَفْسَدْتَّ فَـقَـصَّـهَـا الطُّفَيْلُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ. (رواه مسلم)

کی تو طفیل بن عمرو اوران کی قوم کے ایک اور شخص نے بھی ساتھ ساتھ ہجرت کی- اتفاق یہ کہ مدینہ کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی ان کا رفیق بیمار پڑ گیا اور تکلیف برداشت نہ کر سکا- اس نے اپنے تیر کا پیکان نکال کر اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے اس کے ہاتھوں سے خون بہہ نکلا یہاں تک کہ اس کی وفات ہوگئی- طفیل بن عمرو نے انہیں خواب میں دیکھا تو صورت ان کی بہت اچھی تھی مگر ہاتھ ڈھکے ہوئے تھے- دریافت کیا کہ تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے کی برکت سے مجھے بخش دیا گیا پھر ان سے پوچھا کہ تم اپنے ہاتھ ڈھانکے ہوئے کیوں نظر آ رہے ہو؟ اس نے کہا مجھ سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ تم نے جو خود بگاڑا ہم اسے نہیں سنواریں گے طفیل نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ نے دعا فرمائی اے اللہ اس کے ہاتھوں کی بھی بخشش فرما دے- (مسلم)

لايجب في الايمان العلم بصفات اللّٰه تعالى تفصيلا

اللہ تعالیٰ کی صفتوں پر اجمالی ایمان کافی ہے

(۳۸۲) عَـنْ مُـعٰوِيَةَ بْـنِ الْـحَكَمِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُـوْلَ الـلّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُـوْلَ الـلّٰـهِ اِنَّ جَـارِيَةً كَـانَتْ لِىْ تَرْعٰى غَـنَـمًالِىْ فَجِئْتُهَا وَ قَدْ فَقَدَتْ شَاةً مِنَ الْغَنَمِ

(۳۸۲) معاویہ بن حکم روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک باندی ہے جو میری بکریاں چرایا کرتی ہے میں اس کے پاس آیا تو مجھے اپنی بکریوں میں ایک بکری نہ ملی اس سے دریافت کیا تو بولی کہ بھیڑیے نے

---

(۳۸۲) * ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک سادہ اور سیدھا علم کافی ہے اس میں علم کلام کی موشگافیاں قطعاً غیر ضروری ہیں مثلاً یہ ایمان کہ اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی جہت موزوں ہے' اگر اس کو فلسفی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی ذات کا جہت و مکان میں مقید ہونا لازم آتا ہے- یہ درست ہے مگر ہر عالم اور عامی شخص کو اس کا مکلّف بنایا نہیں جا سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایسا ایمان لائے جو تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان ہو اس لیے یہاں اجمالی تنزیہ کافی سمجھ لی گئی ہے اگر چہ ایک فلسفی کی نظر میں یہ ٹھیٹ تشبیہ ہی کیوں نہ ہو جائے- یہ یاد رکھنا چاہیے کہ لفظی تشبیہ اسی حد تک قابل برداشت ہو سکتی ہے جب تک کہ عقیدہ میں قطعی تنزیہ موجود ہو یا کم از کم نفیاً و اثباتاً اس سے کوئی بحث نہ ہو- لیکن اگر عقیدہ میں اثباتاً تشبیہ داخل ہو جائے تو اب یہ حدود ایمان نہیں رہیں- مثلاً محاورہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی جہت ثابت کی جاتی ہے مگر یہ اس وقت تک ہی قابل اغماض ہو سکتا ہے جب تک کہ قلب میں یہ عقیدہ بھی خوب مضبوط اور مستحکم موجود رہے کہ اس نسبت کا تلہ ....

فَسَاَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ اَكَلَهَا الذِّئْبُ فَاَسِفْتُ عَلَيْهَا وَ كُنْتُ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَ عَلَيَّ رَقَبَةٌ اَفَاُ عْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ اللّٰهُ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِقْهَا .(رواه مالك و فی رواية مسلم) اِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ.

پھاڑ کھائی - مجھے اس کا بہت غم ہوا آخر میں آدمی تھا اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا میرے ذمہ (کسی کفارہ وغیرہ کے لیے) ایک غلام آزاد کرنا بھی ہے- کہئے تو اسی باندی کو (اس کے عوض میں) آزاد کردوں- آپ نے اس باندی سے پوچھا بتا اللہ تعالیٰ کہاں ہے وہ بولی آسمان میں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کون ہوں اس نے کہا اللہ تعالیٰ کے رسول' فرمایا اچھا اسے آزاد کردو اور مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مؤمنہ ہے-

(مؤطا مالک)

(۳۸۳) عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ

(۳۸۳) عبید اللہ بن عبداللہ ایک انصاری شخص سے روایت کرتے ہیں کہ

لہ .... مفہوم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سوا اور کچھ نہیں-

ہم پہلے بھی بالتفصیل لکھ چکے ہیں کہ اسلام نے فلاسفہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی اتنی تنزیہ کرنی نہیں بتائی کہ ایک مادی انسان کے لیے اس کی ذات وصفات میں کوئی کشش ہی باقی نہ رہے بلکہ اس حد تک تشبیہ کی بھی اجازت دے دی ہے جہاں تک انسان کی فطرت کی جاذبیت اس کو مقتضی ہوسکتی ہے اور تجسیم پیدا نہیں ہوتی ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱) اس آیت میں یہی تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر تشبیہ سے منزہ ومبرا ضرور ہے مگر ایسی منزہ بھی نہیں کہ اس کے متعلق سمیع وبصیر کا تصور کرنا بھی اس کی تنزیہہ کے خلاف سمجھا جائے وہ سمیع وبصیر ہے مگر بے مثال اسی طرح اس کے لیے آسمان کی جہت بھی ثابت ہے مگر مکانی کی طرح نہیں- خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے حق میں اثباتی پہلو میں ہمیں صرف اجمالی علم حاصل ہوسکتا ہے- البتہ سلبی پہلو میں جتنی تفصیل چاہو ہوسکتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب اثباتی پہلو میں کوئی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اسی وقت اس میں تشبیہ کی بو آنے لگتی ہے- سوچو کہ اگر اس کے لیے صفت سمع وبصر ثابت کرنا چاہیں تو اگر اسے سمیع وبصیر نہ کہیں تو اور کیا کہیں اس لیے ذات پاک کی وسعت اور الفاظ کی تنگی کے تجاذب سے بعض جگہ تشبیہ برداشت کرلی گئی ہے بشرطیکہ عقیدہ تشبیہ سے گرد آلود نہ ہونے پائے یہ ایک ایسا نازک موقعہ ہے جہاں اسلام وکفر کی سرحدیں بہت ہی نزدیک ہوجاتی ہے نصاریٰ نے خدا کے رسول کے لیے اپنے زعم میں صرف ایک پرعظمت کلمہ سمجھ کر ان کو ابن اللہ کہہ دیا اور یہ غور نہ کیا کہ اس کلمہ تشبیہی کی زد کہاں جاکر پڑتی ہے اس لیے فرمایا ﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ﴾ (الانعام: ۱۰۱) بھلا خدا کے بیٹا کہاں سے ہوسکتا ہے جب کہ اس کے لیے بی بی نہیں-

پس نہ ہر تشبیہ قابل اغماض ہے اور نہ ہر شخص قابل معافی ہے اسی لیے علماء اللہ تعالیٰ پر معشوق کا لفظ اطلاق کرنا پسند نہیں کرتے اور اسی طرح ان تمام الفاظ سے بھی احتراز کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کو ارباب سکر نے اپنے عالم بے خودی میں بڑے ذوق کے ساتھ استعمال کرلیا ہے- ان احوال ومواجید سے خالی حضرات کو ان الفاظ میں بڑی احتیاط لازم ہے ؎

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(۳۸۳) ٭ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث پر حجۃ اللہ میں دو جگہ کلام فرمایا ہے ایک باب التیسیر میں و منها ان الشارع لم يخاطبهم الاعلى ميزان العقل المودع فى اصل خلقتهم قبل ان يتعاونوا دقائق الحكمة و الكلام و الاصول لہ ....

رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّهٗ جَاءَ بِاَمَةٍ سَوْدَاءَ وَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ عَلَيَّ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً فَاِنْ كُنْتَ تَرٰى هٰذِهٖ مُؤْمِنَةً اَعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَشْهَدِيْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَتُؤْمِنِيْنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ اَعْتِقْهَا.

وہ ایک سیاہ باندی لے کر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ میرے ذمہ ایک مسلمان باندی آزاد کرنا واجب ہے اگر آپ کے نزدیک یہ مؤمنہ ہو تو میں اسے ہی آزاد کر دوں آپ نے اس سے پوچھا کیا تو اس بات کی قائل ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ وہ بولی جی ہاں- آپؐ نے فرمایا کیا موت کے بعد پھر جینے کو مانتی ہے؟ وہ بولی جی ہاں- آپ نے فرمایا اسے آزاد کر سکتے ہو- (مسند احمد)

(رواہ احمد قال الهيثمی رجاله رجال الصحيح و رواه مالك ايضًا قال السيوطی فی تنویر الحوالك و روی عن ابی هريرة موصولا ايضًا)

لہ.... و اثبت لنفسه جهة فقال الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى. و قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لا مرءة سوداء این اللّٰه فاشارت الی السماء فقال هی مؤمنة. (ج ا ص ۸۹) اصول تیسیر میں ایک اصل یہ بھی ہے کہ شریعت ان کو صرف اس بات کا مکلف بنائے جس کے سمجھنے کی ان میں دقائق فلسفہ و علم کلام پڑھنے سے پہلے قدرۃً صلاحیت موجود ہو مثلاً یہ کہ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کے لیے جہت علو ثابت ہے- ایک جاہل اور ایک عالم جب دعا کرتا ہے تو اس کی نظریں بے اختیار آسمان کی جانب اٹھ جاتی ہیں شریعت نے بھی اس فطرت کو اجمالاً تسلیم کر لیا ہے اسی لیے قرآن و حدیث میں بھی خدائے تعالیٰ کی طرف اس جہت کی نسبت ہوتی چلی جاتی ہے- الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیاہ باندی سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا آپ نے فرمایا یہ مؤمنہ ہے- دوسری جگہ باب طبقات الامة باعتبار الخروج الی الکمال المطلوب او ضده میں تحریر فرماتے ہیں:
وقوم نقصت عقولهم كا كثرا لصبيان و المعتوهين و الفلاحين و الارقاء وكثير يزعمهم الناس انهم لاباس بهم و اذا نقح حالهم عن الرسوم بقوالا عقل الهم فاولئك يكتفى من ايمانهم بمثل ما اكتفى رسول الله صلى الله عليه وسلم من الجارية السوداء سألها اين الله فاشارت الى السماء (هم اصحاب الاعراف) انما يراد منهم أن يتشبهوا بالمسلمين لئلا تتفرق الكلمة. (ج ا ص ۹۲ حجۃ اللہ) بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی عقلیں قدرۃً ناقص ہوتی ہیں جیسے بچپن کے زمانہ میں اکثر لڑکے اور بعض بے عقل لوگ اور کسان طبقہ اور غلام اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے متعلق بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کی عقلوں میں کوئی نقصان نہیں لیکن جب ان کے حالات سے ان کو جانچا جاتا ہے تو وہ بے عقل ثابت ہوتے ہیں- اس قسم کے انسانوں کا صرف اتنا مجمل سا ایمان کافی سمجھ لیا جاتا ہے جتنا کہ آپ نے اس سیاہ باندی سے قبول فرمالیا تھا جس سے آپؐ نے دریافت کیا تھا کہ خدا تعالیٰ کہاں ہے؟ تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا تھا-

حضرت شاہ صاحب موصوف کی ان ہر دو تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اجمالی ایمان دو صورتوں میں معتبر ہوتا ہے- کہیں مسئلہ کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے اور کہیں مکلفین کی نوعیت کا فرق ہوتا ہے مثلاً جہت علو کا مسئلہ ہے- اس مسئلہ کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ دقائق فلسفہ سے قطع نظر یہی بات ہر انسان کی فطرت میں مرکوز ہے اس لیے یہاں عاقل اور غیر عاقل کی کوئی تقسیم نہیں سب کے لیے اس جہت کا اجمالاً انتساب جائز ہے بلکہ خود قرآن بھی انسان کی اسی فطرت کے مطابق نازل ہوا ہے اس نے بھی اپنے بیان میں جا بجا اسی نسبت کو لہ....

(۳۸۴) عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنِ الشَّرِیْدِ (بن سوید) اَنَّ اُمَّهُ اَوْصَتْ اَنْ یُّعْتِقَ عَنْهَا رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً فَسَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِکَ فَقَالَ عِنْدِیْ جَارِیَةٌ سَوْدَاءُ نُوْبِیَّةٌ فَاَعْتِقُهَا فَقَالَ ائْتِ بِهَا فَدَعَوْتُهَا فَجَاءَتْ فَقَالَ لَهَا مَنْ رَّبُّکِ قَالَتْ اَللّٰهُ قَالَ مَنْ اَنَا فَقَالَتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ) فَقَالَ اَعْتِقْهَا فَاِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ.

(۳۸۴) ابوسلمہ شرید سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی والدہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کی جانب سے ایک مؤمن بردہ آزاد کردیں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا اور کہا میرے پاس شہر نوبہ کی ایک سیاہ باندی ہے میں اسے آزاد کردوں؟ آپؐ نے فرمایا اسے (یہاں) لاؤ میں نے اس کو آواز دی وہ آ گئی- آپؐ نے اس سے پوچھا تیرا رب کون ہے؟ وہ بولی اللہ- پھر آپ نے پوچھا اور میں کون ہوں؟ وہ بولی اللہ کے رسول؟ آپؐ نے فرمایا جاؤ آزاد کردو یہ مؤمنہ ہے- (مسند احمد)

(رواہ احمد قال الهیثمی و رواہ البزار و الطبرانی فی الارسط الا انه قال لها من ربك فاشارت برأسها الی السماء فقالت الله. و رجاله موثوقون و رواہ ابوداؤد و النسائی ایضًا)

(۳۸۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الرَّحْمَةَ یَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةَ رَحْمَةٍ فَاَمْسَکَ عِنْدَهٗ تِسْعًا وَ تِسْعِیْنَ رَحْمَةً وَ اَرْسَلَ فِیْ خَلْقِهٖ کُلِّهِمْ رَحْمَةً وَّاحِدَةً فَلَوْ یَعْلَمُ الْکَافِرُ بِکُلِّ الَّذِیْ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ لَمْ یَیْأَسْ مِنَ الْجَنَّةِ وَ لَوْ یَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ بِکُلِّ الَّذِیْ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعَذَابِ لَمْ یَأْمَنْ مِنَ النَّارِ. (رواہ البخاری)

(۳۸۵) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن رحمت کو بنایا تھا اسی دن اس کے سو حصے کر دیئے تھے ننانوے حصہ اپنے پاس رکھے تھے اور صرف ایک حصہ ساری مخلوق کے لیے رکھ دیا تھا اس لیے اگر کافر کہیں اللہ تعالیٰ کی پوری رحمت جان لیں تو کبھی اس کی جنت سے ناامید نہ رہیں اور اگر مؤمن اللہ تعالیٰ کے پورے عذاب کو جان لیں تو کبھی دوزخ سے نڈر نہ رہیں- (بخاری شریف)

ﷺ.... استعمال کیا ہے- دوسری صورت یہ ہے کہ بعض انسان اپنی فطری عقل یا اپنے ماحول کے تاثرات سے اتنی صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ مسئلہ کو پوری گہرائی کے ساتھ سمجھ سکیں- شریعت بھی ایسے لوگوں سے ان کی عقل سے زیادہ فہم کا مطالبہ نہیں کرتی اور عام مسلمانوں کے ساتھ ان کی اجمالی شرکت کافی سمجھتی ہے تاکہ موجب تفریق وتشتت نہ ہو- مثلاً یہی ناخواندہ باندی اگر اسے تشبیہ وتنزیہ کے مابین ایمان کا مکلف بنایا جاتا تو وہ یقیناً اس سے قاصر ہوتی اس لیے آپ نے اس کا اتنا اجمالی سا ایمان ہی کافی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت علو ثابت ہے لیکن ایک وہ شخص جو پوری عقل وفہم کا مالک ہے اس کا دماغ علوم سے روشن ہو چکا وہ ہر قسم کی باریکیوں کو سمجھ بھی سکتا ہے- اس کے لیے اتنا اجمالی ایمان کافی نہیں ہوسکتا اسے یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے اگرچہ یہ جہت ثابت ہو مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس جہت میں موجود ہے- (والعیاذ باللہ) اسے صاف طور پر اس کی نفی بھی کرنی ہوگی پس جس طرح اجمالی ایمان میں مسئلہ کی نوعیت ملحوظ ہوتی ہے اسی طرح ایک بے عقل اور ایک عاقل کا فرق بھی ملحوظ رہتا ہے- حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ہر دو صورتوں کی مثال بن سکتا ہے-

(۳۸۵) * بندہ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عذاب کا اجمالی ہی تصور ہوسکتا ہے اگر اس کی غیر متناہی طاقتوں کا اس کو علم ہو جائے ﷺ....

(۳۸۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ اَتَی رَجُلُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَقْرِئْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ الرَّاءِ فَقَالَ کَبُرَتْ سِنِّیْ وَ اشْتَدَّ قَلْبِیْ وَ غَلُظَ لِسَانِیْ قَالَ فَاقْرَ أْثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ حٰمٓ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهٖ قَالَ الرَّجُلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْرِئْنِیْ سُوْرَۃً جَامِعَةً فَاَقْرَأَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ حَتّٰی فَرَغَ مِنْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَ الَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ لَا اَزِیْدُ عَلَیْهِ اَبَدًا ثُمَّ اَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرُّوَیْجِلُ مَرَّتَیْنِ. (رواہ احمد و ابوداؤد)

(۳۸۶) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ مجھے کچھ پڑھنے کے لیے بتا دیجئے آپؐ نے فرمایا وہ تین سورتیں پڑھ لیا کرو جن کے شروع میں الف-لام-راء ہے- اس نے عرض کیا میری عمر اب زیادہ ہو چکی ہے اور میرا قلب و زبان سخت پڑ چکے ہیں آپؐ نے فرمایا اچھا تو جن تین سورتوں کے شروع میں حم ہے ان کو پڑھ لیا کرو اس پر اس نے پھر وہی پہلا عذر کیا اور اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ مجھے تو کوئی جامع اور مختصر سی سورت بتا دیجئے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں اس کو سورۂ اذا زلزلت پڑھا دی یہاں تک کہ آپؐ اسے پوری پڑھا کر فارغ ہو گئے اس شخص نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے میں کبھی اس پر کوئی اور اضافہ نہیں کروں گا یہ کہہ کر پشت پھیر کر چل دیا آپؐ نے دو بار فرمایا یہ بیوقوف بے چارہ کامیاب ہو گیا- (احمد-ابوداؤد)

☜..... تو اس کی کمزور و ناتواں فطرت کا توازن بگڑ جائے وہ رحمت کے سامنے عذاب کو بھول جائے اور عذاب کے سامنے رحمت کو فراموش کر بیٹھے- اس کے عمل کی کشتی اسی وقت تک چل سکتی ہے جب تک کہ اس کے خوف و رجاء کے دونوں بازو حرکت کرتے رہیں- اسی لیے قرآن کریم نے ہر جگہ جنت کے ساتھ دوزخ، نعمت کے ساتھ نقمت اور عذاب کے ساتھ ثواب کا ذکر کیا ہے- ﴿نَبِّیْٔ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ﴾ (الحجر: ۴۹، ۵۰) دیکھئے دونوں تعبیروں میں کتنا زور ہے پھر ان میں کتنا توازن ہے- اسی مضمون کی ایک حدیث ترجمان السنہ جلد اول ص ۲۸۴ پر بھی گذر گئی ہے-

(۳۸۶) ٭ ترجمان السنہ جلد اول ص ۴۸۳ پر ضمام بن ثعلبہ کی زبان سے بھی اسی قسم کے کلمات نکلے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ ایک سادہ مزاج شخص کی زبان سے اطاعت و فرمان برداری کے کلمات اس سے بڑھ کر اور نکل بھی نہیں سکتے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اعتقادیات کے بارے میں اپنی امی امت کے لیے اجمالی ایمان کافی سمجھا ہے اسی طرح عمل کے دائرہ میں بھی ان میں سے ہر ایک پر تفصیلی دین کا بوجھ نہیں ڈالا ایک غیر تعلیم یافتہ باندی کا توحید و رسالت پر اجمالی ایمان قبول فرمایا اسی طرح ایک نومسلم کو صرف فرائض دین پر عمل پیرا ہو جانے سے فلاح کی بشارت سنا دی اسی طرح یہاں بھی اس ضعیف العمر شخص کو قرآن کی ایک مختصر سورت پر فوز و فلاح کی خوش خبری دے دی الــرُّوَیْجِلُ کی تصغیر میں اس کی اسی معذوری کی طرف اشارہ تھا گویا غیر معذور شخص کے لیے تو اتنی سہولت پسندی نامناسب ہے مگر وہ معذور جس کی حقیقت ایک ناقص انسان رہ گئی ہو قابل اغماض ہو سکتا ہے اس کا نام دین حنیف ہے اس کی بنیاد تمام تر سہولت پر ہے یہاں معذور سے معذور شخص کے لیے بھی جنت میں جانے کا راستہ نکل آتا ہے مقصود اِیذ ای جہد و مشقت نہیں اظہار عبدیت ہے یہاں آپ کو دو حدیثوں کا مطالعہ کر لینا اور بصیرت کا موجب ہوگا- ترجمان السنہ جلد اول ص ۲۹۱ حدیث نمبر ۴۳ جس میں ایک اسرائیلی شخص کا واقعہ مذکور ہے جس نے خدا سے ڈر کر وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کو جلا کر خاک کر دیا جائے-

(۳۸۷) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَاَنَاخَ رَاحِلَتَهُ ثُمَّ عَقَلَهَا ثُمَّ دخلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَتٰى رَاحِلَتَهٗ فَاَطْلَقَهَا ثُمَّ رَكِبَ ثُمَّ نَادٰى اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَ مُحَمَّدًا وَلَا تُشْرِكْ فِیْ رَحْمَتِنَا اَحَدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَقُوْلُوْنَ هُوَ اَضَلُّ اَمْ بَعِيْرُهٗ اَلَمْ تَسْمَعُوْا اِلٰى مَا قَالَ قَالُوْا بَلٰى. (رواہ ابوداؤد)

(۳۸۷) جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دہقانی آدمی آیا اس نے اپنا اونٹ بٹھایا اس کا زانو باندھا اور مسجد میں داخل ہوگیا- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی جب سلام پھیر کر فارغ ہوگیا تو اپنی اونٹنی کے پاس آیا اس کا زانو کھولا اور اس پر سوار ہوگیا اور بلند آواز سے کہا اے اللہ مجھ پر رحم فرما دے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور ہم دو کے سوا اور کسی کو اس میں شریک نہ کرنا- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس میں اور اس کے اونٹ میں زیادہ نافہم کس کو کہو گے تم نے بھلا سنا اس نے کیا کلمہ کہا ہے صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں سنا- (ابوداؤد)

اذا استشكل شئ من دقائق علم التوحيد فليعتقد بما هو الصواب عند الله

عقائد کے مسائل میں جب کہیں اُلجھن پیش آجائے تو جو اللہ تعالیٰ کے علم میں صواب ہو اس پر اجمالاً ایمان لانا کافی ہے

(۳۸۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَؤُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَ يُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَ لَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا. (رواہ البخاری)

(۳۸۸) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھا کرتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کی تفسیر کیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب صرف مجملاً اتنا کہہ دیا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاچکے اور اس قرآن پر جو ہم پر اتارا گیا ہے- (بخاری شریف)

---

(۳۸۷) ٭ یہ حدیث کچھ لفظی مغایرت کے ساتھ ترجمان السنہ جلد اول ص ۲۹۷ (نمبر ۵۱) پر بھی گذر چکی ہے وہاں اس اعرابی کے متعلق آپؐ نے جو اصلاحی کلمات فرمائے تھے وہ بھی گذر چکے ہیں- اس روایت میں آپؐ نے اس کے اس شدید کلمہ کا عذر اس کی کم فہمی اور بےعقلی قرار دی ہے- یہی کلمہ اگر کسی اور تربیت یافتہ صحابیؓ کے منہ سے نکلتا تو شاید قابل سرزنش ہو جاتا لیکن آپؐ کو ہر شخص کی مقدار صحبت اور علم وفہم کی رعایت بھی رہتی تھی اس لیے اگر کسی ناواقف کے منہ سے محبت وعظمت کے انداز میں کوئی نامناسب کلمہ نکل گیا ہے تو گو ٹوکے بغیر تو آپ نے اس کو بھی نہیں چھوڑا مگر اس انداز کی سخت گیری بھی نہیں فرمائی جو کسی اونچے علم وفہم کے شخص سے کی جاتی- اور اس کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ایک اجمالی تصور قابل اغماض سمجھ لیا ہے-

(۳۸۸) ٭ یہ مسئلہ بہت اہم مسئلہ تھا کہ ذات وصفات کے جن مسائل میں پر بھی حقیقت منکشف نہ ہو سکے ان کے متعلق کیا صورت اختیار کرنی چاہیے- علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے مسائل میں جو صورت اللہ تعالیٰ کے علم میں صواب ہو- سردست اسی پر اجمالاً ایمان رکھنا کافی ہے- البتہ اس کی تحقیق کی فکر میں لگا رہنا چاہیے- ٭....

(۳۸۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ تَلاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ الی قوله وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُو لُوا الْاَلْبَابِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا رَاَيْتِ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّى اللّٰهُ (عَزَّوَجَلَّ) فَاحْذَرِيْهِمْ. (رواه البخاری)

(۳۸۹) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی هُوَ الَّذِیْ الخ.... اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے جس نے قرآن کریم نازل فرمایا اس میں دوقسم کی آیات ہیں محکمات اور متشابہات (آیات محکمات اپنے معنی میں واضح اور کھلی ہوئی ہیں اور متشابہات اپنی مرادوں میں واضح نہیں ان پر مجملاً ایمان لے آنا چاہیے لیکن جن کے دلوں میں کجی کا مضمون ہوتا ہے وہ ان ہی آیتوں کے معنوں کی تلاش کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور پختہ علم کے لوگ صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے جو معنی بھی ہوں ہم اس پر ایمان لا چکے) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ! جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے معانی معلوم کرنے کے درپے ہوں تو ان سے بچتی رہنا کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا قرآن نے زائغین نام رکھا ہے۔ (بخاری شریف)

الاحکام تجری علی الظاهر و الله یتولی السرائر

اسلامی احکام ظاہری حالات پر نافذ ہوں گے اور اندرونی حالات کا حساب خدائے تعالیٰ کے حوالہ رہے گا

(۳۹۰) اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُتْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ

(۳۹۰) عبداللہ بن عتبہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆.... واذا اشكل على الانسان شى من دقائق علم التوحيد فينبغى له ان يعتقد فى الحال ما هو الصواب عند الله تعالى الى ان يجد عالمًا فيسأ له و لا يسعه تاخير الطلب و لا يعذ ربا لوقف فيه و يكفران وقف و المراد بدقائق علم التوحيد اشياء يكون الشك و الشبهة فيها منا فيا للايمان و مناقضا للايمان بذات الله تعالى و صفته و معرفة كيفية المؤمن به باحوال اخرته. (شرح فقه اكبر ص ۱۰۰)

''جب علم توحید وعقائد کے کسی باریک مسئلہ میں الجھن پیش آ جائے تو سردست اس کے متعلق اجمالاً اتنا ایمان لے آنا کافی ہے کہ اس مسئلہ میں اللہ کے نزدیک جو راہ صواب ہو اس پر ہمارا اعتماد ہے یہ اجمالی ایمان اس وقت تک کافی ہوگا جب تک اس کو کوئی عالم نہ ملے جب کوئی محقق عالم مل جائے تو اس سے تحقیق کرنی ضروری ہوگی۔ اور اب تحقیق وتفتیش کے بغیر بیٹھے رہنا کفر ہوگا یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں علم توحید کے باریک مسائل سے وہ مسائل مراد ہیں جن میں شک وشبہ کرنا ایمان کے منافی ہو۔'' (شرح فقہ اکبر)

ان کے علاوہ جن مسائل کا علم ایمان کے لیے ضروری نہیں ان کا حکم بھی یہی ہے ان کے متعلق بھی اجمالی ایمان لانا کافی ہے۔ مگر ان کی تحقیق وتفتیش کے لیے کسی عالم کی تلاش کی ضرورت نہیں کیونکہ جب خود ان مسائل کا علم ہی ایمان کے لیے شرط نہیں تو ان کی تحقیق کے لیے عالم کی تلاش کیوں شرط ہو۔ (شرح فقہ اکبر)

حضرت عائشہ کی حدیث میں آیات متشابہات کا جو حکم مذکور ہے اس سے بھی اس قسم کے پیچیدہ مسائل کے متعلق یہی حکم مستنبط ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ان آیاتِ متشابہات کی مرادوں پر اجمالاً ایمان لے آنا رسوخ فی العلم کی نشانی ہے اسی طرح اور پیچیدہ مسائل پر بھی اجمالاً ایمان لے آنا ایمان کی پختگی کی دلیل ہوگی۔

عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ اِنَّ اُنَاسًا كَانُوْا يُؤْخَذُوْنَ بِالْوَحْيِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ وَ اِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْاٰنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا اَمِنَّاهُ وَ قَرَّبْنَاهُ وَ لَيْسَ اِلَيْنَا مِنْ سَرِيْرَتِهٖ شَيْءٌ اَللّٰهُ مُحَاسِبُهٗ فِيْ سَرِيْرَتِهٖ وَ مَنْ اَظْهَرَ لَنَا سُوْءً لَّمْ نَاْمَنْهُ وَ لَمْ نُصَدِّقْهُ وَ اِنْ قَالَ اَنَّ سَرِيْرَتَهٗ حَسَنَةٌ. (رواہ البخاری)

کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی گرفت وحی کے ذریعہ سے ہوا کرتی تھی اور اب وحی تو منقطع ہوگئی اس لیے اب ہم صرف تمہارے ظاہری اعمال پر گرفت کریں گے اگر کوئی شخص ہمارے سامنے اچھے افعال کرے گا اس کو تو امن دیں گے اس کی عزت بھی کریں گے اور اس کے اندرونی حالات سے ہمیں کوئی بحث نہ ہوگی اس کا حساب لینے والا خدائے تعالیٰ ہے اور جو ہمارے سامنے برے افعال کرے گا اس کو ہم امن نہیں دیں گے اور ہرگز اس کی تصدیق نہیں کریں گے اگرچہ وہ یہ کہتا رہے کہ میرا باطن بہت اچھا ہے۔ (بخاری شریف)

(۳۹۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَلَقِيْتُ عِتْبَانَ فَقُلْتُ حَدِيْثٌ بَلَغَنِيْ عَنْكَ قَالَ اَصَابَنِيْ فِيْ بَصَرِيْ بَعْضُ الشَّيْءِ فَبَعَثْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِّيْ اُحِبُّ اَنْ تَأْتِيَنِيْ تُصَلِّيْ فِيْ مَنْزِلِيْ فَاَتَّخِذَهٗ مُصَلًّى قَالَ فَاَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَنْ شَاءَ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَدَخَلَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْ مَنْزِلِيْ وَ اَصْحَابُهٗ يَتَحَدَّثُوْنَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ اَسْنَدُوْا اَعْظَمَ ذٰلِكَ وَ كُبْرَهٗ اِلٰى مَالِكِ بْنِ دُخْشُمٍ قَالَ وَ دُّوْا اَنَّهٗ دَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ وَ وَدُّوْا اَنَّهٗ اَصَابَهٗ شَرٌّ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَالَ اَلَيْسَ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ ذٰلِكَ وَ مَا هُوَ فِيْ قَلْبِهٖ قَالَ لَا يَشْهَدُ اَحَدٌ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَيَدْخُلُ النَّارَ اَوْ تَطْعَمُهٗ قَالَ اَنَسٌ فَاَعْجَبَنِيْ هٰذَا الْحَدِيْثُ فَقُلْتُ لِابْنِيْ اُكْتُبْهُ فَكَتَبَهٗ. (رواہ مسلم و البخاری مع تغایر)

(۳۹۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ محمود بن ربیع نے مجھ سے بیان کیا کہ میں مدینہ آیا تو عتبان بن مالک سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا آپ کی ایک حدیث مجھے بالواسطہ پہنچی ہے انہوں نے فرمایا (جی ہاں سنئے) میری نظر میں کچھ نقصان تھا اس لیے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا میری تمنا تھی کہ آپؐ میرے گھر تشریف لاتے اور کسی جگہ آ کر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی کو اپنی نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کر لیتا۔ وہ بیان کرتے ہیں آپؐ تشریف لے آئے اور جن جن صحابہ نے چاہا وہ بھی آپؐ کے ہمراہ آ گئے۔ آپؐ میرے گھر میں نماز ادا فرمانے لگے ادھر صحابہ آپس میں کچھ باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے اور ان باتوں کا زیادہ تر ذمہ دار مالک بن دخشم کو قرار دیا وہ چاہتے یہ تھے کہ آپؐ اس کے حق میں بد دعا فرمائیں اور وہ تباہ و برباد ہو جائے اور اس کو خوب نقصان پہنچے۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہو چکے تو آپؐ نے فرمایا کیا یہ شخص یہ گواہی نہیں دیتا کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور میں اس کا رسول ہوں انہوں نے عرض کیا یہ گواہی تو دیتا ہے لیکن دل سے نہیں آپؐ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص اس بات کی گواہی بھی دے، پھر دوزخ میں بھی داخل ہو سکے یا یہ فرمایا کہ آتش دوزخ اس کو جلا سکے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بہت پسند آئی میں نے اپنے لڑکے سے کہا اسے قلم بند کر لو اس نے قلم بند کر لی۔ (بخاری و مسلم)

(۳۹۲) عَنِ ابْنِ عَائِذٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ فَلَمَّا وُضِعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُصَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَی النَّاسِ فَقَالَ هَلْ رَاٰهُ اَحَدٌ مِّنْكُمْ عَلٰی عَمَلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَرَسَ لَيْلَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَصَلّٰی عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ حَثٰی عَلَيْهِ التُّرَابَ وَ قَالَ اَصْحَابُكَ يَظُنُّوْنَ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَ اَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ قَالَ يَا عُمَرُ اِنَّكَ لَا تُسْاَلُ عَنْ اَعْمَالِ النَّاسِ وَ لٰكِنْ تُسْاَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۳۹۲) ابن عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازہ کے لیے باہر تشریف لائے جب جنازہ نیچے رکھ دیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے یا رسول اللہ یہ فاسق و فاجر آدمی ہے آپؐ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف دیکھ کر پوچھا تم میں کسی نے اس کو کوئی اسلامی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ ایک شخص بولا جی ہاں یا رسول اللہ اس نے ایک شب خدا کی راہ میں پہرہ داری کی ہے' (یہ سن کر) آپؐ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اپنے ہاتھوں سے خود اس کو مٹی بھی دی اور فرمایا تیرے ساتھی تو تیرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ تو دوزخی ہوگا اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے پھر فرمایا عمر! قیامت میں لوگوں کے اعمال کے متعلق تم سے سوال نہ ہوگا تم سے صرف اسلام کے متعلق سوال ہوگا۔ (شعب الایمان)

(۳۹۳) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اسْتَاْذَنَ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَتْلِ رَجُلٍ فَقَالَ لَا لَعَلَّهٗ اَنْ يَّكُوْنَ

(۳۹۳) ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کے قتل کرنے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی آپؐ نے انہیں اجازت نہ دی اور فرمایا

---

(۳۹۲) * اگر رحمۃ للعالمین امت کے اس عاصی پر نماز ادا نہ فرماتے تو امت محمدیہؐ کے سارے عاصی اس سعادتِ عظمیٰ سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے اس لیے آپؐ نے سمجھایا کہ کسی کی عملی کوتاہی کی بنا پر نماز جیسی سعادت سے اس کو محروم کر دینا میری شریعت کا آئین نہیں۔ کلمہ اسلام پڑھ لینے کے بعد کسی معمولی فسق و فجور سے اسلام کا عہد وفاداری نہیں ٹوٹتا۔ پس جب تک یہ عہد قائم ہے اپنے بھائی کے لیے دعاء مغفرت کرنا ہم پر اس کا ایک آخری حق ہے۔ اگر شریعت حنیفیہ کی اس سہولت اور نرمی سے عمرؓ کی طبعی شدت ساز نہیں کرتی تو نہ کرے مگر ان کو یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ ان معاملات میں سوال صرف اسلام ہی کے متعلق رہے گا۔ کسی کے اعمال کی تحقیق و تفتیش نہیں لگائی جائے گی۔ اگر کبھی کسی خاص وجہ سے کسی کے جنازہ پر نماز ادا نہ کی جائے تو یہ صرف جزئی اور وقتی مصلحت ہوگی قاعدہ نہ بنے گا۔

(۳۹۳) * حدیث مذکور سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کی باطنی نیتوں اور ان کی اندرونی حالتوں سے بحث کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں جب تک ایک شخص اسلامی احکام بجالا رہا ہے اس کے اندرونی معاملات کو زیر بحث لانا اسلامی رواداری کے خلاف ہے اسی لیے آپؐ نے فرمایا جب تک شخص مذکور کے متعلق نماز پڑھنے کا احتمال موجود ہے اس کے قتل کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

ہاں اگر اعمال ظاہری کی شہادت کلیۃً مفقود ہو جائے اور اعمال اسلامی میں کوئی عمل بھی موجود نظر نہ آئے تو پھر معاملہ زیر غور آ سکتا ہے اور اگر خدانہ کردہ کہیں اعمال کی شہادت خلاف پر ثابت ہو جائے تو اب معاملہ بلاشبہ اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ رواداری کی بھی آخر حد ہے ....

يُصَلِّيْ فَقَالَ خَالِدٌ وَّ كَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُوْلُ بِلِسَانِهٖ مَا لَيْسَ فِيْ قَلْبِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَمْ اُوْمَرْ اَنْ اَنْقُبَ عَنْ قُلُوْبِ النَّاسِ وَ لَا اَشُقَّ بُطُوْنَهُمْ.
(متفق عليه و هو في البخاري مفصلا ايضا)

(دیکھو) کہیں وہ نماز ادا نہ کرتا ہو' خالدؓ بولے کتنے ہی نمازیں پڑھنے والے ہیں جو اپنی زبانوں سے ایسی باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں' آپؐ نے فرمایا تو مجھے بھی اس کا حکم نہیں کہ میں لوگوں کے دلوں میں سوراخ کر کر کے اور ان کے پیٹوں کو پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کروں کہ اس میں کیا ہے۔ (متفق علیہ)

يصح الاسلام على الشرط الفاسد

شرطِ فاسد لگا کر بھی اسلام صحیح ہوسکتا ہے

(۳۹۴) عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمِ اللَّيْثِيِّ عَنْ رَجُلٍ مِنْهُمْ اَنَّهٗ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَ عَلٰى اَنْ لَّا يُصَلِّيْ اِلَّا صَلَاتَيْنِ فَقَبِلَ مِنْهُ. (رواه احمد و سنده جيد و جهالة الصحابي لا تضر)

(۳۹۴) نصر بن عاصم لیثی اپنے خاندان کے ایک شخص کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو نمازیں پڑھا کریں گے آپ نے ان کی یہ شرط بھی قبول کر لی۔ (مسند احمد)

(۳۹۵) عَنْ فَضَالَةَ اللَّيْثِيِّ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّيْ اُرِيْدُ الْاِسْلَامَ فَعَلِّمْنِيْ شَرَائِعَ مِنْ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ فَذَكَرَ الصَّلٰوةَ وَشَهْرَ رَمَضَانَ وَ مَوَاقِيْتَ الصَّلٰوةِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تَذْكُرُ سَاعَاتٍ اَنَا فِيْهِنَّ مَشْغُوْلٌ وَ لٰكِنْ عَلِّمْنِيْ جُمَّاعًا مِنَ الْكَلَامِ قَالَ اِنْ شُغِلْتَ فَلَا تَشْغَلْ عَنِ الْعَصْرَيْنِ قُلْتُ وَ مَا الْعَصْرَانِ وَ لَمْ تَكُنْ لُغَةَ قَوْمِيْ قَالَ الْفَجْرَ وَ الْعَصْرَ. (رواه الحاكم في المستدرك)

(۳۹۵) فضالہ لیثی سے روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں آپ مجھے کچھ احکام اسلام سکھائیے۔ آپؐ نے ان کو رمضان کے روزے اور نماز کے اوقات تعلیم کر دیئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ آپ تو مجھے ایسے اوقات بتا رہے ہیں جن میں مجھے بڑی مصروفیت رہتی ہے مجھے تو کوئی مختصر بات بتا دیجئے۔ فرمایا اچھا تو کم از کم عصرین میں غفلت نہ کرنا۔ عصرین ہمارے قبیلہ کا محاورہ نہ تھا اس لیے میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصرین کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ فجر اور عصر کی نمازیں ہیں۔ (مستدرک)

تلہ ....کوئی حد ہوتی ہے۔ اسلام ایسی رواداری کی اجازت نہیں دیتا جو دماغوں میں لاقانونیت کی اسپرٹ پیدا کر دے۔ وہ ظاہری عبادات کی ادائیگی سے انقیادِ باطن کی روح پیدا کرنا چاہتا ہے اور انقیادِ باطن کی روح پیدا کر کے اعضاء ظاہری کو احکام اسلامیہ کا مطیع و منقاد بنا دینا چاہتا ہے۔ اگر ظاہر و باطن میں یہ توافق پیدا نہیں ہوتا تو پھر اس کا نام نفاق ہے یا فسق و فجور۔

(۳۹۵) * بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ نصر بن عاصم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین نمازوں کی مطلقاً معافی دے دی تھی لیکن حضرت استاد اقدس سرہ کے نزدیک نمازوں کے معاملہ میں کبھی کسی کا کوئی استثناء گوارا نہیں کیا گیا۔ اس حدیث میں جو حکم دیا گیا تھا وہ صرف یہ تھا کہ صبح و عصر کی نمازوں کا اہتمام بہ نسبت اور نمازوں کے زیادہ رکھنا چاہیے۔ قرآن کریم نے بھی ان دو نمازوں کا کئی آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور احادیث میں بھی خاص طور پر ان کی فضیلت بیان کی گئی ہے پس جس طرح ان آیات و احادیث تلہ ....

(۳۹۶) عَنْ فَضَالَةَ قَالَ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَانَ فِیْمَا عَلَّمَنِیْ وَ حَافِظْ عَلَی الصَّلَوٰاتِ الْخَمْسِ قَالَ قُلْتُ اِنَّ ھٰذِہٖ سَاعَاتٌ لِیْ فِیْھَا اَشْغَالٌ فَمُرْنِیْ بِاَمْرٍ جَامِعٍ اِذَا اَنَا فَعَلْتُہٗ اَجْزَأَ عَنِّیْ فَقَالَ حَافِظْ عَلَی الْعَصْرَیْنِ وَ مَا کَانَتْ مِنْ لُغَتِنَا فَقُلْتُ وَ مَا الْعَصْرَانِ؟ فَقَالَ صَلٰوۃٌ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَصَلٰوۃٌ قَبْلَ غُرُوْبِھَا (رواہ ابو داؤد)

(۳۹۶) فضالہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسلامی احکام کی تعلیم دی منجملہ ان کے ایک بات یہ فرمائی کہ پنج وقتہ نماز کی نگرانی رکھنا میں نے عرض کیا کہ ان اوقات میں تو مجھے بڑے کام رہتے ہیں کوئی ایسی مختصر بات بتا دیجئے کہ جب وہ کرلوں تو وہی میرے لیے کافی ہو جائے آپ نے فرمایا تو پھر عصرین کی نگہداشت رکھنا ۔عصرین کا لفظ ہماری قوم کا محاورہ نہ تھا اس لیے میں نے پوچھا عصران کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا دو نمازوں کا نام ہے ایک طلوع آفتاب سے پہلے اور دوسری غروب آفتاب سے پہلے۔ (ابوداؤد)

(۳۹۷) عَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ بَایَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَنْ لَّا اَخِرَّ اِلَّا قَائِمًا. (رواہ احمد)

(۳۹۷) حکیم بن حزام روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر بیعت کی کہ میں اس کی کوشش کروں گا کہ میں نمازی مروں۔ (مسند احمد)

؂ ....میں دو نمازوں کی تخصیص سے بقیہ نمازوں کی معافی کا وہم نہیں کیا جا سکتا۔اسی طرح نصر بن عاصم کی حدیث میں بھی بقیہ نمازوں کی معافی کا وہم نہیں کرنا چاہیے۔فضالہ کی ان دو مفصل روایتوں سے حضرت استاد قدس سرہ کی رائے کی صریح تائید ہوتی ہے۔ہمارے نزدیک جو صحابی نصر بن عاصم کی حدیث میں مبہم رہ گئے ہیں وہ یہی فضالہ ہیں اور اس بنا پر ان دونوں روایتوں میں جو واقعہ مذکور ہے وہ فضالہ ہی کا ایک واقعہ ہوگا۔ان کی روایتوں سے یہ بات صاف طور پر واضح ہے کہ آپؐ نے ان کو بھی پہلے پانچ ہی نمازوں کی ادائیگی کا حکم دیا تھا لیکن جب انہوں نے ان اوقات میں اپنی مصروفیت کا عذر کیا تو آپؐ نے پہلے ہی مرحلہ پر ان کو زیادہ مقید کرنا قرین مصلحت نہ سمجھا بلکہ جس طرح ایک مشغول انسان کو وقت کی فرصت کے لحاظ سے اہم مقاصد کی زیادہ تاکید کر دی جاتی ہے اسی طرح ان کو بھی ان دو نمازوں کی تاکید زیادہ فرمادی جن میں بڑی سے بڑی مشغولی کے بعد بھی کوئی فروگذاشت قابل برداشت نہیں ہوسکتی۔یہاں کسی نماز کی معافی کا کوئی تصور نہ تھا پھر اس مفصل روئداد کو کسی راوی نے نصر بن عاصم کی حدیث میں اتنا مختصر کر ڈالا ہے کہ اس کے الفاظ سے تین نمازوں کی معافی کا ہی وہم پیدا ہونے لگا۔لیکن جب نصر اور فضالہ کی روایتوں میں ایک ہی واقعہ کا تذکرہ ہے تو پھر کسی راوی کے صرف لفظی اختصار کی وجہ سے اس کو دو علیحدہ علیحدہ واقعہ کی صورت دے دینا بالکل خلاف واقع ہوگا۔یہ امر بھی قابل یادداشت ہے کہ دو نمازوں کے متعلق آپؐ نے محافظت کا لفظ استعمال فرمایا ہے لغت عربی کے لحاظ سے یہ لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے۔جماعت، خشوع وخضوع اور رعایت آداب سب اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔اس بنا پر دو نمازوں کی زیادہ تاکید اور تین نمازوں میں توسیع کا دائرہ ان ہی امور تک محدود سمجھنا چاہیے۔یہاں نمازوں کے پڑھنے نہ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ نمازوں میں آداب وارکان کی زیادہ رعایت وعدم رعایت کا ذکر ہے پس آپؐ کی توسیع کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم کو ان اوقات میں فرصت نہ ملے تو اور نمازوں میں جماعت کی پابندی اور وقت معین کی اتنی قید نہیں ہے جتنی ان دو نمازوں میں ہے۔

(۳۹۷) * اس حدیث کی شرح میں مختلف اقوال ہیں ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے لا اموتُ اِلّا مصلیا یعنی اس کی کوشش کروں گا کہ میں نمازی مروں۔امام احمدؒ اس کا مطلب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نماز میں رکوع کیے بغیر سجدہ کیا کروں گا۔نسائی نے ؂....

(۳۹۸) عَنِ السَّدُوْسِيِّ يَعْنِي ابْنَ الْخَصَاصِيَّةِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَايِعَهُ فَاشْتَرَطَ عَلَيَّ شَهَادَةَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ اَنْ اُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَ اَنْ اُؤَدِّيَ الزَّكٰوةَ وَ اَنْ اَحُجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ وَ اَنْ اَصُوْمَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَ اَنْ اُجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَّا اثْنَتَانِ فَوَاللّٰهِ مَا اُطِيْقُهُمَا الْجِهَادُ وَ الصَّدَقَةُ فَاِنَّهُمْ زَعَمُوْا اَنَّ مَنْ وَلَّى الدُّبُرَ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ فَاَخَافُ اِنْ حَضَرْتُ تِلْكَ جَشِعَتْ نَفْسِيْ وَ كَرِهَتِ الْمَوْتَ وَ الصَّدَقَةُ فَوَاللّٰهِ مَالِيْ اِلَّا غُنَيْمَةٌ وَ عَشْرُ ذُوْدٍ هُنَّ رِسْلُ اَهْلِيْ وَ حَمُوْلَتُهُمْ قَالَ فَقَبَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ ثُمَّ حَرَّكَ يَدَهٗ ثُمَّ قَالَ فَلَا جِهَادَ وَ لَا صَدَقَةَ فَلِمَ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِذًا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اُبَايِعُكَ قَالَ فَبَايَعْتُ عَلَيْهِنَّ كُلِّهِنَّ.

(۳۹۸) سدوسی روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوا' آپؐ نے یہ شرط لگائی کہ میں گواہی دوں کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں اور اس بات کی کہ نماز باضابطہ پڑھا کروں گا' زکوٰۃ ادا کیا کروں گا' اسلامی طریقہ پر حج کروں گا' ماہ رمضان شریف کے روزے رکھا کروں گا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کروں گا - میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ان میں دو باتوں کی تو مجھ میں ہمت نہیں ایک جہاد' دوسرے صدقہ (جہاد کی تو اس وجہ سے) کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص جہاد میں بھاگ جائے اس پر خدا کا غضب ٹوٹ پڑتا ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں جہاد میں شریک ہوں تو میرا نفس کہیں بے صبری نہ کرے' اور موت سے ڈر نہ جائے - رہا صدقہ تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ بخدا میرے پاس صرف چند بکریاں اور دس اونٹ ہیں ان ہی کے دودھ پر میرے بچوں کی گذران ہے اور وہی ہم لوگوں کی سواریاں بھی ہیں - راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پیچھے کھینچ لیا پھر اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر فرمایا (واہ) جہاد بھی نہیں اور صدقہ بھی نہیں تو پھر جنت میں کیسے جاؤ گے - وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہؐ اچھا تو پھر میں ان شرائط ہی پر بیعت کیے لیتا ہوں اور ان سب باتوں پر بیعت کر لی - (مسند احمد)

(رواہ احمد و الطبرانی فی الکبیر و الاوسط و الحاکم فی مستدرکہ و صححہ الذہبی قال الہیثمی و رجال احمد موثوقون)

ﷺ.... اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے "باب کیف یحنی للسجود" یعنی سجدہ کے لیے کیسے جانا چاہیے - اس عنوان سے یہ نکلتا ہے کہ انہوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ میں سجدہ کے لیے پورا کھڑا ہونے کے بعد جایا کروں گا - واللہ تعالیٰ اعلم - اس حدیث میں کوئی شرط فاسد نہیں ہے بلکہ صرف ایک شرط کی مناسبت سے ذکر کر دی گئی ہے - حدیث بالا کا ترجمہ امام ابو عبیدؒ کی تفسیر کے مطابق کیا گیا ہے -

(۳۹۸) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطبین کی فہم کے اختلاف اور ان کی مختلف صلاحیتوں کے لحاظ سے اپنا پیرایہ گفتگو بھی مختلف رکھا ہے یہاں ابن الخصاصیہ کی معقول پسند طبیعت دیکھی اور اس کو جہاد اور صدقہ کی ادائیگی پر آمادہ پایا تو چند کلمات ترغیب ارشاد فرما کر اس کو ذرا ابھار دیا اور فضالہ کی حدیث میں جب وفد ثقیف کی مشہور درشت فطرت پر نظر کی تو ان سے کوئی حجت کرنی مناسب نہ سمجھی اور جن شرائط پر انہوں نے چاہا ان ہی پر بے تامل ان کو بیعت فرما لیا - مبادا افہام و تفہیم کی تنگی ان کو اسلام کی اتنی آمادگی سے بھی برگشتہ کر دے - بالخصوص جب کہ قرائن سے یہ واضح ہو چکا تھا کہ اسلام کی حلقہ بگوشی کے بعد احکام اسلامی کے ادائیگی میں جو پس و پیش سر دست ان کو تھا وہ آئندہ خود بخود جاتا رہے گا - اُدْعُ اِلَى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ کی تفسیر میں ان جیسے واقعات کو بھی خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے -

(۳۹۹) عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ بَايَعْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ عَلَيْنَا. اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَ نَهَانَا عَنِ النِّيَاحَةِ فَقَبَضَتْ امْرَءَةٌ مِنَّا يَدَهَا فَقَالَتْ فُلَانَةُ اَسْعَدَتْنِيْ وَ اَنَا اُرِيْدُ اَنْ اَجْزِيَهَا فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا فَذَهَبَتْ ثُمَّ رَجَعَتْ فَمَا وَفَتْ امْرَءَةٌ اِلَّا اُمُّ سُلَيْمٍ وَ اُمُّ الْعَلَاءِ وَ ابْنَةُ اَبِيْ سَبْرَةَ امْرَءَةُ مُعَاذٍ اَوْ اِبْنَةُ اَبِيْ سَبْرَةَ وَ امْرَءَةُ مُعَاذٍ.

(رواہ البخاری)

(۳۹۹) ام عطیہ روایت فرماتی ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپؐ نے ہمارے سامنے یہ آیت پڑھی ’’کہ خدا کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی‘‘ اور ہم کو نوحہ کرنے سے بھی روکا - اس پر ایک عورت نے (بیعت کرنے سے اپنا) ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ فلانی عورت ایک مرتبہ میرے یہاں نوحہ کرگئی تھی میں اس کا بدلہ اتارنا چاہتی ہوں یہ سن کر آپ نے کچھ نہ فرمایا وہ گئی اور نوحہ کر کے واپس آ گئی پھر (ان عورتوں میں جو اس وقت بیعت میں شریک تھیں) کسی عورت نے اس عہد کو پورا نہ کیا بجز ام سلیمؓ ام العلاء اور ابوسبرۃ کی دختر کے جو معاذ کی بیوی تھیں یا ابوسبرۃ کی دختر اور معاذ کی بیوی کے (شک راوی ہے) - (بخاری شریف)

(۴۰۰) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ اَنَّ وَفْدَ ثَقِيْفٍ لَمَّا قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْزَلَهُمُ الْمَسْجِدَ لِتَكُوْنَ اَرَقَّ

(۴۰۰) عثمان ابن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف کا وفد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپؐ نے ان کو مسجد میں مہمان ٹھہرایا تاکہ یہ ان کے دلوں پر اور زیادہ اثر انداز ہو انہوں نے اسلام لانے کے

(۳۹۹) * نوحہ کرنا اور اس کا بدلہ اتارنا عرب میں ایک ایسی لازمی سی رسم شمار ہوتی تھی کہ اس کو بخوشی ترک کر دینا ان کے لیے غیر ممکن تھا اس لیے آنحضرت نے اس مکروہ فعل کی گو صریح طور پر یہاں اجازت تو نہیں دی مگر اتنا اغماض ضرور فرمالیا کہ اگر کوئی چاہے تو اسلام لانے سے قبل اپنی اس حسرت کو بھی ایک بار اور نکال لے تاکہ اسلام کے بعد اس کے دل میں پھر کوئی خرخشہ ہی باقی نہ رہے - یہاں اس عورت کی اسی صاف گوئی کی تعریف منظور ہے کہ اگر انہوں نے ایک بار نوحہ کی آپ سے اجازت حاصل کر ہی لی تو کیا ہوا اس عہد کو اس طرح پورا بھی تو انہوں ہی نے کیا جس کی مثال بجز چند عورتوں کے اور پیش نہیں کر سکیں - صفائی کے موقعہ پر اس طرح عذر کرنا عرب کی فصاحت اور ان کا صرف ایک زورِ تعبیر تھا ان الفاظ سے یہ اخذ کرنا کہ دوسری عورتوں نے نوحہ کی عادت گویا ترک ہی نہ کی تھی اسالیب کلام سے بدذوقی کی دلیل ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان تمام واقعات سے یہ سمجھنا نہیں چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت اسلام کے وقت خلاف شرع شرطیں لگانے کی عام طور پر آئینی اجازت دے رکھی تھی بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ کسی فاسد شرط کی وجہ سے آپؐ نے اسلام قبول کرنے سے کسی کو اس لیے نہیں روکا کہ اسلام ایک عقد ہی ایسا ہے جو فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتا وہ شرطیں ہی خود فاسد ہو جاتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر اپنے مسلمان ہونے کے لیے یہ شرط لگائے کہ وہ شراب برابر پیتا رہے گا تو اس کو مسلمان ہونے سے روکنا نہیں چاہیے کیونکہ اگر وہ حرمت خمر کا معترف ہو کر شراب پیتا ہے تو بہت سے بہت فاسق ہوگا محض کافر سے تو پھر بہتر رہے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسلام کی حلاوت اس کی زبان سے شراب کا ذائقہ فراموش کرا دے تو پھر ایک گناہ کی وجہ سے اس کو ظلمات کفر میں ڈوبتا ہوا چھوڑ دینا کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے - (دیکھو جامع العلوم والحکم ص ۵۹)

(۴۰۰) * خطابیؒ فرماتے ہیں کہ تجبیہ لغت عرب میں جسم کا اگلا حصہ پست کرنے اور پچھلا بلند کرنے کو کہتے ہیں یہاں اس سے لفظ....

لِقُلُوْبِهِمْ فَاشْتَرَطُوْا عَلَيْهِ اَنْ لَا يُحْشَرُوْا وَلَا يُعَشَّرُوْا وَ لَا يُجَبُّوْا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكُمْ اَنْ لَا تُحْشَرُوْا وَ لَا تُعَشَّرُوْا وَلَا خَيْرَ فِيْ دِيْنٍ لَيْسَ فِيْهِ رُكُوْعٌ.

لیے یہ شرط لگائی کہ ان کو نہ تو کبھی جہاد کے لیے بلایا جائے گا نہ ان سے عشر لیا جائے گا اور نہ ان پر نماز پڑھنے کے لیے زور دیا جائے گا آپ نے فرمایا تم کو جہاد اور عشر کی تو معافی دی گئی- رہی نماز تو جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں- (ابوداؤد)

(رواہ ابوداؤد فی باب خبر الطائف قال المنذری قد قیل ان الحسن البصری لم یسمع من عثمان)

(۴۰۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ اِشْتَرَطَتْ ثَقِيْفٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا صَدَقَةَ عَلَيْهِمْ وَ لَا جِهَادَ وَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَيَتَصَدَّقُوْنَ وَ يُجَاهِدُوْنَ.

(رواہ احمد و ابوداؤد و اسنادہ لا باس بہ)

(۴۰۱) جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ ثقیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط لگائی کہ (ہم مسلمان تو ہوتے ہیں) مگر ہمارے اوپر نہ صدقہ لازم ہوگا نہ جہاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کا اسلام قبول کرلیا) اور فرمایا آئندہ یہ لوگ خود بخود صدقہ بھی ادا کریں گے اور جہاد بھی کریں گے- (احمد- ابوداؤد)

لے .... نماز پڑھنا مراد ہے- امام موصوف کا خیال ہے کہ جہاد اور زکوٰۃ کا استثناء بھی یہاں صرف صورۃً تھا کیونکہ جہاد ہمیشہ فرض نہیں ہوتا' زکوٰۃ بھی نصاب اور حولان حول پر موقوف ہوتی ہے اس لیے سردست ان کو ان دونوں سے سبکدوش کیا جا سکتا تھا' رہی نماز تو وہ ایک ایسی عبادت تھی جسے دن میں پانچ بار ادا کرنا ہر شخص پر فرض ہے- اس کا استثناء کسی کے حق میں گوارا نہیں کیا جا سکتا- نیز اس وفد ثقیف کے متعلق آپ کو یہ یقین حاصل ہو چکا تھا کہ آئندہ چل کر وہ اپنے شوق سے صدقہ بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے ایسی صورت میں ان کے ساتھ لفظی مناقشہ کرنا غیر ضروری تھا- (معالم السنن ج ۳ ص ۳۵)

(۴۰۱) * یہ وہی واقعہ ہے جو اوپر کی حدیث میں ابھی گذر چکا ہے اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عثمان بن ابی العاص کی حدیث میں آپ کا جہاد اور صدقہ کا استثناء فرمانا اس علم پر مبنی تھا کہ یہ لوگ اسلام کے رسوخ کے بعد اپنے شوق سے جہاد بھی کریں گے اور صدقہ بھی دیں گے اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک مبلغ کے لیے اصل مقاصد کا لحاظ رکھنا ضروری ہے- اور محض تعبیری اور لفظی مناقشات کرنا نامناسب ہے- بعض مرتبہ صرف لفظی گرفتوں سے اصل مقاصد ہی فوت ہو جاتے ہیں-

❀ ❀ ❀

يصح ايمان المقلد و لا يجب عليه المعرفة بالنظر

مقلد کا ایمان صحیح ہے اور اُس پر دلائل سیکھنا واجب نہیں

معتزلہ اور متکلمین کا ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ مقلد کا ایمان معتبر نہیں اس پر دلائل کی روشنی میں بھی توحید و رسالت حاصل کرنا واجب ہے- ان کے نزدیک ایمان ایسی تصدیق کا نام ہے جو تشکیک مشکک سے بھی زائل نہ ہو سکے ایسی تصدیق دلائل کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی- شیخ تاج الدین سبکی نے اس مسئلہ کی تحقیق فرماتے ہوئے تقلیدی ایمان کی چند صورتیں لکھی ہیں- (۱) یہ کہ اسلام کی حقانیت ہی پورے طور پر دل نشین نہ ہو اور قلب میں شک و تردد کی خلش باقی رہے- (۲) یہ کہ اسلام کی حقانیت کا اذعان اگرچہ حاصل ہو مگر نجاتِ ابدی کے لیے تمام دین یکساں نظر آئیں اور ان میں جس دین کو چاہے اس کا اختیار کرنا جائز سمجھے- (۳) یہ کہ اسلام کی حقانیت میں کوئی شک و تردد باقی نہ ہو نجاتِ ابدی صرف دین اسلام میں منحصر سمجھے- اور اسلام کے سوا کسی اور دین کا اختیار کرنا ایک لمحہ کے لیے بھی جائز نہ سمجھے- پہلی دو صورتیں یقیناً معتبر نہیں اور تیسری صورت بے شبہ معتبر ہے- خواہ ان مقاصد کے لیے دماغ میں ایک دلیل کا بھی تصور موجود نہ ہو-

اس حقیقت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ کے عہد مبارک میں کفار کے جو جم غفیر عین جنگ کی رعد و برق میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے ان سب کا اسلام معتبر مان لیا گیا اور کسی ایک واقعہ میں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان نومسلموں کو اسلام کے فرائض و واجبات کی طرح نظر و استدلال سیکھنے کی بھی کبھی دعوت دی گئی ہو-

صاحب روح المعانی بعض اکابر محققین سے ناقل ہیں کہ ایمان دراصل اس بدیہی تصدیق کا نام ہے جو خوش نصیبوں کے قلوب میں اس طرح سما جاتی ہے کہ اگر وہ خود بھی اسے نکالنے کی کوشش کریں تو نکال نہ سکیں' تاریخ میں ایسے لوگوں کی مثالیں کم نہیں جو دلائل پر غور و فکر کے بغیر اسلام لے آئے اور اس کے برخلاف ایسی مثالیں بہت ہیں جن کے سامنے حقانیت اسلام کے دلائل روزِ روشن کی طرح عیاں تھے مگر اس کے باوجود وہ اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم رہے- ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ﴾ (النمل : ١٤) اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ خیال سراسر غلط ہے کہ ایمان و یقین کا حاصل ہونا صرف دلائل کی پرورش ہی پر موقوف ہوتا ہے بلکہ دلائل کی روشنی میں حاصل شدہ ایمان یکسر نا قابل وثوق اور حقیقت اذعان سے معریٰ ہوتا ہے- اس میں یہ احتمال ہر وقت قائم رہتا ہے کہ اگر دلائل دوسری جانب واضح ہو جائیں تو اسی وقت یہ ایمان بھی دوسری جانب منتقل ہو جائے-

شیخ اکبرؒ فتوحاتِ مکیہ میں امام حجۃ الاسلام کی کتاب فیصل التفرقہ سے نقل فرماتے ہیں کہ متکلمین کی اس جماعت کا غلو اور

حق سے انحراف بھی کس درجہ تعجب خیز ہے جو عوام کا ایمان صرف اس لیے معتبر نہیں مانتے کہ ان کو حقانیت اسلام کا یقین متکلمین کے مخترع دلائل کے مطابق حاصل نہیں ہوتا یہ جماعت ان متواتر واقعات سے بھی واقف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود اور صحابہؓ کے مبارک دور میں بہت سے جاہل بت پرستوں کا ایمان معتبر مان لیا گیا تھا حالانکہ نہ خود ان کو دلائل کا علم حاصل تھا اور نہ کسی نے بعد میں ان کو دلائل کی تعلیم دی تھی' اور اگر بالفرض ان کو تعلیم دی بھی جاتی تو وہ اپنے جہل کی وجہ سے ان کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے بندہ کے قلب میں ڈال دیتا ہے اس کا ظاہری سبب کبھی تو کوئی باطنی تحریک ہو جاتی ہے جیسے کوئی خواب اور کبھی کسی دین دار کی زیارت روایات سے ثابت ہے کہ بعض منکرین آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے روئے انور پر نظر ڈالنے کے ساتھ ہی بے ساختہ بول اٹھے کہ یہ چہرہ کاذب کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں ان میں ایک شخص بھی بعد میں دلائل کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول نہیں ہوا بلکہ وہی ایک نور ایمانی کا ذرہ جو ان کے قلب میں پہلی بار پڑ گیا تھا تلاوت قرآن وغیرہ کے ذریعہ خود بخود پھیلتا چلا گیا۔ کاش ہمیں کوئی بتاتا کہ کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدوثِ عالم کے دلائل شکل اول اور ایجاب صغریٰ اور کلیہ کبریٰ کے شرائط کے ساتھ کسی کو تعلیم دیئے تھے' کب کسی سے فرمایا تھا کہ العالم متغیر وکل متغیر حادث. یا اس کے ہم معنی الفاظ کی تعلیم دی تھی۔ ہاں اس کے برخلاف یہ ضرور ثابت ہے کہ ٹھیک جنگ میں لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے پھر بعد میں ان کو صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے احکام تو سکھائے جاتے مگر توحید و رسالت کے دلائل کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہ کی جاتی مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ متکلمین کے دلائل بھی ایمان کا ایک سبب بن سکتے ہیں۔ مگر اس امر کے تسلیم کرنے میں بہت تامل ہے کہ ایمان صرف دلائل کی پشت پناہی پر موقوف ہے۔ میرے نزدیک وہ ایمان جو دلیل پر مبنی ہو ضعیف ترین ایمان ہے۔ راسخ اور قوی ایمان وہ ہے جو اخبار متواترہ کے ذریعہ سے دور طفولیت ہی میں نصیب ہو جاتا ہے یا بلوغ کے بعد ایسے قرائن کے ذریعہ میسر آ جاتا ہے جن کو اگر زبان سے ادا کرنا چاہیں تو بھی ادا نہیں کر سکتے یہی وہ ایمان ہے جو شک و تردد سے محفوظ ہوتا ہے کیونکہ شک و تردد کا محل دلائل ہوتے ہیں جہاں دلائل نہیں وہاں شک و تردد بھی نہیں۔ (روح المعانی ج ۲۶ ص ۵۷ و ۵۸ اور الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۲۵۵)

❀ ❀ ❀

(۴۰۲) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِیْدِ اِلٰی بَنِیْ جَذِیْمَۃَ فَدَعَا ھُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَلَمْ یُحْسِنُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اَسْلَمْنَا فَجَعَلُوْا یَقُوْلُوْنَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ یَقْتُلُ وَ یَأْسِرُ وَ دَفَعَ اِلٰی کُلِّ رَجُلٍ مِنَّا اَسِیْرَہٗ حَتّٰی اِذَا کَانَ یَوْمٌ اَمَرَ خَالِدٌ اَنْ یَّقْتُلَ کُلُّ رَجُلٍ مِنَّا اَسِیْرَہٗ فَقُلْتُ لَا اَقْتُلُ اَسِیْرِیْ وَ لَا یَقْتُلُ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِیْ اَسِیْرَہٗ حَتّٰی قَدِمْنَا عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرْنَا لَہٗ فَرَفَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدَہٗ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَیْنِ.

(۴۰۲) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف روانہ کیا وہ گئے اور ان کے سامنے دعوت اسلام پیش کی انہیں لفظ اَسْلَمْنَا تو (ہم اسلام لائے) کہنا نہ آیا اور اس کی بجائے وہ صَبَأْنَا صَبَأْنَا کہنے لگے (یعنی ہم اپنے دین سے پھر گئے) خالد بن ولیدؓ نے (یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے) انہیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا اور فوج کے ہر شخص کو ایک ایک قیدی سپرد کر دیا۔ (اور اس کے قتل کا ایک دن مقرر کر دیا) جب وہ دن آیا جس دن کہ خالد نے اس کا حکم دیا تھا کہ ہم میں ہر فوجی اپنے اپنے قیدی کو قتل کرے گا تو میں نے کہا نہ تو میں اپنے قیدی کو خود قتل کروں گا اور نہ میرا کوئی اور رفیق قتل کرے گا یہاں تک کہ جب ہم آپؐ کی خدمت میں پہنچے تو ہم نے یہ واقعہ آپؐ کے سامنے پیش کیا آپؐ نے سن کر فوراً اپنے دست مبارک اٹھا دیئے اور دو بار فرمایا اے اللہ! خالد نے جو غلطی کی میں اس سے اپنی علیحدگی کا اظہار کرتا ہوں۔ (بخاری شریف)

یصح الاسلام و ان کان من خوف القتل

جان بچانے کے خوف سے اسلام لانا بھی معتبر ہو جاتا ہے

(۴۰۳) عَنْ عُتْبَۃَ بْنِ مَالِکٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَرِیَّۃً فَاَغَارُوْا عَلٰی قَوْمٍ فَشَذَّ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَاتَّبَعَہٗ رَجُلٌ مِنَ السَّرِیَّۃِ مَعَہُ السَّیْفُ شَاھِرٌ فَقَالَ الشَّاذُّ مِنَ الْقَوْمِ اِنِّیْ مُسْلِمٌ فَلَمْ یَنْظُرْ فِیْھَا فَضَرَبَہٗ فَقَتَلَہٗ فَنَمَی الْحَدِیْثُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَوْلًا شَدِیْدًا فَبَلَغَ الْقَاتِلَ فَبَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ اِذْ قَالَ الْقَاتِلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَ اللّٰہِ مَا قَالَ الَّذِیْ قَالَ اِلَّا تَعَوُّذًا مِّنَ الْقَتْلِ فَاَعْرَضَ عَنْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

(۴۰۳) عتبہ بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلہ کے مقابلہ میں فوج کا ایک مختصر دستہ بھیجا انہوں نے جا کر اس پر حملہ کیا ان میں کا ایک شخص اکیلا بھاگ نکلا اسلامی فوج کے ایک سپاہی نے کھینچی ہوئی تلوار لے کر اس کا پیچھا کیا اس اکیلے بھاگنے والے شخص نے کہا میں اسلام قبول کرتا ہوں مگر اس سپاہی نے ایک نہ سنی اور تلوار مار کر اسے ٹھنڈا ہی کر دیا۔ شدہ شدہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی آپؐ نے اس کے متعلق سخت الفاظ فرمائے جب یہ خبر قاتل کو معلوم ہوئی تو (وہ حاضر ہوا) اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اس قاتل نے کہا یا رسولؐ اللہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے اسلام قبول کیا تھا آپ نے اس کی طرف سے اور جو لوگ اس طرف موجود تھے

---

(۴۰۳) * قسطلانی نقل کرتے ہیں کہ یہ فوجی دستہ دعوتِ اسلام کی غرض سے روانہ کیا گیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کو لفظ اسلام کہنے کا سلیقہ بھی حاصل نہ تھا ان میں دلائل قطعیہ سوچنے کی صلاحیت کہاں ہو سکتی تھی اس کے باوجود ان کا اسلام معتبر سمجھ لیا گیا تھا۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَنْ مَنْ قِبَلِهِ مِنَ النَّاسِ وَ اَخَذَ فِيْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ قَالَ الثَّانِيَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَا قَالَ الَّذِيْ قَالَ اِلَّا تَعَوُّذًا مِنَ الْقَتْلِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَنْ مَنْ قِبَلِهٖ مِنَ النَّاسِ وَاَخَذَ فِيْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ لَمْ يَصْبِرْ اَنْ قَالَ الثَّالِثَةَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا قَالَ الَّذِيْ قَالَ اِلَّا تَعَوُّذًا مِّنَ الْقَتْلِ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُعْرَفُ الْمَسَاءَةُ فِيْ وَجْهِهٖ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَبٰى عَلَيَّ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا قَالَهَا ثَلَاثًا.

(رواه الحاكم في المستدرك ص ۱۹ قال الذهبي على شرط مسلم)

سب سے اپنا روئے مبارک پھیرلیا' اور خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے اس نے دوبارہ کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے اسلام قبول کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کی طرف سے اور جو لوگ ادھر تھے ان سے اپنا چہرۂ مبارک پھیرلیا اور خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے اس شخص سے رہا نہ گیا اس نے پھر سہ بارہ کہا یا رسولؐ اللہ خدا کی قسم اس نے صرف جان بچانے کے لیے اسلام قبول کیا تھا اب کی بار آپؐ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور آثارِ ناگواری چہرہ انور پر نمایاں تھے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مؤمن کے قاتل کا عذر قبول کرنے کی مجھے اجازت نہیں دی۔ تین بار فرمایا۔ (حاکم)

(۴۰۴) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ لَقِيْتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَقَاتَلَنِيْ فَضَرَبَ اِحْدٰى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَ مِنِّيْ بِشَجَرَةٍ فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ اَنَا اَقْتُلُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَعْدَ اَنْ قَالَهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ قَدْ قَطَعَ يَدِيْ ثُمَّ قَالَ ذَالِكَ بَعْدَ اَنْ قَطَعَهَا اَفَاَقْتُلُهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ فَاِنْ قَتَلْتَهٗ فَاِنَّهٗ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَهٗ وَ اِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يَقُوْلَ كَلِمَةُ الَّتِيْ قَالَ. (رواه مسلم)

(۴۰۴) مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ اگر کافروں میں کسی شخص سے میرا مقابلہ ہو جائے اور وہ مجھ سے جنگ کرنے لگے اور میرا ایک ہاتھ تلوار سے کاٹ دے پھر مجھ سے ایک درخت کی پناہ لے اور کہے کہ میں خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے اسلام قبول کرتا ہوں تو یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کلمہ کے بعد کیا میں اس کو قتل کر سکتا ہوں آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں' میں نے کہا یا رسول اللہ اس نے تو یہ کلمہ اس وقت کہا ہے جب پہلے میرا ہاتھ کاٹ لیا ہے پھر میں اسے کیسے قتل نہ کروں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہرگز قتل نہ کرنا کیونکہ اگر اسے قتل کرو گے تو اب وہ ایسا ہی قابل احترام مسلمان ہو گیا ہے جیسا تم اس کے قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اب اسی طرح مباح الدم ہو جاؤ گے جیسا وہ اس کلمہ کے پڑھنے سے پہلے تھا۔ (مسلم)

(۴۰۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

(۴۰۵) عقبہ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۴۰۴) * یعنی تم اس کے قتل کرنے سے پیشتر ایک معصوم الدم مسلمان تھے اور اب اس کے قتل کے بعد ایک مباح الدم انسان ہو جاؤ گے جیسا وہ کلمہ اسلام پڑھنے سے قبل ایک مباح الدم کافر تھا اور اب اس کلمہ کی بدولت ایک معصوم الدم مسلمان بن گیا ہے۔

(۴۰۵) * ظاہر ہے کہ جنگ کے ان حالات میں دلائل پر غور کرنے کی کسے فرصت ہو سکتی ہے اس لیے ان حالات میں صرف تقلیدی اسلام ہو سکتا ہے پھر جب اس پر بھی نظر ڈالی جائے کہ جنگ کے بعد ان نو مسلموں کا حال کیا رہا تو نہ خود ان کی طرف سے دلائل حقانیت للہ ....

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ الرَّجُلِ يَقْتُلُ الرَّجُلَ وَ هُوَ يَقُوْلُ اَنَا مُسْلِمٌ فَقَالَ الْقَاتِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا قَالَهَا مُتَعَوِّذًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ هٰكَذَا وَ كَرِهَ مَقَالَتَهٗ وَ حَوَّلَ وَجْهَهٗ عَنْهُ فَقَالَ اَبَى اللّٰهُ عَلَيَّ مَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا اَبَى اللّٰهُ عَلَيَّ مَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا۔

(رواہ الحاکم)

خطبہ دیا اور حمد وثنا کے بعد فرمایا اس شخص کا بھی کیا حال ہے جو ایسے شخص کو بھی مار ڈالتا ہے جو برابر اپنی زبان سے یہ اقرار کر رہا ہے کہ میں مسلمان ہوں- (یہ سن کر) قاتل نے عذر کیا یا رسول اللہ یہ کلمہ تو اس نے صرف پناہ لینے کے لیے کہہ دیا تھا' آپؐ کو اس کی یہ بات ناپسند ہوئی اور آپؐ نے اپنا چہرۂ مبارک اُس کی طرف سے پھیر لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کے قاتل کا عذر قبول کرنے کے لیے مجھ سے انکار فرما دیا ہے- (دو بار فرمایا)

(حاکم)

(۴۰۶) اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ يَقُوْلُ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْحُرَقَةِ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَا هُمْ وَ لَحِقْتُ اَنَا وَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ رَجُلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا غَشِيْنَاهُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَكَفَّ الْاَنْصَارِيُّ فَطَعَنْتُهٗ بِرُمْحِيْ حَتّٰى قَتَلْتُهٗ فَلَمَّا قَدِمْنَا بَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اُسَامَةُ اَقَتَلْتَهٗ بَعْدَ مَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قُلْتُ كَانَ مُتَعَوِّذًا

(۴۰۶) اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبیلہ حرقہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا ہم نے صبح صبح ان پر جا کر چھاپا مارا اور ان کو شکست دے دی- میں نے اور ایک انصاری شخص نے ان کے ایک آدمی کا پیچھا کیا جب اس کو گھیر لیا تو اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ (یہ سن کر) وہ انصاری تو رک گیا مگر میں نے اس کے نیزہ مار ہی دیا' جب ہم واپس ہوئے تو یہ خبر آپ تک بھی پہنچ گئی آپ نے فرمایا اے اسامہؓ! کیا لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر ڈالا' میں نے عرض کیا وہ تو اس بہانہ سے اپنی جان بچا رہا تھا' آپؐ تھے کہ بار بار یہی بات فرمائے جاتے تھے یہاں

☜ ...معلوم کرنے کا کوئی ذوق وشوق ثابت ہوتا ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کی گردن پر اس کا بار ڈالا جاتا ہے کیا اس سے یہ صاف نتیجہ نہیں نکلتا کہ ایمان کے لیے دلائل کا حاصل کرنا کوئی ضروری امر نہیں تھا صرف اطمینانِ قلبی اور آئندہ اطاعت کا عزم کر لینا کافی سمجھا جاتا تھا- اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ڈر کر اسلام لے آنا ہی معتبر ہے-

(۴۰۶) ٭ شارح عقیدہ سفارینی نے امام بخاری جیسے جلیل القدر حافظ حدیث کی طرف یہ نسبت کر دی ہے کہ خوف کی حالت کا اسلام معتبر نہیں ہوتا- (شرح عقیدہ سفارینی ج ا ص ۳۶۸) حضرت استاد قدس سرہ کے نزدیک یہ نسبت خلاف واقعہ ہے وہ فرماتے تھے کہ جو اسلام جان بچانے کی نیت سے صرف نمائشی طور پر ہو' قلب کو اذعان وسکون کا اس میں ایک ذرّہ بھی نصیب نہ ہو یا اس میں شک وتردد کی خلش باقی رہے- تو بے شبہ یہ اسلام معتبر نہ ہونا چاہیے اور اسی قسم کا اسلام امام بخاریؒ کی مراد ہو سکتا ہے لیکن اگر قلب یقین واذعان سے معمور ہو چکا ہے شک وتردد کی اس میں کوئی گنجائش نہیں رہی تو ایسا اسلام قطعاً معتبر ہے- امام بخاریؒ ہرگز اس کے مخالف نہیں ہو سکتے اور کیسے مخالف ہو سکتے ہیں جب کہ تاریخ اسلام ایسے افراد سے بھری پڑی ہے جو شمشیروں کی جھنکاروں میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اس کے باوجود ان کا اسلام قبول کرنے میں ذرا تردد نہیں کیا گیا اور اسی لیے جب خوف وہراس کی فضا چھٹ گئی تو ان لوگوں نے کبھی اپنے اصل مذہب کی طرف رجوع کا اعلان نہیں کیا- کیا یہ اس امر کا کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے کہ جو اسلام وہ خوف کی فضا میں قبول کر چکے تھے وہ صرف نمائشی نہ تھا بلکہ صمیم قلب سے تھا ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ بعد میں وہ اس حقیقت کا اعلان نہ کر دیتے اس تاریخی ثبوت سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ خوف کی حالت ☜ ....

فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنِّيْ لَمْ اَكُنْ اَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَالِكَ الْيَوْمِ (متفق عليه) (و فِي طَرِيق عن مسلم) قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰه اِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السِّلَاحِ قَالَ اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتّٰى تَعْلَمَ قَالَهَا اَمْ لَا وَفِيْ طَرِيْقٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا اُسَامَةَ فَسَاَلَهُ اِلٰى اَنْ قَالَ فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَ تْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْتَغْفِرْلِيْ قَالَ فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَ تْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَجَعَلَ لَا يَزِيْدُ عَلٰى اَنْ يَّقُوْلَ فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَ تْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

تک کہ مجھے یہ آرزو ہونے لگی کہ کاش میں آج سے قبل مسلمان نہ ہوا ہوتا (تاکہ آج مسلمان ہونے کی وجہ سے میرا یہ گناہ بھی بخش دیا جاتا) مسلم کے ایک طریقہ میں یہ اور ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے تو یہ کلمہ ہتھیار کے ڈر سے صرف زبانی پڑھ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ پتہ چل جاتا کہ اس نے دل سے پڑھا تھا یا نہیں۔ ایک اور طریقہ میں ہے کہ آپ نے اسامہ کو بلایا اور ان سے دریافت کیا تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا۔ اس سلسلہ میں فرمایا جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لیے استغفار فرمائیے آپ یہی فرماتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو اس وقت تم اس کا کیا جواب دو گے۔ آپ ان کے اصرار پر بھی یہی ایک جواب دیتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے۔

الكراهية الطبعية لاتخالف صحة الاسلام اذا انقادله بقلبه

طبعی کراہت صحت اسلام کے منافی نہیں بشرطیکہ قلب اپنے اختیار سے اسلام کا حلقہ بگوش ہو جائے

(۴۰۷) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى

(۴۰۷) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا

لہ ..... میں یا دلائل کے بغیر یقین واذعان حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ مذہب کی تبدیلی جس طرح دلائل کی بنیاد پر ہو سکتی ہے اسی طرح طمع دنیوی یا کسی خوف و ہراس کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے اور ہر صورت میں اگر انسان اپنے قدیم مذہب کے چھوڑنے اور دین اسلام کے اختیار کر لینے پر راضی ہو چکا ہے تو گو اس کے اسلام قبول کرنے کا سبب قابل تعریف نہ ہو لیکن اس کے اسلام قبول کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا جا سکتا۔ وفد عبدالقیس کے حق میں آپ کے مدحیہ کلمات غیر خزایا و لا ندامی۔

اسی طرف اشارہ تھے کہ ان کا اسلام کسی خوف و طمع کی بنیاد پر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ اس قبیلہ کے سوا جن بعض قبائل نے خوف کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا وہ ہر چند کہ قابل تعریف نہ تھا مگر تاہم معتبر تھا۔

(۴۰۷) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر قلب اسلام قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو چکا ہے تو پھر وہ طبعی کراہت جو مدت دراز تک کفر کی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر باقی رہ گئی ہے صحت اسلام کے منافی نہیں۔ اب بھی بہت سے مسلمان ہیں جن کو زکوٰۃ ادا کرنا، نماز با جماعت اور دیگر ارکان اسلام بجالانا بارگراں ہی معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ گرانی غیر اختیاری ہوتی ہے اس لیے ان کے اختیاری اسلام کے منافی نہیں سمجھی جاتی پھر نور اسلام میں جتنا انفساح جتنی کشادگی پیدا ہوتی جاتی ہے اتنی ہی یہ گرانی، خود بخود کم ہوتی جاتی ہے لہ .....

اَللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ اَسْلِمْ قَالَ اَجِدُنِیْ کَارِھًا قَالَ اَسْلِمْ وَ اِنْ کُنْتَ کَارِھًا

اسلام قبول کرلو اس نے کہا میں تو اپنے دل میں کچھ کراہت سی محسوس کرتا ہوں- آپ نے فرمایا اسلام قبول کرلو اگر چہ کراہت محسوس ہو- (رفتہ رفتہ یہ کراہت نکل جائے گی-) (احمد)

(رواہ احمد و رجالہ من رجال الصحیحین و ھو من ثلاثیات الامام احمد و اوردہ السیوطی فی الجامع الصغیر و عزاہ للامام احمد و ابی یعلی و ایضاء المقدسی و رمزلہ بالصحۃ.)

یعتبر اسلام الاسیر و ان لم یفلح کل الفلاح

قیدی کا اسلام بھی معتبر ہے مگر اس کو قید سے رہا نہ کیا جائے گا

(۴۰۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ کَانَ ثَقِیْفُ حَلِیْفًا لِبَنِیْ عُقَیْلٍ فَاَسَرَتْ ثَقِیْفُ رَجُلَیْنِ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَسَرَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ بَنِیْ عُقَیْلٍ فَاَوْثَقُوْہُ فَطَرَحُوْہُ فِی الْحَرَّۃِ فَمَرَّبِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَنَادَاہُ یَا مُحَمَّدُ یَا مُحَمَّدُ فِیْمَا اُخِذْتُ قَالَ بِجَرِیْرَۃِ حُلَفَاءِ کُمْ ثَقِیْفٍ فَتَرَکَہٗ وَمَضٰی فَنَادَاہُ یَا مُحَمَّدُ یَا مُحَمَّدُ فَرَحِمَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَرَجَعَ قَالَ مَاشَأنُکَ قَالَ اِنِّیْ مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْ قُلْتَھَا وَاَنْتَ تَمْلِکُ اَمْرَکَ اَفْلَحْتَ کُلَّ الْفَلَاحِ قَالَ فَفَدَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالرَّجُلَیْنِ الَّذَیْنِ اَسَرَتْھُمَا ثَقِیْفُ. (رواہ مسلم)

(۴۰۸) عمران بن حصین روایت فرماتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف بنی عقیل کے حلیف تھے ثقیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیؓ پکڑ لیے تھے اس لیے آپ کے صحابہؓ نے بھی بنی عقیل کا ایک شخص پکڑ لیا اور اس کو باندھ کر مدینہ کے سنگستان میں ڈال دیا- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گذرے تو اس نے آپ کو او محمدؐ او محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کے آواز دی اور کہا بھلا مجھے کس جرم میں گرفتار کیا ہے فرمایا تیرے حلیف ثقیف کے جرم میں (انہوں نے ہمارے دو شخص گرفتار کر رکھے ہیں) آپ نے اسے پڑا رہنے دیا اور تشریف لے گئے اس نے پھر او محمدؐ او محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر آواز دی آپ کو اس پر رحم آ گیا آپ واپس ہوئے اور فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے وہ بولا میں مسلمان ہوتا ہوں آپ نے فرمایا کہ یہ بات اگر تو اس وقت کہتا جب تو گرفتار نہ ہوا تھا تو پورے طور پر کامیاب ہوجاتا راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کو ان دو شخصوں کے بدلہ میں دے دیا جن کو ثقیف نے پکڑ لیا تھا- (مسلم)

(۴۰۹) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ

(۴۰۹) ابوہریرہؓ سے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ کی تفسیر میں منقول ہے کہ لوگوں کے حق

ؒ..... ہے- دور اول میں اکثری طور پر تو اسلام کی صداقت کا یقین بدیہی طور پر حاصل ہوتا تھا' انکار و انحراف جو کچھ بھی ہوتا وہ صرف ضد عصبیت اور غیرت قومی کی بنا پر ہوتا اس لیے جب کبھی وہ کسی باعث سے اسلام قبول کرتے تو ان کا اسلام قلبی طور پر ہی ہوتا تھا- اگر کسی کو طبعی کراہت ہوتی تو یہ بھی بہت شاذ و نادر تھی- یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں ذکر کراہت کا ہے اکراہ کا نہیں- بعض نادان اس حدیث میں اکراہ اور کراہت میں فرق نہیں کرتے-

أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ قَالَ خَيْرُ النَّاسِ لِلنَّاسِ يَاْتُوْنَ بِهِمْ فِي السَّلَاسِلِ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ حَتّٰى يَدْخُلُوْا فِي الْإِسْلَامِ. (بخاری)

میں تمہاری بہتری اور خیریت یہ ہے کہ تم کافروں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال ڈال کر انہیں قید کر کے لاتے ہو یہاں تک کہ ان کے دلوں میں اسلام کی حقانیت سما جاتی ہے اور وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ (بخاری شریف)

جواز استسرار الایمان للخائف

خوف کی حالت میں اپنا ایمان پوشیدہ رکھنا درست ہے

(۴۱۰) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْصُوْلِيْ كَمْ يَلْفِظُ الْإِسْلَامَ قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَخَافُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ مَا بَيْنَ السِّتِّ مِائَةِ اِلَى السَّبْعِ مِائَةٍ قَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّكُمْ اَنْ تُبْتَلُوْا قَالَ فَابْتُلِيْنَا حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا لَا يُصَلِّيْ اِلَّا سِرًّا. (رواہ مسلم و البخاری)

(۴۱۰) حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک غزوہ میں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ نے ارشاد فرمایا مجھے شمار کر کے کلمہ گو لوگوں کی تعداد بتاؤ۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ہمارے متعلق کچھ اندیشہ ہے حالانکہ اس وقت ہم چھ اور سات سو کے درمیان ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نہیں جانتے شاید (آئندہ) تم کسی آزمائش میں ڈالے جاؤ۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا اور نوبت یہاں تک آ گئی کہ ہم میں ایک شخص کو نماز بھی چھپ چھپ کر پڑھنی پڑی۔ (مسلم۔ بخاری)

---

(۴۱۰) * نووی کہتے ہیں کہ لفظ السِّتّ مائۃ نحوی قاعدہ کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے لیکن مسلم کے علاوہ دوسری کتب میں بھی لفظ ستمائۃ الف لام کے بغیر بھی روایت کیا گیا ہے یہ بالکل بے غبار ہے۔ دوسرا اشکال اس روایت میں لشکر کی تعداد کے مطابق ہے۔ امام بخاری کے یہاں ڈیڑھ ہزار کی تعداد مذکور ہے۔ شارحین نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی تشفی بخش نہیں ہے۔ حضرت استاد کے نزدیک جو اختلافات ذیل کے قصے میں پیدا ہو جائیں اگر ان سے کوئی حکم شرعی مستنبط نہیں ہوتا تو ان کے فیصلے کے درپے ہونا مفت کی دردسری ہے۔ ہاں اگر صرف تاریخی لحاظ سے کوئی شخص اس طرف توجہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

یہاں ہماری غرض صرف یہ ہے کہ خوف و ہراس کی زندگی میں اس امر کی اجازت ہے کہ اسلامی احکام چھپ کر ادا کر لیے جائیں۔ مگر یہ مرحلہ زیر بحث رہے گا کہ اس اخفاء کی اجازت کن حالات میں دی جا سکتی ہے۔ ایک بزدل کو اپنی زندگی ہر جگہ اور ہر وقت خوف و ہراس کی زندگی نظر آتی ہے۔ اسلامی احکام میں ایسے بزدلوں کی رعایت نہیں کی جا سکتی جیسا کہ ان بہادروں کو بھی معیار نہیں بنایا جا سکتا جن کے سامنے عاقبت اندیشی سے پہلے جانبازی کی منزل آ جاتی ہے وہ خوف و ہراس کے میدانوں کو سکون و اطمینان کی آرام گاہیں تصور کر لیتے ہیں ایک عالمگیر مذہب کو جوش اور ہوش دونوں کی تعلیم دینی چاہیے اس لیے مصلحت کے وقت اسلام نے اخفاء ایمان کی بھی اجازت دے دی ہے حتیٰ کہ بصورت اکراہ دلی زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کی بھی رخصت دے دی گئی ہے بشرطیکہ دل اندر سے مطمئن رہے۔ اگرچہ افضل اب بھی یہی ہے کہ اپنی جان قربان کر دے اور کلمہ کفر زبان سے ادا نہ کرے۔

دی کس خوشی سے جان تہِ تیغ داغ نے　　لب پہ تبسم اور نظر یار کی طرف

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اخفاء ایمان اور اظہار کفر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اخفاء ایمان کا یہ مطلب نہیں کہ کلماتِ کفر زبان سے نکالے اور اعمال کفر کر ڈالے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو احکام اسلام وہ امن کی حالت میں کھلم کھلا ادا کیا کرتا تھا اب حالت خوف میں وہ چھپ کر ادا کر سکتا ہے اس سے کفر کے افعال ادا کرنے کی رخصت سمجھ لینا سخت مہلک غلطی ہے۔

(۴۱۱) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فِيْهَا الْمِقْدَادُ بْنُ الْاَسْوَدِ فَلَمَّا اَتَوُا الْقَوْمَ وَجَدُوْهُمْ قَدْ تَفَرَّقُوْا وَ بَقِيَ رَجُلٌ لَهُ مَالٌ كَثِيْرٌ لَمْ يَبْرَحْ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَهْوٰى اِلَيْهِ الْمِقْدَادُ فَقَتَلَهُ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِهِ اَقَتَلْتَ رَجُلًا شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهِ لَاَ ذْكُرَنَّ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ رَجُلًا شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَتَلَهُ الْمِقْدَادُ فَقَالَ اُدْعُوْا اِلَيَّ الْمِقْدَادَ يَا مِقْدَادُ اَقَتَلْتَ رَجُلًا يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَكَيْفَ لَكَ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ غَدًا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمِقْدَادِ كَانَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ يُخْفِيْ اِيْمَانَهُ مَعَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَاَظْهَرَ اِيْمَانَهُ فَقَتَلْتَهُ وَ كَذٰلِكَ كُنْتَ تُخْفِيْ اِيْمَانَكَ بِمَكَّةَ.

(رواه البزار و روى اخره البخارى تعليقًا)

(۴۱۱) سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک مختصر دستہ (ایک کافر جماعت کی طرف) روانہ کیا - اس میں مقداد بن الاسود بھی شامل تھے - جب وہ دستہ ان کے پاس پہنچا تو وہ (پہلے ہی) ادھر ادھر بھاگ چکے تھے صرف ایک شخص جو بڑا مال دار تھا اپنی جگہ باقی رہ گیا تھا' وہ اپنی جگہ سے کہیں نہ گیا تھا اس نے (انہیں دیکھ کر) کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ - مقدادؓ اس کے باوجود اس کی طرف بڑھے اور اس کو مار ڈالا ان کے رفقاء میں ایک شخص نے کہا آپ نے اس شخص کو جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تھا کیسے قتل کر دیا - بخدا یہ بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر رہوں گا - جب یہ لوگ آپؐ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص نے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے دی تھی اس کے باوجود مقدادؓ نے اس کو قتل کر ڈالا - آپؐ نے فرمایا مقداد کو میرے سامنے بلاؤ (مقداد آئے تو آپؐ نے فرمایا) مقداد! کیا تم نے اس شخص کو بھی قتل کر ڈالا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تھا (بولو) قیامت میں اس کلمہ کا کیا جواب دو گے اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی - اے ایمان والو! جب کہیں سفر کے لیے جایا کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جب کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ مت کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں - کیا تم دنیا کی دولت چاہتے ہو تو سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت سی غنیمتیں ہیں تم بھی پہلے ایسے ہی تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اس لیے آئندہ تحقیق کر لیا کرو - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدادؓ سے کہا یہ ایک مؤمن شخص تھا جو کافروں میں اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا - اس نے اپنا ایمان ظاہر کیا تو تم نے اسے قتل کر دیا - آخر تم بھی تو جب مکہ مکرمہ میں تھے تو اسی طرح اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے - (بزار)

يصح الاسلام باخص افعال الاسلام و ان لم يتلفظ بشيء

اگر کافر کوئی اسلامی شعار ادا کر کے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دے تو اس کا اسلام معتبر ہو جائے گا خواہ وہ زبان سے کچھ نہ کہے

(۴۱۲) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً اِلٰى خَثْعَمَ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ مِنْهُمْ بِالسُّجُوْدِ فَاَسْرَعَ فِيْهِمُ الْقَتْلُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَلَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَ قَالَ اَنَا بَرِيٌّ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ مُقِيْمٍ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ قَالَ لَا تَتَرَا اٰى نَارَا هُمَا. (رواہ ابو داؤد)

(۴۱۲) جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک چھوٹا سا دستہ قبیلہ خثعم کی سمت روانہ کیا- ان میں سے کچھ لوگوں نے سجدہ میں گر کر اپنی جان بچانی چاہی (لشکر اسلام نے اس کی پرواہ نہ کی) اور کسی تاخیر کے بغیر ان کو قتل کر ڈالا جب یہ واقعہ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کی نصف دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا میں ہر ایسے مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کی جماعت میں گھس کر رہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیوں؟ فرمایا دونوں کو اتنے فاصلہ پر رہنا چاہیے کہ ایک کو دوسرے کی آگ کی روشنی نظر نہ آئے- (ابوداؤد)

---

(۴۱۲) * اسلام قبول کرنے کی پہلی برکت یہ ہے کہ اس کی حلقہ بگوشی کے بعد ہی جان و مال دونوں کی عصمت فوراً نصیب ہو جاتی ہے فقہاء کے نزدیک اس عصمت کی دو قسمیں ہیں- عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ- جس کے ازالہ سے صرف گناہ ہو اس کو عصمت مؤثمہ کہتے ہیں اور جس کے ازالہ سے دیت لازم ہو اس کا نام عصمت مقومہ ہے- پہلی عصمت اسلام قبول کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور دوسری دارالاسلام کی سکونت سے- اس لحاظ سے اگر ایک مسلمان دارالحرب میں رہتا ہے تو اس کو عصمت مؤثمہ تو حاصل ہے مگر عصمت مقومہ حاصل نہیں- پس اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں قتل کر دیا جائے تو اس کے قاتل کو صرف گناہ ہوگا مگر اس پر دیت لازم نہ آئے گی لیکن بایں ہمہ چونکہ یہاں معاملہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا خون یونہی رائیگاں چلا جائے اور نصف دیت ادا کرنے کا حکم صادر فرما دیا اور آئندہ کے لیے یہ اعلان کر دیا کہ پوری پوری عصمت اسی وقت حاصل ہو گی جب کہ اسلام لانے کے ساتھ سکونت بھی دارالاسلام کی اختیار کر لی جائے- اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دارالحرب کی سکونت مسلمان کے لیے موزوں نہیں- لیکن واضح رہے کہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کا سوال اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب کہ کسی خطہ پر دارالاسلام کا وجود بھی ہو اور اس کی طرف ہجرت کرنا ممکن بھی ہو لیکن اگر بدنصیبی سے صفحہ ہستی پر دارالاسلام کا وجود ہی نہ رہے یا مسلمانوں کی مسلسل غفلت کی وجہ سے دارالحرب میں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو جائے کہ دارالاسلام میں ان کی کھپت کا امکان ہی نہ ہو تو اب ہجرت کا سوال ہی باقی نہیں رہتا- ان حالات میں مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے ہی ماحول میں رہ کر ایسی فضا پیدا کرنے کی سعی میں لگے رہیں جس میں آئین اسلام پر عمل کرنے کی انہیں پوری آزادی حاصل ہو جائے اور جب تک آئین اسلام پر عمل کرنے میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ باقی رہے اس وقت تک راحت کی نیند نہ لیں- مسلمانوں کی تعداد کی زیادتی کے ساتھ ساتھ یہ ذمہ داری بھی اور بڑھتی جائے گی- منتشر افراد و اشخاص یا مختصر جماعتیں تو "مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ" (ملک میں کمزور اور بے بس) ہونے کا عذر کر سکتی ہیں لیکن مقتدر اور بڑی بڑی جماعتوں کے لیے یہ عذر کرنا بھی غلط ہے اس لیے ان کا ایک ہی نصب العین ہو جانا چاہیے کہ وہ ایک مقہور زندگی سے نکل کر ایسی لائف.....

(۴۱۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ بِنَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْعٰى غَنَمًا لَهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوْا لَا يُسَلِّمُ عَلَيْنَا اِلَّا لِيَتَعَوَّذَ مِنَّا فَعَمَدُوْا اِلَيْهِ فَقَتَلُوْهُ وَ اَتَوْا بِغَنَمِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (رواہ احمد و الترمذی فی التفسیر و قال حسن صحیح)

(۴۱۳) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ بنی سلیم کا ایک آدمی اپنی بکریاں چراتا چراتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا اس نے سلام کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ صرف اپنی جان بچانے کی خاطر سلام کر رہا ہے پھر اس کی طرف بڑھے اور اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس پر یہ آیت اتر آئی' اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو اگر کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ ہرگز نہ کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں الخ.... (احمد-ترمذی)

لم يكره النبی صلی الله عليه وسلم احدًا علی الاسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اسلام لانے کے لیے مجبور نہیں کیا

(۴۱۴) عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

(۴۱۴) جابر بیان کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نجد

؎.... زندگی کے لیے سعی کریں جس میں احکام اسلام پر عمل پیرا ہونے کی انہیں پوری پوری آزادی حاصل ہو جائے' یہ مقصد اگر دفعۃً حاصل نہ ہو سکے تو باقساط سہی لیکن اس سے قبل کسی ناتمام اور ادھوری آزادی پر قناعت کر کے بیٹھ رہنا ناقابل عفو جرم ہوگا جس کی پاداش بھگتنا ہوگی - یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کفار سے دور دور رہنے کا جو حکم یہاں دیا گیا ہے وہ صرف اسی لیے ہے کہ اسلامی معاشرت کفر کے اثرات سے متاثر نہ ہو- یہ خطرہ اسی مقام پر پیدا ہو سکتا ہے جہاں اسلام کو اقتدار و طاقت حاصل نہ ہو' جہاں اسلام کو شوکت و طاقت حاصل ہو وہاں عقلی اور نفسیاتی کسی لحاظ سے بھی تاثر کا سوال ہی نہیں ہوتا- حدیث مذکور میں لا تسرا ای' الخ کا فقرہ ایسے ہی ماحول میں ارشاد فرمایا گیا تھا جہاں مسلمان مقہوری کی زندگی بسر کر رہے تھے پس معاشرتی اور معاشی بُعد کا حکم اسی جگہ ہے جہاں کفر کا اقتدار ہو- کوئی شبہ نہیں کہ ایسی فضا میں گھس کر رہنا اسلامی اسپرٹ کو فنا کر دینے کے مرادف ہے اس لیے اگر علیحدہ ہونے کی طاقت نہ ہو تو کم از کم اس زندگی کی کراہت سے کسی وقت قلب خالی نہ رہنا چاہیے اور صرف کراہت ہی نہیں بلکہ عملاً اس سے نجات کا راستہ تلاش کرنا بھی زندگی کا نصب العین بنانا چاہیے-

(۴۱۳) * نماز اور باہم ملاقات کے وقت السلام علیکم اسلام کا شعار ہے- مذکورہ بالا ہر دو حدیثوں میں ان اشخاص نے اپنے اسلام کا ثبوت اسلام کا لفظ صریح طور پر ادا کرنے کی بجائے اس کے شعائر کو ادا کر کے پیش کرنا چاہا تھا مگر ابتداء عہد میں مسائل کی پوری واقفیت نہ تھی اس لیے اس کو نا کافی سمجھا گیا یہاں تک کہ قرآن و حدیث نے بتایا کہ جس طرح اسلام پر جبر و اکراہ کرنا صحیح نہیں اسی طرح کسی کے اسلام میں بے سبب شک و شبہ پیدا کرنا بھی صحیح نہیں- تم مسلمان ہونے پر کسی کو مجبور مت کرو اور اگر کوئی شخص از خود مسلمان ہوتا ہے تو بے وجہ اس کے اسلام کو شک کی نظر سے بھی نہ دیکھو گویا اسلام کے معاملہ میں کسی پہلو سے بھی شریعت نے تشدد پسند نہیں کیا کوئی اسلام لاتا ہے تو بسر و چشم اسے قبول کر لو اور نہیں لاتا تو اس کی مرضی پر چھوڑ دو- کیا اس سے بڑھ کر آزادی رائے کا کوئی اور مفہوم ہو سکتا ہے؟-

(۴۱۴) * امام بخاریؒ نے غزوہ بنی المصطلق سے قبل اس روایت کو ذکر کیا ہے اور اس شخص کا نام غورث بن الحارث نقل کیا ہے- قسطلانی واقدی کی نقل سے لکھتے ہیں کہ یہ شخص اگرچہ اس وقت مسلمان ہونے سے انکار کر گیا تھا لیکن اپنی قوم کے پاس واپس جا کر مسلمان ہو گیا تھا؎....

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهُ فَاَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِيْ وَادٍ كَثِيْرِ الْعِضَاهِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ تَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّوْنَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ شَجَرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهُ وَ نِمْنَا نَوْمَةً فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْنَا وَ إِذَا عِنْدَهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ إِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِيْ وَ اَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَ هُوَ فِيْ يَدِهٖ صَلْتًا قَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ فَقُلْتُ اَللّٰهُ ثَلاَثًا وَ لَمْ يُعَاقِبْهُ وَ جَلَسَ. (متفق عليه) وفي رواية ابي بكر الاسمٰعيلي في صحيحه فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ اللّٰهُ فَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَدِهٖ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّيْفَ فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ فَقَالَ كُنْ خَيْرَ اٰخِذٍ فَقَالَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

کی طرف غزوہ کرنے کے لیے گئے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو آپؐ کے ہمراہ یہ بھی واپس ہو گئے اور دوپہر کے وقت ایک ایسی وادی میں جا پہنچے جہاں بہت سی خاردار جھاڑیاں تھیں آپؐ وہاں اتر پڑے اور لوگ بھی درختوں کے سایہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے فروکش ہو گئے اور اپنی تلوار ایک درخت پر لٹکا دی۔ ابھی ہماری آنکھ ذرا لگی ہو گی کہ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ آپؐ ہمیں بلا رہے ہیں اور ایک گنوار شخص آپؐ کے پاس موجود ہے آپؐ نے فرمایا میں سو رہا تھا اس شخص نے میری تلوار میرے قتل کے ارادہ سے کھینچ لی اتفاقاً میں بیدار ہو گیا دیکھا تو تلوار اس کے ہاتھ میں کھنچی ہوئی موجود تھی۔ اس نے کہا (بولو) اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ میں نے کہا ''اللہ''۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ بیٹھ گئے اور آپؐ نے اس سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ (متفق علیہ) ابو بکر اسماعیلی نے اپنی صحیح میں اس واقعہ کو یوں روایت کیا ہے جب اس نے کہا تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ تو میں نے کہا اللہ (یہ جواب سن کر ہیبت کے مارے) اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور اس تلوار کو آپؐ نے اٹھا لیا اور فرمایا بول اب تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ وہ بولا تلوار پر قبضہ کرنے والوں میں افضل آپؐ ہی بن جائیے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا کیا گواہی دے گا کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور میں اللہ کا رسول

لله .... اور اس کی وجہ سے ایک اور بڑی جماعت بھی مشرف باسلام ہو گئی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اگر اسلام میں اکراہ جائز ہوتا تو آپ کو اس سے زیادہ اکراہ کرنے کا اور کون سا موقع بہم پہنچ سکتا تھا جب کہ دشمن کی تلوار آپ کے ہاتھ میں آ گئی ہو اس پر اقدام قتل کی دفعہ بھی عائد ہو چکی ہو وہ تنہا ہو اور آپؐ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت ہو۔ لیکن اس تمام اقتدار کے باوجود خدا کا رسول صرف اس کے سامنے اسلام کی تبلیغ تو کر دیتا ہے مگر اس کے صاف انکار کر دینے پر بھی کوئی باز پرس نہیں کرتا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے اقدام قتل پر نہ کوئی سزا دیتا ہے نہ اس کا انتقام لیتا ہے ادھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عرب کی فطرت اگر کسی کا جبر و تشدد برداشت کر سکتی تو اس سے زیادہ بے بسی کا وقت کسی پر اور کون سا آ سکتا تھا مگر یہاں بھی اس اعرابی کی درشت فطرت نے اس کے لیے بھی اسے آمادہ نہ کیا کہ وہ صرف زبانی طور پر ہی اسلام کا اقرار کر لیتا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور قوم کے حالات دونوں اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ اسلام کے لیے بھی اکراہ نہیں کیا گیا اور اگر کیا بھی جاتا تو ہرگز کارگر نہ ہوتا۔ پس اسلام پر یہ ایک زبردست افترا ہے کہ اسلام جبر و اکراہ سے پھیلا ہے۔

(صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ لَا وَ لٰكِنِّيْ أُعَاهِدُكَ عَلٰى اَنْ لَا اُقَاتِلَكَ وَ لَا اَكُوْنَ مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُوْنَكَ فَخَلّٰى سَبِيْلَهٗ فَاَتٰى اَصْحَابَهٗ فَقَالَ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ.

(هكذا فی کتاب الحمیدی وفی الریاض مشکوٰۃ)

ہوں- اس نے کہا نہیں' ہاں یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ نہ کبھی خود آپؐ سے جنگ کروں گا اور نہ ایسے لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپؐ سے جنگ کریں گے آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا وہ اپنے ہمراہیوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جو انسانوں میں سب سے بہتر انسان ہے- (کتاب الحمیدی' الریاض)

(۴۱۵) عَنْ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ بَعَثَنِىْ قُرَيْشٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ اُلْقِىَ فِىْ قَلْبِى الْاِسْلَامُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ وَ اللّٰهِ لَا اَرْجِعُ اِلَيْهِمْ اَبَدًا قَالَ اِنِّىْ لَا اَخِيْسُ بِالْعَهْدِ وَ لَا اَحْبِسُ الْبُرُدَ وَ لٰكِنْ اِرْجِعْ فَاِنْ كَانَ فِىْ نَفْسِكَ الَّذِىْ فِىْ نَفْسِكَ الْاٰنَ فَارْجِعْ قَالَ فَذَهَبْتُ ثُمَّ اَتَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمْتُ. (رواہ ابوداؤد)

(۴۱۵) ابو رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ قریش نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا جب میں نے آپؐ کے روئے انور پر نظر ڈالی تو اسی ساعت میرے قلب میں اسلام کی صداقت سما گئی- میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اب تو میں ان کے پاس واپس نہیں جاؤں گا- آپؐ نے فرمایا میں عہد کے معاملہ میں دغل فصل نہیں کروں گا اور نہ ان کے قاصد کو اپنے پاس روکوں گا لہٰذا اب تو تم واپس چلے جاؤ ہاں اگر یہاں سے جا کر بھی تمہارے دل میں یہی بات باقی رہے جو اب ہے تو پھر لوٹ آنا- وہ کہتے ہیں میں گیا اور آپؐ کی خدمت میں واپس آ کر مسلمان ہو گیا- (ابوداؤد)

(۴۱۶) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِىُّ صَلَّى

(۴۱۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

(۴۱۵) * دیکھئے یہاں کس طرح ایک شخص اسلام لانے کے لیے مضطرب ہے مگر آپؐ بدعہدی کے ذرا سے شبہ سے اس کو واپس فرما دیتے ہیں اور دوبارہ غور و خوض کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جہاں آزادی رائے کا عالم یہ ہو وہاں بھلا اکراہ کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے اس قسم کے واقعات سے یہ بداہتاً ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نہ شمشیر کی طاقت سے پھیلا ہے نہ دلائل کی طاقت سے بلکہ ہمیشہ صاحب وحی کے متواتر صداقت اور ان وجدانی قرائن کی وجہ سے پھیلا ہے جو قلوب میں پہاڑوں سے زیادہ مستحکم طور پر خود بخود جم جاتے تھے قرآن کریم نے آپؐ کے اس اضطراب کو جو کفار کے اسلام کے متعلق آپؐ کے سینہ میں موجزن تھا گواری کے انداز میں اکراہ سے تعبیر فرمایا ہے اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ. (یونس: ۹۹) تو کیا آپ لوگوں پر اتنی زبردستی کریں گے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہی ہو جائیں یعنی ان کے اسلام کے متعلق آپؐ کا اضطراب و شوق اس حد پر نہ بڑھنا چاہیے کہ یوں معلوم ہونے لگے کہ گویا آپؐ ان کو زبردستی مسلمان بنا لینا چاہتے ہیں- اس سے اندازہ لگانا چاہیے کہ قرآن میں تبدیل مذہب کے لیے کبھی اکراہ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ صاف لفظوں میں لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ فرمایا گیا ہے- رہا کسی صداقت کو قبول کرنے کی ترغیب دینا تو یہ بالکل جداگانہ بات ہے-

(۴۱۶) * علماء نے لکھا ہے کہ ثمامہ کا پہلے دن ان تقتل تقتل ذادم (اگر آپؐ قتل کریں گے تو یاد رکھئے یہ ایک سردار کا قتل ہو گا کسی معمولی شخص کا نہیں) کا فقرہ کہنا اور دوسرے دن "ان تنعم تنعم علی شاکر" سے (اگر آپ احسان کریں گے تو کسی احسان فراموش پر نہیں بلکہ شکر گذار پر احسان کریں گے) اپنی گفتگو کی ابتداء کرنی بڑی بلاغت پر مبنی تھی- پہلے دن ان کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ اب ان کی جان بقیہ ....

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَ تْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِيْ حَنِيْفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِيْ خَيْرٌ يَا مُحَمَّدُ اِنْ تَقْتُلْنِيْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ وَ اِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ مِنْهُ مَاشِئْتَ فَتَرَكَهُ حَتّٰى كَانَ الْغَدُ ثُمَّ قَالَ لَهُ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ قَالَ عِنْدِيْ مَا قُلْتُ لَكَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ فَتَرَكَهُ حَتّٰى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِيْ مَا قُلْتُ لَكَ فَقَالَ اَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ اِلٰى نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ مَا كَانَ عَلٰى

علیہ وسلم نے نجد کی جانب سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا وہ بنی حنیفہ کا ایک شخص گرفتار کر کے لے آیا جس کو ثمامہ کہا جاتا تھا اور مسجد کے ستونوں میں ایک ستون سے اس کو باندھ دیا آپؐ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہو ثمامہ کیا خیال ہے اس نے کہا ٹھیک ہے اے محمدؐ اگر مجھے قتل کرو گے تو یاد رکھو ایسے شخص کو قتل کرو گے جو (گرا پڑا نہیں) اپنی قوم کا سردار ہے (اس کے خون کا بدلہ لیا جائے گا) اور اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو احسان فراموش نہیں' اگر تم کو مال درکار ہو تو بولو کیا چاہتے ہو؟ آپؐ اس دن اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر تشریف لے گئے پھر دوسرے دن تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ بولو اب کیا خیال ہے اس نے کہا میرا خیال اب بھی وہی ہے جو پہلے ظاہر کر چکا ہوں' اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو ہمیشہ تمہارا شکر گذار رہے گا - آپ پھر اسی طرح اسے چھوڑ کر تشریف لے گئے یہاں تک کہ جب کل کے بعد پھر تشریف لائے اور اس سے پوچھا کہو ثمامہ کیا خیال ہے تو اس نے کہا وہی بات ہے جو پہلے کہہ چکا ہوں آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو - قید سے رہا ہو کر وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے باغ میں گئے غسل کیا اور کلمہ شہادت پڑھا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اے محمدؐ روئے زمین میں

بقیہ ..... بخشی نہیں جائے گی - لیکن جب انہوں نے آپ کے عفو و کرم کا سماں دیکھا تو انہیں یہ امید لگ گئی کہ اگر وہ رحم کی کوئی درخواست پیش کریں گے تو وہ ضرور منظور ہو جائے گی اس لیے دوسرے دن انہوں نے آپ کے احسان اور اپنی شکر گذاری کے مضمون سے اپنی گفتگو کا آغاز کرنا مناسب سمجھا - شارحین نے لکھا ہے کہ جب ثمامہ سے پوچھا گیا کہ تم نے اسیری کی حالت ہی میں اپنے اسلام کا اعلان کیوں نہ کر دیا تھا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ اس حالت میں میرا اسلام قبول کرنا میری بزدلی اور پست ہمتی کا عنوان بن جاتا اس لیے میں نے اپنی آزادی کے بعد اپنے اسلام کا اعلان کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ میرا اسلام کسی کے جبر و اکراہ یا کسی سے خوف کی بنا پر نہیں تھا - جہاں طبیعت کا یہ زور موجود ہو وہاں تلوار کا زور بھلا کیا کارآمد ہو سکتا تھا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند لمحات کی صحبت بھی کیا کیمیا اثر تھی کہ ادھر آپ نے کھڑے کھڑے ثمامہ سے چند کلمات کہے اُدھر اس کے باطن میں وہ انقلاب برپا ہو گیا کہ جو سینہ ابھی ابھی آپ کی عداوت سے لبریز تھا وہ آپ کی محبت سے معمور ہو گیا اور ایسا معمور ہوا کہ آپؐ کی ذات مبارک ہی نہیں بلکہ آپ کا دین حتیٰ کہ آپ کا وطن بھی تمام وطنوں سے زیادہ محبوب بن گیا نہ یہاں کوئی شمشیر کھنچ رہی تھی نہ دلائل کا زور تھا صرف آپ کی فیض صحبت کا ایک دریا تھا جو کفر و شرک کے بڑے بڑے پتھروں کو اپنے ریلے میں بہائے لیے جا رہا تھا -

الْاَرْضِ وَجْهٌ اَبْغَضُ اِلَیَّ مِنْ وَّجْهِکَ فَقَدْ اَصْبَحَ وَ جْهُکَ اَحَبَّ الْوُجُوْهِ اِلَیَّ وَ اللّٰهِ مَا کَانَ مِنْ دِیْنٍ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ دِیْنِکَ فَاَصْبَحَ دِیْنُکَ اَحَبَّ الدِّیْنِ اِلَیَّ وَ اللّٰهِ مَا کَانَ مِنْ بَلَدٍ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ بَلَدِکَ فَاَصْبَحَ بَلَدُکَ اَحَبَّ الْبِلَادِ اِلَیَّ وَ اِنَّ خَیْلَکَ اَخَذَتْنِیْ وَ اَنَا اُرِیْدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرٰی فَبَشَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَمَرَهٗ اَنْ یَّعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَکَّةَ قَالَ لَهٗ قَائِلٌ صَبَوْتَ قَالَ لَا وَ لٰکِنْ اَسْلَمْتُ مَعَ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ لَا وَ اللّٰهِ لَا تَاْتِیْکُمْ مِنَ الْیَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰی یَاْذَنَ فِیْهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

آپؐ کے چہرہ سے زیادہ مبغوض چہرہ میرے نزدیک کوئی اور نہ تھا لیکن آج وہ مجھے سب چہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ خدا کی قسم پہلے مجھے تمام دینوں میں آپ کے دین سے زیادہ مبغوض کوئی اور دین نہ تھا اور آج مجھے سب میں پیارا دین آپ ہی کا دین ہے۔ خدا کی قسم مجھے تمام شہروں میں آپؐ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مبغوض نہ تھا لیکن آج سب شہروں میں عزیز تر شہر آپؐ ہی کا شہر ہو گیا ہے۔ (عرض یہ ہے) کہ آپؐ کے فوجی دستے نے مجھے گرفتار کر لیا تھا میں اس وقت عمرہ کرنے کے لیے جا رہا تھا فرمایئے مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے ان کو اسلام پر بشارت دی اور فرمایا کہ عمرہ ادا کر لیں جب یہ مکہ پہنچے تو کسی نے کہا ارے کیا اپنے دین سے پھر گیا' انہوں نے جواب دیا دین سے پھرنا کیا ہوتا ہے میں خدا کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ قسم ہے خدا کی جب تک آپ اجازت نہ دیں گے اب تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں آ سکے گا۔

(۴۱۷) عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ جَالِسٌ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ الْقَوْمُ هٰذَا عَدِیٌّ وَ کُنْتُ جِئْتُ بِغَیْرِ اَمَانٍ وَ لَا کِتَابٍ فَلَمَّا دُفِعْتُ اِلَیْهِ اَخَذَ بِیَدِیْ وَ قَدْ کَانَ بَلَغَنِیْ اَنَّهٗ کَانَ قَالَ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ یَدَهٗ فِیْ یَدِیْ قَالَ فَقَامَ لِیْ قَالَ فَلَقِیَتْهُ امْرَاَةٌ مَعَهَا صَبِیٌّ فَقَالَا اِنَّ لَنَا اِلَیْکَ حَاجَةً فَقَامَ مَعَهَا حَتّٰی قَضٰی حَاجَتَهُمَا ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِیْ حَتّٰی اَتٰی دَارَهٗ فَاَلْقَتْ لَهٗ الْوَلِیْدَةُ وِسَادَةً فَجَلَسَ عَلَیْهَا وَ جَلَسْتُ بَیْنَ یَدَیْهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا عَدِیُّ مَا یَغُرُّکَ مِنَ الْاِسْلَامِ اَنْ تَقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَهَلْ تَعْلَمُ مِنْ اِلٰهٍ سِوَی اللّٰهِ

(۴۱۷) عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے لوگوں نے (مجھ کو دیکھ کر) کہا یہ عدی بن حاتم (آ گیا) آپ کی خدمت میں میں اچانک آ پہنچا تھا نہ پہلے امن کی کوئی درخواست پیش کی تھی اور نہ کوئی اور تحریر میرے ساتھ تھی بس یونہی حاضر ہو گیا تھا جب میں پکڑ کر آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا مجھے پہلے یہ بات پہنچ چکی تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا۔ (یہ اسی مشہور سخی "حاتم طائی" کے لڑکے تھے) آنحضرت ان کے (اکرام) کے لیے کھڑے ہو گئے' اس اثناء میں ایک عورت اپنے ہمراہ ایک بچہ لیے ہوئے آ گئی اور عرض کیا ہمیں آپؐ سے ایک ضروری بات کہنی ہے آپؐ ان کی بات سننے کیلئے ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور ان کی ضرورت کو پورا کر کے پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے گھر تشریف لے آئے فوراً باندی نے ایک گدا بچھا دیا آپؐ اس پر بیٹھ گئے میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا پھر آپؐ نے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد مجھ سے فرمایا عدی؟ اسلام سے کیوں منکر ہو آخر لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے علم میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں تو پھر

قُلْتُ لَا ثُمَّ تَكَلَّمَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا تَفِرُّ اَنْ تَقُوْلَ اللّٰهُ اَكْبَرُ فَهَلْ تَعْلَمُ شَيْئًا اَكْبَرُ مِنَ اللّٰهِ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّ الْيَهُوْدَ مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِمْ وَ النَّصَارٰى ضُلَّالٌ قُلْتُ فَاِنِّيْ حَنِيْفٌ مُسْلِمٌ قَالَ فَرَأَيْتُ وَجْهَهُ تَبْسُطُ فَرَحًا ثُمَّ اَمَرَبِيْ فَاُنْزِلْتُ عِنْدَ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَجَعَلْتُ اَغْشَاهُ اٰتِيَةً طَرَفَي النَّهَارِ.

(رواه الترمذي)

آپ نے تھوڑی دیر کچھ اور تلقین فرمائی اس کے بعد فرمایا کیا تم اس سے گریز کرتے ہو کہ اللہ اکبر کہو کیا تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی اور بزرگ و برتر ذات ہے میں نے عرض کیا نہیں تو اس کے بعد آپؐ نے فرمایا (موجودہ ادیان میں) یہود تو قہر الٰہی کے مورد بن چکے ہیں اب رہ گئے نصاریٰ تو وہ پرلے درجہ کے گمراہ ہو چکے ہیں میں نے عرض کیا میں تو دین حنیف کا تابعدار بنتا ہوں - یہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کا چہرۂ مبارک خوشی کے مارے کھل گیا - میرے متعلق حکم ہوا کہ میں ایک انصاری کے ہاں مہمان ٹھہرا دیا جاؤں (میں ان کے یہاں مقیم ہوگیا) اور صبح وشام میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا - (ترمذی شریف)

(۴۱۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاِسْلَامِ اَبِيْ ذَرٍّ قُلْنَا بَلٰى قَالَ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مِنْ غِفَارٍ فَبَلَغَنَا اَنَّ رَجُلًا خَرَجَ بِمَكَّةَ فَزَعَمَ اَنَّهُ نَبِيٌّ فَقُلْتُ لِاَخِيْ اِنْطَلِقْ اِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ وَ كَلِّمْهُ وَ اْتِنِيْ بِخَبَرِهِ وفي رواية قَالَ لَمَّا بَلَغَ اَبَا ذَرٍّ مَبْعَثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَخِيْهِ ارْكَبْ اِلٰى هٰذَا الْوَادِيْ فَاعْلَمْ لِيْ عِلْمَ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ يَزْعَمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ يَاْتِيْهِ الْخَبَرُ مِنَ السَّمَاءِ وَ اسْمَعْ مِنْ قَوْلِهٖ ثُمَّ اْتِنِيْ فَانْطَلَقَ الْاَخُ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَ سَمِعَ مِنْ قَوْلِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى اَبِيْ ذَرٍّ فَقَالَ لَهٗ رَاَيْتُهٗ يَاْمُرُ بِمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَ كَلَامًا مَا هُوَ بِالشِّعْرِ فَقَالَ مَا شَفَيْتَنِيْ مِمَّا اَرَدْتُّ فَتَزَوَّدَ وَحَمَلَ شَنَّةً لَهٗ فِيْهَا مَاءٌ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ فَاَتَى الْمَسْجِدَ فَالْتَمَسَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَا يَعْرِفُهٗ وَ كَرِهَ اَنْ يَسْاَلَ عَنْهُ حَتّٰى اَدْرَكَهٗ بَعْضُ اللَّيْلِ فَاضْطَجَعَ فَرَاٰهُ عَلِيٌّ فَعَرَفَ اَنَّهٗ غَرِيْبٌ فَلَمَّا رَاٰهُ تَبِعَهٗ فَلَمْ يَسْاَلْ

(۴۱۸) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کیا میں تم کو ابو ذرؓ کے اسلام کا قصہ نہ سناؤں - ہم نے عرض کیا ضرور سنائیے - فرمایا کہ ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ میں قبیلہ غفار کا آدمی تھا مجھے یہ اطلاع ملی کہ ایک شخص مکہ مکرمہ میں ظاہر ہوا ہے اور اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ نبی ہے میں نے اپنے بھائی سے کہا ذرا اس کے پاس جا کر بات چیت تو کرو اور اس کا کچھ بھید مجھے بتاؤ - دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طور پر مذکور ہے کہ جب ابو ذر کو آنحضرتؐ کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا اس وادی تہامہ کی طرف جا کر اس شخص کا کچھ بھید تو نکال کر لاؤ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے اور اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں - اس کی ذرا گفتگو بھی سنو پھر میرے پاس آؤ - ان کے بھائی مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے یہاں پہنچ کر آپؐ کی گفتگو سنی اور ابو ذرؓ کے پاس واپس آ کر بیان کیا میں نے تو ان کو عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے سنا ہے اور ان سے ایک ایسا کلام سنا ہے جو از قسم شعر نہیں - انہوں نے کہا تم نے میرے مطلب کی بات نہیں بتائی - اس کے بعد کچھ توشہ سنبھالا اور ایک پرانی مشک لی جس میں تھوڑا سا پانی تھا اور خود مکہ مکرمہ پہنچ گئے - مسجد حرام میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے لگے (مشکل یہ تھی) کہ نہ تو یہ آپؐ کو پہچانتے تھے اور نہ یہ چاہتے تھے کہ آپؐ کے متعلق کسی اور سے پوچھیں یہاں تک کہ کچھ اندھیرا ہو گیا یہ لیٹ رہے - حضرت علیؓ نے انہیں دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ کوئی مسافر آدمی معلوم ہوتے ہیں - جب انہوں

وَاحِدٌ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى اَصْبَحَ ثُمَّ احْتَمَلَ زَادَهُ وَ قِرْبَتَهُ اِلَى الْمَسْجِدِ فَظَلَّ ذَالِكَ الْيَوْمُ وَ لَا يَرَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَمْسٰى فَعَادَ اِلٰى مَضْجَعِهٖ فَمَرَّبِهٖ عَلِيٌّ فَقَالَ اَمَانَالَ الرَّجُلُ اَنْ يَّعْلَمَ مَنْزِلَهٗ فَاَقَامَهٗ فَذَهَبَ بِهٖ مَعَهٗ وَ لَا يَسْأَلُ وَ احِدٌ مِنْهُمَا صَاحِبَهٗ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا كَانَ الْيَوْمُ الثَّالِثُ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ فَاَقَامَهٗ عَلِيٌّ مَعَهٗ فَقَالَ لَهٗ اَلَا تُحَدِّثُنِيْ مَا الَّذِيْ اَقْدَمَكَ هٰذَا الْبَلَدَ قَالَ اِنْ اَعْطَيْتَنِيْ عَهْدًا وَ مِيْثًا قَالَتُرْ شِدَنِّيْ فَعَلْتُ فَفَعَلَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ اِنَّهٗ حَقٌّ وَّ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فَاِذَا اَصْبَحْتُ فَاتَّبِعْنِيْ فَاِنِّيْ اِنْ رَاَيْتُ شَيْئًا اَخَافُهٗ عَلَيْكَ قُمْتُ كَاَنِّيْ اُرِيْقُ الْمَاءَ فَاِنْ مَضَيْتُ فَاتَّبِعْنِيْ حَتّٰى تَدْخُلَ مَدْخَلِيْ فَفَعَلَ فَانْطَلَقَ يَقْفُوْهُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ دَخَلَ مَعَهٗ فَسَمِعَ مِنْ قَوْلِهٖ وَ اَسْلَمَ مَكَانَهٗ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ اِلٰى قَوْمِكَ فَاَخْبِرْهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَكَ اَمْرِيْ و فِيْ رِوَايَةٍ اُكْتُمْ هٰذَا وَ ارْجِعْ اِلٰى بَلَدِكَ فَاِذَا بَلَغَكَ ظُهُوْرُنَا فَاَقْبِلْ فَقَالَ وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَ صْرِخَنَّ بِهَا بَيْنَ ظَهْرَا نَيْهِمْ فَخَرَجَ حَتّٰى اَتَى الْمَسْجِدَ فَنَادٰى بِاَعْلٰى صَوْتِهٖ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ ثَارَ الْقَوْمُ فَضَرَبُوْهُ حَتّٰى اَضْجَعُوْهُ وَ اَتَى الْعَبَّاسُ فَاَكَبَّ عَلَيْهِ وَ

نے دیکھا تو یہ ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے مگر اس دن کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا جب صبح ہوگئی تو یہ اپنا توشہ اور مشک اٹھا کر پھر مسجد میں آ گئے یہ دن بھی گذر گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نظر نہ آئے یہاں تک کہ شام کا وقت آ گیا پھر یہ اپنی آرام گاہ پر آ گئے (آج) پھر حضرت علیؓ گذرے اور فرمایا کیا اب تک اس شخص کو اپنا ٹھکانا نہیں ملا اور اٹھا کر پھر انہیں اپنے ہمراہ لے گئے مگر آج بھی کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا یہاں تک کہ تیسرا دن ہوگیا تو پھر ایسا ہی ہوا اور حضرت علیؓ ان کو ہمراہ لے گئے اور ان سے کہا مجھے بتاؤ تو آخر اس شہر میں کیسے آنا ہوا انہوں نے کہا اگر آپ مجھ سے اس بات کا پکا پکا عہد کریں کہ مجھے ٹھیک بات بتا دیں گے تو میں ضرور اس راز کو کھول سکتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے عہد کیا اس کے بعد اس کے بعد ابوذرؓ نے جو واقعہ تھا بیان کر دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا بلاشبہ یہ شخص سچے اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اچھا تو جب صبح ہو تو تم میرے پیچھے پیچھے چلے آنا' جہاں مجھے تمہارے متعلق دشمنوں سے کوئی خطرہ نظر آئے گا وہیں میں ایسے ٹھہر جاؤں گا جیسے کوئی پیشاب کرنے کے لیے ٹھہر جاتا ہے۔ اگر میں چلا آؤں تو تم بھی میرے ساتھ ساتھ چلے آنا یہاں تک کہ جہاں میں داخل ہوں تم بھی داخل ہو جانا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیے تا آنکہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ پہنچے یہ بھی ان کے پیچھے پیچھے آ گئے۔ آپؐ کا کلام سنا اور اسی جگہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا بالفعل تو تم اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ اور انہیں بھی اس کی اطلاع کر دو اور وہاں ہی رہو یہاں تک کہ تم کو ہمارے عروج کی خبر ملے۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے ابھی اپنا اسلام پوشیدہ رکھو اور اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ جب تم کو ہمارے غلبہ کی خبر ملے اس وقت آ جانا انہوں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں ان کے درمیان میں گھس کر اس کلمہ کو چیخ چیخ کر کہوں گا یہ کہہ کر باہر نکلے اور مسجد میں آ کر با آواز بلند کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا رسول اللہ۔ یہ سنتے ہی لوگ جوش میں بھر گئے اور ان کو اتنا مارا کہ زمین پر لٹا دیا۔

قَالَ وَ يلَكُم اَلَستُم تَعلَمُونَ اَنَّهٗ مِن غِفَارٍ وَ اَنَّ طَرِيقَ تُجَّارِكُم اِلَى الشَّامِ عَلَيهِم فَانقَذَهٗ مِنهُم ثُمَّ عَادَ مِنَ الغَدِ لِمِثلِهَا وَ ثَارُوا اِلَيهِ فَضَرَبُوهُ فَاَكَبَّ عَلَيهِ العَبَّاسُ فَانقَذَهٗ.

(رواه البخاری)

حضرت عباسؓ آ گئے اور ان کے اوپر اوندھے گر گئے اور فرمایا کم بختو! تم کو خبر نہیں کہ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے اور شام کی طرف تمہارے تاجروں کے جانے کا راستہ ان ہی کی طرف ہو کر جاتا ہے اور اس طرح ان کو بچالیا- دوسرے دن پھر انہوں نے یہی حرکت کی اور پھر لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو خوب مارا اس دن پھر حضرت ابن عباسؓ ان کے اوپر الٹے لیٹ گئے اور ان کو پھر بچالیا- (بخاری شریف)

(۴۱۹) عَن اَنَسٍ قَالَ سَمِعَ عَبدُاللّٰهِ بنُ سَلَامٍ بِمَقدَمِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ فِي اَرضٍ يَختَرِفُ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّي سَائِلُكَ عَن ثَلَاثٍ لَا يَعلَمُهُنَّ اِلَّا نَبِيٌّ فَمَا اَوَّلُ اَشرَاطِ السَّاعَةِ وَ مَا اَوَّلُ طَعَامِ اَهلِ الجَنَّةِ وَ مَا يَنزِعُ الوَلَدَ اِلَى اَبِيهِ اَو اُمِّهٖ قَالَ اَخبَرَنِيهِنَّ جِبرَئِيلُ اٰنِفًا اَمَّا اَوَّلُ اَشرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحشُرُ النَّاسَ مِنَ المَشرِقِ اِلَى المَغرِبِ وَ اَمَّا اَوَّلُ طَعَامٍ يَاكُلُهُ اَهلُ الجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ وَ اِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ المَرأَةِ نَزَعَ الوَلَدَ وَ اِذَا سَبَقَ مَاءُ المَرأَةِ نَزَعَت قَالَ اَشهَدُ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ. يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ اليَهُودَ قَومٌ بُهتٌ وَ اِنَّهُم اِن يَعلَمُوا بِاِسلَامِي مِن قَبلِ اَن تَسأَلَهُم يَبهَتُونِي فَجَاءَتِ اليَهُودُ فَقَالَ اَيُّ رَجُلٍ عَبدُاللّٰهِ فِيكُم قَالُوا خَيرُنَا وَ ابنُ خَيرِنَا وَ سَيِّدُنَا وَ ابنُ سَيِّدِنَا فَقَالَ اَرَاَيتُم اِن اَسلَمَ عَبدُاللّٰهِ بنُ سَلَامٍ قَالُوا اَعَاذَهُ اللّٰهُ مِن ذٰلِكَ فَخَرَجَ عَبدُاللّٰهِ فَقَالَ اَشهَدُ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ فَقَالُوا شَرُّنَا وَ ابنُ

(۴۱۹) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی جب خبر سنی تو اس وقت یہ اپنے باغ کے پھل توڑ رہے تھے یہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی میں آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جن کو نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا- یہ بتائیے کہ علامات قیامت میں سب سے پہلی علامت کیا ہے اور جنتیوں کا سب سے پہلا کھانا کیا ہوگا اور تیسری بات یہ کہ بچہ اپنے باپ یا ماں کے مشابہ کب ہوتا ہے- آپ نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام نے ان کے جوابات مجھے ابھی بتائے ہیں (سنو) قیامت کی سب سے پہلی علامت تو ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی سمت جمع کر کے لے جائے گی رہی جنتیوں کی پہلی ضیافت تو مچھلی کے جگر کے ایک ٹکڑے سے ہوگی اب رہا بچہ کا مشابہ ہونا تو اگر مرد کی منی غالب ہو تو اُس کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کی غالب ہو تو اس کے- یہ جوابات سن کر انہوں نے آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کی اور کلمہ شہادت پڑھ لیا- اَشهَدُ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشهَدُ اَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ - (اس کے بعد فرمایا) یا رسول اللہ یہود بڑی بہتان باندھنے والی قوم ہے- اگر آپؐ میرے متعلق ان کی رائے معلوم کرنے سے قبل میرے اسلام کا حال ان سے ذکر کر دیں گے تو فوراً وہ مجھ پر کوئی نہ کوئی بہتان بنا دیں گے (اس لیے پہلے آپؐ ان سے میرے متعلق دریافت فرمالیں) اس کے بعد جب یہود آئے تو آپ نے ان سے پوچھا تم میں عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا ہم سب میں بہتر اور ہمارے سب کے سردار- آپؐ نے فرمایا بتاؤ اگر وہ اسلام قبول کر لیں وہ بولے اللہ تعالیٰ ان کو ایسی بات سے محفوظ رکھے- اس کے بعد عبداللہ بن سلام باہر نکل آئے اور کلمہ شہادت پڑھ لیا

شَـرِّنَا فَانْتَقَصُوْهُ قَالَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُ اَخَافُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) (رواه البخاری)

(پھر کیا تھا) فوراً کہنے لگے یہ شخص ہم میں سب سے بدتر اور سب سے بدتروں کی اولاد ہے اس کے علاوہ اور قسم قسم کے عیب لگانے لگے۔ عبداللہ بن سلام نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ان کی اسی افتراء پردازی کا ڈر تھا۔ (بخاری شریف)

(۴۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمَا اَعْرِفُ اَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ اِنْ دَعَوْتُ هٰذَا الْعِذْقَ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ يَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ حَتّٰى سَقَطَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اِرْجِعْ فَعَادَ فَاَسْلَمَ الْاَعْرَابِيُّ. (رواه الترمذی و صححه)

(۴۲۰) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا میں کیسے پہچانوں کہ آپؐ نبی ہیں آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں کھجور کے اس خوشہ کو بلاؤں اور وہ آ کر یہ گواہی دے دے کہ میں خدا کا رسولؐ ہوں (تو مانے گا) آپؐ نے اس کو آواز دی' فوراً وہ اترنے لگا اور اترتے اترتے آپؐ کے سامنے آ پڑا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا واپس چلا جا' وہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ دیہاتی مسلمان ہو گیا۔ (ترمذی)

(۴۲۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَاَقْبَلَ اَعْرَابِيٌّ فَلَمَّا اَتٰى قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ قَالَ وَ مَنْ يَشْهَدُ عَلٰى مَا تَقُوْلُ قَالَ هٰذِهِ السَّلَمَةُ فَدَعَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ بِشَاطِئِ الْوَادِيْ فَاَقْبَلَتْ تَخُدُّ الْاَرْضَ حَتّٰى قَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاسْتَشْهَدَهَا ثَلَاثًا فَشَهِدَتْ ثَلَاثًا اَنَّهٗ كَمَا قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰى مَنْبِتِهَا. (رواه الدارمی)

(۴۲۱) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے ایک دیہاتی سامنے سے آتا نظر آیا جب وہ مجلس میں آ پہنچا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اس کی گواہی دے گا کہ اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں وہ بولا آپؐ کی اس بات پر کوئی اور بھی گواہی دے گا۔ آپؐ نے فرمایا جی ہاں یہ کیکر کا درخت۔ وہ درخت وادی کے کنارہ پر کھڑا تھا آپؐ نے اس کو پکارا' وہ زمین پھاڑتا ہوا آپؐ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا' آپؐ نے اس سے تین بار گواہی طلب کی اس نے تینوں بار یہ گواہی دی کہ جیسا آپؐ نے فرمایا' بات اسی طرح ہے اس کے بعد وہ جہاں کھڑا تھا وہیں واپس ہو گیا۔ (دارمی)

(۴۲۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَدْعُوْ اُمِّيْ اِلَى الْاِسْلَامِ وَ هِيَ كَارِهَةٌ فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا

(۴۲۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کو دعوت اسلام دیتا اور وہ اس سے نفرت کرتی تھیں ایک دن کا قصہ ہے کہ میں نے

---

(۴۲۰) * بے علم طبیعتیں ہمیشہ اعجوبہ نمائیوں کی گرویدہ ہوتی ہیں۔ ان ہی کو معیار کمال تصور کرتی ہیں اور ان ہی کا اثر قبول کرتی ہیں اس لیے نباضِ فطرت نے اس کے سامنے اس کی فطرت کے مناسب ہی ایک جاذب اسلام نظارہ پیش کر دیا تھا وہ مسلمان ہو کر جنت میں جا پہنچا اب آپ کو اختیار ہے کہ آپ اسی فلسفہ میں پھنسے رہیے کہ ایک غیر ذی روح کا متحرک ہو کر آہستہ آہستہ اترنا اور پھر واپس چلے جانا عقلاً ممکن بھی ہے یا نہیں۔ جی ہاں معجزات کے عالم میں یہ سب کچھ ممکن ہے۔

فَاسْمَعَتْنِیْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَهُ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا اَبْكِیْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّهْدِیَ اُمَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صِرْتُ اِلَی الْبَابِ فَاِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ اُمِّیْ خَشْفَ قَدَمَیَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ وَ سَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلَتْ فَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَ عَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ ثُمَّ قَالَتْ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَرَجَعْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا اَبْكِیْ مِنَ الْفَرَحِ فَحَمِدَاللّٰهَ وَ قَالَ خَيْرًا. (رواہ مسلم)

ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپؐ کی شان میں مجھے ایسی بات سنائی جو مجھے بہت ناگوار گذری- میں روتا ہوا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ آپ تو دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما دے آپؐ نے دعا فرمائی اے اللہ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما دے میں آپؐ کی اس دعا پر ان کے اسلام کی بشارت لیے ہوئے باہر نکلا جب اپنے گھر کے دروازہ کے قریب آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ بند ہے میری والدہ نے میرے پیروں کی آہٹ سنی اور کہا ابو ہریرہ وہیں باہر رہنا- ادھر میں نے کچھ پانی گرنے کی آواز سنی میں ٹھیرا رہا؛ انہوں نے غسل فرمایا اپنا کرتا پہنا اور جلدی میں سر پر اوڑھنی ڈالنی رہ گئی اور فوراً دروازہ کھول کر کلمہ شہادت پڑھا- اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ . (یا تو میں ابھی ابھی غم کے آنسو بہاتا ہوا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا تھا یا اب) خوشی کے آنسو بہاتا ہوا پھر آپ کی خدمت میں واپس پہنچا- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا اور ان کے حق میں کلمات خیر فرمائے- (مسلم)

(۴۲۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ ضِمَادًا قَدِمَ مَكَّةَ وَ كَانَ مِنْ اَزْدِ شَنُوْءَةَ وَ كَانَ يَرْقِیْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَسَمِعَ سُفَهَاءَ اَهْلِ مَكَّةَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ مُحَمَّدًا مَجْنُوْنٌ فَقَالَ لَوْ اِنِّیْ رَاَيْتُ هٰذَا الرَّجُلَ لَعَلَّ اللّٰهُ يَشْفِيْهِ عَلٰی يَدَیَّ قَالَ فَلَقِيَهٗ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَرْقِیْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَهَلْ لَكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْحَمْدَلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ

(۴۲۳) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ضماد مکہ مکرمہ میں آئے یہ قبیلہ از دشنوءۃ کے آدمی تھے اور جن وغیرہ کے اثرات کی جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے انہوں نے مکہ مکرمہ کے بیوقوفوں کو یہ کہتے سنا کہ محمدؐ آسیب زدہ ہوگئے ہیں- یہ اپنے دل میں کہنے لگے کاش اگر میں بھی اس شخص کو دیکھ لیتا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے اس کو شفا دے دیتا- راوی کہتا ہے کہ یہ آپؐ سے ملا اور کہا اے محمدؐ میں جنات کی جھاڑ پھونک کرتا ہوں آپ بھی چاہیں تو جھاڑ دوں- یہ سن کر رسول اللہؐ نے یہ کلمات فرمائے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں- ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور ہر معاملہ میں اسی سے مدد چاہتے ہیں- جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرمادے اس کا گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کردے اس کو ہدایت کرنے والا نہیں- میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ جس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی بھی کہ محمدؐ اس کے بندہ اور اس کے رسول ہیں- امابعد (اس خطبہ کے سننے کے بعد ابھی آپؐ کچھ اور

اَعِدْ عَلَیَّ کَلِمَاتِکَ هٰؤُلَاءِ فَاَعَادَهُنَّ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْکَهَنَةِ وَ قَوْلَ السَّحَرَةِ وَ قَوْلَ الشُّعَرَاءِ فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ کَلِمَاتِکَ هٰؤُلَاءِ وَ لَقَدْ بَلَغْنَ قَامُوْسَ الْبَحْرِهَاتِ یَدَکَ اُبَایِعْکَ عَلَی الْاِسْلَامِ قَالَ فَبَایَعَهٗ. (رواہ مسلم)

فرمانے نہ پائے تھے) کہ ضماد نے کہا مجھے ان کلمات کو پھر سنایئے آپؐ نے پھر سنا دیئے تین بار ایسا ہی ہوا وہ بولا میں نے کاہنوں کا قول سنا' جادوگروں کے منتر سنے اور شاعروں کے اشعار بھی سنے لیکن آپؐ کے ان کلمات کی طرح کسی کا کلام نہیں سنا- خدا کی قسم یہ تو بحر معرفت کی گہرائی میں ڈوبے ہوئے ہیں- لایئے اپنا ہاتھ بڑھایئے میں آپؐ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں راوی کہتا ہے یہ کہہ کر آپ سے بیعت کر لی- (مسلم)

(۴۲۴) عَنِ الْحَسَنِ قَالَ جَاءَ رَاهِبَا نَجْرَانَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا اَسْلِمَا تَسْلِمَا فَقَالَا قَدْ اَسْلَمْنَا قَبْلَکَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَذَبْتُمَا یَمْنَعُکُمَا مِنَ الْاِسْلَامِ ثَلَاثٌ سُجُوْدُ کُمَا لِلصَّلِیْبِ وَقَوْلُکُمَا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَ لَدًا وَ شُرْبُکُمَا الْخَمْرَ فَقَالَا مَا تَقُوْلُ فِیْ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ فَسَکَتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ ذٰلِکَ نَتْلُوْهُ عَلَیْکَ مِنَ الْاٰیَاتِ وَ الذِّکْرِ الْحَکِیْمِ اِلٰی قَوْلِهٖ اَبْنَاءَ نَا وَ اَبْنَاءَ کُمْ فَدَعَا هُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمُلَاعَنَةِ قَالَ وَ جَاءَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ وَ فَاطِمَةُ وَ اَهْلُهٗ وَ وَلَدُهٗ فَلَمَّا خَرَجَا مِنْ عِنْدِهٖ قَالَ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَقِرَّ بِالْجِزْیَةِ وَ لَا تُلَاعِنْهُ فَرَجَعَا فَقَالَا نُقِرُّ بِالْجِزْیَةِ وَ لَا نُلَاعِنُکَ قَالَ فَاَقَرَّا بِالْجِزْیَةِ. (رواہ احمد)

(۴۲۴) حسن روایت کرتے ہیں کہ نجران کے دو پادری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے ان سے فرمایا اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے- انہوں نے کہا ہم آپؐ کے ظہور سے قبل ہی مسلمان ہیں آپؐ نے فرمایا جھوٹ بولتے ہو تمہارے مسلمان ہونے میں تین باتیں مانع ہیں- ایک یہ کہ تم صلیب کو پوجتے ہو دوم یہ کہ تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے (عیسیٰ علیہ السلام کو) بیٹا بنالیا ہے اور سوم یہ کہ تم شراب پیتے ہو- انہوں نے کہا اچھا تو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کیا عقیدہ رکھتے ہیں- راوی کہتا ہے کہ آپ خاموش ہو گئے (اور ان کے مناظرہ کے جواب میں قرآن کی حسب ذیل آیات نازل ہو گئیں) یہ جو کچھ ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں آیات الٰہی اور تحقیقی بیان ہے (آپؐ کہہ دیجئے) آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تم اپنے بیٹے- (آیت مباہلہ کے تلاوت فرمانے کے بعد) آپؐ نے ان دونوں پادریوں کو مباہلہ کرنے کے لیے بلایا- راوی کہتا ہے کہ ادھر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ اور آپ کے گھر کے لوگ آ گئے- جب یہ آپ کی مجلس سے باہر آ گئے تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ بھئی جزیہ دینا قبول کرلو اور آپ سے مباہلہ منظور نہ کرو (کیونکہ یہ نبی برحق ہیں جو ان سے مباہلہ کرے گا برباد ہو کر رہے گا) یہ مشورہ کر کے انہوں نے کہا ہم آپؐ کو جزیہ دینا قبول کرتے ہیں اور آپ سے مباہلہ نہیں کرتے اور جزیہ دینا قبول کر لیا- (مسند احمد)

تالیف قلب من یخاف علی ایمانه و النصرة له

ضعیف الایمان شخص کی دلجوئی اور مدد کرنی چاہیے

(۴۲۵) عَنْ عَمْرِو بْنِ تَغْلِبَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

(۴۲۵) عمر بن تغلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

(۴۲۵) ؂ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ انصار کو آپؐ کا مہاجرین قریش کو مال دینا ناگوار نہ تھا بلکہ دراصل اس تقسیم نے ان میں ط ....

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِمَالٍ اَوْ بِشَیْءٍ فَقَسَمَهُ فَاَعْطٰى رِجَالًا وَ تَرَكَ رِجَالًا فَبَلَغَهُ اِنَّ الَّذِيْنَ تَرَكَهُمْ عَتَبُوْا فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ اُعْطِی الرَّجُلَ وَ اَدَعُ الرَّجُلَ وَ الَّذِیْ اَدَعُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الَّذِیْ اُعْطِیْ وَ لٰكِنْ اَعْطٰى اَقْوَامًا لِمَا اَرٰى فِیْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَ الْهَلَعِ وَ اَكِلُ اَقْوَامًا اِلٰى مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْغِنٰى وَ الْخَيْرِ فِيْهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ فَوَاللّٰهِ مَا اَحَبَّ اَنَّ لِیْ بِكَلِمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمْرَ النَّعَمِ. (رواه البخاری)

(کہیں سے) کچھ مال آیا آپ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کر دیا' بہت سے لوگوں کو دیا اور بہت سے لوگوں کو نہ دیا- اس پر آپؐ کو یہ اطلاع ملی کہ جن کو آپ نے کچھ نہ دیا تھا ان کو یہ تفریق ناگوار گذری ہے- آپ نے خدا کی حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا خدا کی قسم بے شک میں کسی شخص کو مال دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا اور واقعہ یہ ہے کہ جس کو نہیں دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو دیتا ہوں- اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بعض لوگوں کو صرف اس لیے دیتا ہوں کہ ان کے دلوں میں مال کے لیے بے چینی اور اضطراب کا احساس کرتا ہوں اور بعض کو اس بے نیازی اور نور ایمانی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی ہے خدائے تعالیٰ کے حوالہ کر دیتا ہوں ان میں سے ایک شخص عمرو بن تغلب بھی ہیں- خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایک کلمہ کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا نہیں کہ میرے پاس بہت سے سرخ اونٹ ہوتے- (بخاری شریف)

(۴۲۶) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَمَعَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسًا مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ اِنَّ قُرَيْشًا حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَ مُصِيْبَةٍ وَ اِنِّیْ اَرَدْتُّ اَنْ اُجِيْزَهُمْ وَ اَتَاَلَّفَهُمْ اَمَا تَرْضَوْنَ اَنْ يَرْجِعَ النَّاسُ بِالدُّنْيَا وَ تَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى بُيُوْتِكُمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَ ادِيًا وَ سَلَكَتِ الْاَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِیَ الْاَنْصَارِ اَوْ شِعْبَ الْاَنْصَارِ. (رواه البخاری)

(۴۲۶) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا قریش ابھی تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں اور فقر و فاقہ کی مصیبتیں جھیل چکے ہیں میں ان کی کچھ امداد کرنا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ان کی دلجوئی کروں اور ان کو اسلام کے ساتھ ذرا مانوس کروں- کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اور لوگ تو اپنے گھروں کو دنیا کا مال لے جائیں اور تم خدا کے رسول کو لے جاؤ- انصار بولے بے شک ہم اس پر راضی ہیں اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اگر لوگ ایک راستہ پر جائیں اور انصار دوسرے راستہ پر تو میں اسی راستہ کو اختیار کروں گا جس پر انصار جائیں گے- (بخاری شریف)

(۴۲۷) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاهُ غَنَمًا بَيْنَ جَبَلَيْنِ

(۴۲۷) حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے فوراً اس کو اتنی بکریاں بخش دیں جو ایک

لہ..... جذبات رقابت ابھار دیئے تھے اور انہیں کچھ یہ وہم گذرنے لگا تھا کہ آپؐ کی شفقت ومحبت کا پلہ بھی شاید کچھ ان کی جانب ہی جھک گیا ہے- اسی لیے جب ان کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ اگرچہ آپؐ کی داد و دہش کا ہاتھ قریش کی طرف جھک رہا ہے مگر آپؐ کے جذبات محبت درحقیقت ان ہی کی طرف مائل ہیں تو انہیں سرخ اونٹ جو عرب کا محبوب ترین مال تھا آپؐ کے اس ایک فقرہ کے بالمقابل ہیچ نظر آنے لگے-

فَاَتٰی قَوْمَهُ فَقَالَ اَسْلِمُوْا فَوَا للّٰهِ اِنَّ مُحَمَّدًا (صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لَيُعْطِیْ عَطَاءَ رَجُلٍ لَا يَخَافُ الْفَاقَةَ وَ اِنْ كَانَ الرَّجُلُ يَجِیْءُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُرِيْدُ اِلَّا الدُّنْيَا فَمَا يُمْسِیْ حَتّٰی يَكُوْنَ دِيْنُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ اَوْ اَعَزَّ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيْهَا. (رواه مسلم)

وادی کے درمیان بھری ہوئی تھیں وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا اور بولا اسلام قبول کرلو بخدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس شخص کی طرح مال لٹاتے ہیں جسے احتیاج کا کبھی خطرہ نہیں گذرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ صبح کو آدمی آپؐ کی خدمت میں صرف طمع دنیا لے کر آتا اور شام نہ ہونے پاتی کہ آپؐ کا دین اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ پیارا ہو جاتا تھا یا زیادہ معزز ہو جاتا تھا۔ (راوی کوشک ہے) (مسلم)

(۴۲۸) عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ اَعْطٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا وَ اَنَا جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ رَجُلًا هُوَ اَعْجَبُهُمْ اِلَیَّ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَالَكَ عَنْ فُلَانٍ وَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَ رَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ مُسْلِمًا ذَكَرَ ذَالِكَ سَعْدٌ ثَلَاثًا وَ اَجَابَهٗ بِمِثْلِ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ لَاُعْطِی الرَّجُلَ وَغَيْرُهٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْهُ خَشْيَةَ اَنْ يُكَبَّ فِی النَّارِ عَلٰی وَجْهِهٖ.

(۴۲۸) سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے چند لوگوں کو کچھ مال تقسیم کیا اور میرے نزدیک جو شخص ان سب میں زیادہ مستحق تھا اس کو کچھ نہ دیا۔ میں کھڑا ہو گیا اور میں نے پوچھا آپؐ نے فلاں آدمی کو بھلا کیوں نہیں دیا۔ خدا کی قسم میں تو اس کو پکا مؤمن سمجھتا ہوں آپؐ نے فرمایا مؤمن کہتے ہو یا صرف مسلمان سعد نے تین بار (لوٹا لوٹا کر) یہی کہا اور ہر بار آپؐ نے ان کو یہی ایک جواب دیا اس کے بعد فرمایا میں ایک شخص کو مال اس لیے دیتا ہوں حالانکہ اس سے زیادہ پیارا مجھے دوسرا شخص ہوتا ہے کہ کہیں وہ اوندھے منہ دوزخ میں نہ ڈال دیا جائے۔ (متفق علیہ)

(متفق علیه و فی طریق عند مسلم فسار رته فقلت یا رسول اللّٰه الخ)

---

(۴۲۸) * ابتداءِ اسلام میں نومسلم اور ضعیف الایمان افراد کی تالیف قلب کا بھی ایک دور گذر چکا ہے لیکن جو لوگ آپؐ کی پہلی ہی صحبت میں ایمان کا کیف حاصل کر چکے تھے یا بتدریج اس کی لذت سے آشنا ہو چکے تھے وہ اس قسم کی دلجوئیوں سے بہت بالاتر تھے ان کی استقامت ومحبت کی آزمائش کے لیے یا تو دہکتے ہوئے پتھر تھے یا آبدار شمشیر۔ مال کی محبت درحقیقت آثارِ کفر کا ایک بقیہ ہے اور غناء و بے نیازی ایمان کے برکات کی ابتداء ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے جبر و اکراہ کی پالیسی کبھی اختیار نہیں کی بلکہ اس کے برعکس تالیف قلب اور دل جوئی سے کام لیا ہے حتیٰ کہ اگر کسی نومسلم نے آپؐ سے مال کی کوئی طمع ظاہر کی ہے تو آپؐ نے اس کی خواہش بھی پوری فرمادی ہے اور اس کی اس پست حوصلگی کی اصلاح بھی انداز بے نیازی میں نہیں فرمائی ہر شخص کا مزاج یکساں نہیں ہوا کرتا، علمی دماغ اور بلند طبیعتیں گو ہر حقیقت کی جویاں ہوتی ہیں اور پست فطرتیں حسن سلوک اور ظاہری ہمدردی کا اثر زیادہ قبول کرتی ہیں یہاں نباضِ فطرت ہر ایک کے ساتھ معاملہ اس کی فطرت کے مناسب کیا کرتا تھا۔

بہار عالم حسنش جہاں را تازہ می دارد برنگ اصحاب صورت رابوار باب معنی را

بے چارے سعد کی رسائی ان دقیقہ سنجیوں تک نہ تھی اس لیے آپؐ نے ان کو سمجھا دیا کہ مال کی تقسیم کو میری محبت کی تقسیم کا ظن ....

الاعمال المرضية التي لا بدان تنشعب من الاسلام انشعاب الاغصان من الشجرة منها اماطة الاذى عن الطريق وهي ادناها

وہ چیدہ چیدہ اعمال جن کا اسلام سے اس طرح پھوٹ کر نکلنا ضروری ہوتا ہے جس طرح سبز درخت سے شاخوں کا ان میں ایک عمل راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی ہے اور یہ ان میں کا سب سے گھٹیا درجہ کا عمل ہے

(۴۲۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَّ سِتُّوْنَ شُعْبَةٌ فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَ الْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِیْمَانِ. (متفق علیہ)

(۴۲۹) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایمان کی ستر یا ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں (راوی کو صحیح عدد یاد نہیں رہا) سب سے افضل زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ کہنا (یعنی توحید الٰہی کا اقرار ہے) اور سب سے معمولی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا اور شرم کرنا بھی اسلام میں ایک ضروری چیز ہے۔ (متفق علیہ)

ﷺ .... معیار تصور کرنا غلط ہے یہاں آپ نے ان کی ایک اور بات کی بھی اصلاح فرمائی وہ یہ کہ انسان کو اپنے مقدار علم کے مطابق بات کہنی چاہیے۔ ایمان قلب کی ایک صفت ہے اور اسلام ظاہر کی کسی کے دل کا حال کسی کو کیا معلوم اس لیے ان کے لیے یہاں مؤمن کے بجائے مسلم کا لفظ استعمال کرنا مناسب تھا یہ ایک نوع کی گستاخی ہے کہ صاحب وحی کے سامنے کسی کے متعلق ایسے احکام لگا دیئے جائیں جن کا علم خدائے تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر خود اس کو بھی نہیں ہوتا۔

(۴۲۹) * حدیثوں میں بعض اعمال کو ارکان اور بعض کو شعبہائے اسلامی کہا گیا ہے۔ تعبیر کے اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکالنا بعید نہیں ہے کہ اس کی غرض شاید ان اعمال کے مراتب میں تفاوت کی طرف اشارہ کرنا ہو۔ جن کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حیثیت اسلام میں کچھ بلند ہو اور جن کو شعبہ کہا گیا ہے ان کی حیثیت صرف ایک شاخ کی سی رہے جس کے کٹنے سے اصل درخت کو چنداں نقصان نہیں پہنچتا۔ صرف اس کی ظاہری زیبائش ہی میں فرق پڑتا ہے لیکن جب اس طرف بھی نظر کی جاتی ہے کہ ان شعبوں میں ایسے ایسے اہم شعبے بھی شامل ہیں جن کو اسلام سے ارکان کا سا گہرا ربط ہے اور ان کا تعلق اسلام کے صرف ظاہر تک محدود نہیں بلکہ اس کی جڑ تک پہنچتا ہے تو پھر اس نکتہ طرازی میں کچھ شبہ گذرنے لگتا ہے۔

استاد قدس سرہ کی رائے یہ تھی کہ مذکورہ بالا لفظ کا مقصد نہ تو اسلام کی بساطت و ترکیب کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا ہے اور نہ اعمال کے تفاوت مراتب کی طرف بلکہ ان دونوں سے ایک اور بلند حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور وہ انسان کے ایمان کے حیاۃ و موت کا معیار ہے یعنی دراصل ایمان صرف اس خشک تصدیق کا نام نہیں جس میں عمل صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے بلکہ وہ اس تر و تازہ ایقان و اذعان کا نام ہے جس میں اعمال صالحہ کی بے شمار شاخیں سدا پھوٹتی رہیں اس پر رنگ برنگ کی عبادات کے پھول کھلیں اور ایسے ایسے نافع اعمال کی بہار آئے کہ رہ گذر سے ایک کانٹے کا ہٹا دینا ان میں ایک ادنیٰ ترین عمل شمار ہو۔ گویا انسان باہم ہمدردی اور غمخواری کا ایک ایسا پیکر بن جائے کہ اگر کسی کے پیر میں کانٹا بھی چبھے تو اس کی چسک یہ اپنے قلب میں محسوس کرے۔ ایسا ایمان زندہ ایمان ہے لیکن جس ایمان میں عمل صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے خدا کی مخلوق کے درد کا اس میں کوئی احساس نہ ہو اور باہم انس و محبت کی اس میں کوئی ﷺ ....

سلامة المسلمين من اللسان و اليد

کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان سے ایذاء نہ دینا

(۴۳۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَ یَدِهٖ وَ الْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَی اللّٰهُ عَنْهُ. (رواه البخاری و مسلم وغيرهما و زاد الترمذی و النسائی) وَ الْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ.

(۴۳۰) عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پورا مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذاء سے تمام مسلمان محفوظ رہیں اور پکا مہاجر وہ ہے جو ان تمام باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے (بخاری ؤ مسلم وغیرہما) ترمذی و نسائی نے اس حدیث میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ کامل مؤمن وہ ہے جس کو لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں امانت دار سمجھیں۔

☜ .... لہر نہ دوڑے وہ زندہ ایمان نہیں- مردہ ہے-قلبی تصدیق اور زبانی اقرار بلاشبہ ایمان کے سب سے بڑے رکن کہلاتے ہیں مگر یہ اسی وقت پر از حقیقت سمجھے جاسکتے ہیں جب کہ اعمالِ صالحہ کی شہادت ان کے ساتھ موجود ہو اور اسلام کا مقدس عہد بھی اسی وقت پورا کہا جا سکتا ہے جب کہ جوارح انسانی نیکی کے لیے مضطرب نظر آئیں اگر ایسا نہیں تو یہ اس امر کی دلیل ہوگی کہ قلبی تصدیق گو حاصل ہے مگر وہ کھوکھلی ہے اس میں حقیقت کی کوئی روح نہیں اور زبانی اقرار بھی گو موجود ہے مگر وہ بھی رسمی ہے اس میں بھی صداقت کی کوئی بو نہیں- خلاصہ یہ کہ شعبہائے اسلامی اس امر کی دلیل ہوتے ہیں کہ ایک مؤمن کا ایمان زندہ ہے یا اس کی روح نکل چکی ہے اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہاں شعبے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے-

اسی مضمون کو قرآن کریم نے ایک اور بلیغ انداز میں ادا کیا ہے ﴿مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾ (ابراهيم : ٢٤، ٢٥) آیت مذکورہ میں کلمہ طیبہ کو ایک درخت سے تشبیہ دی گئی ہے مگر اس درخت سے نہیں جس پر پھول و پھل کی کوئی رونق نہ ہو یا اس پر بہار آئے تو سال میں صرف ایک ہی بار آئے بلکہ اس درخت سے جو سدا بہار رہو اور اس پر کبھی خزاں نہ آئے وہ دوسرے درختوں کی طرح سال میں ایک ہی بار پھل نہ لائے بلکہ موسم کی قید سے آزاد ہو کر پھولوں اور پھلوں سے ہمیشہ لدا رہے- اب محدثین کو اختیار ہے کہ وہ اس مجموعہ کو ایمان کہیں یا اصل ایمان تصدیق کو قرار دیں اور اعمالِ صالحہ کو اس کے ثمرات شمار کریں-

اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شب و روز اپنے ایمان کا جائزہ لیا کرے اور یہ اندازہ لگایا کرے کہ اس کا ایمان اعمالِ صالحہ کا کتنا تقاضا کر رہا ہے اس میں نیکی کی کتنی شاخیں پھوٹ چکی ہیں اور کون سی شاخ ایسی ہے جس کا پھوٹنا ابھی باقی ہے- محدثین نے اس حدیث کو اتنی اہمیت دی ہے کہ شعبہائے اسلامی کو جمع کرنے کے لیے مستقل مستقل تصنیفیں تالیف کی ہیں ان میں امام بیہقی' ابوحاتم' ابوعبداللہ حلیمی' شیخ عبدالجلیل اور اسحاق بن القرطبی جیسے اجلہ محدثین بھی شامل ہیں- امام ابوحفص عمر القزوینی نے بیہقی کی تصنیف شعب الایمان کی تلخیص بھی کی ہے اور اس کا نام مختصر شعب الایمان رکھا ہے اس کتاب کی تالیف کے وقت شعب الایمان ہمارے پاس موجود نہ تھی اس لیے اس کی احادیث ہم نے صاحب مشکوٰۃ سے نقل کی ہیں اور جن کو اسلامی شعبوں میں زیادہ اہم سمجھا ہے ان میں سے بقدر وسعت چند کو اس جگہ درج کر دیا ہے-

(۴۳۰) * عرب کی قوم جو قرنوں سے قتل و غارت اور جنگ و بدامنی کی عادی چلی آئی تھی وہ ابھی تازہ تازہ اسلام میں داخل ہوئی ہے پیغمبر اسلام ان کی سرشت کا سب سے زیادہ نباض تھا وہ ان کو یہ بتا دینا چاہتا تھا کہ صرف ارکانِ اسلام ادا کر لینے اور چند مخصوص عقائد پر یقین کر لینے سے کوئی شخص مؤمن اور مسلم کے لقب کا مستحق نہیں ہوسکتا' اس کو یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ اب پہلے کی طرح اس کی زندگی پیام ☜ ....

(۴۳۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰذٰى مُسْلِمًا فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ.

(۴۳۱) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کو ستائے اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ تعالیٰ کو ستانے کا ارادہ کیا۔ (طبرانی)

اخرجه الطبراني في الاوسط. رمز السيوطي لحسنه و فيه موسى ابن خلف البصري العمي ضعفه بعضهم و وثقه بعضهم.

(۴۳۲) عَنْ اَبِىْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا اَوْ مَكَرَ بِهٖ. (رواه الترمذي و قال هذا حديث غريب)

(۴۳۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا اس کو فریب دے وہ ملعون ہے۔ (ترمذی)

☜ ...موت نہیں رہی بلکہ سرتاسر مژدہ سلامتی بن گئی ہے۔ امانت اور امن کی اس میں وہ روح پیدا ہوگئی ہے کہ قلوب میں اس کی طرف سے خوف و ہراس نکل چکا ہے۔ خدا کی مخلوق کو ہر معاملہ میں کیا جان اور کیا مال اس پر پورا پورا اعتماد حاصل ہوگیا ہے۔ یہ ہے وہ شخص جس کو اسلام مسلم اور مؤمن کا خطاب دے دیتا ہے اس اسلوب بیان میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسا ملکہ شعر گوئی کے بغیر کوئی شخص شاعر اور علم کے بغیر عالم نہیں کہا جا سکتا ایسا ہی سلامتی و امن کا پیکر بنے بغیر کسی کو مسلم اور مؤمن نہیں کہا جا سکتا یہاں ہاتھ اور زبان کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ عام طور پر ایذاء رسانی کے آلات یہی ہیں ورنہ اصل مقصد ترکِ ایذاء ہے خواہ وہ کسی ذریعہ سے بھی ہو۔ ان دو میں باہم فرق یہ ہے کہ ہاتھ کی ایذاء کا تعلق صرف حاضر کے ساتھ ہوتا ہے اور زبانی ایذاء کا حاضر و غائب دونوں کے ساتھ بلکہ اس میں زندہ اور مردہ کی بھی قید نہیں ہے۔ تیسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت یعنی خدا کی راہ میں گھر در چھوڑ دینا اگرچہ ایک بے نظیر قربانی ہے مگر کامل مذہب ابھی کاملین کو اور تکمیل بنانا چاہتا ہے وہ یہ سمجھاتا ہے کہ ہجرت کی روح صرف ترکِ وطن اور مال و اولاد کے ترک سے بھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کا اصل مقصد کسی کی مزاحمت کے بغیر آزادی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اپنے نفس کو ان بری صحبتوں سے نکال لینا ہے جن کی مخالفت سے اقامت دین یا اس کی حدود کے تحفظ میں کبھی تہاون کا خطرہ پیدا ہوسکتا ہو پس اگر ایک شخص آبائی وطن ترک کرنے کے بعد اپنی مسافرت و غربت کے حال میں بھی وطن سے زیادہ ممنوعات شرعیہ کا خوگر بنا ہوا ہے تو اسلام کے نزدیک ابھی وہ اس لائق نہیں کہ اس کو ''مہاجر'' جیسا معزز لقب دے دیا جائے۔ اس اسلوبِ بیان میں حقیقی مہاجرین کو یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ وہ صرف ترکِ وطن کر کے مطمئن نہ ہو بیٹھیں اس لقب کی تکمیل ابھی ایک ایسی طویل ہجرت پر موقوف ہے جس کا سلسلہ تا زندگی ختم ہونے والا نہیں اور وہ یہ ہے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ منع فرما چکا ہے اس کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا جائے۔ اب ہجرت کی یہ وہ وسیع مملکت ہوگی جس کے لیے کوئی نہایت نہیں خوش دلی یا تنگ دلی سے بیٹھنے کا موقعہ نہیں ہے کامل سمجھ لے کہ ان صحرائے دراز اور وادیہائے پر خار کے طے کیے بغیر اس کا تکمیل ہونا ناممکن ہے اور تکمیل ہوشیار ہو جائے کہ اسلام کی شاہراہ کمال ابھی اور بہت آگے ہے۔

ہر نقابے روئے جاناں را نقابے دیگر است ہر حجابے را کہ طے کردی حجابے دیگر است

(۴۳۲) ٭ یعنی ایک مسلمان کی ایذاء رسانی صرف مخلوق کی ایذاء رسانی نہیں سمجھی جاتی بلکہ وہ رسول کی ذات سے بھی گذر کر خدا تک جا پہنچتی ہے یہی حال اس کے ساتھ محبت کرنے کا بھی ہے۔ رسول کی ذات بھی کیسی بلند ہوتی ہے کہ اس کی ایذاء و محبت خدائے تعالیٰ کے ایذاء و محبت سے پکاری جاتی ہے۔ مسلمان جب اپنے رسول کا پورا پورا متبع ہو جاتا ہے تو پھر یہی نسبت اس کے اور رسول کے مابین قائم ہو جاتی ہے۔

(۴۴۳) عَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اَنْتَفِعُ بِهٖ قَالَ اِعْزِلِ الْاَذٰی عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ. (رواہ ابن ماجه)

(۴۴۳) ابو برزہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہؐ کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے نفع دے آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دیا کرو۔ (ابن ماجہ)

(۴۴۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا لَعَلَّ اللّٰهُ اَنْ یَنْفَعَنِیْ بِهٖ قَالَ اُنْظُرْ مَا یُؤْذِی النَّاسَ فَنَحِّهٖ عَنِ الطَّرِیْقِ. (اخرجه ابن عساکر کما فی الجامع الکبیر)

(۴۴۴) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا مجھے کچھ سکھایئے شائد اللہ تعالیٰ مجھے اس پر عمل کی توفیق بخش دے آپؐ نے فرمایا جو چیز لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہو اس کا خیال رکھنا اور جہاں کہیں ایسی چیز دیکھنا اسے راستہ سے ایک طرف ڈال دینا۔ (جامع کبیر)

(۴۳۵) عَنْ اَبِیْ شَیْبَةَ قَالَ کَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ یَمْشِیْ وَ رَجُلٌ مَعَهٗ فَرَفَعَ حَجَرًا عَنِ الطَّرِیْقِ فَقُلْتُ مَاهٰذَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ رَفَعَ حَجَرًا عَنِ الطَّرِیْقِ کُتِبَ لَهٗ حَسَنَةٌ وَ مَنْ کَانَتْ لَهٗ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (اخرجه الطبرانی فی الکبیر قال الهیثمی رجاله ثقات)

(۴۳۵) ابوشیبہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیادہ پا جا رہے تھے ایک اور شخص بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا (راستہ پر انہوں نے ایک پتھر پڑا ہوا دیکھا) تو فوراً اسے راستہ سے ہٹا دیا میں نے عرض کیا یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اگر راستہ سے کوئی شخص پتھر ہٹا دے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جس کے پاس ایک نیکی بھی ہوگی وہ بھی جنت میں جائے گا۔ (طبرانی)

(۴۳۶) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍ. قَالَ مُعَاوِیَةُ کُنْتُ مَعَ مَعْقِلٍ فِیْ بَعْضِ الطُّرُقَاتِ فَمَرَّ بِاَذًی فَاَمَاطَهٗ فَرَاَیْتُ مِثْلَهٗ فَنَحَّیْتُهٗ فَقَالَ مَا حَمَلَکَ عَلٰی ذٰلِکَ قُلْتُ رَاَیْتُکَ صَنَعْتَ

(۴۳۶) معاویہ کہتے ہیں کہ میں معقل بن یسار کے ساتھ کسی راستہ پر جا رہا تھا ان کا کسی ایسے پتھر وغیرہ پر گذر ہوا جو گذرنے والوں کے لیے باعث تکلیف تھا انہوں نے اس کو اُٹھا کر پھینک دیا آگے چل کر میں نے بھی اسی قسم کا ایک پتھر دیکھا تو میں نے بھی اس کو ایک طرف ڈال دیا' انہوں نے مجھ

---

(۴۴۳) * غالبًا یہاں سائل کا مقصد کسی ایسے امر کا سوال کرنا تھا جس کا کرنا اس کی قدرت میں ہو کیونکہ یہی نیک عمل سے نفع اٹھانے کی صورت ہوسکتی ہے نیک عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو لیکن اگر اس پر عمل نہ ہو سکے تو وہ کس کام کا آپؐ نے اس کو ایسا آسان عمل بتا دیا جو اس سے بھی بسہولت ادا ہو جائے اور تمام دنیا کے لیے بھی سہولت کا موجب ہو۔

(۴۳۶) * اس روایت سے پہلی روایت کی شرح ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ مغفرت کے لیے صرف نیکی کرنا کافی نہیں اس کی قبولیت بھی شرط ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ بعض مرتبہ معمولی سی نیکی ایسی بروقت ہوتی ہے کہ دریائے رحمت کو جوش میں لانے کے لیے وہی ایک چھوٹی سی نیکی کافی ہوجاتی ہے اور بحرِ عصیاں کے غریق کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

فَصَنَعْتُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَمَاطَ اَذًى عَنْ طَرِيْقٍ كُتِبَ لَهٗ حَسَنَةٌ وَ مَنْ تُقُبِّلَتْ مِنْهُ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (اخرجه البخاری فی الادب المفرد قال الهيثمی سنده حسن و رمز السيوطی لحسنه)

سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا میں نے کہا آپ کو دیکھا تھا کہ آپ نے یہی عمل کیا تھا لہٰذا میں نے بھی آپ کے دیکھا دیکھی وہی عمل کیا ہے انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو کسی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دے تو اس کے حق میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جس کی ایک نیکی بھی قبول ہو جائے وہ بھی آخر کار جنت میں چلا جائے گا۔ (ادب المفرد)

(۴۳۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا يُؤْذِيْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ. (متفق عليه)

(۴۳۷) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کا کسی ایسے راستہ سے گذر ہوا جس پر درخت کی ایک شاخ پڑی ہوئی تھی اس نے دل میں کہا کہ میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹا دوں تاکہ ان کو تکلیف نہ دے بس اتنی سی نیت کی بدولت وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔ (متفق علیہ)

(۴۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِی الْجَنَّةِ فِیْ شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيْقِ كَانَتْ تُؤْذِی النَّاسَ. (رواه مسلم)

(۴۳۸) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت میں صرف ایک درخت کی بدولت ٹہلتا ہوا پھر رہا ہے جو راستہ پر لوگوں کی تکلیف کا باعث بن رہا تھا اور اس نے اس کو کاٹ دیا تھا۔ (مسلم)

(۴۳۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَ يُعِيْنُ الرَّجُلَ عَلٰى دَابَّتِهٖ فَيَحْمِلُ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ اَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَ الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَ كُلُّ خَطْوَةٍ يَخْطُوْهَا اِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَ يُمِيْطُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ. (متفق عليه)

(۴۳۹) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز جب آفتاب نکلتا ہے تو آدمی کے جسم میں جتنے جوڑ بند ہیں ان سب کی طرف سے اس پر ایک ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے (وہ اس طرح ادا ہوتا رہتا ہے) دو شخصوں کے درمیان کسی معاملہ میں فیصلہ کرا دیا یہ ایک صدقہ ہو گیا کسی سوار شخص کی کوئی مدد کر دی اس کو سوار کر دیا یہ صدقہ ہو گیا اس کا کچھ سامان نیچے سے اٹھا کر اسے پکڑا دیا یہ صدقہ ہو گیا۔ کوئی بھلی بات زبان سے نکالی یہ صدقہ ہو گیا' ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھایا وہ صدقہ ہو گیا اور اگر راہ پر کوئی تکلیف دہ چیز پڑی دیکھی اور ہٹا دی وہ صدقہ ہو گئی۔ (متفق علیہ)

---

(۴۳۹) * سبحان اللہ! اگر خدائے تعالیٰ نے اپنے ضعیف بندوں پر بہت سے صدقات واجب فرمائے تھے تو ان کی ادائیگی کی سبیل بھی کتنی آسان نکال دی ہے یعنی اس کی ہر ہر حرکت و سکون کو ایک ایک صدقہ بنا دیا ہے اس میں یہ تعلیم بھی مضمر ہے کہ انسان کو ایسا کامل ہو جانا چاہیے کہ اس کی حرکات و سکنات بہائم کی طرح نہ رہیں بلکہ ان میں تقرب الی اللہ کی وہ روح پیدا ہو جائے کہ اگر وہ غنی نہ ہو تو بھی محض للہ....

(۴۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَ صِیَامِهَا وَ صَدَقَتِهَا غَیْرَ اَنَّهَا تُؤْذِیْ جِیْرَانَهَا بِلِسَانِهَا قَالَ هِیَ فِی النَّارِ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ قِلَّةُ صِیَامِهَا وَ صَدَقَتِهَا وَ صَلٰوتِهَا وَ اِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَ لَا تُؤْذِیْ بِلِسَانِهَا جِیْرَانَهَا قَالَ هِیَ فِی الْجَنَّةِ۔

(رواه احمد و البيهقي في شعب الايمان)

(۴۴۰) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ فلاں بی بی کی نماز روزے اور صدقہ و خیرات کرنے کی بڑی شہرت اڑ رہی ہے مگر اس میں ایک عیب بھی ہے وہ یہ کہ اپنے ہمسایوں کو برا بھلا کہتی ہے فرمایا وہ دوزخ میں ہے پھر اس نے کہا یا رسول اللہ اور فلانی عورت کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ روزے' نماز' اور صدقہ خیرات اس کثرت کے ساتھ تو ادا نہیں کرتی صرف پنیر کے چند ٹکڑے راہ خدا میں دے دیتی ہے لیکن اس میں ایک بڑا ہنر یہ ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی فرمایا وہ جنت میں ہے۔ (احمد۔بیہقی)

(۴۴۱) وَ عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلٰی نَاسٍ جُلُوْسٍ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَیْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ قَالَ فَسَكَتُوْا فَقَالَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا بِخَیْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ خَیْرُكُمْ مَنْ یُرْجٰی خَیْرُهٗ وَ یُؤْمَنُ شَرُّهٗ وَ شَرُّكُمْ مَنْ لَا یُرْجٰی خَیْرُهٗ وَ لَا یُؤْمَنُ شَرُّهٗ۔

(رواه الترمذی و البيهقي في شعب الايمان و قال الترمذي هذا حديث حسن صحيح)

(۴۴۱) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوئے تھے آپؐ وہاں آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا بولو کیا میں تمہیں یہ نہ بتا دوں کہ تم میں میں برا شخص کون ہے اور بھلا کون۔ راوی کہتا ہے صحابہؓ اس پر خاموش ہو گئے (اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا) تین بار آپؐ نے یہی فرمایا اس پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتائیے کہ ہم میں بھلا کون ہے اور برا کون۔ آپؐ نے فرمایا بھلا شخص تو وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی امید کی جائے اور برائی کا کوئی خطرہ بھی نہ کیا جائے اور بدترین وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی کوئی امید نہ ہو اور برائی کا ہر وقت خطرہ لگا رہے۔

(ترمذی۔بیہقی)

؎ ....اپنے اعمال کی بدولت بے شمار صدقات کے ثواب کا مالک بن سکے۔ اس امت میں بزرگی کا معیار غناء و فقر نہیں انسان کے اعمال ہیں اور ان میں سب سے معمولی عمل یہ ہے کہ راہ پر کوئی تکلیف دہ چیز دیکھے تو اسے ہٹا دے۔

مباش درپے آزار خلق ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گنا ہے نیست

(۴۴۰) ٭ عام انسانوں کی نظروں میں جتنا اہتمام بدنی اور مالی عبادتوں کا ہوتا ہے اتنا معاملات اور حقوق العباد کا نہیں ہوتا۔ شریعت تنبیہ کرتی ہے کہ عبادت ایک بے نیاز کا حق ہے اور معاملات باہمی محتاج انسانوں کے حقوق اس لیے ان کا اہتمام زیادہ کرنا چاہیے۔ خدا کے فرائض کے بعد جو ان میں کوتاہی کرتا ہے اس کا معاملہ خطرہ میں ہے۔

(۴۴۱) ٭ اس روایت نے بھی انسانوں میں خیر اور شر کی تقسیم صرف نماز اور روزہ میں جدوجہد پر نہیں کی بلکہ مخلوق کی ایذاء رسانی اور ترک ایذاء رسانی پر کی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ نفل عبادتیں بے اثر رہتی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخلوق کی ایذاء رسانی کے ساتھ ان کا جوہر نہیں کھلتا اگر کاش ان کے ساتھ خلق اللہ کی خیر خواہی بھی شامل ہو جائے تو ان کا جوہر کھلے۔

(۴۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ عَلٰى سِتِّيْنَ وَ ثَلاَثِمِاْئَةِ مِفْصَلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَ حَمِدَ اللّٰهَ وَ هَلَّلَ اللّٰهَ وَ سَبَّحَ اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَ عَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ اَوْ شَوْكَةً اَوْ عَظْمًا اَوْ اَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ اَوْنَهٰى عَنْ مُنْكَرٍ عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّيْنَ وَ الثَّلاثِمِاْئَةِ بِهٖ فَاِنَّهٗ يَمْشِيْ يَوْمَئِذٍ وَ قَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهٗ عَنِ النَّارِ. (رواه مسلم)

(۴۴۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنے انسان ہیں ان سب کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ بنائے گئے ہیں (ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے) تو جس نے اللہ اکبر کہا، یا الحمدللہ، یا لا الٰہ الا اللہ، یا سبحان اللہ، یا استغفر اللہ کہا یہ ایک ایک صدقہ شمار ہو جاتا ہے اسی طرح جس نے لوگوں کے راستہ سے کوئی پتھر ہٹا دیا یا کانٹا یا کوئی ہڈی ہٹا دی یا نیک بات کہہ دی یا بری بات سے روک دیا غرض اسی تین سو ساٹھ کے عدد کے مطابق یہ عمل کر دیئے تو وہ اس دن زمین پر اس حال میں چلتا پھرے گا کہ اپنی جان کو دوزخ کے عذاب سے دور کر چکا ہو گا۔ (مسلم شریف)

(۴۴۳) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِيْ وَجْهِ اَخِيْكَ صَدَقَةٌ وَ اَمْرُكَ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَ نَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَ اِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِيْ اَرْضِ الضَّلاَلِ لَكَ صَدَقَةٌ وَ نَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِيَّ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَ اِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَ الشَّوْكَ وَ الْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيْقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَ اِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ دَلْوِ اَخِيْكَ لَكَ صَدَقَةٌ. (رواه الترمذی و قال هذا حديث غريب)

(۴۴۳) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر ذرا سا مسکرا دینا بھی صدقہ ہے، کوئی نیک بات کہہ دینی بھی صدقہ ہے، تمہارا کسی کو بری بات سے روک دینا بھی صدقہ ہے کسی بے نشان زمین میں کسی کو راستہ بتا دینا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے جس شخص کی نظر کمزور ہو اس کی مدد کر دینا بھی صدقہ ہے، راستہ سے پتھر، کانٹا اور ہڈی کا ہٹا دینا بھی تمہارے لیے ایک صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا بھی ایک صدقہ ہے۔

(ترمذی شریف)

(۴۴۴) عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَ يَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اَوْلَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُعِيْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَاْمُرُ بِالْخَيْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهٗ لَهٗ صَدَقَةٌ. (متفق عليه)

(۴۴۴) ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ دینا واجب ہے لوگوں نے پوچھا اگر اس کے پاس صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو کیا کرے؟ فرمایا اپنے ہاتھوں سے محنت مزدوری کرے اور اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچائے اور دوسروں کو بھی صدقہ دے لوگوں نے عرض کیا اگر یہ کرنے کی طاقت نہ رکھے یا استطاعت کے باوجود نہ کرے تو۔ فرمایا کسی غمزدہ محتاج کی مدد ہی کر دے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا تو نیک بات ہی کہہ دے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا تو (کم از کم) کسی نقصان رسانی سے ہی باز رہے کیونکہ یہ بھی اس کے حق میں ایک قسم کا صدقہ شمار ہوگا۔ (متفق علیہ)

افشاء السلام و اطعام الطعام

واقفیت کی قید کے بغیر عام طور پر ایک دوسرے کو سلام کرنا اور محتاجوں کو کھانا کھلانا

(۴۴۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَّمْ تَعْرِفْ. (رواہ البخاری و مسلم و غیرهم)

(۴۴۵) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اسلام میں سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ فرمایا (بھوکوں کو) کھانا کھلانا اور آشنا ہو یا نا آشنا سب کو سلام کرنا۔ (متفق علیہ)

---

(۴۴۵) * ایک گذشتہ حدیث میں آپ کو ہجرت کی ایک وسیع شاہراہ بتائی گئی تھی یہاں اسلام کے دو اور وسیع گوشے بتا دیئے گئے ہیں یعنی اطعام طعام (بھوکوں کو کھانا کھلانا) اور افشاء سلام یعنی (باہم سلام کا رواج دینا) اطعام طعام میں اتنی وسعت ہے کہ اس میں نہ کسی وقت کی کوئی قید ہے اور نہ مسلمان و کافر کی تفصیل یہاں تک کہ انسان و حیوان کی بھی کوئی تفصیل نہیں۔ اسی طرح افشاء سلام میں بھی تعارف یا عدم تعارف کا کوئی لحاظ نہیں۔ یوں تو اسلام میں ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم شعبے موجود ہیں لیکن عرب کے اس ماحول میں ان دو کی اہمیت زیادہ محسوس کی گئی تھی کیونکہ ان کی شب و روز قتل و غارت نے انسانوں کو ایسا خوف زدہ بنا دیا تھا کہ جب کوئی اجنبی شخص کسی سے ملتا تو وہ اس کو موت کا ایک فرشتہ نظر آتا اور جب تک اس کی جانب سے پورا اطمینان حاصل نہ ہو جاتا اس سے خوف زدہ ہی رہتا تھا اسلام نے آ کر یہ تعلیم دی کہ خوف و ہراس کا دور ختم ہوا اب سلامتی و امن کا زمانہ آ گیا ہے اور اس کے اعلان کرنے کے لیے سب سے پہلے لفظ سلام مقرر کیا تا کہ پہلی ملاقات ہی میں یہ بات صاف ہو جائے کہ اب میں تمہارے لیے صدائے موت نہیں رہا پیغام سلامتی بن گیا ہوں اور اس لفظ کو چلتے پھرتے اس کثرت سے استعمال کرنے کا حکم دیا کہ خوف دنیا کے پردہ سے اٹھ جائے اور سلامتی کی برکتیں چاروں طرف سے گھیر لیں۔ ملاقات کے وقت ہر قوم کا ایک شعار ہوتا ہے اسلام نے پیغام سلامتی کو اپنا شعار مقرر کر لیا ہے۔ ابن عمرؓ اس حکم کی تعمیل میں اتنی شدت کرتے کہ صرف افشاء سلام کی خاطر بازار در بازار، کوچہ در کوچہ پھرتے اور لوگوں کو سلام کر کر کے اپنے گھر واپس آ جاتے تھے جیسا کہ ابھی ان کی مفصل حدیث آپ کے مطالعہ سے گذرے گی۔ افشاء سلام کی اہمیت کے لیے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث ترجمان السنہ جلد اول ص ۴۴۹ پر بھی ملاحظہ سے گذر چکی ہے۔

رہی اطعام طعام کے ارشاد کی تعمیل تو وہ بھی اس گرم جوشی سے کی گئی کہ جو اپنے پاس اپنے بچوں کی صرف ایک وقت کی خوراک رکھتا تھا اس نے بھی خود بھوکا سو رہنا اور ان کی خوراک دوسروں کو کھلا دینا پسند کر لیا... آیت ﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ﴾ (الحشر: ۹) میں اسی قسم کے ایثار پیشہ جماعت کا ذکر کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن سلام جب اسلام کی تلاش میں مدینہ پہنچے ہیں تو سب سے پہلے جو کلمات نصیحت انہوں نے آپ کے دہن مبارک سے سنے وہ یہی افشاء سلام اور اطعام طعام کے کلمات تھے نیز آپ کے ایک بہت اہم خواب میں جن اعمال کو رفع درجات کا موجب بتایا گیا تھا ان میں سب سے درخشاں عمل اسی افشاء سلام اور اطعام طعام کو قرار دیا گیا ہے جیسا کہ وہ حدیث ترجمان السنہ ج ۱ ص ۴۰۲ پر گذر چکی ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مخلوق کی ہمدردی اور باہمی مساوات کا جذبہ صرف جبر و اکراہ کی راہ سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے دماغی تربیت اور عملی ٹریننگ کی بھی ضرورت ہے اس لیے اسلام نے لوگوں کو اپنی قوتِ بازو سے کمایا ہوا مال ان سے زبردستی چھین کر ....

(۴۴۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ اَنَّهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ اَوَّلُ مَا قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ صِلُوا الْاَرْحَامَ وَ صَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (رواه الترمذی و ابن ماجة و الدارمی)

(۴۴۶) عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس وقت میں نے آپ کا چہرۂ مبارک دیکھا اسی وقت پہچان گیا کہ یہ چہرہ تو کسی جھوٹے شخص کا ہو نہیں سکتا جو سب سے پہلے بات اس وقت آپ نے فرمائی وہ یہ تھی لوگو باہم خوب سلام کیا کرو۔ محتاجوں کو کھانے کھلایا کرو۔ رشتہ داری کے تعلقات میں حسن سلوک کی رعایت رکھا کرو اور جب لوگ سوتے پڑے ہوں تو تم راتوں کو نمازیں پڑھا کرو جنت میں سلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی وغیرہ)

(۴۴۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ اَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

(۴۴۷) عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحمٰن کی عبادت کیا کرو اور محتاجوں کو کھانے کھلایا کرو اور کسی تعارف کے بغیر ایک دوسرے کو سلام کیا کرو' جنت میں سلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی' ابن ماجہ)

(۴۴۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْاِيْمَانُ فَقَالَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَ بَذْلُ السَّلَامِ. (رواه الشيخان)

(۴۴۸) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایمان کی باتیں کیا کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا کھانا کھلانا اور کسی تعارف کے بغیر سلام کرنا۔ (بخاری و مسلم)

لـه ....دوسروں کے حوالہ کر دینے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ ایک طرف تو کچھ حقوق فرض و واجب قرار دیئے ہیں اور ان کا ادا کرنا ہر شخص پر طوعاً و کرھاً لازم کر دیا ہے دوسری طرف اسی کے ہم جنس بہت سے اور حقوق رکھ دیئے ہیں جن کو ادا کرنا اس پر لازم قرار نہیں دیا بلکہ صرف ان کی ترغیب دے کر ان کو اس کی خوشی پر چھوڑ دیا ہے اس کا مقصد دراصل یہ آزمائش کرنی ہے کہ فرض و واجبات کی اس عملی ٹریننگ کے بعد اب اس کی فطرت میں انفاق و ایثار کی کتنی اسپرٹ پیدا ہو گئی ہے اور کسی کے جبر و اکراہ کے بغیر اب وہ اپنی خوشی سے دوسروں کی ہمدردی کا کتنا عادی بن چکا ہے۔

اسلام کے یہ دو مختصر شعبے اجتماعی حیات کے لیے دو اہم رکن ہیں اگر تنہا خوری اور ترکِ سلام کی مغرورانہ عادتیں آج بھی چھوڑ جائیں تو ہماری اجتماعی حیات کے چمن میں نفاق و شقاق کے بجائے پھر گلہائے انس و محبت کھل سکتے ہیں۔

(۴۴۷) * یہاں عبادت کے ساتھ رحمٰن کا اسم مبارک اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ چند حقیر اعمال کے ساتھ جنت جیسی بے بہا متاع کا ہاتھ آ جانا رحمت ہی کا کرشمہ ہو سکتا ہے۔ وگرنہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل نسیمِ صبا سب تری مہربانی

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکۃ اللّٰہ اہلِ جنت کو سلام کریں گے اور اہل جنت بھی باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے حتیٰ کہ رب العزت بنفس قدسی اہل جنت کے لیے ان کو سلام فرمائے گا۔ جو لوگ اس روش کو دنیا میں قائم کرتے ہیں وہ یہاں بھی اہل جنت کے قدم پر ہیں اور فردائے قیامت میں خدائے تعالیٰ کی جنت میں داخل ہوں گے۔

(۴۴۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ فَقِيْلَ مَا بِرُّ الْحَجِّ قَالَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَ طِيْبُ الْكَلَامِ. (اخرجه احمد)

(۴۴۹) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں پھر آپ سے پوچھا گیا حج مبرور میں نیک کام کیا ہیں؟ فرمایا کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا۔ (مسند احمد)

(۴۵۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اِذَا رَأَيْتُكَ طَابَتْ نَفْسِیْ وَ قَرَّتْ عَيْنِیْ فَاَنْبِئْنِیْ عَنْ كُلِّ شَیْءٍ قَالَ كُلُّ شَیْءٍ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ قُلْتُ اَنْبِئْنِیْ بِشَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُهٗ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ اَفْشُو السَّلَامَ تَدْخُلُو الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.

(۴۵۰) ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری حالت یہ ہے کہ جب آپ کو دیکھ لیتا ہوں تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں مجھے یہ تو بتا دیجئے کہ یہ تمام مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی ہے؟ فرمایا پانی سے پھر میں نے عرض کیا اچھا مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جسے میں کرلوں تو یقیناً جنت میں داخل ہو جاؤں فرمایا رحمٰن کی عبادت کر (لوگوں کو) خوب کھانے کھلایا کر' اور باہم ایک دوسرے کو کسی تعارف کے بغیر سلام کیا کر اور پھر جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (مسند احمد وغیرہ)

(اخرجه الامام احمد و الترمذی عن ابی هريرة و فی رواية احمد بصيغة الأفراد و اخرجه البخاری فی الادب و الطبرانی فی الكبير و ابو نعيم فی الحليه و ابن حبان فی صحيحه عن عبدالله بن عمر و لفظه تدخلوا الجنان.)

(۴۵۱) عَنْ مِيْنَاءَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ اَحْسِبُهٗ مِنْ قَيْسٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَنْ حِمْيَرَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۴۵۱) میناء روایت کرتے ہیں کہ میں نے یہ بات ابوہریرہ کو فرماتے خود سنا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا جہاں تک میرا گمان ہے وہ قبیلہ قیس کا آدمی معلوم ہوتا تھا' اس نے کہا یا رسول اللہ قبیلہ حمیر پر لعنت فرمایئے' آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے پھر آیا' آپ نے پھر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ تیسری طرف سے پھر آ، آپ نے پھر منہ پھیر لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ قبیلہ حمیر پر رحم فرمائے ان کے منہ پر السلام علیک کا لفظ رہتا ہے' ان کے ہاتھ غریبوں کو کھانا کھلانے میں مشغول رہتے

---

(۴۵۰) * اس قسم کی حدیثوں کی اصل روح یہ ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ جنت تم سے کہیں بہت دور ہے' وہ تم سے صرف چند قدم کے فاصلہ پر ہے' قدم اٹھاؤ' اور بڑے اطمینان کے ساتھ اس میں چلے جاؤ۔ مگر واضح رہے کہ یہ چند قدم بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے جامع ہیں۔ پہلا قدم حقوق اللہ سے متعلق ہے۔ اور آخر کے دو قدم حقوق العباد سے۔ جس نے یہ دو قدم اٹھا لیے سمجھو کہ اس نے تمام حقوق ادا کر دیئے اور جس نے حقوق العباد اور حقوق اللہ ادا کر دیئے وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ معلوم رہے کہ عمل کوئی بھی ایسا نہیں جس کے صلہ میں جنت جیسی متاع بے بہا کا ملنا ضروری ہو' البتہ رحمت خداوندی نے معمولی معمولی اعمال پر جنت کا وعدہ کر کے اپنی جنت کو ارزاں کر دیا ہے اور اسی وعدہ کے بھروسہ پر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کی جرأت کی ہے۔

وَ سَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ حِمْيَرَ اَفْوَاهُهُمْ سَلَامٌ وَ اَيْدِيْهِمْ طَعَامٌ وَ هُمْ اَهْلُ اَمْنٍ وَ اِيْمَانٍ. (رواه احمد و الترمذی)

ہیں، یہی لوگ ہیں جو بڑے امن اور ایمان والے ہیں (مسند احمد و ترمذی) (سبحان اللہ خاتم المرسلین یعنی رحمت مجسم بن کر آئے لوگ ان سے لعنتوں کی درخواست کرتے تھے وہ رحمتوں کی دعائیں کر دیتے تھے)

(۴۵۲) عَنْ هَانِيٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ يُوْجِبُ الْجَنَّةَ قَالَ عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْكَلَامِ وَ بَذْلِ الطَّعَامِ.

(۴۵۲) ہانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی ایسا عمل ارشاد فرمایئے جو جنت کا یقینی سبب ہو، فرمایا نرم گفتگو کرنا اور خدا کی راہ میں کھانے کھلانا۔ (مسند احمد وغیرہ)

(اخرجه البخاری فی الادب المفرد و الحاکم عن هانئ ابی شریح قال الحاکم صحیح و لا علة له و علته عند هما ان هانئا لیس له راو غیرا بنه لکن له نظائر عندهما واقره الذهبی وقال الحافظ العراقی فی امالیه حدیث حسن و اخرج ابن ابی شیبة و احمد و الطبرانی و الخرائطی و البیهقی بلفظ ان من موجبات المغفرة بذل السلام و حسن الکلام قال العراقی اسناده جید و قال الهیثمی رجال احمد رجال الصحیح.)

(۴۵۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِسْلَامُ قَالَ طِيْبُ الْكَلَامِ وَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ فَقُلْتُ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَ السَّمَاحَةُ قُلْتُ اَيُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ قُلْتُ اَيُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ. (رواه احمد)

(۴۵۳) عمرو بن عبسہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کیا چیز ہے فرمایا نرم گفتگو کرنا، اور خدائے تعالیٰ کی راہ میں کھانا کھلانا، میں نے عرض کیا اچھا ایمان کیا ہے فرمایا صبر کرنا اور سخاوت کرنا، پھر میں نے پوچھا کون سا اسلام افضل ہے؟ فرمایا جس شخص کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان تکلیف نہ اٹھائیں، میں نے پوچھا اور ایمان کون سا افضل ہے؟ فرمایا اعلیٰ اخلاق۔ (مسند احمد)

(۴۵۴) عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرٰى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَ بَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا اَعَدَّ اللّٰهُ لِمَنْ اَلَانَ الْكَلَامَ وَ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ تَابَعَ الصِّيَامَ وَ صَلّٰى بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان و روی الترمذی عن علی نحوه)

(۴۵۴) ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں بہت سے بالا خانے ایسے ہیں جو اتنے شفاف ہوں گے کہ ان کا بیرونی حصہ اندرونی حصہ سے اور ان کا اندرونی حصہ بیرونی حصہ سے نظر آئے گا ان کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو نرم گفتگو کے عادی ہوں، کھانے کھلائیں، پے در پے روزے رکھا کریں اور جب شب میں اور لوگ غفلت کی نیند سوتے رہیں تو یہ نمازیں پڑھا کریں۔ (شعب الایمان)

(۴۵۳) * حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ صبر وسماحت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صبر سے مراد ان باتوں پر صبر کرنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اور سماحت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ذوق وشوق اور فراخ دلی کے ساتھ ادا کرنا۔

(۴۵۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فی قصته) قَالَ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ تَسْلِيْمُ الْخَاصَّةِ وَ فُشُوُّ التِّجَارَةِ حَتّٰى تُعِيْنَ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا عَلَى التِّجَارَةِ وَ قَطْعُ الْاَرْحَامِ وَ فُشُوُّ الْقَلَمِ وَ ظُهُوْرُ الشَّهَادَةِ بِالزُّوْرِ وَ كِتْمَانُ شَهَادَةِ الْحَقِّ. (رواه البخاری فی الادب المفرد)

(۴۵۵) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے قیامت سے قبل منجملہ اور علامات کے چند یہ علامات بھی ضروری ہیں۔ سلام کا رواج خاص خاص دائروں میں محدود ہو جانا۔ تجارت کا اتنا عام طور پر رواج پا جانا کہ بی بی بھی اس میں اپنے شوہر کی مدد کرنے لگے۔ اہل و نا اہل سب کا قلم چل پڑنا۔ جھوٹی شہادت ادا کرنے میں بہادر بن جانا اور سچی شہادت کا اخفاء کرنا۔ (الادب المفرد)

(۴۵۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُّسَلِّمَ الرَّجُلُ عَلَى الرَّجُلِ لَا يُسَلِّمُ اِلَّا بِمَعْرِفَةٍ. (رواه احمد)

(۴۵۶) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں علامات قیامت میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو سلام صرف اپنے تعارف کی بنیاد پر کرے گا۔ (نہ کہ اسلامی اخوت کی بنا پر) (مسند احمد)

(۴۵۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ السَّلَامَ اِسْمٌ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَضَعَهُ اللّٰهُ فِي الْاَرْضِ فَاَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. (رواه البخاری فی الادب المفرد)

(۴۵۷) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں ایک اسم مبارک ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں نازل فرمایا ہے لہٰذا تم لفظ السلام کا باہم بکثرت استعمال کیا کرو۔ (الادب المفرد)

(۴۵۸) عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى

(۴۵۸) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

(۴۵۵) ✽ یوں تو ان علامات میں ایک ایک علامت اپنی اپنی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک معجزہ ہے ان میں سے شہادت کا حال جس درجہ ابتر ہو چکا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے باہم رشتہ و ناطہ کے تعلقات ختم ہو ہی چکے ہیں تجارت کے لیے عورتیں صرف مددگار کی حیثیت سے ہی نہیں نکل پڑیں بلکہ ساہوکار کی حیثیت سے مستقل تاجر بنی بیٹھی نظر آ رہی ہیں تصنیف کا تو یہ حال ہو چکا ہے کہ اس کے لیے علم کی بھی کوئی قید نہیں رہی بس جس نے چند ناول لکھ لیے وہ انشاء پردازوں کی فہرست میں داخل ہو گیا۔ اب قرآن و حدیث میں بھی اسی کا قلم معتبر ہوتا ہے۔ لیکن ان سب میں اہم ہمارے موضوع کے مناسب آپ کی وہ پیشگوئی ہے جو سلام کے بارے میں پوری ہو رہی ہے یعنی اب سلام کی بنیاد رشتہ اسلامی کی بجائے صرف سوسائٹی پر رہ گئی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ اپنی سوسائٹی کے سوا دوسری سوسائٹی کو سلام کرنا ختم ہو گیا ہو بلکہ ایک اخلاقی جرم شمار ہونے لگا ہے حتیٰ کہ ایسا سلام کرنے والا شخص جواب کا مستحق بھی نہیں سمجھا جاتا اور جس مختصر طبقہ میں سلام کی یہ سنت رہ بھی گئی ہے اس میں بھی سلام کا وہ طریقہ نہیں رہا جو اسلام نے تعلیم کیا تھا بلکہ اس کے کچھ اور نئے نئے طریقے رواج پا گئے۔ الا ما شاء اللّٰہ. انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

(۴۵۸) ✽ سلام کے فضائل کچھ آپ سن چکے اور ابھی بہت کچھ آپ کو آداب کی بحث میں سننا باقی ہیں۔ رہ گیا کلمہ آمین تو اس کی ایک مختصر فضیلت یہ ہے کہ نماز میں امام اور مقتدیوں کی آمین اگر بیک وقت ادا ہو جاتی ہے تو قدرت کو یہ اجتماعی ادا اتنی محبوب ہوتی ہے کہ للہ ....

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَسَدَ كُمُ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ مَا حَسَدَ كُمْ عَلَى السَّلَامِ وَ التَّأْمِيْنَ.

(رواه البخارى فى الادب المفرد)

روایت کرتی ہیں کہ یہود تم پر جتنا حسد سلام اور آمین کے بارے میں کرتے ہیں اتنا کسی اور بات پر نہیں کرتے۔

(ادب المفرد)

(۴۵۹) اَخْبَرَ الطُّفَيْلُ بْنُ اُبَىِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّهٗ كَانَ يَأْتِىْ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فَيَغْدُوْا مَعَهٗ اِلَى السُّوْقِ لَمْ يَمُرَّ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَلٰى سُقَّاطٍ وَ لَا صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَ لَا مِسْكِيْنٍ وَ لَا اَحَدٍ اِلَّا يُسَلِّمُ عَلَيْهِ قَالَ الطُّفَيْلُ فَجِئْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَوْمًا فَاسْتَتْبَعَنِىْ اِلَى السُّوْقِ فَقُلْتُ مَا تَصْنَعُ بِالسُّوْقِ وَ اَنْتَ لَا تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَ لَا تَسْئَلُ عَنِ السِّلَعِ وَ لَا تُسُوْمُ بِهَا وَ لَا تَجْلِسُ فِىْ مَجَالِسِ السُّوْقِ فَاجْلِسْ بِنَا هٰهُنَا نَتَحَدَّثُ فَقَالَ لِىْ عَبْدُاللّٰهِ يَا اَبَابَطْنٍ وَ كَانَ الطُّفَيْلُ ذَا بَطْنٍ اِنَّمَا نَغْدُوْا مِنْ اَجْلِ السَّلَامِ عَلٰى مَنْ لَقِيْنَا.

(رواه البخارى فى الادب المفرد)

(۴۵۹) طفیل بیان کرتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں آیا کرتے وہ ان کو صبح صبح اپنے ہمراہ بازار لے جاتے جس خوردہ فروش یا تاجر یا مسکین یا اور کسی شخص پر بھی ان کا گذر ہوتا وہ اس کو ضرور سلام کر لیتے۔ طفیل کہتے کہ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا وہ پھر حسب دستور مجھے بازار لے جانے لگے میں نے کہا آپ بازار جا کر کیا کریں گے نہ تو آپ کسی خرید وفروخت کے لیے کہیں کھڑے ہوتے ہیں اور نہ کسی چیز کے متعلق کچھ دریافت کرتے ہیں نہ اس کا بھاؤ پوچھتے ہیں اور نہ بازار کی کسی اور مجلس ہی میں بیٹھتے ہیں۔ پھر آیئے یہاں بیٹھ کر ہم کچھ باتیں ہی کریں۔ اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے ابوبطن (اس کنیت سے ان کو اس لیے خطاب فرمایا کیونکہ ان کا پیٹ ذرا بھاری تھا) ہم (صبح کو اس لیے بازار نہیں جاتے جس کے لیے تو نے سمجھا) ہم تو صرف اس لیے جاتے ہیں کہ جس سے ملاقات ہو جایا کرے اس کو سلام کر لیا کریں۔

(الادب المفرد)

ﷲ ..... اس کی رحمت کا دریا بے توقف جوش میں آ جاتا ہے اور سب کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ یہود امت محمدیہ کے لیے یہ فضائل دیکھ دیکھ کر اپنی حاسدانہ خصلت کی بنا پر جلا ہی کرتے تھے اس کے سوا بھی ان کے جلنے کے کچھ اور اسباب بھی تھے بہر حال آپ نے متنبہ کیا کہ امت محمدیہ ان خصائل کو ہلکا نہ سمجھے یہ خصائل دوسری امتوں کے لیے قابل حسد ہیں۔

❁ ❁ ❁

الحیاء

شرم وحیاء کرنا

حیاء کی دو قسمیں ہیں ایک خلقی، دوم کسبی- پہلی قسم پیدائشی اخلاق میں شمار ہے اس میں انسان کے کسب واکتساب کو کچھ دخل نہیں ہوتا لیکن حیاء وشرم چونکہ ایسی صفت کا نام ہے جو بلند اخلاق کی محرک ہوتی ہے اور رذیل اخلاق سے روکتی ہے اس لحاظ سے اس فطری صفت کو بھی ایمان کا ایک جزء شمار کر لیا گیا ہے- عمران بن حصین کی حدیث "الحیاء لا یاتی الا بخیر" میں اسی فطری حیاء کا ذکر ہے- یعنی یہ صفت خلقۃً بھلی باتوں ہی کی محرک ہوتی ہے- دوسری قسم وہ ہے جو بڑے ریاضات اور مجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی عظمت وجلال، اس کا بندوں سے قرب، اور ان کے احوال پر پورے علم کے استحضار کا ثمرہ ہوتی ہے- یہ ایمان بلکہ مرتبہ احسان کا بھی اعلیٰ درجہ ہے اس کی طرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اشارہ ہے جو چند حدیثوں کے بعد آپ کے سامنے آ رہی ہے- (جامع العلوم)

(۴٦۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ. (متفق عليه)

(۴٦۰) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کے پاس سے گذرے وہ اس کو زیادہ شرم کرنے پر سمجھا رہا تھا (کہ زیادہ شرم نہ کرنی چاہیے) آپؐ نے فرمایا رہنے دے (اور اسے غلط نصیحت نہ کر) کیونکہ شرم کرنا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے- (متفق علیہ)

(۴٦۱) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ لَا يَاْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ و فی رواية الْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ. (متفق عليه)

(۴٦۱) عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرم کا نتیجہ بہتر ہی بہتر نکلتا ہے اور ایک روایت میں ہے شرم وحیاء تو سب ہی بہتر ہوتی ہے- (بخاری ومسلم)

(۴٦۲) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ. (رواه البخاري)

(۴٦۲) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی نبوتوں کی جو صحیح اور غیر منسوخ باتیں لوگوں تک پہنچی ہیں ان میں ایک متفق علیہ بات یہ ہے کہ جب شرم وغیرت باقی نہ رہے تو پھر جو تمہارا جی چاہے کرتے رہو- بے حیا باش ہر چہ خواہی کن- (بخاری)

(۴٦۲) * یعنی جب انسان میں نہ حیاء مکتسب ہو نہ فطری حیاء تو اب اسے ذلیل حرکات اور برے کام کے کرنے سے کوئی امر مانع نہیں رہتا-

(۴۶۳) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ الْحَیَاءُ و یروی و التَّعَطُّرُ وَ الْمِسْوَاکُ وَ النِّکَاحُ. (رواہ الترمذی)

(۴۶۳) ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں رسولوں کے طریقے میں داخل ہیں شرم و حیاء (اور ایک روایت میں ختنہ کرنا ہے) خوشبو لگانا' مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ (ترمذی)

(۴۶۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَ الْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَ الْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَ الْجَفَاءُ فِی النَّارِ. (رواہ احمد و الترمذی)

(۴۶۴) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیاء وشرم ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور ایمان کا نتیجہ جنت ہے اور بے حیائی و فحش کلامی درشتی فطرت سے ناشی ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے۔ (احمد' ترمذی)

(۴۶۵) عَنْ زَیْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَ خُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ.

(۴۶۵) زید بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دین کا ایک نہ ایک اخلاق ممتاز ہوتا ہے۔ ہمارے دین کا ممتاز اخلاق شرم کرنا ہے۔ (مالک)

(رواہ مالک مرسلًا و ابن ماجة و البیهقی فی شعب الایمان عن انس و ابن عباس)

(۴۶۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَیَاءَ وَ الْاِیْمَانَ قُرِنَا جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ و فی روایة ابن عباس فَاِذَا سُلِبَ اَحَدُهُمَا تَبِعَهُ الْاٰخَرُ.

(۴۶۶) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیاء اور ایمان دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں جب ان میں ایک اٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے اور ابن عباسؓ کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ جب ان میں ایک چھین لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جاتا ہے۔ (شعب الایمان)

(رواہ البیهقی فی شعب الایمان و الحاکم فی المستدرک ص ۲۳ و قال الذهبی علی شرطهما)

---

(۴۶۴) * انسان جنت یا دوزخ تک یکبارگی نہیں پہنچتا بلکہ درمیان میں کچھ اعمال کا سلسلہ بھی ہوتا ہے اس میں ایک عمل دوسرے عمل کے ساتھ اسی طرح وابستہ ہوتا ہے جس طرح زنجیر کی کڑیاں۔ ایک سلسلہ کی ابتداء کچھ ہوتی ہے اور انتہاء کچھ' شریعت اس سلسلہ کو بتا کر یہ تنبیہ کر دیتی ہے کہ بہت سے اعمال دیکھنے میں تو معمولی ہوتے ہیں مگر وہ کسی ایسے سلسلہ کی کڑی ہوتے ہیں جس کا منتہٰی جنت یا دوزخ ہوتا ہے اس لیے ان کو معمولی نہ سمجھنا چاہیے۔ حیاء وشرم بھی اسی قسم کی ایک کڑی ہے جو بظاہر معمولی ہے اور دراصل بہت اہم ہے۔

(۴۶۶) * حمید بن زنجویہ نے کتاب الادب میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے الحیاء و الایمان فی قرن فاذا نزع الحیاء تبعه الاخر. (جامع ص ۱۴۴) حیاء وایمان دونوں کے ہونے کی صورت میں ایک کے اٹھ جانے سے دوسرے کا اٹھ جانا تو حدیثوں میں آتا ہے مگر دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک کے آ جانے سے دوسرے کا آ جانا اب تک کسی حدیث میں ہمارے نظر سے نہیں گذرا بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصد مؤمن کو شرم و حیاء کی ترغیب دینا ہے اور بے حیائی کی صورت میں اس امر سے ڈرانا ہے کہ کہیں ﷲ ....

(۴۶۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ الْفُحْشُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهٗ وَ مَا كَانَ الْحَيَاءُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهٗ. (رواه الترمذی)

(۴۶۷) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فحش اور بے حیائی جس چیز میں بھی پیدا ہو جائے اسے عیب دار اور بدنما کر دیتی ہے اور شرم و حیاء جس چیز میں پیدا ہو جائے اسے خوش نما بنا دیتی ہے۔ (ترمذی)

(۴۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ عَبْدًا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ فَاِذَا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ لَمْ تَلْقَهٗ اِلَّا مَقِيْتًا مُمَقَّتًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهٗ اِلَّا مَقِيْتًا مُمَقَّتًا نُزِعَتْ مِنْهُ الْاَمَانَةُ فَاِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الْاَمَانَةُ لَمْ تَلْقَهٗ اِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهٗ اِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ فَاِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ لَمْ تَلْقَهٗ اِلَّا رَجِيْمًا مُلَعَّنًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهٗ اِلَّا رَجِيْمًا مُلَعَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ رِبْقَةُ الْاِسْلَامِ. (رواه ابن ماجه)

(۴۶۸) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمالیتا ہے تو پہلے اس سے حیاء و شرم چھین لیتا ہے جب اس میں شرم و غیرت نہیں رہتی تو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر اور مبغوض بن جاتا ہے جب اس کی حالت اس نوبت کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس سے امانت کی صفت بھی چھین لی جاتی ہے جب اس میں امانت داری نہیں رہتی تو وہ خیانت در خیانت میں مبتلا ہونے لگتا ہے اس کے بعد اس سے صفت رحمت اٹھالی جاتی ہے پھر تو وہ پھٹکارا ہوا مارا مارا پھرنے لگتا ہے جب تم اس کو اس طرح مارا مارا پھرتا دیکھو تو وہ وقت قریب آ جاتا ہے کہ اب اس سے رشتہ اسلام ہی چھین لیا جائے۔ (ابن ماجہ)

ﷺ.... اصل متاع ایمانی بھی اس کے ہاتھوں سے کھوئی نہ جائے اس کے لیے یہی تعبیر مناسب تھی صرف ایمان و حیاء کا وجوداً و عدماً فلسفہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے تاکہ محض فلسفیانہ پہلو سے اس کا دوسرا رخ بھی زیر بحث لایا جاتا۔

(۴۶۷) * حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ رکنیت کی حیثیت صرف ان اعمال کو حاصل ہو سکتی ہے ہے جن کا انضباط اور صحیح اندازہ ممکن ہو۔ حیاء اور دیگر اخلاقیات چونکہ پورے طور پر منضبط نہیں ہو سکتے' اس لیے ان کو رکن قرار نہیں دیا گیا باوجودیکہ ان کی اہمیت ظاہر ہے۔ (حجۃ اللہ ص ۹۲)

(۴۶۸) * سبحان اللہ' حیاء بھی اسلام کا کتنا اہم شعبہ ہے جس کے نزع کا نتیجہ سلب اسلام بھی نکل سکتا ہے مگر یہ نتیجہ یکلخت نہیں نکلتا بلکہ اس کے درمیان میں بہت سی کڑیاں ہیں ہر بعد کی کڑی پہلی سے شدید تر ہے جو پہلی کڑی کو پکڑ لیتا ہے اس کے لیے دوسری کا پکڑنا بھی لازم ہو جاتا ہے اور اس تدریجی تنزل کی وجہ سے اس کو اپنے امروز و فردا کے تنزل کا احساس بھی نہیں ہوتا حتیٰ کہ شدہ شدہ وہ اسلام کے خصوصی صفات سے خالی ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک دن وہ آ جاتا ہے کہ اسلام کا عروۃ وثقیٰ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا ہے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

اگر حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالو تو ایمان سے قبل تم کو تین صفتوں کا ذکر ملے گا۔ حیاء' امانت' رحمت۔ ان کے بعد اسلام کا نمبر ہے۔ ان صفتوں میں حیاء و امانت کا اسلام سے بہت گہرا ربط ہے اس کا تذکرہ اور مختلف حدیثوں میں بھی آیا ہے' اب رہ گئی رحمت تو یہ وہ آخری صفت ہے کہ جو اس سے محروم ہو گیا سمجھ لو کہ اس کے پلے اب کچھ نہیں رہا۔

(۴۶۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَكُنْتُ اَسْتَحْيِي اَنْ اَسْاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهٖ فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهٗ وَ يَتَوَضَّأُ. (متفق علیہ)

(۴۶۹) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک شخص تھا جس کے مذی بڑی کثرت سے خارج ہوتی تھی چونکہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں اس لیے آپ سے براہ راست مسئلہ پوچھنے سے تو مجھے حیاء دامن گیر ہوئی اس لیے میں نے مقداد سے کہا کہ تم اس کا مسئلہ دریافت کرلو انہوں پوچھو تو آپ نے فرمایا صرف عضو خاص کو دھو کر وضو کر لینا کافی ہے۔ (متفق علیہ)

(۴۷۰) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ. (متفق علیہ)

(۴۷۰) ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ ام سلیم نے پوچھا یا رسول اللہ دین کی بات بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ بھی شرم نہیں کرتا (فرمایئے) اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر بھی غسل فرض ہے آپ نے فرمایا جی ہاں بشرطیکہ منی دیکھ لے۔ (متفق علیہ)

(۴۷۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَاَةٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْرِضُ عَلَيْهِ نَفْسَهَا فَقَالَتْ هَلْ لَكَ حَاجَةٌ فِيَّ فَقَالَتْ اِبْنَتُهٗ مَا اَقَلَّ حَيَاءَهَا فَقَالَ هِيَ خَيْرٌ مِنْكِ عَرَضَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسَهَا. (رواہ البخاری)

(۴۷۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں وہ اپنے آپ کو آپؐ کے نکاح کے لیے پیش کرنا چاہتی تھی وہ بولیں' کیا میرے معاملہ میں آپ کچھ غور فرما سکتے ہیں؟ یہ سن کر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی کہنے لگیں یہ عورت کیسی بے شرم ہے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا تجھ سے تو زیادہ سعادت مند ہے اپنے نفس کو خدا کے رسول کی خدمت ہی کے لیے تو پیش کر رہی ہے۔ (بخاری شریف)

---

(۴۶۹) * اتنی شرم جو اہل مروت میں کمال شمار ہو اور مسئلہ معلوم کرنے میں حائل بھی نہ ہو قابل مدح ہے اور وہ شرم جو اہل دنیا کی رسم میں داخل ہو اور شرعی حکم معلوم کرنے سے مانع ہو جائے قابل مذمت ہے۔ اسلام نے بے باکی اور گستاخی کی تعلیم بھی نہیں دی اور ادب و تعظیم میں اتنے غلو سے بھی روکا ہے جو انسان کو عبادت کے قریب کردے اور افراط و تفریط کی دونوں راہوں سے بچا کر اس کے لیے متوسط حدود مقرر کر دی ہیں جن سے اخلاقیات کی پوری پوری تکمیل ہو جاتی ہے۔

(۴۷۰) * یہاں ام سلیم نے جس جملہ سے اپنے سوال کی ابتداء کی ہے وہ قرآن کریم کی ایک آیت بھی ہے اور ان کے آئندہ سوال کے ایک مناسب تمہید بھی یہ عرب کی فطری بلاغت تھی کہ اتنے مختصر جملے پھر اتنے زوردار کہ اس پر اعتراض کی کسی کو گنجائش بھی نہ ہو۔ جو حیاء حقوق اللہ یا حقوق العباد میں تقصیر کا موجب ہو وہ حیا نہیں وہ ضعف اور بزدلی ہے وہ عجز اور احساس کمتری ہے۔

(۴۷۱) * شرم و حیاء میں اپنے اپنے ملک کے رسم و رواج کے لحاظ سے بڑا فرق ہوتا ہے پھر زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی تہذیب بھی بدلتی رہتی ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانوں کے مزاجوں میں بڑا تفاوت ہوتا ہے جہاں تک شرعی حدود نہ ٹوٹیں اس بارے میں شریعت نے پوری آزادی دی ہے یہاں کسی کو کسی پر اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اگر ایک عورت کسی عام شخص سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کر سکتی ہے تو اس عورت پر کسی کو اعتراض کا کیا حق تھا جس نے اپنے حق میں سب سے بڑی سعادت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

(۴۷۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ اَنْ يَّتَفَقَّهْنَ فِي الدِّيْنِ. (رواہ البخاری فی ترجمة الباب)

(۴۷۲) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ انصار کی عورتیں بھی کیا خوب عورتیں ہوتی ہیں جن کو دین کے مسائل سیکھنے میں ذرا شرم دامن گیر نہیں ہوتی۔ (بخاری)

(۴۷۳) حَدَّثَنَا بَهْزُبْنُ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِيْ مِنْهَا وَ مَا نَذَرُ قَالَ اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مِنْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ قَالَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ لَا يَرَاهَا اَحَدٌ فَلَا تُرِيَنَّهَا قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِذَا كَانَ اَحَدُنَا خَالِيًا قَالَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُسْتَحْيٰ مِنَ النَّاسِ. (رواہ الترمذی و قال حدیث حسن)

(۴۷۳) بہزبن حکیم اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا نبی اللہ ہم اپنے ستر کا کون سا حصہ کھول سکتے ہیں اور کون سا نہیں کھول سکتے' آپ نے فرمایا اپنا ستر چھپاؤ بجز اپنی بی بی یا اپنی باندی کے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے اگر اس وقت لوگ موجود ہوں (اور ضرورت پیش آئے تو میں کیا کروں آپ نے فرمایا (مختصر بات یہ ہے) کہ اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ کسی شخص کی نظر تمہارے ستر پر نہ پڑے تو نہ پڑنے دو' میں نے پوچھا اچھا تو یہ فرمایئے کہ جب ہم میں ایک شخص تنہا ہو وہاں کوئی اور نہ ہو (کیا وہ تنہائی میں ننگا ہو سکتا ہے) فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اُس سے شرم ولحاظ کرنا انسانوں سے زیادہ ضروری ہے۔ (ترمذی)

(۴۷۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَ التَّعَرِّيْ فَاِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَايُفَارِقُكُمْ اِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَ حِيْنَ يُفْضِي الرَّجُلُ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاسْتَحْيُوْهُمْ وَ اَكْرِمُوْهُمْ. (رواہ الترمذی و قال حدیث غریب لا معرفة الامن هذا الوجه)

(۴۷۴) ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار عریانی سے بچنا کیونکہ تمہارے ساتھ خدائے تعالیٰ کے وہ فرشتے بھی رہتے ہیں جو کسی وقت تم سے جدا نہیں ہوتے بجز دو وقتوں کے ایک پاخانہ جانے کے وقت' دوسرے اس وقت جب کہ آدمی اپنی بی بی سے ہم بستر ہوتا ہے تو ان سے شرم کرو اور ان کا لحاظ رکھو۔ (ترمذی)

---

(۴۷۴) * یہ دونوں حدیثیں حیاء اکتسابی سے متعلق ہیں پہلی حدیث میں اسلام کے مرتبہ احسان کی طرف اشارہ ہے اور اس میں یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ مؤمن کے قلب و دماغ میں اپنے خالق کا تصور اس درجہ غالب اور قوی رہنا چاہیے کہ اپنی خلوتوں میں بھی جہاں عام لوگ خدائے تعالیٰ کے تصور سے خالی الذہن ہوتے ہیں یہ ایسا مغلوب ہو کہ جو کام دنیا مخلوق کے خوف سے جلوت میں نہ کرتی ہو یہ خدائے تعالیٰ کے خوف سے خلوت میں بھی نہ کر سکے۔ یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ستر و غیر ستر سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر بندہ کے اختیاری آداب میں تو فرق پڑتا ہے اس پر بس اتنا ہی لازم ہے کہ اپنی حدود آداب سے تجاوز نہ کرے دوسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہیں جن کا احترام کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے ان کے ساتھ اس آداب اور شائستگی کے ساتھ پیش آنے میں انسانی خلافت کی لاج بھی رہ جاتی ہے اور ہم پر ان کے وحشت و بدتہذیبی کے اعتراض کا جواب بھی ہو جاتا ہے اسی لیے جہاں کہیں ہمارا فرشتوں سے سابقہ پڑنے کا موقعہ آتا ہے شریعت وہیں ہم کو مؤدب اور مطیع رہنے کی ہدایت کر دیتی ہے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہم اتنے ناشائستہ بھی نہیں اور نہ ایسے عاصی ہیں جتنی کہ ان کو ہماری نسبت بدظنی ہو گئی تھی۔

(۴۷۵) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ اَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا.

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و البیهقی فی الدعوات الکبیر)

(۴۷۵) سلمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو شرم کی صفت بہت محبوب ہے، وہ بڑا کریم ہے اس کو اپنے بندہ سے شرم آتی ہے کہ جب وہ اس کے سامنے اپنی حاجت کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دے تو وہ ان کو خالی واپس کر دے۔ (ترمذی)

(۴۷۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَسْتَحْيِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنْ مَنِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّأْسَ وَ مَا حَوٰى وَ لْيَحْفَظِ الْبَطْنَ وَ مَا وَعٰى وَ لْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَ الْبِلٰى وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيَا مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ.

(۴۷۶) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے ایسے شرماؤ جیسا اس سے شرمانا چاہیے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ خدائے تعالیٰ کا شکر، کہ ہم اس سے شرماتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ اصل شرمانا نہیں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے دراصل شرماتا ہے اسے چاہیے کہ دماغ کو، اپنے گوش و چشم کو، اپنی زبان و دہن کو اور اپنے شکم و فرج کو تمام ناجائز باتوں سے محفوظ رکھے موت اور اس کے بعد اپنے جسم کی خستگی کو پیش نظر رکھے جو آخرت کا ارادہ کرلے اسے لازم ہے کہ دنیا کی زینت چھوڑ بیٹھے جس نے یہ سب مراحل طے کر لیے اسے سمجھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا حق ادا کیا۔ (احمد)

(رواہ احمد فی مسندہ و رواہ الترمذی مع بعض تغیر و صاحب المشکاۃ فی باب تمنی الموت)

---

(۴۷۵) * خدائے قادر توانا جب اپنے بندہ کو خالی ہاتھ واپس کرنے سے شرماتا ہے تو بندۂ عاجز کو بھی لازم ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے سامنے بےحیائی کرنے سے شرمائے۔ خلاصہ یہ کہ حیاء ان معالی اخلاق میں سے ہے جس کی نسبت قدوسیوں اور خود عالم قدس کی طرف بھی آ گئی ہے اس لیے اس صفت کی جتنی نگہداشت کی جائے وہ انسان کے لیے اتنی ہی تقدیس کا موجب ہے اور جتنی اس میں غفلت برتی جائے وہ اتنی اس کے تنزل کا باعث ہے۔

(۴۷۶) * ہم نے بار بار آپ کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اسلام میں احسان کا مرتبہ سب سے اہم مقصد ہے اور یہی ہر عبادت کی روح ہے۔ تمام عبادات اسی کیفیت کے پیدا کرنے کے لیے ہیں اگر عبادت سے یہ تصور پیدا نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ اس کی ادائیگی میں ضرور کوئی قصور رہ گیا ہے اس حدیث کا مقصد بھی نسبت احسان کی تربیت ہے۔ صحابہؓ نے آپ کے سوال کا جواب حیاء کے عام مفہوم کے مطابق دے دیا تھا لیکن آپ نے سمجھایا کہ میرا مقصد یہاں احسان کا وہ مرتبہ نہیں جس پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے انحراف سے شرم آنے لگتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر وہ دائمی استحضار اور پختہ تصور مراد ہے جس کے بعد انسان کے جسم کا ایک ایک حصہ اس کی فرمان برداری کے لیے مضطر اور اس کی معصیت سے لرزاں و ترساں نظر آنے لگتا ہے۔ قلب و دماغ میں شریعت کے خلاف سوچنے کی ہمت نہیں رہتی کانوں میں ناجائز امور کے سننے، آنکھوں میں غیر محرموں کی طرف نظر کرنے اور زبان میں شریعت کے خلاف جنبش کرنے کی طاقت نہیں رہتی آخرت کا مقصد نظروں کے سامنے اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ دنیا کی تمام عارضی زینت ایک لہو و لعب نظر آنے لگتی ہے، موت اور مابعد الموت کے مناظر اس طرح ﷲ ....

الغيرة

(۴۷۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَغَارُ وَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَغَارُ وَ غَیْرَةُ اللّٰهِ اَنْ لَّا یَاْتِیَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ. (متفق علیه)

(۴۷۸) عَنِ الْمُغِیْرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَیْتُ رَجُلًا مَعَ اِمْرَاَتِیْ لَضَرَبْتُهُ بِالسَّیْفِ غَیْرَ مُصْفَحٍ فَبَلَغَ ذَالِکَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَیْرَةِ سَعْدٍ وَ اللّٰهِ لَاَنَا اَغْیَرُ مِنْهُ وَ اللّٰهُ اَغْیَرُ مِنِّیْ وَ مِنْ اَجْلِ غَیْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ لَا اَحَدَ اَحَبَّ اِلَیْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ وَ مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ بَعَثَ الْمُنْذِرِیْنَ وَ الْمُبَشِّرِیْنَ وَ لَا اَحَدَ اَحَبَّ اِلَیْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ اَجْلِ ذَالِکَ وَعَدَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ. (متفق علیه)

غیرت

(۴۷۷) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے اور بندۂ مؤمن کو بھی غیرت آتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ اس کا مومن بندہ اس چیز کا ارتکاب کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ (متفق علیہ)

(۴۷۸) مغیرہ روایت کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہؓ نے فرمایا اگر کہیں میں اپنی بی بی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ مشتبہ حالت میں دیکھ پاؤں تو میں تو فوراً اس کے تلوار ماردوں وہ بھی چپٹی نہیں بلکہ دھار کی طرف سے۔ ان کی یہ بات آپ کو بھی پہنچ گئی آپ نے فرمایا تم کو سعد کی غیرت پر کیا تعجب ہے بخدا میں ان سے کہیں زیادہ باغیرت ہوں اور مجھ سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کو غیرت کرنا پسند ہے یہی تو وجہ ہے کہ اس نے کھلے اور ڈھکے تمام بے حیائیوں سے منع فرمایا ہے اور خدا سے بڑھ کر کوئی ایسا نہیں جس کو عذر کرنا زیادہ پسند ہو یہی تو وجہ ہے کہ اس نے پہلے سے اپنی جانب سے خدائے تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والے اور اس کے ثواب کی بشارت دینے والے رسول بھیج دیئے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو اپنی تعریف بھی پسند نہیں یہی تو وجہ ہے کہ اس نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (متفق علیہ)

ﷺ.... پیش نظر رہنے لگتے ہیں کہ متاع دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں رہتا۔ جب نسبت احسان کے اثرات کا دائرہ اتنا قوی اور وسیع ہو جائے تو اب سمجھو کہ جتنا تم کو اس سے شرمانا چاہیے تھا اب تم اتنا شرمانے لگے ہو یوں عام طور پر اس کی معصیت سے احتراز کرنا بھی گو اس کی دلیل ہے کہ کسی نہ کسی مرتبہ میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کی صفت تم میں پیدا ہو چکی ہے لیکن دنیوی راحتوں میں گرفتار رہنا' اپنے جوارح پر پورا محاسبہ قائم نہ رکھنا اور موت اور مابعد الموت کے تصور سے گاہ گاہ غافل ہو جانا اس کی دلیل ہے کہ یہ صفت ہنوز پورے طور پر راسخ نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا جو حق تھا وہ ابھی پورا ادا نہیں ہوا یہ یاد رہے کہ اگر بالفرض کوئی خوش نصیب اس نعمت عظمیٰ سے فائز ہو جائے تو بھی اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک بے مایہ انسان کی صرف ایک بے قیمت جدوجہد ہے اور اس مغالطہ میں نہ پڑنا چاہیے کہ اپنی اس بے قیمت جدوجہد سے اس نے مالک علی الاطلاق کے حق کا کوئی حصہ ادا کر دیا ہے یہ اس کا کرم ہے کہ وہ ایک عاجز انسان کی صرف سعی ناتمام پر اپنے حقوق سے سب باقی کا اعلان کر دیتے ہیں۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(۴۷۷) ✽ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ انسان غیرت ضرور کرتا ہے مگر اس میں وہ راہ اعتدال پر قائم نہیں رہتا جیسا کہ حضرت سعد کے آئندہ قصہ سے واضح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی شان اعلیٰ وارفع ہے اس کی ہر شان شانِ کمال ہے اس کی غیرت کا مصداق ہر حال قابل مدح رہتا ہے۔ (الجواب الکافی ص ۸۷)

(۴۷۹) عَنْ عَائِشَةَ نَحوَ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ قَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَ قَدْ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَ لَا لِحَيٰوتِهٖ فَاِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَ كَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَ تَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَ اللّٰهِ مَامِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِيَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا. (متفق علیہ)

(۴۷۹) حضرت عائشہؓ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج گرہن میں نماز کا قصہ) حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے مطابق ذکر فرمایا- اس میں یہ بھی ذکر کیا کہ آپ نے اس نماز میں سجدہ کیا اور بڑا لمبا سجدہ کیا اس کے بعد جب آپ فارغ ہو گئے تو آفتاب صاف ہو چکا تھا- آپ نے خطبہ دیا اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ آفتاب و ماہتاب خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں نہ تو ان کو کسی کی موت پر گرہن لگتا ہے نہ پیدائش پر' جب تم ان کو اس حالت میں دیکھو تو خدا کی یاد او راس کی بزرگی بیان کرو' نماز پڑھو اور صدقہ دو' اس کے بعد فرمایا اے امت محمدؐ خدائے تعالیٰ سے زیادہ غیرت کی صفت کسی کو محبوب نہیں اس کو بڑی غیرت آتی ہے کہ کوئی عورت یا مرد اس کی مخلوق ہو کر زنا کرے اے امت محمدؐ جو جو پیش آمدنی خطرات میں جانتا ہوں اگر تم بھی جان لیتے تو ہنستے بہت کم اور روتے بہت- (متفق علیہ)

(۴۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهٖ فَاَرْسَلَتْ اِحْدٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِصَحْفَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ الَّتِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ فِلَقَ الصَّحْفَةِ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيْهَا الطَّعَامَ الَّذِيْ كَانَ فِي الصَّحْفَةِ وَ يَقُوْلُ غَارَتْ اُمُّكُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتّٰى اُتِيَ بِصَحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيْحَةَ اِلَى الَّتِيْ كُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَ اَمْسَكَ الْمَكْسُوْرَةَ الَّتِيْ كُسِرَ. (رواه البخاری)

(۴۸۰) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بی بی کے گھر تھے اس وقت امہات المؤمنین میں سے کسی نے آپ کی خدمت میں ایک پیالہ میں کچھ کھانا بھیجا جس بی بی صاحبہ کے گھر میں آپ رونق افروز تھے' انہوں نے خادم کے ہاتھ کو ذرا اشارہ دے دیا پیالہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے ٹکڑے جوڑنے لگے اس کے بعد جو کھانا اس پیالہ میں رکھا ہوا تھا اس کو جمع کیا اور فرمایا (کچھ نہیں) تمہاری ماں کو اس وقت سوتن کی فطری غیرت آ گئی تھی اس کے بعد خادم کو ٹھہرا لیا اور جن کے گھر اس وقت آپ تشریف فرما تھے ان کے یہاں سے ایک اچھا پیالہ منگا کر جن کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا ان کے لیے دے دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ ان کے گھر رکھ لیا جنہوں نے توڑا تھا- (بخاری شریف)

• (۴۸۰) * غیرت حیاء کے علاوہ ایک اور صفت ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی ہی مطلوب ہے جیسی حیاء اور افراط وتفریط اس میں بھی ایسی ہی ناپسندیدہ ہے جیسی حیاء میں اسلام نے خلقی اور طبعی صفتوں میں ترمیم نہیں کی بلکہ صرف ان کی حدود مقرر فرما دی ہیں- ان صفات کے عالم قدس کی طرف انتساب میں ان کی برتری اور پسندیدگی کا اظہار منظور ہے اور یہ سمجھانا ہے کہ جو صفت اس بے نیاز للہ....

النصيحة للّٰه و لرسوله وِ لعامة المسلمين

خدائے تعالیٰ اس کے رسول اور عام مسلمانوں کے حق میں مجسم خیر خواہی بن جانا

(۴۸۱) عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ثَلاَثًا قُلْنَا

(۴۸۱) تمیم داری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا خیر خواہی کرنا دین کا خلاصہ ہے' ہم نے عرض کیا کس کی؟ فرمایا اللہ

ﷺ ....کی جناب میں ثابت ہو سکے ایک نیاز والی مخلوق کے لیے وہ کس درجہ موجب فخر ہونی چاہیے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ کمال یہ نہیں کہ اس میں اپنے نفس کی آزادی قائم رکھی جائے وہ اسی حد تک قابل تعریف ہے جہاں دوسرے کے حقوق اس کی زد میں نہ آ جائیں اور جب اس میں دوسروں کے حقوق تلف ہونے لگیں تو اب وہی صفت قابل تعریف ہونے کی بجائے قابل مذمت ہو جائے گی۔ سعد کی غیرت بے شک بڑی قابل تعریف تھی اگر شرعی حدود سے متجاوز نہ ہو جاتی اس لیے آپ کا انداز بیان یہاں وہ نہیں جو صریح منکرات پر ہونا چاہیے بلکہ اس میں مدح کا بھی ایک پہلو نکل رہا ہے اسی طرح آپ نے ایک بی بی صاحبہ کے ایسے فعل پر جو اگر اس محل کے سوا کسی اور محل پر ہوتا تو شاید زیادہ قابل نکیر ہوتا زیادہ سخت گیری نہیں فرمائی بلکہ ایک سوتن کے لیے صبر آزما منظر کا عذر پیش کر کے جو اضطراری طور پر ان سے دوسرے کی حق تلفی ہو گئی تھی اس کی مکافات فرما دی۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں خدائے تعالیٰ کی میزان ہوتے ہیں یہاں ایک ایک ذرّہ عدل و انصاف کی ترازو میں برابر رہتا ہے۔ معقول عذر نا مقبول نہیں ہوتا کسی کا نقصان گوارا نہیں ہوتا اور کسی کی مجبوری کو بالکل نظر انداز کر دینا بھی پسند نہیں ہوتا۔

(۴۸۱) ✽ لغت میں ''نصحت العسل'' اس وقت کہا جاتا ہے جب شہد کو موم سے صاف کر لیا جائے امام مازری فرماتے ہیں کہ نصح کے معنی کسی چیز کا کھوٹ نکال دینا ہے یہ معنی اسی محاورہ سے ماخوذ ہیں۔ محکم میں ہے کہ نصح کھوٹ کی ضد ہے۔ ابن طریف لکھتا ہے کہ ''نصح قلب الانسان'' اس وقت بولتے ہیں جب دل میں کوئی کھوٹ باقی نہ رہے۔ اب بنا پر نصیحت للہ کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے اور خدا کے مابین کوئی کھوٹ کا معاملہ نہ رکھے اس کا سب سے بڑا کھوٹ یہ ہے کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے' اس کی صفات جلال و جمال کا پوری تنزیہ کے ساتھ اعتراف نہ کرے اور اس کے اوامر و نواہی میں' پوری مستعدی کا اظہار نہ کرے' علماء نے لکھا ہے کہ نصیحت للہ کا حاصل بالفاظ دیگر اپنے ہی نفس کی نصیحت اور اپنی ہی خیر خواہی کرنی ہے۔

کتاب اللہ کی نصیحت کے معنی یہ ہیں کہ پورے آداب کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے' بدل و جان اس کے معانی کی تصدیق کی جائے' اس کے علوم کی نشر و اشاعت کی جائے' اس کی پیروی کی تمام عالم کو دعوت دے جائے اور اس کے ہر ہر امر و نہی کے سامنے اعتراف و تسلیم کا سر خم کر دیا جائے۔

رسول کی نصیحت یہ ہے کہ اس کی رسالت کی تصدیق کی جائے جو دین وہ لے کر آیا ہے اس کا ایک ایک حرف مانا جائے ہر موقعہ پر اس کی نصرت کے لیے سر بکف حاضر رہے اس کے اصحاب اور اس کے اہل بیت کی محبت اور ان کا ادب پورے طور پر ملحوظ رہے۔

ائمہ مسلمین کی نصیحت یہ ہے کہ ہر حق معاملے میں ان کی اعانت کی جائے' ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کی جائے' ان کے پیچھے نمازیں ادا کی جائیں جو صدقات بیت المال کا حق ہیں وہ ان کو ایمان داری کے ساتھ بآسانی پہنچا دیئے جائیں اور ان کے ساتھ غداری نہ کی جائے۔

عام مسلمانوں کی نصیحت کے یہ معنی ہیں کہ دنیوی اور اُخروی سب مصلحتیں ان کو بتا دی جائیں' ان کو ایذاء نہ دی جائے' ان کے ﷺ ....

لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَ لِكِتَابِهٖ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ عَامَّتِهِمْ. (رواہ مسلم)

کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، ائمہ مسلمین کی، اور سب مسلمانوں کی۔ (مسلم شریف)

لل..... عیوب کی پردہ پوشی کی جائے اور خیر خواہی میں ان کو اپنے نفس کے برابر سمجھا جائے۔

قرآن کریم میں نصح وخیر خواہی کرنا انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا جزء اہم قرار دیا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

﴿قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (اعراف : ٦١ و ٦٢)

''اس پر (حضرت) نوح (علیہ السلام) نے کہا بھائیو مجھ میں تو گمراہی کی کوئی بات ہے نہیں بلکہ میں تو پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچاتا ہوں اور تمہارے حق میں خیر خواہی کر رہا ہوں اور میں اللہ کے بتانے سے ایسی ایسی باتیں جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔''

حضرت ہود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴾ (اعراف:٦٧و٦٨)

''(حضرت) ہود (علیہ السلام) نے کہا بھائیو مجھ میں بیوقوفی کی تو کوئی بات ہے نہیں بلکہ میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا رسول ہوں تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچاتا ہوں اور میں بھروسہ کے قابل تمہارا خیر خواہ ہوں۔''

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا۔

﴿فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ (اعراف:٧٩)

''جب ثمود پر عذاب نازل ہو چکا تو حضرت صالح (علیہ السلام) ان کے پاس سے چلے گئے اور چلتے وقت ان سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا بھائیو میں نے تو اپنے پروردگار کے احکام تم کو پہنچا دیئے اور تمہاری جو خیر خواہی کرنی تھی کر دی تھی مگر تم پر کچھ ایسی شامت سوار تھی کہ تم کب اپنے خیر خواہوں کی قدر کرتے۔''

حافظ ابن رجب فرماتے ہیں کہ حدیث بالا میں نصیحت وخیر خواہی کو دین فرمایا گیا ہے اور حدیث جبرئیل کے آخر میں اسلام وایمان و احسان کے مجموعہ کو بھی دین فرمایا گیا ہے۔ دونوں حدیثوں کو ملاؤ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام وایمان واحسان سب ''نصیحت'' ہی کے اجزاء ہیں اور جس طرح کہ ان کا مجموعہ دین ہے اسی طرح خدا اور رسول کی خیر خواہی بھی دین ہے۔

محمد بن نصر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ نصح للہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) نفل۔ فرض یہ ہے کہ اس کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے احکام کی بجا آوری میں بدل و جان سعی کی جائے اگر کسی عذر کی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو اس کا عزم رکھے کہ جب کبھی موقعہ ملے گا اس کی تلافی کر لے گا۔ قرآن عزیز میں ارشاد ہے۔

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (توبة : ٩١)

(۴۸۲) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّا يَهْتَمُّ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَ مَنْ لَّمْ يُمْسِ وَ يُصْبِحْ نَاصِحًا لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِكِتَابِهٖ وَ لِاِمَامِهٖ وَ لِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ۔ (اخرجه الطبرانی)

(۴۸۲) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے معاملات کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اس کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں اور جس شخص نے صبح سے شام یا شام سے صبح تک خدائے تعالیٰ' اس کے رسول' اس کی کتاب اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی سے غفلت اختیار کی اس کا بھی مسلمانوں سے کوئی رشتہ نہیں۔ (طبرانی)

(۴۸۳) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَحَبُّ مَا تَعَبَّدَنِیْ بِهٖ عَبْدِیْ النُّصْحُ لِیْ. (اخرجه احمد)

(۴۸۳) ابوامامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ سب سے زیادہ پیارا طریقہ جو میرا بندہ میری فرمان برداری کے لیے اختیار کرتا ہے میری خیر خواہی کرنی ہے۔ (مسند احمد)

(۴۸۴) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ اَبِیْ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اسْتَنْصَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهٗ. (اخرجه احمد)

(۴۸۴) ابو یزیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی شخص اپنے بھائی سے خیر خواہی کا مشورہ طلب کرے تو اسے لازم ہے کہ اس سے وہی بات کہے جو اس کی خیر خواہی کی ہو۔ (مسند احمد)

(۴۸۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ خُطْبَتِهٖ بِالْخَيْفِ مِنْ مِنًى ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَ مُنَاصَحَةُ وُلَاةِ الْاَمْرِ وَ لُزُوْمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ.

(رواہ احمد و قد اخرجه الدارقطنی فی الافراد باسناد جید)

(۴۸۵) جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کی مسجد خیف کے خطبہ میں فرمایا تین باتیں ایسی ہیں جن پر مسلمان آدمی کا دل کبھی کینہ نہیں رکھ سکتا' خالص اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنا۔ حکام کی خیر خواہی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ شامل رہنا۔ (مسند احمد۔ دارقطنی)

ﷲ ..." کمزوروں اور بیماروں پر کچھ گناہ نہیں اور نہ ان پر جن کو خرچ میسر نہیں بشرطیکہ جہاد سے پیچھے بیٹھ رہ کر بھی اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی میں لگے رہیں' ان نیک کاروں پر کوئی الزام نہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

گویا جن لوگوں کے قلوب میں نصح للہ کا مضمون باقی رہا وہ جہاد میں شریک نہ ہو کر بھی محسنین کی فہرست سے خارج نہیں ہوئے۔ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ عذر کی بنا پر اعمال جوارح اور فریضہ جہاد جیسا اہم فرض بھی ساقط ہو سکتا ہے مگر نصح للہ کا مطالبہ کسی وقت بھی قابل سقوط نہیں۔ ایک معذور شخص سے نماز جیسے اہم فرض کی ادائیگی مؤخر ہو سکتی ہے مگر قلبی ندامت اور آئندہ ادائیگی کا پورا پورا عزم اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہو سکتا بس نصح للہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی رضاء سے راضی اور ناراضائی سے ناراض ہو جائے۔

(۲) نصیحت نافلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے نفس کی محبت پر اس درجہ غالب کر دے کہ جب کسی چیز میں اپنے نفس اور شریعت کا مقابلہ آ پڑے تو شریعت ہی کی جانب کو ترجیح دے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی تمام مرغوبات کو اللہ تعالیٰ کی محبت پر قربان کر ڈالے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۵۶)

(۴۸۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ یَرْضٰی لَکُمْ ثَلَاثًا یَرْضٰی لَکُمْ اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَ لَا تُشْرِکُوْا بِهٖ شَیْئًا وَ اَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اَنْ تَنَاصَحُوْا مَنْ وَّ لَاهُ اللّٰهُ اَمْرَکُمْ. (رواہ مسلم)

(۴۸۶) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین باتیں پسند فرمائی ہیں- پہلی بات یہ ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ دوسرے یہ کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور تیسرے یہ کہ جو تمہارا حاکم ہو اس کی خیر خواہی کرتے رہو- (مسلم)

(۴۸۷) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْعِیْهِ اللّٰهُ رَعِیَّةً ثُمَّ لَمْ یَحُطْهَا بِنَصِیْحَةٍ اِلَّا لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ. (متفق علیہ)

(۴۸۷) معقل بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ ایسا نہیں جس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے کسی قسم کی نگرانی سپرد کی ہو پھر وہ اس میں پوری پوری خیر خواہی کا لحاظ نہ رکھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا- (متفق علیہ)

(۴۸۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَیِّدِهٖ وَ اَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَیْنِ. (متفق علیہ)

(۴۸۸) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلام جب اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے اور اپنے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہے تو اس کو دوگنا ثواب ملتا ہے- (متفق علیہ)

محبة المرء لاخیه ما یحب لنفسه

خیر خواہی کرنے میں اپنے اور بیگانہ کا امتیاز اُٹھا دینا

(۴۸۹) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (رواہ الخمسة الا ابوداؤد)

(۴۸۹) حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا پورا مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے نفس کے لیے پسند کرتا ہے- (بخاری ومسلم وغیرہ)

---

(۴۸۷) * ان احادیث میں کچھ حدیثیں عام مسلمانوں سے متعلق ہیں اور کچھ حکام سے ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ سے لے کر رعایا تک فریضہ خیر خواہی میں سب مشترک ہیں اگر رعایا میں کوئی شخص اس میں غفلت اختیار کرتا ہے تو وہ قصوروار ہے اور اگر حاکم وقت اس میں غفلت کرتا ہے تو وہ قصوروار ہے جس مذہب میں باہم خیر خواہی کرنا اتنا اہم فرض ہو آج وہی قوم خیر خواہی سے اتنی خالی ہو جائے کہ کوئی کسی کا خیر خواہ ہی نظر نہ آئے ؎ ایں چہ بوالعجبی است.

(۴۸۹) * کہنے کو تو یہ مختصر سی بات ہے لیکن اس پر عمل کی توفیق اس وقت تک میسر نہیں آسکتی جب تک کہ انسان کا ایمان کامل نہ ہو جائے- یہ صفت انسانی کمالات کی ایک معراج ہے اور اس کی دلیل ہے کہ اب اس کا نفس پورے طور پر مدارج تہذیب طے کر چکا ہے اس میں خود غرضی اور طمع کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہا- اسی کے لیے تمام ریاضات ومجاہدات کیے جاتے ہیں اور یہی شریعت کے اوامر ونواہی کا بلند مقصد ہے- غالباً صوفیاء کرام اسی کو مرتبہ فناء سے تعبیر کرتے ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ یہ صفت بھی فناء کے اثرات میں ایک اثر ہے-

(۴۹۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّاْخُذُ عَنِّیْ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ یُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ بِهِنَّ قُلْتُ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَی النَّاسِ وَ اَحْسِنْ اِلٰی جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَ اَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَ لَا تُكْثِرِ الضَّحْكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضَّحْكِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ.

(رواہ احمد و الترمذی و قال ھذا حدیث غریب)

(۴۹۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے ایسا شخص جو ان باتوں پر خود عمل کرے یا کم از کم ان لوگوں ہی کو بتا دے جو ان پر عمل کریں میں بولا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہ پانچ باتیں شمار کرائیں فرمایا حرام باتوں سے دور رہنا بڑے عبادت گذار بندے شمار ہو گے اللہ تعالیٰ جو تمہاری تقدیر میں لکھ چکا ہے اس پر راضی رہنا بڑے بے نیاز بندوں میں ہو جاؤ گے اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرتے رہنا مؤمن بن جاؤ گے اور جو بات اپنے لیے چاہتے ہو وہی دوسروں کے لیے پسند کرنا کامل مسلمان بن جاؤ گے اور بہت قہقہے نہ لگانا کیونکہ یہ دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔

(مسند احمد- ترمذی)

(۴۹۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِیْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَ تُبْغِضَ لِلّٰهِ وَ تُعْمِلَ لِسَانَكَ فِیْ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالَ وَ مَا ذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ اَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَ تَكْرَهُ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ. (رواہ احمد)

(۴۹۱) معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ایمان کے متعلق دریافت کیا جو بہتر سے بہتر ہو آپ نے فرمایا اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھنا اور اپنی زبان کو ہمہ وقت یادِ الٰہی میں لگائے رکھنا' پھر عرض کیا یا رسول اللہ اور کیا عمل بہتر ہے فرمایا جو اپنے لیے پسند کرنا وہی سب کے لیے پسند کرنا اور جو اپنے لیے برا سمجھنا وہی سب کے لیے برا سمجھنا۔ (مسند احمد)

(۴۹۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحَاسِنُهُمْ اَخْلَاقًا الْمُوَطَّئُوْنَ اَكْنَافًا لَمْ یَبْلُغْ عَبْدٌ حَقِیْقَةَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ وَ حَتّٰی یَاْمَنَ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ.

(اخرجه ابن عساکر وفیه کوثر بن حکیم متروك لکن له شواهد بلغه مرتبة الحسن)

(۴۹۲) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام مؤمنوں میں ایمان کے لحاظ سے سب سے افضل مؤمن وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں یہ وہ لوگ ہیں جو ہر ایک کے سامنے متواضع اور جھکنے والے ہیں۔ کوئی شخص ایمان کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ سب کے لیے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے مامون نہ ہو جائے۔ (ابن عساکر)

---

(۴۹۲) * اپنے نفس اور عام مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھنا درحقیقت نصح اور خیر خواہی کا سب سے بڑا جز ہے یہ صفت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ سینہ حسد' بغض' کینہ اور ہر قسم کے کھوٹ سے پاک و صاف ہو جائے گویا اس ایک ہی صفت کا ظہور بہت سے کمالات کا ......

(۴۹۳) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَسِيْدٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُحِبُّ الْجَنَّةَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَحِبَّ لِاَخِيْكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ. (اخرجه البخاري في التاريخ الكبير و اصحاب السنن الاربعة و الطبراني في الكبير و الحاكم و البيهقي في الشعب و هو في المسند لاحمد ايضا كما في الجامع)

(۴۹۳) یزید بن اسید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا تم کو جنت پسند ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اچھا تو جو بات اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند کیا کرو۔ (مسند احمد، تاریخ کبیر، سنن اربعہ، طبرانی، حاکم، بیہقی)

(۴۹۴) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بطوله الى ان قال قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْصِنِيْ قَالَ اُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَاِنَّهُ اَزْيَنُ لِاَمْرِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّهُ ذِكْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَ نُوْرٌ لَكَ فِي الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّهُ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَ عَوْنٌ لَكَ عَلٰى اَمْرِ دِيْنِكَ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ وَ اِيَّاكَ وَ كَثْرَةَ الضِّحْكِ فَاِنَّهُ يُمِيْتُ الْقَلْبَ وَ يُذْهِبُ بِنُوْرِ الْوَجْهِ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَ اِنْ كَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ لَا تَخَفْ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ لِيَحْجُزْكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۴۹۴) ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا پھر اس کی پوری تفصیل بیان کی اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذکر کی کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے آپؐ نے فرمایا میں تجھے یہ نصیحت کرتا ہے کہ ہر معاملہ میں خدائے تعالیٰ کا خوف رکھنا - بس اسی ایک بات سے تیرا سب دین مزین ہوجائے گا میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمائیے ارشاد فرمایا قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ کیا کرنا کیونکہ یہ عادت آسمان میں تمہارے ذکر کا موجب اور زمین میں نور کا سبب ہوگی میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد فرمایا اکثر اوقات خاموشی کے ساتھ بسر کرنا کیونکہ یہ عادت شیطان کو پاس پھٹکنے نہیں دیتی اور تمہارے لیے دین کے ہر معاملہ میں معاون ہوگی، میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد فرمایا زیادہ قہقہے نہ لگانا کیونکہ اس حرکت سے دل مردہ ہوجاتا ہے اور چہرہ کا نور جاتا رہتا ہے میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمائیے ارشاد فرمایا حق بات کہنا اگرچہ تلخ ہی کیوں نہ ہو میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے، ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کھانا - میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد ہوا اچھا جو عیب تم جانتے ہو کہ خود تم میں موجود ہیں اس پر نکتہ چینی سے لوگوں کو بھی معاف رکھنا - (بیہقی)

(۴۹۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ

(۴۹۵) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلامی آئین میں ایک مسلمان کے ذمہ دوسرے مسلمان کے چھ حقوق ہیں جب

ﷲ..... کے ثبوت اور بہت سے عیوب کے ازالہ کا محتاج ہے اسی لیے اس صفت کو ایمان کی حقیقت جنت کے لیے موقوف علیہ، کمال ایمانی کا معیار اور آپؐ کی وصیت میں جزء اہم قرار دیا گیا ہے - یہ مختلف الفاظ نہیں بلکہ متعدد حقیقتیں ہیں جو اسی ایک صفت میں پنہاں ہیں -

بِالْمَعْرُوْفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهُ وَ يُجِيْبُهُ اِذَا دَعَاهُ وَ يُشَمِّتُهُ اِذَا عَطِسَ وَ يَعُوْدُهُ اِذَا مَرِضَ وَ يَتَّبِعُ جَنَازَتَهُ اِذَا مَاتَ وَ يُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (رواه الترمذی و الدارمی)

ملاقات ہوتو اس کوسلام کرنا' جب بلائے تو اس کے یہاں چلا جانا' جب چھینکے اور الحمدللہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا' جب بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرنا جب مر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ ساتھ جانا اور جو بات اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرنا۔ (ترمذی۔ دارمی)

(۴۹۶) عَنْ اَبِی الْوَلِيْدِ الْقُرَشِیِّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ بِلَالِ بْنِ اَبِیْ بُرْدَةَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَقَالَ اَصْلَحَ اللّٰهُ الْاَمِيْرَ اِنَّ اَهْلَ الطَّفِّ لَا يُؤَدُّوْنَ زَكَاتَهُمْ وَ قَدْ عَلِمْتُ ذٰلِكَ فَاَخْبَرْتُ الْاَمِيْرَ قَالَ بِلَالٌ مِمَّنْ اَنْتَ قَالَ مِنْ عَبْدِالْقَيْسِ قَالَ مَا اِسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ فَكَتَبَ لِصَاحِبِ شُرْطَتِهِ يَسْاَلُ عَنْهُ عَبْدَالْقَيْسِ فَقَالَ وَجَدْتُهُ يَغْمُرُ فِیْ حِسْبَةٍ فَقَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (رواه الطبرانی)

(۴۹۶) ابوالولید قرشی بیان کرتے ہیں کہ میں بلال بن ابی بردہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص آیا اور اس نے کہا اللہ تعالیٰ امیرالمؤمنین کو ہمیشہ صحیح وسلامت رکھے' مجھے معلوم ہوا ہے کہ طف کے باشندے اپنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس لیے (از راہِ خیر خواہی) میں نے اس بات کی امیر المؤمنین کو اطلاع کر دی ہے۔ اس پر بلال بن ابی بردہ نے پوچھا تو کس قبیلہ کا آدمی ہے؟ اس نے کہا قبیلہ عبدالقیس کا پھر پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا فلاں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے گورنر کو لکھ بھیجا کہ وہ اس کے متعلق عبدالقیس سے تحقیق کریں انہوں نے جواب دیا میں نے ان کو بہت نیک نیت پایا ہے۔ اس پر انہوں نے تعجب سے اللہ اکبر کہا اور ابوموسیٰ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (طبرانی)

(۴۹۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَ يُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتُدْرِكْهُ مَنِيَّتُهُ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْتِیْ اِلَی النَّاسِ الَّذِیْ يُحِبُّ اَنْ يُؤْتٰی اِلَيْهِ. (رواه مسلم)

(۴۹۷) عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کو دوزخ سے بہت دور رکھا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی موت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان کے ساتھ ہو اور لوگوں کے ساتھ اس کو وہی معاملہ کرنا چاہیے جو وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کریں۔ (مسلم)

(۴۹۸) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۴۹۸) ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے

(۴۹۸) * ابوذر فطرۃً ایک نہایت عابد و زاہد اور یکسو مزاج صحابی تھے کسی مال کی تولیت کی ذمہ داری کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان میں پورے طور پر موجود نہ تھے اسی کو آپ نے ان کے ضعف سے ادا فرمایا ہے اور یہ ضعف جس میں بھی ہو گا اس لئے ....

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِنِّيْ اَرَاکَ ضَعِيْفًا وَ اِنِّيْ اُحِبُّ لَکَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِيْ لَا تَتَاَمَّرَنَّ عَلٰى اِثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيْمٍ. (رواه مسلم)

فرمایا ابو ذر تم مجھے ایک سیدھے سادے انسان معلوم ہوتے ہو اور میں تمہاری ذات کے لیے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنی ذات کے لیے دیکھو دو شخصوں کے بھی ہرگز امیر نہ بننا اور کسی یتیم کا مال اپنی ذمہ داری میں کبھی نہ لینا۔ (مسلم شریف)

(۴۹۹) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ اِنِّيْ اُحِبُّ لَکَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِيْ وَ اَکْرَهُ لَکَ مَا اَکْرَهُ لِنَفْسِيْ لَا تُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ. (رواه الترمذی)

(۴۹۹) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ دیکھو جو میں اپنے لیے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لیے پسند کرتا ہوں اور جو اپنے حق میں ناپسند کرتا ہوں وہ تمہارے حق میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔ دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح نہ بیٹھا کرو جیسا کتا اپنے سرین زمین پر رکھ کر دونوں پیر کھڑے کر کے بیٹھتا ہے۔

حسن العهد

محبت کا نباہ اور اس کا لحاظ پاس رکھنا

(۵۰۰) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ جَاءَ تْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجُوْزٌ فَقَالَ مَنْ اَنْتِ قَالَتْ جَثَّامَةُ الْمُزَنِيَّةُ

(۵۰۰) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپؐ نے پوچھا تم کس قبیلہ کی ہو؟ اس نے عرض کیا میں جثامہ مزنیہ ہوں آپ نے فرمایا بلکہ تم

.... کے لیے تولیت کا منصب مناسب نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہاں کی تولیت کا بار اٹھانے کی استعداد عطا فرمائی تھی اس لیے آپ نے اس بار کو اٹھایا اور اس خوبی سے اٹھایا جو اس کا حق تھا۔ اگر ابو ذر میں بھی آپ کسی مرتبہ کی تولیت سنبھال لینے کی استعداد دیکھ لیتے تو کوئی ذمہ داری ان کے بھی سپرد کر دی جاتی۔ پس آپ کی خیر خواہی کا اصل نقطہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں مشترک تھا اگر کسی کو کوئی ولایت دی گئی تو وہ بھی اس کے نفس کی خیر خواہی پر مبنی تھی اور اگر نہیں دی گئی تو اس کو بھی یقین رکھنا چاہیے کہ اس میں بھی اسی کی خیر خواہی مضمر تھی۔

(۴۹۹) * اسلامی مساوات صرف دوسری مخلوق کے دائرہ تک ہی محدود ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ اس کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ خود اپنی جان اور دوسری مخلوق کے درمیان بھی اس کا پورا لحاظ رکھتا ہے اسی لیے بڑی سے بڑی خصوصیت کے موقعہ پر بھی اسلام کی یہ عمومی سنت غیر اختیاری طور پر زبان سے نکلی چلی جاتی ہے گویا اہم سے اہم بات ذہن نشین کرنے کے لیے مؤثر سے مؤثر تعبیر صرف یہ ہے کہ مخاطب کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ متکلم اس کے اور اپنے نفس میں ایک ذرہ برابر دوئی نہیں سمجھتا جب تک اغراضِ نفسانی کا کوئی شائبہ بھی باقی ہے اس مقام رفیع تک رسائی مشکل ہے۔

(۵۰۰) * حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ ایمان کے شعبے کچھ عبادات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ان سے گذر کر حسن معاملہ اور حسن معاشرت جیسی جزئیات تک بھی پھیلتے ہیں۔ اس قسم کی حدیثوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایمان و اسلام کا احاطہ کتنا وسیع ہے۔

آئندہ حدیثوں سے بھی اس مضمون کی اور زیادہ تصدیق ہوگی۔

قَالَ بَلْ اَنْتِ حَسَّانَةُ الْمُزَنِيَّةُ كَيْفَ حَالُكُمْ كَيْفَ كُنْتُمْ بَعْدَنَا قَالَتْ بِخَيْرٍ فَلَمَّا خَرَجَتْ قُلْتُ تُقْبِلُ هٰذَا الْاِقْبَالَ عَلٰى هٰذِهٖ قَالَ اِنَّهَا كَانَتْ تَأْتِيْنَا اَيَّامَ خَدِيْجَةَ وَ اِنَّ حُسْنَ الْعَهْدِ مِنَ الْاِيْمَانِ. (اخرجه الحاکم و قال علی شرطهما و لاعلة له و اقره الذهبی)

تو حسانہ مزنیہ ہوا چھا کہو ہمارے بعد تمہارے حالات کیسے گذرے اس نے عرض کیا سب خیریت رہی- جب وہ چلی گئیں تو میں نے عرض کیا ایک معمولی بڑھیا اور اس کی طرف آپ کی اتنی توجہ' آپ نے فرمایا کہ یہ (حضرت) خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں ہمارے گھر آیا کرتی تھیں اور قدیم شناسائی کے حقوق کی رعایت کرنی بھی ایمان کی ایک بات ہے- (حاکم)

البذاذة

(۵۰۱) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اِيَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ ذَكَرَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا عِنْدَهُ الدُّنْيَا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْاِيْمَانِ اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ.

(اخرجه احمد و ابوداؤد و ابن ماجه و الحاکم و قال العراقی حدیث حسن و قال الدیلمی هو صحیح و کذلك قال الحافظ ابن حجر)

گاہ بگاہ ترکِ زینت

(۵۰۱) ابوامامہ کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں دنیا کا ذکر آ گیا تو آپ نے فرمایا سن لو اور خوب غور سے سن لو کہ زینت نہ کرنا اور گاہ بگاہ شکستہ حالت میں رہنا بھی ایمان کا اثر ہے-
(ابن ماجہ- حاکم)

---

(۵۰۱) * اسلام نے بناؤ سنگھار کرنا کسی وقت بھی پسند نہیں کیا اور ناز و نعمت اور عیش و طرب کی زندگی اگر چہ جائز حدود میں رہ کر ہو'اس کو بھی مکروہ سمجھا ہے اسی طرح اس کے مقابلہ میں رہبانیت اور بدحالی اور عام طور پر تقشف سے بھی روکا ہے- جمال کی ترغیب دی ہے اور اسی کے ساتھ گاہ بگاہ ایسی زندگی گذارنے کی بھی ہدایت کی ہے جس کی وجہ سے جمال و زینت کے ساتھ تکبر و غرور کی صفت پیدا نہ ہونے پائے اسلام جہاں غرور و تکبر سے روکتا ہے اسی کے ساتھ ذلت و خواری کی زندگی سے بھی منع کرتا ہے وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی دی ہوئی عزت صرف مسلمان کے لیے ہے اس لیے نہ وہ ایسے عمل کو پسند کرتا ہے جو اپنے نفس میں غرور و تکبر کا اثر پیدا کرے اور نہ اس کو جو انسان کے لیے سوسائٹی میں موجب ذلت ہو- اس دعاء کو ملاحظہ فرمائیے اور اسلام کے اصلی مقصد کو پہنچ جائیے- اللّٰهم اجعلنی فی عینی صغیراً و فی اعین الناس کبیرا. ''اے اللہ تو مجھے اپنی نظروں میں تو پست کر دے اور اپنی مخلوق کی نظروں میں معزز و بلند کر دے-'' پس تواضع کی نیت سے گاہ بگاہ زینت ترک کر دینا یقیناً انسان کے ایمان ہی کا تقاضا ہو سکتا ہے- اس باب میں دونوں قسم کی حدیثیں ملتی ہیں اور ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زینت اختیار کرو تو اس میں تحدیث نعمت کی نیت ہونی چاہیے اور اگر اس کو ترک کرو تو اس میں تواضع اور اپنے نفس کی شکستگی کی نیت ہونی چاہیے تکبر کی نیت سے زینت اور احساس کمتری کی بنا پر بذاذت دونوں بلند اخلاق سے گری ہوئی باتیں ہیں- بالفاظ دیگر یوں سمجھ لو کہ جب انسان کی عملی حالت میں گاہ گاہ بذاذت نظر آنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب اس کے نفس میں اصلاح کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اس کی یہ ترکِ زینت احساس کمتری کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی نظروں میں دنیا کی حقارت کا اثر ہے اور اسی طرح اس کی زینت تکبر کی بنا پر نہیں- بلکہ ایک عبد کی اپنے مولیٰ کی نعمتوں کی شکر گذاری کے لیے ہے پس اپنے نفس کو ذلیل کرنا اور اس میں ذلیل خصائل و ملکات پیدا کرنا ہرگز اسلام کا مقصد نہیں- ان اللّٰه یحب معالی الهمم. اللہ تعالیٰ علو ہمت کو پسند کرتا ہے اور ایک مسلمان کے نفس میں بلند حوصلگی پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے- بقیہ.....

السمت الحسن و التؤدة و الاقتصاد

اچھا طور وطریق' متانت اور میانہ روی

(۵۰۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَ التُّؤَدَةُ وَ الْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ اَرْبَعٍ وَ عِشْرِيْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ. (رواه الترمذى)

(۵۰۲) عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا طور وطریق متانت اور میانہ روی نبوۃ کا چوبیسواں جزء ہے۔ (ترمذی)

(۵۰۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ قَالَ اِنَّ الْهُدٰى الصَّالِحَ وَ السَّمْتُ الْحَسَنَ وَالْاِقْتِصَادَ جُزْءٌ مِنْ خَمْسٍ وَ عِشْرِيْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ. (رواه ابوداؤد)

(۵۰۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا طریقہ اور سمت حسن اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں جزء ہے۔ (ابوداؤد)

لله .... یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تکبر و وقار اور تواضع و ذلت میں بڑا فرق ہے ان میں ایک دوسرے کے ساتھ التباس پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ وقار ایک مطلوب صفت ہے اور تکبر انتہا درجہ مذموم اسی طرح تواضع انتہاء درجہ مطلوب ہے اور ذلت اسی درجہ مکروہ حتیٰ کہ ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں ان المؤمن لا یذل نفسہ. مؤمن اپنے نفس کو ذلیل نہیں کرتا اور کیسے ذلیل کر سکتا ہے جب کہ خود رب العزت نے اس کو عزیز بنایا ہے۔ مؤمن کے متعلق ذلت کا تخیل نفاق کا ایک شعبہ ہے۔ جب رئیس المنافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے متعلق یہ کلمہ زبان سے نکالا ﴿لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ (المنافقون:۸) تو ان کے بیٹے جو اس وقت حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے فوراً تلوار کھینچ کر سامنے آ گئے اور فرمایا خدا کی قسم جب تک تو یہ اقرار نہ کر لے کہ ذلیل تو ہے اور عزت والے صرف آپ کے صحابہ ہیں اس وقت تک تیری خیر نہیں۔ آخر اس سے یہ اقرار لے کر چھوڑا پس تواضع اور ذلت میں بڑا فرق ہے۔

(۵۰۲) * انسان کی معاشی اور معاشرتی زندگی ان ہی اجزاء کے اختیار کرنے سے سنور جاتی ہے اور ان کے ترک کرنے سے بگڑ جاتی ہے۔ اس حدیث کا ایک ایک لفظ انسان کی معاش اور معاشرت کا مستقل ایک ایک باب ہے۔

(۵۰۳) * ان دونوں روایتوں میں صرف ایک جزء کا اختلاف ہے' یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے دوسری احادیث میں سچے خوابوں کو نبوۃ کا چھیالیسواں جزء قرار دیا گیا ہے۔ ختم نبوت کے باب میں اس قسم کی حدیثوں کی مفصل شرح گذر چکی ہے اس جگہ ملاحظہ کر لینی چاہیے۔

سمت حسن انسان کی قوت عاملہ کی تکمیل کا نتیجہ ہے حضرت شاہ ولی اللہ'' تحریر فرماتے ہیں۔

و همچنیں در قوت عامله او مددے میدهد که بسبب آں سمت صالح نصیب او گرد دور عایات آداب و عادات و تدبیر منزل و سیاست مدینه بطورے که ازاں خوبتر نشود اهتمام فرما یدو خلق و شجاعت و سیاست و عدالت و کفایت و شناختن مصلحت هر وقتے او را اعطا میکندو بسوئے ایں جزء اشارت واقع شده در حدیث السمت الصالح جزء من خمسة و عشرين جزء من اجزاء النبوة. (قرة العينين ص ٤١)

حق تعالیٰ جس طرح نبی کی قوت عاقلہ میں زیادتی عطا فرماتا ہے اسی طرح اس کی قوت عاملہ میں بھی زیادتی مرحمت فرماتا ہے اور اسی وجہ سے سمت صالح اس کے نصیب میں آ جاتی ہے پھر وہ سیاست مدینہ' تدبیر منزل اور جملہ آداب و عادات کی رعایت اس طور پر کرنے لگتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی کے خیال میں نہیں آ سکتی اس کو اخلاق' بہادری اور سیاست و عدالت اور ہر وقت ومحل کے مناسب نا مناسب مصلحتوں کی معرفت بھی بخش دیتا ہے اسی جزء کی طرف حدیث السمت الصالح میں اشارہ کیا گیا ہے۔ لله ....

الحلم و الاناء ة

حلم و بردباری

(۵۰۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمُ وَ الْاَنَاةُ. (رواه مسلم)

(۵۰۴) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس سے فرمایا تجھ میں دو عادتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں بردباری اور متانت۔ (مسلم شریف)

(۵۰۵) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَ الْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ.

(۵۰۵) سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا متانت اور بردباری اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور جلد بازی شیطان کی حرکت ہے۔ (ترمذی)

(رواه الترمذی و قال هذا حديث غريب و قد تكلم بعض اهل الحديث فی عبد المهيمن بن عباس الراوی من قبل حفظه)

علامات الایمان و الاسلام

ایمان اور اسلام کی چند نشانیاں

(۵۰۶) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

(۵۰۶) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

ﮯ ....شاہ صاحبؒ کے اس بیان سے سمت حسن کی تفسیر معلوم ہوگئی اور اسی سے اس کے اجزاء نبوت ہونے کے معنی بھی واضح ہو گئے۔ شاہ صاحبؒ موصوف نے کتاب مذکور کے ص۴۴ پر اس کی مزید تشریح فرمائی ہے ملاحظہ کی جائے۔

یہ بات قابل یادداشت ہے کہ شعب اسلامیہ میں جن اعمال کو اجزاء نبوت یا سنت نبوت کہا گیا ہے اس پر عمل پیرا ہونا سہل ممتنع کے قریب ہے ان اعمال کا خاصہ قرب ولایت نہیں قرب نبوت ہے ارباب حقائق نے اعمال صالحہ سے جو قرب نصیب ہوتا ہے اس کی بھی دو قسمیں کی ہیں اس لیے جن سعید اور بلند طبائع میں قرب نبوت سے مناسبت ہو انہیں ان اعمال کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاہیے۔ اور ان حدیثوں کو محض ایک اسلوب تاکید خیال کر کے معمولی نہ سمجھنا چاہیے۔

(۵۰۴) ٭ روایت میں موجود ہے کہ انہوں نے پوچھا یارسول اللہ یہ خصلتیں مجھ میں فطری ہیں یا کسبی آپ نے فرمایا فطری اس سے معلوم ہوا کہ جو اخلاق حسنہ انسان کی فطرت میں ہوں اگر چہ وہ اس کے اختیاری نہیں ہوتے تاہم وہ بھی اس کے لئے قابل مدح اور اس کی سعادت کی علامت ہیں۔

(۵۰۵) ٭ تعجیل کارے شیاطین بود۔ تقریباً اسی حدیث کا ترجمہ ہے۔ یہاں عجلت سے مراد متانت کی ضد ہے تساہل بالکل علیحدہ چیز ہے عبادات میں تساہل عیب اور اس کے خلاف عجلت پسندیدہ ہے۔ مگر یہ وہ عجلت نہیں جس میں متانت ہاتھوں سے جاتی رہے۔

(۵۰۶) ٭ عرب کی سرزمین ایک چٹیل میدان تھی اس میں کسی علامت کے بغیر راستہ چلنا مشکل تھا اس لیے ان کا دستور تھا کہ راستوں کی شناخت کے لیے وہ جا بجا پتھر نصب کر دیا کرتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق حدیث نے اسلام کو ایک میدان اور مومن کو اس کے مسافر سے تشبیہ دی ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ اس میدان میں بھی صحیح راستہ پر گامزن رہنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس کے نشانات قائم ہوں اگر خدا نہ کردہ یہ نشانات مٹ جائیں تو پھر صحیح راستہ کا پتہ ملنا ہی مشکل ہے اس تعبیر میں یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح تم دنیا کے عام راستوں کے نشانات کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تم کو ایمان و اسلام کے ان احکام کی حفاظت کرنی بھی ضروری ہے جو علامات اور نشانات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حدیثوں میں جن اعمال کو ارکان اور جن کو شعبے کہا گیا ہے یہ صرف عبارت کا تفنن نہیں ہے اسی طرح یہاں جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے یہ بھی صرف مجاز و شاعریت نہیں بلکہ ان کی اپنی اپنی خاص خاص حقیقتوں ﮯ ....

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلْاِسْلَامِ ضُوْءً وَ مَنَارًا كَمَنَارِ الطَّرِيْقِ. (المستدرك)

وسلم نے فرمایا ہے ایمان کی بھی ایک چمک اور روشنی ہوتی ہے اور راستوں کے نشانات کی طرح اس کی بھی کچھ نمایاں علامتیں ہیں۔ (مستدرک)

الیقین بان اللّٰہ تعالٰی معه حیث ما کان

اس بات کا یقین ہو جانا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

(۵۰۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْعَامِرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعَمَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ عَبَدَاللّٰهَ وَحْدَهٗ بِاَنَّهٗ لَا اِلٰهَ

(۵۰۷) عبداللہ بن معاویہ عامری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین کام کر لیے اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ اس تصور کے ساتھ خدا کی عبادت کی کہ اس کے سوا معبود اور کوئی نہیں۔ اور اپنے مال کی زکوٰۃ نہایت فراخ دلی اور خوشی کے ساتھ سال بہ

لله ..... حقیقتوں پر مبنی ہے مثلاً جن اعمال کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دین کے لیے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا قائم رہنا دین کا قائم رہنا اور ان کا گر جانا دین کے سقوط اور گر جانے کے مرادف ہے اسی طرح جن کو فروع اور شعب کہا گیا ہے ان کی حقیقت میں دین اسلام سے پھوٹ کر نکلنے کی خصوصیت نمایاں ہے پس نماز اور حیاء میں شریعت کے نزدیک فرق یہ ہے کہ حیاء ایک ایسی چیز ہے جس کا شجرۂ اسلامی سے پھوٹ کر نکلنا ضروری ہے۔ مگر نماز صرف اتنی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ ایک اوپر کے درجہ کا رکن ہے جس پر دین کی بنیاد قائم ہے۔ اگر وہ متزلزل ہو تو دین کی ساری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے اسی طرح جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے ان میں انسان کی تصدیق باطن یا انقیاد ظاہر پر علامت ہونے کی خصوصیت نمایاں ہونی چاہیے جس کی بنا پر وہ اس کی صداقت کی دلیل بن سکیں۔ اگر آپ ارکان و شعب اور علامات کی ان جدا جدا خصوصیات کو پورے طور پر سمجھ جائیں اور اجزاء دین میں صحیح صحیح ان کا ادراک بھی کر لیں تو یہ ایک بہت بڑا علم ہوگا مگر نہ ہم مختصر الفاظ میں اس کو مفصل طور پر سمجھانے پر قادر ہیں اور نہ ان مختصر اوراق میں اس کو پھیلانے کی ہمارے پاس گنجائش ہے اس لیے ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے کہ ہر ذی فہم اپنی اپنی مقدار فہم کے مطابق اس غور و خوض میں حصہ لے اور حدیث کے عمیق سمندروں میں سے ان بے بہا حقیقتوں کو نکال نکال کر اپنے خزانہ دل میں جمع کرتا رہے۔

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

واضح رہے کہ احادیث میں ایمان کا عام استعمال قلبی تصدیق میں اور اسلام کا اعمال ظاہرہ میں کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے علامات کی بھی دو قسمیں ہوگئی ہیں بعض قسمیں وہ ہیں جن کا تعلق قلب سے ہے اور انسان کے خود اپنے ہی فیصلہ کرنے کی باتیں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہے ان میں دوسروں کی شہادت کا بھی دخل ہے اور بہر صورت علامت کا مرتبہ صرف اتنا ہی ہے کہ اسے دیکھ کر یہ ظن پیدا ہونے لگتا ہے کہ جس چیز کے لیے اس کو علامت مقرر کیا گیا ہے وہ بھی یہاں موجود ہے اگر چہ اس کا ہونا قطعی اور ضروری نہیں ہو سکتا ہے کہ کسی مانع کی وجہ سے اس علامت کی موجودگی کے باوجود اس شے کا وجود نہ ہو۔ بادل آتے ہیں اور بارش ہوتی ہے مگر کبھی بادلوں کے باوجود بارش نہیں ہوتی اس کے بھی کچھ قریب یا بعید اسباب ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بادلوں کے بارش کی علامت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوتا۔ پس زیر عنوان احادیث کا منشاء یہ نہیں کہ ان امور کے بعد ایمان و اسلام کا وجود کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے بلکہ یہ صرف اس کی علامات ہیں کہ ان احادیث کا منشاء یہ ہے کہ ایک مسلمان اور ایک مؤمن کے لیے یہ جائے شرم ہے کہ وہ ایمان و اسلام کا دعویٰ تو کرے مگر اس میں ایمان و اسلام کی ایک علامت بھی نہ پائی جائے۔ آپ ان علامات کو اپنے قلب و قالب میں پیدا تو کیجئے پھر تجربہ کیجئے کہ آپ کا ظاہر و باطن ایمان و اسلام کی حقیقت سے بھی رنگین ہو جاتا ہے یا نہیں۔

اِلَّا هُوَ وَ اَعْطٰی زَكَاةَ مَالِهٖ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهٗ فِیْ كُلِّ عَامٍ فَذَكَرَ الحديث و فی اخره فَمَا تَزْكِيَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَهٗ حَيْثُمَا كَانَ.

(رواه البزار فی مسنده)

سال ادا کی اس کے بعد انہوں نے آپ کی پوری حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں یہ بات بیان کی کہ میں نے پوچھا یا رسولؐ اللہ یہ تو مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ تھا فرمایئے نفس کی زکوٰۃ دینے کا طریقہ کیا ہے فرمایا یہ کہ اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ انسان جس جگہ بھی ہو اللہ کی ذات پاک اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ (بزار)

(۵۰۸) عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَفْضَلَ الْاِيْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ.

(رواه الطبرانی)

(۵۰۸) عبادہ بن صامتؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس کا یقین رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تیرے ساتھ ہے جہاں بھی تو ہو۔ (طبرانی)

(۵۰۹) عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَ لَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا وَ هُوَ مَعَكُمْ وَ الَّذِیْ تَدْعُوْنَهٗ اَقْرَبُ اِلٰی اَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی وَ اَنَا خَلْفَهٗ اَقُوْلُ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فِیْ نَفْسِیْ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰی كَنْزٍ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ بَلٰی يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. (متفق عليه)

(۵۰۹) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے لوگ چیخ چیخ کر تکبیریں کہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم اس کو تو نہیں پکار رہے ہو جو سنتا نہ ہو یا یہاں موجود نہ ہو تم تو اس کو پکار رہے ہو جو شنوا اور بینا ہے اور جو تمہارے ساتھ ہے جس کو تم پکار رہے ہو وہ تو تم سے تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا اور آہستہ آہستہ یہ کلمات کہہ رہا تھا لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ کا نام ہے) کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی اطلاع نہ دوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور۔ آپ نے فرمایا وہ کلمہ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔ (متفق علیہ)

---

(۵۰۹) * علماء کو قول فی النفس اور قراءت فی النفس کے معنی سمجھنے کے لیے اس حدیث کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے بعض لوگ اس کے معنی صرف قلبی تصور سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک لغت کے لحاظ سے یہ مشکل ہے جو ترجمہ ہم نے اوپر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہی مختار ہے۔ یہ حقیقت بار بار آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہے کہ اسلام صرف زبانی اقرار کا نام نہیں، صرف تصدیق کا نام بھی نہیں بلکہ ان سے گذر کر مرتبہ احسان تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے۔ مرتبہ احسان اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اس استحضار کو کہتے ہیں جس میں غیبت وشہادت کا فرق نہ رہے۔ اس کا تصور اس درجہ غالب آ جائے کہ ہمہ وقت یہ محسوس ہونے لگے گویا وہ تمہارے ساتھ ہے اس کا قرب اس درجہ مستولی ہو....

صيرورة الاعمال كلها لله سبحانه

تمام اعمال کا رخ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف پلٹ جانا

(۵۱۰) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰی لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ. (رواہ ابوداؤد و الترمذی و زاد احمد و انکح للہ)

(۵۱۰) ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر دشمنی رکھے۔ کسی کو دے تو اسی کے نام پر نہ دے تو اسی کی وجہ سے تو اس شخص نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔ امام احمد کی روایت میں اتنی زیادتی اور ہے کہ نکاح کرے تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے (یعنی عفت فرج مقصود ہو) (ابوداؤد۔ ترمذی)

(۵۱۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَسْتَحِقُّ الْعَبْدُ صَرِیْحَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یُحِبَّ لِلّٰهِ وَ یُبْغِضَ لِلّٰهِ فَاِذَا اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَحَقَّ الْوِلَایَةَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی. (رواہ احمد)

(۵۱۱) عمرو بن جموح روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ بندہ کا ایمان اس وقت تک خالص اور کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خدائے تعالیٰ ہی کے نام پر دوستی اور اسی کے نام پر دشمنی کرنے کا عادی نہ ہو جائے پھر جب وہ اس کا عادی بن جاتا ہے تو اب اس کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ولایت سے نواز دے۔ (احمد)

؎ ....ہو جائے کہ شتر سوار کو جو چیز سب سے زیادہ نزدیک نظر آ رہی ہو وہ اس کو اس سے بھی زیادہ نزدیک نظر آنے لگے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا پاک تصور جس طرح مادیت کی ہر ظلمت سے منزہ و مبرا ہے اسی طرح اتنا مجرد بھی نہیں ہے کہ اس کے متعلق سمع و بصر کا تصور اس کے تجرد کے منافی ہو۔ یہاں داعی اسلام نے یہ ہدایت فرمائی کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے متعلق جو تصورات بتائے گئے ہیں وہ فرضی نہیں بڑی حقیقت رکھتے ہیں اگر اس پر سمیع و بصیر کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کی حقیقت بھی ہمیشہ تمہارے زیر نظر رہنی چاہیے۔ تمہاری یہ چیخ و پکار پتہ دیتی ہے کہ تم نے اپنے خدا کو شاید اصم اور غائب سمجھ رکھا ہے اس لیے تم اس ادب و متانت کے ساتھ اس کو یاد کیا کرو کہ صرف تمہارے ذہن میں ہی اس کے سمیع و بصیر ہونے کا تصور نہ رہے بلکہ ہر دیکھنے والا بھی یہی سمجھے کہ تم ایسے خدا کو یاد کر رہے ہو جس میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ تمہاری لسانی حرکت کا منشاء صرف اس مضغۂ لحمی کو وظائف بندگی میں مشغول کرنا اور اس کی یاد میں تر رکھنا ہے اور بس۔ جب تم اس درجہ پر پہنچ جاؤ گے تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اب تم میں مرتبہ احسان کے اثرات پیدا ہو گئے ہیں اور اسلام کی بلند چوٹیوں پر تمہاری رسائی ہونے والی ہے۔ مؤمن کامل میں جب یہ نسبت احسان راسخ ہو جاتی ہے تو پھر نوبت یہ آ جاتی ہے کہ اگر تمام جہاں بھی زیر و زبر ہو جائے جب بھی اس کے اس استحضار میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا اس لیے اس مؤمن کی شان یہ ہو جاتی ہے ﴿لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ﴾ (الانبیاء:۱۰۳) یعنی ہنگامہ قیامت بھی ان کے لیے غم کا موجب نہیں ہوگا اور اس عظیم ہنگامہ میں بھی وہ پورے مطمئن نظر آئیں گے۔ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام جب غار ثور میں تشریف لائے اور دشمن سر پر کھڑا تھا اس خطرناک موقعہ پر آپ کے لیے موجب اطمینان یہی تسلی بخش تصور تھا ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبۃ:۴۰) یعنی اے رفیق غار تم غم نہ کھاؤ کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دریائے نیل کو اسی طاقت سے عبور کر رہے تھے۔ ﴿اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ (الشعراء:۶۲)

(۵۱۱) * ان دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دواعی قلب اور حرکات جوارح سب رضاء الٰہی کے تابع بن جائیں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اب ایمان اس کے ظاہر و باطن میں رچ چکا ہے قلب و زبان میں پوری یک رنگی پوری صداقت پیدا ہو چکی ہے اور اس میں نفاق کے کسی شعبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ عمرو بن جموح کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس انسانی جب ترقی کی اس معراج پر ؎ ....

الجهاد باليد و اللسان و القلب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا

(۵۱۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ نَبِيّ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ اُمَّةٍ قَبْلِيْ اِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ اُمَّتِهِ حَوَارِيُّوْنَ وَ اَصْحَابٌ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهِ وَ يَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهِ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ

(۵۱۲) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہلے کسی امت میں اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر اس کی امت میں ایسے لوگ ضرور گذرے ہیں جو اس کے معین و مددگار' اس کے طریقہ کار کے متبع و پیروکار اور اس کے ہر حکم کے مقتدی و فرمان بردار ہوا کرتے تھے پھر ان کے بعد ان کے جانشین کچھ ایسے

☜..... جا پہنچتا ہے تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ فضل ایزدی اس کو اپنی ولایت خاصہ کا خلعت پہنا دے شاید صوفیاء کرام اسی کو فناء و بقاء کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یہی نسبت احسان کا خلاصہ ہے۔

گفت قدوسی فقیری در فناء و در بقاء

نفاق کے باب کے تفصیلی نوٹ میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے ملاحظہ کیجئے۔

(۵۱۲) ❊ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو طارق بن شہاب کے واسطہ سے بھی روایت کیا ہے اس میں ان مراتب ثلاثہ کو وقتی استطاعت و قدرت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

''تم میں جو شخص کوئی بات شریعت کے خلاف دیکھے اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کر دے۔ اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے اس کی مخالفت کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اس سے کیا کم کہ اپنے دل میں اس کی ناگواری برابر محسوس کرتا رہے اور یہ درجہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے''۔

اس حدیث میں ایمان کے تین درجے قائم کئے گئے ہیں قوی' درمیانہ' اور ضعیف ان میں ہر ایک درجہ کا اقتضاء جدا جدا اور ہر ایک کی علامت علیحدہ علیحدہ ہے۔ سب سے ضعیف درجہ کی علامت یہ ہے کہ خلافِ شرع امور سے قلب میں ہمہ وقت نفرت و کراہت محسوس ہو یعنی جب کہیں کوئی منکر نظر آئے تو فوراً قلب میں اس پر ناگواری محسوس ہو۔ قرآن کریم میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے ﴿وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ﴾ (الحجرات:۷) (اللہ تعالیٰ نے (صرف اپنی مہربانی سے) تمہارے دلوں میں کفر' فسق' اور اپنی نافرمانی سے کراہت ڈال دی ہے) اس کراہت کے بھی ضعف و قوت کے لحاظ سے تین مراتب نکل سکتے ہیں سب سے اعلیٰ تو یہ ہے کہ خدا کی زمین سے کفر و فسق کو اپنی قوتِ بازو سے مٹا ڈالے اور اس سے تو کیا کم کہ دل میں اس کی ناگواری محسوس کرتا رہے اگر اتنا احساس بھی نہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں ایمان کی کوئی نشانی بھی نہیں۔

اس حدیث کی شرح میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے ہمارے نزدیک سب سے اچھی شرح حافظ ابن تیمیہ کی ہے لیکن وہ محدثین کی اس تحقیق پر مبنی ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں بلکہ تصدیق و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے اسی مجموعہ پر اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اس مجموعہ میں جن باتوں پر ثواب کا وعدہ ہے وہ امر بالمعروف کے سلسلہ میں صرف یہی تین باتیں ہیں۔ تغیر بالید ان میں سب سے اعلیٰ ہے اور انکار قلبی سب سے ادنیٰ۔ پس اگر کسی کا ہاتھ ازالہ منکر کے لئے حرکت نہیں کرتا' اس کی زبان روکنے کے لئے نہیں ہلتی اور اسکا قلب اندرونی طور پر بھی انکار کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تو اس کے بعد اب اعمالِ ایمانی میں ایسا کوئی عمل نہیں ☜.....

خُـلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَ يَفْعَلُوْنَ مَالَا يُـؤْمَرُوْنَ فَـمَـنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَ مَـنْ جَـاهَـدَ هُـمْ بِلِسَـانِـهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَ مَنْ

بداطوار لوگ ہوئے (جن کے قول وعمل میں بڑا فرق تھا) وہ جو بات اپنی زبانوں سے کہتے اس پر عمل نہ کرتے اور وہ حرکتیں کرتے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا- جوشخص بھی ایسے لوگوں کا اپنے ہاتھ سے مقابلہ کرے وہ مؤمن

لله ..... ہے جس کی ادائیگی پر اس کو کسی ادنیٰ کا بھی استحقاق ہو- محدثین کے نزدیک چونکہ اعمال ایمان کے اجزاء شمار ہوتے ہیں اس لئے اس حدیث میں اجزاء ایمان کی نفی سے اعمال ہی کی نفی مراد ہے- ولیس وراء ذلک من الایمان حبة خردل کی ٹھیک شرح یہ ہے یعنی انکار قلبی کے بعد اب رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا کوئی جزء ایسا نہیں رہا جس پر کوئی اجر مرتب ہو سکے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص مؤمن ہی باقی نہیں رہے گا- (دیکھو کتاب الایمان ص ۱۳۱ و ص ۱۷۴)

اصل حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایمان باللہ کے ساتھ بہت گہرا ربط ہے حسب ذیل آیت پر غور کیجئے ﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران : ۱۱۰) یعنی اس امت کی خیریت جن امور کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے ان میں سب سے ممتاز ایمان باللہ کی صفت ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی کے لوازم میں ہیں اس لیے پہلی امتیں اگر ایمان باللہ میں ہم سے پیچھے رہیں تو امر بالمعروف میں بھی ان کا قدم ہم سے پیچھے ہی تھا اور یہ امت اگر ایمان باللہ میں سب سے فائق رہی تو امر بالمعروف میں بھی اس کا قدم سب سے آگے ہے- بہرحال ایمان باللہ کے ساتھ کسی نہ کسی مرتبہ میں امر بالمعروف ہونا بھی ضروری ہے جس کا سب سے ضعیف درجہ انکار قلبی ہے اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھر یہ غور کرنا ہوگا کہ اب اس میں ایمان باللہ کی کتنی روح اور اس کی کیا علامت باقی ہے اسلام میں ایمان کی علامت صرف پیشانی پر نماز کا نشان' ہونٹوں پر روزوں کی خشکی اور بروقت زکوۃ کی ادائیگی قرار نہیں دی گئی بلکہ اس کی ایک بڑی علامت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی قرار دی گئی ہے- اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان باللہ اور امر بالمعروف میں بڑا گہرا ربط ہے- ایمان صرف ان اعمال کے ادا کرنے سے کامل نہیں ہوتا جن سے کہ ایک انسان کے نفس کی صرف ذاتی تکمیل ہو جاتی ہے بلکہ اس کا معیار وہ اعمال ہیں جن سے تمام مخلوق کے نفوس کی تکمیل ہوتی ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر- اس امت کی خلقت کا اصل منشاء صرف اپنے کمالات علمیہ وعملیہ کی تکمیل نہیں بلکہ خدا کے تمام مخلوقات کے تکمیل کی ذمہ داری بھی اسی کے سر ہے اور یہی اس کا طغرۂ امتیاز ہے اور اسی بناء پر اس کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے-

یہ بات بہت زیادہ قابل غور ہے کہ جب ایک انسان کی ذاتی تکمیل کے لیے بھی قوت ایمانی کی ضرورت ہے تو اس امت کے لیے جس کو یہ دعوت دی گئی ہو کہ وہ تمام دنیا کی طاقتوں کو چیلنج دے کر ان کی نفسیاتی اور اخلاقی تکمیل کر دے' کتنے عزم' کتنی قوت ایمانی اور کتنے وثوق باللہ کی ضرورت ہوگی' ایمان باللہ کے بغیر امر بالمعروف ہو ہی نہیں سکتا- اور یہ صفت جتنی کامل ہوگی انسان اتنا ہی امر بالمعروف کے لیے مضطر ہوگا اور اگر بدنصیبی سے وہ اس اضطرار سے خالی ہو چکا ہے تو جب تک اس میں نور ایمانی کا کوئی ذرہ موجود ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا دل احساس ناگواری سے تو خالی نہ رہے اگر اس میں یہ احساس ناگواری بھی نہیں تو پھر سمجھنا چاہیے کہ اس میں غیرت ایمانی کا کوئی شائبہ بھی نہیں- یہ تھی اس حدیث کی مختصر شرح اب امر بالمعروف کے متعلق چند اور اہم کلمات سنئے-

حدیث کے لفظ (اذا رأی منکرا) ''جب کوئی برائی دیکھے'' میں رؤیت سے مراد برائی کا ثبوت اور یقین ہے اس کا آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں ہے تاہم صاحب بحر الرائق نے پانچویں جلد میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو کسی معصیت میں مبتلا دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بھی ازالہ کا حق حاصل ہے اور اگر وہ اس معصیت سے فارغ ہو چکا ہے تو اب اس کو صرف یہ حق ہوگا کہ اس معاملہ کو قاضی لله.....

جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ. (رواه الخمسه غير البخاري)

اور جو زبان سے ان کی تردید کرے وہ مؤمن اور جو صرف قلبی ناگواری پر کفایت کرلے وہ بھی ایک درجہ کا مؤمن ہے اس کے بعد ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا کوئی جزء نہیں۔ (مسلم وغیرہ)

؎ ..... تک پہنچا دے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عملی طور تعزیر صرف قاضی کا وظیفہ ہے اور دفعات تعزیر کا اجراء عوام کا حق نہیں ہاں امر بالمعروف ہر شخص کا فرض ہے اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے۔

یہ بات قابل فراموش نہیں ہے کہ شریعت میں جتنا امر بالمعروف کی ترغیب ہے اتنا ہی تجسس احوال کی ممانعت بھی ہے قاضی اس کا مامور نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے حالات کا زبردستی تجسس کیا کرے اس کا فرض صرف یہ ہے کہ جب اس کے سامنے کوئی معاملہ آ جائے تو وہ اس کی تحقیق کر کے مناسب فیصلہ صادر کر دے۔ یہاں کتاب الاحکام السلطانیہ میں قاضی ابویعلی نے بہت خوب تفصیل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگر واقعہ ایسا ہے جس کا تجسس نہ کرنے سے کسی کی جان' آبرو یا مال ضائع ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے جیسا زناء چوری اور قتل تو ان معاملات کا تجسس کرنا امام کا فرض ہے اور اگر ایسا معاملہ نہ ہو تو پھر عام حالات میں تجسس کرنا مناسب نہیں ہے دوم یہ کہ جن منکرات کا ازالہ کرنا واجب ہے وہ ایسے منکرات ہوں جو بالاتفاق منکر ہوں۔ مختلف فیہ مسائل میں ایک دوسرے پر انکار کرنا قلت علم اور تنگ نظری ہے قاضی ابویعلی اس کی اور تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہاں اس اختلاف کا استثناء کرنا ضروری ہے جو جمہور کے بالمقابل ہو یا کسی متفق علیہ حرام کا ذریعہ بن جائے۔ جیسے سود کہ جمہور کے نزدیک نقد ہو یا ادھار دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ اس مسئلہ میں اگرچہ بعض سلف کا کچھ خلاف منقول ہے لیکن چونکہ یہ جمہور کے خلاف ہے اس لیے اس پر بھی انکار کرنا ضروری ہوگا۔ امام احمدؒ نے یہاں ایک اور دلچسپ تفصیل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مسئلہ پر عمل کرنے والے کو سزا تو دی جائے مگر بعض سلف کے خلاف کی وجہ سے اس کو فاسق نہ کہا جائے۔ نکاحِ متعہ بھی اسی قسم میں داخل ہے یہ بھی جمہور کے خلاف ہے اور اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو یہ صریح زناء کا ذریعہ بن سکتا ہے جو متفق علیہ حرام ہے اس لیے اس کی بھی ممانعت کی جائے اور اس کے مرتکب کو سزا بھی دی جائے۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ سلف میں کوئی اس کا قائل نہ تھا تو اس کو فاسق بھی کہا جائے۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۵۲)

اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جتنی اہمیت ہے اس سے زیادہ اہمیت مواقع انکار جاننے کی ہے بسا اوقات بے محل انکار خود ایک منکر کی صورت بن جاتا ہے۔ حافظ ابن قیم نے اس کی چار صورتیں تحریر فرمائی ہیں (۱) منکر اور برائی کو روکنے سے اصلاح کی توقع ہو اور اس کی بجائے نیکی پیدا ہونے کی امید ہو۔ (۲) اگر اس کے ازالہ کی توقع نہ ہو تو کم از کم اس میں خفت کی امید ہو۔ (۳) یا اس کے ہموزن دوسری برائی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ (۴) یا اس سے برتر برائی کا خطرہ ہو۔ صرف پہلی دو صورتوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے۔ تیسری صورت خود انسان کے احساس و تمیز پر موقوف ہے اور چوتھی صورت حرام ہے۔ اس تفصیل کے مطابق اگر ایک جماعت شطرنج کھیل رہی ہے اور امید یہ ہے کہ اگر اس کو روکا گیا تو وہ کسی اور بہتر مشغلہ میں لگ جائے گی تو اس کو منع کرنا ضروری ہوگا ورنہ نہیں۔ اسی طرح اگر ایک شخص ناول دیکھتا ہے اور خطرہ یہ ہے کہ اس کو روکا گیا تو وہ اور بددین اور فاسد العقائد مصنفین کی کتابوں کے دیکھنے میں مشغول ہو جائے گا تو اس کو ناول دیکھنے سے منع نہ کرنا ضروری ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر ایک شخص شراب نوشی اور قمار بازی میں مشغول ہے اور اس کی فاسد فطرت سے یہ اندیشہ ہے کہ اس کو روکا گیا تو وہ قتل و غارت میں مشغول ہو جائے گا تو ایسے شخص کو ان مشاغل میں رہنے دینا مناسب ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲)

عالم وہ ہے جو ان مراتب کو پہچانے اور ان کی صحیح رعایت بھی رکھے۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

الاجتناب عن الشبہات

جن باتوں کا ٹھیک حکم معلوم نہ ہو ان کو ترک کر دینا

(۵۱۳) عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَ اِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ وَّ بَیْنَھُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِھَاتٌ لَا یَعْلَمُھُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُھَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ

(۵۱۳) نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ (دین میں) حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ہاں ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں مشتبہ ہیں جن کا صحیح حکم اکثر لوگ نہیں جانتے جو شخص ان باتوں سے بچتا رہے اس نے تو اپنے دین اور آبرو کی طرف سے صفائی پیش کر دی اور جو ان میں مبتلا ہو گیا وہ یقیناً حرام میں بھی مبتلا ہو کر

---

(۵۱۳) * حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کا بڑا حصہ کھلا ہوا حلال یا کھلا ہوا حرام ہے۔ اس پر عمل کرنا تو کوئی بڑے کمال کی بات نہیں یہ تو ہر شخص کا فرض ہے البتہ اس کا ایک حصہ وہ ہے جس کے متعلق اکثر لوگ کھلے طور پر نہیں جانتے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ مخصوص اور بڑے درجہ کے علماء اگر چہ اس کا بھی حکم جانتے ہیں لیکن متوسط طبقہ کے نزدیک اس کا حکم مشتبہ ہوتا ہے یہی حصہ انسان کی کمزور فطرت کی آزمائش گاہ ہے جس شخص نے اس اشتباہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا اس نے دین دار طبقہ کی نظروں میں اپنی دینی عظمت ومحبت کا معاملہ مشتبہ کر دیا اور ایک حد تک انہیں نکتہ چینی کرنے کا حق دے دیا لیکن جس شخص نے یہاں استقامت دکھلائی اس نے اپنی دینی شخصیت صاف کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ اس کے قلب میں دین کا درحقیقت بہت بڑا احترام ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جس کو مشتبہات کا اصل حکم معلوم ہے وہ اس جگہ زیر بحث ہی نہیں وہ ان سب میں کامل تر انسان ہے وہ علمی ذوق پیدا کر کے اشتباہ کی ظلمت سے نکل چکا ہے اس لیے اس کے حق میں کمال یہ ہے کہ جو اس کی تحقیق ہو اسی پر عمل کرے کیونکہ جب اس کے حق میں یہاں کوئی اشتباہ ہی نہیں تو اس کے لیے اتقاء عن الشبہات کا حکم بھی نہیں۔ چونکہ تورع اور احتیاط کی اس منزل تک رسائی آسان امر نہیں یہاں صرف ظاہری اعضاء کی سلامتی سے کام نہیں چلتا بلکہ قلب انسانی کی سلامتی کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اس وادی کو عبور کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے قلب کی سلامتی پیدا کرو۔ قلب کی سلامتی یہ ہے کہ اس میں ایک ذات پاک وحدہ لاشریک لہ کی محبت کے سوا کسی غیر کی محبت کی سمائی نہ رہے اور ان اعمال کے سوا جن میں اس کی رضا مندی ہو کسی اور عمل کا جذبہ نہ رہے جب اس میں یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو ظاہری اعضاء خود بخود اوامر شرعیہ کی بجا آوری کے لیے مضطرب ہو جائیں گے اور منہیاتِ شرعیہ تو درکنار امور مشتبہ سے بھی طبعاً متنفر ہو جائیں گے اور یہ کٹھن منزل ذوق وشوق کے ساتھ طے ہونا شروع ہو جائے گی۔ لیکن اگر قلب میں اس طرح صفت سلامتی پیدا نہیں ہوئی اور وہ بدستور خواہشاتِ نفسانی کا گرفتار بنا رہا تو اس کا اثر انسان کے ظاہری اعضاء میں بھی نمودار ہوئے بغیر نہیں رہے گا کیونکہ انسانی اعضاء میں قلب کی مثال ایسی ہے جیسی فوج میں ایک بادشاہ کی جس طرح فوج کی صلاح وفساد کا مدار بادشاہ کے صلاح وفساد پر ہوتا ہے اسی طرح اعضاء ظاہری کی صلاح وفساد کا مدار قلب کی صلاح وفساد پر ہوتا ہے۔ پس اصل اہتمام کے قابل نکتہ اصلاح قلب ہے اسی لیے مسند امام احمد میں حضرت انسؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں "لا یستقیم ایمان عبد حتی یستقیم قلبہ" کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا قلب درست نہ ہو جائے۔ یہاں استقامت ایمان میں اعمال کی استقامت بھی داخل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اَللّٰھُمَّ انی اسالک قلبا سلیما اے اللہ میں تجھ سے ایسا قلب مانگتا ہوں جو سلیم ہو آیت ذیل میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔

یہ صفت انبیاء علیہم السلام کو کسب ومجاہدہ کے بغیر ہنگامہ طفولیت ہی میں اس کمال کے ساتھ عطا کر دی جاتی ہے کہ وہ شرک وکفر .....

لِدِيْنِهٖ وَ عِرْضِهٖ وَ مَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ. كَالرَّاعِيْ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَرْتَعَ فِيْهِ اَلَا وَ اِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَ اِنَّ اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَ اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ. (رواہ البخاری و مسلم)

رہے گا-اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو اپنے جانوروں کو کسی (مخصوص) جنگل کے ارد گرد چراتا رہے-قریب ہے کہ اس کے جانور اس کے اندر بھی جا پڑیں-خوب سن لو کہ ہر بادشاہ کا ایک نہ ایک جنگل ریزرو[1] اور مخصوص ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رزرو کردہ جنگل اس کے محرمات ہیں-خوب سن لو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے کہ اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے وہ گوشت کا لوتھڑا انسان کا دل ہے-
(متفق علیہ)

بقیہ.....کی خوفناک سے خوفناک وادیوں سے بھی اس طرح پاک وصاف گذر جاتے کہ ان کے دامن اعتقاد میں شک وشبہات کا ایک کانٹا بھی نہیں چھبتا-
عالم کے موحد اعظم یعنی حضرت خلیل نے جب دنیا میں قدم رکھا تو اپنے چاروں طرف بت پرستی اور کواکب پرستی کا ماحول دیکھا مگر قدرت نے ان کو ایسا سلیم قلب مرحمت فرمایا تھا کہ پہلی ہی نظر میں ان کو ستاروں کی چمک دمک اور بتوں کی رعنائی ایک منظر کاذب نظر آئی اور ان تمام معبودانِ باطل سے انہوں نے بیک آواز اپنے ان الفاظ میں بیزاری کا اعلان کر دیا ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَ جْهِيَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام: ۷۹) ان کی اسی فطری سلامتی قلب کو حسب ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے-اِذْجَاءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ-
خلاصہ یہ ہے کہ اعمال ظاہری کی سلامتی کا راز قلب کی سلامتی میں مضمر ہے-اگر قلب ماسوا اللہ کی گرفتاری سے نجات حاصل کر چکا ہے تو یقیناً وہ مشتبہات کی طرف قدم اٹھانے سے بھی انتہا درجہ کارہ ہو جائے گا' جوارح انسانی ممنوعاتِ شرعیہ کے ارتکاب میں بے حس وحرکت بن جائیں گے ورنہ مشتبہات کیا صریح ممنوعات کے ارتکاب سے بھی کوئی امر مانع نہ ہوگا-اس ذیل میں چند اور امور بھی قابل تنبیہ ہیں-
(۱) تحقیق بالا کی روشنی میں مشتبہات کے بارے میں دو قسم کے انسان ہو جاتے ہیں-ایک ان کا حکم جاننے والے دوسرے نہ جاننے والے-حکم نہ جاننے والوں کی دو صورتیں ہیں یا تو ان کو دو طرفہ کوئی حکم معلوم نہیں یا اگر کسی جانب کوئی حکم معلوم ہے تو وہ خلاف واقع ہے ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر وہ بھی نہ جاننے والوں ہی کے برابر ہیں-
(۲) قرآن وحدیث نے اگر چہ دین کی تمام حلال یا حرام اشیاء کو صاف صاف بیان کر دیا ہے لیکن پھر بھی بیان وتوضیح کے لحاظ سے ان میں مراتب کا تفاوت ضروری ہے مثلاً بعض حلال وحرام تو ایسے ہیں جو خواص وعوام تک بذریعہ تواتر پہنچ چکے ہیں ان میں نہ کوئی اشتباہ ہوسکتا ہے نہ کچھ اختلاف اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اس شہرت کے ساتھ پہنچ نہیں سکے اس حصہ میں علماء کے اختلاف یا دلائل کے تعارض سے کہیں کہیں شبہ پیدا ہوسکتا ہے مثلاً گھوڑے کا گوشت کھانا یا وہ نبیذ پینا جس کا زیادہ حصہ نشہ آور ہو جائے یہاں قطعیت کے ساتھ کسی جانب بھی حکم نہیں لگایا جا سکتا یہ تو اس صورت کی مثال تھی جہاں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہو گیا ہے-کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علم حاصل ہونے کے باوجود پھر اشتباہ ہو جاتا ہے مثلاً جہاں اباحت اور ظاہر کی شہادت میں تعارض واقع ہو جائے مثلاً غیر محتاط کافر کے برتن اگر یہ دیکھا جائے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے تو اس کے برتن پاک ہونے چاہئیں اور ان کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیے اور اگر اس کے غیر محتاط ہونے کی طرف نظر کی جائے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ ناپاک ہونے چاہئیں اور پاک کئے بغیر ان کو استعمال نہ کرنا چاہیے اس قسم کے مقامات پر بقیہ.....

[1] Reserve - جس پر کسی دوسرے کا استحقاق نہ ہو-

اطمینان النفس بالبر و ترددھا بالاثم

نیک بات پر دل کا مطمئن ہو جانا اور گناہ میں خلش کا باقی رہنا

(۵۱۴) عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سِمْعَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَ الْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ نَفْسِكَ وَ كَرِهْتَ اَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ (رواہ مسلم)

(۵۱۴) نواس بن سمعان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نیکی صرف اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ کی علامت یہ ہے کہ وہ بات تمہارے دل میں کھٹکتی رہے اور تمہیں یہ پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو۔ (مسلم)

لاہ..... حدیث مذکور یہی واحد حل پیش کرتی ہے کہ یہ سب محل شبہات ہیں ان سے اجتناب کرنا ہی دینی پختگی کی علامت ہے۔

(۴) ہر چند کہ میدانِ شبہات کے ترک کرنے کا حکم اسی کے حق میں ہے جس کے حق میں اشتباہ موجود ہو لیکن وہ شخص جس کے حق میں کوئی اشتباہ نہ ہو اگر اپنی دینی آبرو کے تحفظ کی خاطر محلِ شبہ ترک کردے تو یہ بھی ایک خوبی کی صفت ہے اور مطلوب ہے۔

ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ آپ کی زیارت کے لیے تشریف لائیں واپسی میں ان کے رخصت کرنے کے لیے آپ بھی چند قدم ان کے ہمراہ تشریف لائے۔ اتفاقاً بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم) ادھر سے گذرے تو آپ نے ان کو ٹھہرالیا اور فرمایا یہ میری زوجہ صفیہؓ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ بھلا آپ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی ہوسکتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا درست ہے مگر شیطان انسان کی رگ و پے میں اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جس طرح خون رگوں میں۔ میں نے اس کی وسوسہ اندازی کے خطرہ سے یہ صفائی پیش کی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں اشتباہ کا کوئی محل ہی نہ تھا لیکن جو بات کسی غلط فہمی کی بناء پر بھی شبہ کا موجب بن سکتی تھی اس کو بھی آپ نے صاف کردیا۔ نبی کا یہ بھی ایک بڑا کمال ہوتا ہے کہ عصمت کے بلند سے بلند مقام پر کھڑے ہونے کے باوجود وہ اپنے نفس کو شرعی احکام میں عوام کی صف میں برابر رکھتا ہے۔

شریعت میں مقاماتِ تہمت سے بچنا تو ایک عام بات ہے لیکن نبی کا معاملہ اس بارے میں اور زیادہ نازک ہوتا ہے اگر اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ گذر جائے تو اس شخص کے ایمان ہی کی خیر نہیں رہتی اس لیے نبی کی یہ بہت کوشش رہتی ہے کہ اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ نہ گذرنے پائے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ جمعہ کی نماز کے لیے تشریف لے گئے دیکھا تو لوگ نماز سے فارغ ہو ہو کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو چکے تھے اس لیے انہوں نے ایک گوشہ میں نظریں بچا کر چپکے سے اپنی نماز ادا فرمائی اور کہا جو شخص خدا تعالیٰ سے شرم نہیں کرتا وہ اس کی مخلوق سے بھی شرم نہیں کرتا۔ (جامع العلوم ص ۵۱) اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ فرائض و واجبات میں کسی اتفاقی کوتاہی کو منظر عام پر لانا کمال کی بات نہیں شرم کی بات ہے۔

بہر حال ان دونوں واقعات میں اگرچہ دراصل شبہ کا کوئی محل نہ تھا اس کے باوجود صرف عوام کی غلط فہمی اور اس پر ان کے طعن و تشنیع کے خطرہ سے بچنے کی خاطر احتیاط کی گئی۔ معلوم ہوا کہ کسی غلط فہمی کے ازالہ کی رعایت سے مشتبہات کو ترک کردینا بھی مستحسن امر ہے۔

(۵۱۵) عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَ الْاِثْمِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ الْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَ اطْمَأَنَّ اِلَيْهِ

(۵۱۵) وابصہ بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کیا گناہ اور نیکی کی تعریف پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں- فرمایا تو اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو جس بات پر دل ٹھک جائے وہ تو نیکی

---

(۵۱۵) ٭ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو فطرتِ اسلام پر پیدا کیا ہے ان میں حق و ناحق کا احساس اور اس کا امتیاز اسی طرح ودیعت فرمایا ہے جس طرح حواسِ خمسہ میں اشیاءِ ظاہری کا احساس جب تک انسان اپنی اصل فطرت پر قائم رہتا ہے اس کا حاسہ فطری بھی ظاہری حواس کی طرح صحیح صحیح کام کیا کرتا ہے جس طرح کان ایک اچھے نغمے کی طرف بلا ارادہ لگ جاتے ہیں اور برے نغمے سے غیر اختیاری طور پر ہٹ جاتے ہیں- اسی طرح انسان کا حاسہ فطرت بھی اوامر الٰہیہ سے طبعاً مانوس اور منہیاتِ شرعیہ سے فطرۃً متنفر ہو جاتا ہے اسی بنا پر اوامر شرعیہ کو معروف اور منہیات کو منکرات سے تعبیر کیا جاتا ہے حسب ذیل آیات میں انسان کی اسی سلامتی فطرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

(۱) ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (الانفال:۲)
''سچے مسلمان تو بس وہی ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب آیاتِ الٰہی ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیتی ہیں-''

(۲) ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد:۲۸) ''سن لو کہ خدا کی یاد سے دلوں کو تسلی ہو جاتی ہے-''

مذکورہ بالا حدیث بھی قلب کی اسی فطری سلامتی پر مبنی ہے-

لیکن جب فطرت انسانی کچھ خارجی اسباب کی بنا پر آفت زدہ ہو جاتی ہے تو اس میں وہ احساس بھی باقی نہیں رہتا اور جس طرح بیمار حواس صحیح صحیح کام نہیں کرتے اس کی فطرت بھی پورے طور پر کام نہیں کرتی اور رشدہ شدہ ایسے اسٹیج پر پہنچ جاتی ہے جہاں اسے حق و ناحق کا کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہتا یہ انسان اس نابینا کی طرح ہو جاتا ہے جو سرخ و سفید کا صرف نام تو سنتا ہے مگر ان میں طبعی طور پر ادراک نہیں کرتا اسی طرح وہ انسان جس کی فطرت آفت رسیدہ ہو جاتی ہے، حق و باطل کا فرق صرف دلائل کی قوت سے ہی سنتا یا سمجھتا ہے مگر بدیہی طور پر اس کا ادراک نہیں کر سکتا- اس کو اسلام سے رغبت اور کفر سے نفرت طبعی نہیں ہوتی صرف استدلالی ہوتی ہے- یہ انسان صحیح فطرت سے ہٹا ہوا انسان ہے- یہ تندرست نہیں بیمار ہے اس لیے اس کے احساس کا بھی کوئی اعتبار نہ ہوگا- حضرت شیخ مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوب نمبر ۴۶ جلد اول میں اس کی خوب تحقیق فرمائی ہے-

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ حدیث کا دوسرا جملہ ''و کرھت ان یطلع علیہ الناس'' اور تجھے یہ ناپسند ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو' کسی امر کے گناہ ہونے کی سب سے کھلی ہوئی علامت ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات ایسی ہے کہ اس کی برائی تمام لوگوں پر اتنی عیاں ہے کہ اگر ان کو اطلاع ہو جائے تو وہ اس پر بے توقف اعتراض کریں- پس کسی مشتبہ امر کے گناہ ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو گی کہ وہ عوام و خواص سب کے نزدیک موجب اعتراض ہو' اب اگر کسی حیلہ سے تم اسے جائز بنانا چاہتے ہو تو یہ تمہارے نفس کی خیانت ہو گی- اسی لیے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جن باتوں کے متعلق کوئی حدیث نہ ملے ان کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس کو بہ نگاہ استحسان دیکھیں تو اسے اچھی بات سمجھو اور اگر بہ نظر کراہت دیکھیں تو بری سمجھو- اس تحقیق سے حضرت ابن مسعودؓ کے .....

الْقَلْبُ وَالْاِثْمُ مَاحَاکَ فِی النَّفْسِ وَ تَرَدَّدَ فِی الصَّدْرِوَاِنْ اَفْتَاکَ النَّاسُ وَاَفْتَوْکَ. (رواہ احمد و الدارمی فی مسندیھما باسناد حسن)

کی بات سمجھواور جس میں کھٹک اور تردد باقی رہے وہ گناہ کی بات سمجھواگر چہ لوگ تجھے کتنے ہی فتوے دیتے رہیں-

(مسند احمد و دارمی)

الترک لما فیہ ریب و الاختیار لما لا ریب فیہ

جس جانب میں تردد ہو اسے چھوڑ دینا اور جس میں تردد نہ ہو اسے اختیار کر لینا

(۵۱۶) عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ سِبْطِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ رَیْحَانَتِهٖ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ

(۵۱۶) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی یہ بات خوب یاد ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جو بات تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ بات اختیار کر

﴾.....کی حدیث کا مصداق بھی معلوم ہو گیا پھر حافظ مذکور فرماتے ہیں کہ کسی امر کے گناہ ہونے کی دوم نمبر کی علامت یہ ہے کہ مفتی اگر چہ اس کے متعلق یہ فتویٰ دے سکتا ہو کہ وہ گناہ نہیں مگر دل پھر بھی اس پر مطمئن نہ ہو اور برابر اس میں گناہ ہونے کی خلش محسوس کرتا رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا کھلا ہوا گناہ نہیں ہے کہ عام طور پر اس کو گناہ کی بات سمجھا جائے- (جامع العلوم ص ۱۸۴)

خلاصہ یہ کہ نیک انسان کو نیکی کے ساتھ ایک فطری تناسب ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ لوہے کو مقناطیس سے- اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی امر کا نیکی ہونا شرعاً معلوم ہو جائے تو ایک انسان کے فطرت کی سلامتی کی علامت یہ ہے کہ اس کی طرف وہ اپنی قلبی کشش محسوس کرے اسی طرح اگر کسی شخص کا شرعاً نیک ہونا ثابت ہو جائے تو کسی مشتبہ امر کے نیک و بد ہونے کی علامت اس کی فطرت ہے اگر اس کی جانب اس کے دل میں کشش موجود ہے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ نیکی کا عمل ہے ورنہ نہیں- قرآن و حدیث کے تصریح کردہ احکام میں بھی اسی معیار کو بدرجہ اولیٰ سمجھنا چاہیے- ﴿وَ اِنَّهَا لَکَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ﴾ (البقرۃ: ۴۵)

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ مفتی کے فتوے کے مقابلہ میں قلبی فتوے کی ترجیح کے لیے دو شرطیں ہیں- (۱) مستفتی کا قلب نور ایمان سے منور ہو- (۲) مفتی کا فتویٰ محض اس کے ظن یا خواہش نفسانی پر مبنی ہو- پس اگر مستفتی کا قلب سلیم ہے تو بلاشبہ اس کا فتویٰ ان مفتیوں کے فتووں سے ہزاروں درجہ وزنی ہوگا جو صرف اپنی رائے سے فتوے دیتے ہیں وہ خود بھی بیمار ہیں اور ان کے فتوے بھی بیمار لیکن اگر مفتی کے پاس دلیل شرعی موجود ہے تو پھر ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس کا دل بخوشی اس پر راضی نہیں ہوتا تو بہ جبر اسی پر اس کو راضی کرے بعض مسائل میں صرف جذبہ اتباع کی بناء پر بعض صحابہ کرامؓ نے آپ کی تعمیل ارشاد میں تامل کیا تھا تو آپ کو سخت ناگوار گذرا اس وقت ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ آپ کا حکم محض شفقت یا سہولت کی رعایت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ درحقیقت آپ ان سے وہ عمل کرانا ہی چاہتے تھے پس جب دلیل شرعی سامنے آ جائے تو انشراح صدر اور قلبی فتوے سب غیر معتبر ہو جاتے ہیں- اس مفتی کا فتویٰ اور فطری نور اسی جگہ کار آمد ہوتا ہے جہاں حدیث و قرآن کا نور موجود نظر نہ آئے- جہاں یہ نور موجود ہو وہاں کسی اور نور کی ضرورت نہیں ہے ؎

آب آمد تیمم برخاست

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی شیخ اکبر کی تصنیف فتوحات مکیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں- ''فتوحات مدنیہ مارا از فتوحات مکیہ بے نیاز کردہ-'' سبحان اللہ اصل ایمان اور قلب کی صحیح شہادت صرف یہی ہے-

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْ مَایُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ.

لو جس میں تمہیں کوئی کھٹکا نہ ہو۔ (ترمذی ونسائی)

(رواہ النسائی و الترمذی و قال حسن صحیح قال ابن رجب و قدروی ھذا الکلام موقوفا علی جماعۃ من الصحابۃ منھم عمرو و ابن عمرو ابو الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنھم)

ترک مالا بأس بہ حذرًا لمابہ باس — حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے بعض حلال کو بھی ترک کر دینا

(۵۱۷) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ یَزِیْدَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ حَتّٰی یَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِہٖ حَذَرًا لِمَابِہٖ بَأْسٌ. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

(۵۱۷) عبداللہ بن یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ متقین کے بلند مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ناجائز میں مبتلا ہونے کے خطرہ سے بہت سی جائز باتوں کو بھی چھوڑ نہ دے۔ (ترمذی)

---

(۵۱۷) * ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ پورا تقویٰ یہ ہے کہ بندہ بعض حلال چیزوں کو بھی ترک کر دے اس خوف سے کہ کہیں وہ حرام نہ ہو تاکہ حرام اور حلال کے درمیان ایک پردہ باقی رہ جائے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے اور حرام کے درمیان ایک حجاب قائم رکھوں اور اسے چاک نہ کروں۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ آدمی صرف حلال پر اس وقت تک رک نہیں سکتا جب تک کہ حلال کے ایک حصہ کو اپنے اور حرام کے درمیان حائل نہ بنائے رہے۔سفیان بن عیینہ کا مقولہ بھی اسی کے قریب ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے یہاں ایک نہایت اہم دقیقہ کی طرف توجہ دلائی ہے ہم ان کی اصل عبارت مع ترجمہ کے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

و ھا ھنا امر ینبغی التفطن لہ و ھو ان التدقیق فی التوقف عن الشبھات انما یصلح لمن استقامت احوالہ کلھا و تشابھت اعمالہ فی التقوی و الورع فاما من یقع فی انتھا المحرمات الظاھرۃ ثم یرید ان یتورع عن شیء من دقائق الشبھہ فانہ لا یحتمل لہ ذلک بل ینکر علیہ کما قال ابن عمر لمن سالہ عن دم البعوض من اھل العراق یسألوننی عن دم البعوض وقد قتلوا الحسینؓ. و سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ھما ریحانتای من الدنیا و سال رجل بشر بن الحارث عن رجل لہ زوجۃ و امہ تأمرہ بطلاقھا فقال ان کان برامہ فی کل شیء و لم یبق من برھا الا طلاق زوجتہ فلیفعل. (جامع العلوم ص ۷۸)

''یہاں ایک بات سمجھ لینی ضروری ہے اور وہ یہ کہ شبہات کے بارے میں زیادہ باریکیاں نکالنی اسی شخص کے لیے مناسب ہے جس کے اور حالات بھی بلند ہوں اس کے ورع و تقویٰ کا معیار بھی اونچا ہو لیکن جو شخص کھلم کھلا محرمات کا ارتکاب کرے اس کے بعد باریکیاں نکال کر متقی بننے کا شوق رکھے تو اس کے لیے یہ صرف ناموزوں ہی نہیں بلکہ قابل مذمت ہوگا۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ سے ایک عراقی شخص نے پوچھا کہ اگر حالت احرام میں مچھر مار دے تو اس کی کیا جزاء دینی چاہیے۔ آپ نے فرمایا حضرت حسینؓ کو تو شہید کر ڈالا اب مجھ سے مچھر کے خون کا فتویٰ پوچھنے چلے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ دنیا میں وہ میرے دو پھول ہیں۔ اسی طرح بشر بن الحارث سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص لطف ....

المسرة بالحسنات و المساءة علی السیئات

نیکی سے خوش ہونا اور بدی سے غمگین ہونا

(۵۱۸) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَا الْاِیْمَانُ فَقَالَ مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَ سَاءَتْهُ سَیِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ.
(الحاکم فی المستدرك)

(۵۱۸) ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ایمان کی کیا علامت ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو اپنی نیکی بھلی لگے اور برائی بری معلوم ہو بس یہ اس کی علامت ہے کہ وہ مؤمن ہے۔ (مستدرک)

(۵۱۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ كَیْفَ لِیْ اَنْ اَعْلَمَ اِذَا اَحْسَنْتُ وَ اِذَا اَسَأْتُ

(۵۱۹) ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا میں کیسے سمجھوں کہ میں نے یہ کام اچھا کیا ہے اور یہ برا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تو اپنے ہمسایوں

لله ....کی والدہ یہ کہتی ہے کہ تو اپنی بی بی کو طلاق دے دے اب اسے کیا کرنا چاہیے فرمایا اگر وہ شخص اپنی والدہ کے تمام حقوق ادا کر چکا ہے اور اس کی فرمان برداری میں اس معاملہ کے سوا اور کوئی بات باقی نہیں رہی تو اسے طلاق دے دینی چاہیے اور اگر ابھی کچھ اور مراحل بھی باقی ہیں تو طلاق نہ دینی چاہیے۔''

(۵۱۸) * یہ حدیث بھی انسان کے حاسہ فطرت کی سلامتی پر مبنی ہے جس طرح صحت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زبان کا ذائقہ درست ہو میٹھی چیز میٹھی معلوم ہو اور کڑوی چیز کڑوی۔ اسی طرح حاسہ فطرت کے صحت کی علامت یہ ہے کہ قلب کا ذائقہ درست ہو اور اس میں حسنہ اور سیئہ کا صحیح صحیح امتیاز باقی ہو۔ اگر یہ امتیاز باقی نہ رہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب کسی مرض نے اس کو گھیر لیا ہے۔ اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا. کیا وہ شخص جس کے برے عمل اس کے سامنے بھلے بنا دیئے گئے ہوں اور اس لیے وہ ان کو بھلا دیکھنے لگا ہو (اس کی برابر ہو سکتا ہے جس کا حاسہ فطرت تندرست ہو اور وہ برائی اور بھلائی کی حقیقت کا صحیح صحیح ادراک کرتا ہو) اس آیت میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جس کا حاسہ فطرت مریض ہو جاتا ہے خود اس کو اپنے ذائقہ کی غلطی کا احساس نہیں ہوتا وہ غلبہ مرض کی وجہ سے یہی سمجھتا رہتا ہے کہ جو احساس وہ کر رہا ہے درحقیقت وہی امر واقعہ ہے حالانکہ یہ تزیین شیطان کا اثر ہوتا ہے۔ پس اب مابہ الفرق صرف یہ ہے کہ سب سے پیشتر یہ دیکھنا چاہیے کہ سیئہ اور حسنہ کے بیان کی جو اصل قرار دین ہے یعنی شریعت اس نے کس امر کے متعلق کیا حکم لگایا ہے اس کے بعد اگر اپنا ذوق بھی اس کی موافقت کرتا ہے تو یہ اس کے صحت کی علامت سمجھنی چاہیے اور اگر اس کے خلاف ہے تو یہ مرض کی علامت سمجھنی چاہیے ورنہ تو ہر فاسق کو اپنا فسق اچھا ہی لگتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ احادیث صرف ایک تمثیل نہیں بلکہ جس طرح عوام الناس کا قلب عداوت و محبت اور فرحت و غم کی کیفیات حقیقۃً محسوس کرتا ہے اسی طرح ایک مؤمن کا قلب نیکی سے مسرت اور برائی سے انقباض کی کیفیات حقیقتاً محسوس کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ کیونکہ عالم مادیت میں اگر احساس ہے تو بواسطہ اس کی روحانیت کے ہے پس جب بالواسطہ کیفیات کا احساس یہ ہو تو جو کیفیات بلاواسطہ اس کی روحانیت پر وارد ہوں ان کا احساس کس درجہ قوی ہونا چاہیے۔

(۵۱۹) * اس حدیث میں صرف حسن جوار کی تعلیم دینا مقصود ہے۔ انسانی معاشرت کا یہ ایک بہت اہم باب ہے۔ حق جوار کی ترغیب دینے کے لیے یہ صرف ایک پیرایہ بیان ہے جو اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے عین واقع کے مطابق تھا۔ تغیر حالات اور انحطاط دین کے دور میں اگرچہ احسان اور اساءت کا مدار صرف ہمسایہ کی شہادت پر قائم نہیں کیا جا سکتا۔ مگر حسن جوار کی تعلیم جو اس حدیث کی اصل لله ....

قَالَ اِذَا سَمِعْتَ جِيْرَانَکَ يَقُوْلُوْنَ قَدْ اَحْسَنْتَ فَقَدْ اَحْسَنْتَ وَ اِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُوْلُوْنَ قَدْ اَسَأْتَ فَقَدْ اَسَأْتَ.

کی زبان سے یہ سنے کہ تو نے اچھا کام کیا ہے تو (سمجھ لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام اچھا ہی کیا ہے اور جب یہ سنے کہ وہ کہتے ہیں کہ تو نے برا کام کیا ہے تو (جان لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام برا ہی کیا ہے۔ (احمد-ابن ماجہ-طبرانی)

(اخرجه احمد و ابن ماجة و الطبرانى فى الكبير قال العراقى اسناده جيد و اخرجه ابن ماجة ايضا عن كلثوم الخزاعى قال المناوى فى الكبير رجال ابن ماجه رجال الصحيح الاشيخ محمد بن يحى فلم يخرج له مسلم و رواه ايضًا البزار قال الهيثمى و رجاله رجال الصحيح)

(۵۲۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامِىْ فِيْكُمْ فَقَالَ اسْتَوْصُوْا بِاَصْحَابِىْ خَيْرًا ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَفْشُوا الْكَذِبُ حَتّٰى اَنَّ الرَّجُلَ يَبْدَأُ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ اَنْ يُسْأَلَهَا وَ بِالْيَمِيْنِ قَبْلَ اَنْ يُسْأَ لَهَا فَمَنْ اَرَادَ مِنْكُمْ بُحْبُوْحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَ هُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ وَ لَا يَخْلُوَنَّ اَحَدُكُمْ بِامْرَءَةٍ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا وَ مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَ سَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ.

(اخرجه الطحاوى فى مشكل الاثار و عند النسائى نحوه)

(۵۲۰) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت حضرت عمرؓ نے مقام جابیہ میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ جس طرح اس وقت میں تمہارے سامنے تقریر کے لیے کھڑا ہوا ہوں' اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے سامنے تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا میرے صحابہؓ کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرنا اور ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تابعین پھر جو لوگ ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تبع تابعین اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا کہ کھلم کھلا جھوٹ رائج ہو جائے گا اور نوبت یہاں تک آ جائے گی کہ طلب کرنے سے پہلے آدمی شہادت دینے کے لیے تیار ہوگا اور قسم کی درخواست سے پہلے قسم کھانے کے لیے آمادہ ہوگا-پس تم میں جو شخص بھی جنت کا درمیانی اور بہتر سے بہتر طبقہ حاصل کرنا چاہے اسے امیر کی جماعت کے ساتھ لگا رہنا چاہیے کیونکہ شیطان ہمیشہ اکیلے ہی شخص کا ساتھی ہوتا ہے اور جہاں دو ہوئے وہ ان سے دور ہوا-تم میں کسی شخص کو کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہا نہ ملنا چاہیے کیونکہ شیطان (آ کر) ان میں تیسرا بن جاتا ہے (اور دلوں میں برائی کے وسوسے ڈالتا ہے) اور جس شخص کو اپنی بھلائی بھلی لگے اور برائی بری لگے وہ شخص بلاشبہ پکا مؤمن ہے۔ (مشکل الآثار)

(۵۲۱) عَنْ اَبِىْ رَزِيْنِ الْعُقَيْلِىِّ قَالَ قُلْتُ

(۵۲۱) ابو رزین عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسولؐ اللہ میں یہ کیسے

..... روح ہے وہ اب بھی اپنی جگہ بدستور موجود ہے-حدیثوں کا طرز خطاب اپنے ماحول کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اس کی اصل تعلیم عام ہوتی ہے-لوگ اس طرز خطاب کو بھی اپنے دورِ فساد میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب نہیں سمجھ سکتے تو پھر مفت کی تاویل کرتے ہیں اور بالآخر حدیث کی اصل روح سے بھی دستبردار ہو بیٹھتے ہیں-

(۵۲۱) * اس حدیث میں احساسِ حسنہ اور احساسِ سیئہ کے ساتھ ایمان و ایقان کے چند گوشے اور بھی مذکور ہیں جن حدیثوں میں ان کا ذکر نہیں ہے ان میں بھی آپ ان کو ملحوظ رکھئے تو آپ کو یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ ان صفات کے بعد ایمان کا حکم لگا دینا کتنا مناسب ہے-

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ لِيْ بِاَنْ اَعْلَمَ اَنِّيْ مُؤْمِنٌ قَالَ مَامِنْ اُمَّتِيْ عَبْدٌ يَعْمَلُ حَسَنَةً فَيَعْلَمُ اَنَّهَا حَسَنَةٌ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ جَازِيْهِ فِيْهَا خَيْرًا وَّ لَا يَعْمَلُ سَيِّئَةً فَيَعْلَمُ اَنَّهَا سَيِّئَةٌ وَ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مِنْهَا وَ يَعْلَمُ اَنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ اِلَّا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ. (اخرجه احمد و الطبرانی فی الاوسط)

سمجھوں کہ اب میں مؤمن ہو گیا' آپ نے فرمایا میری امت میں کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جب وہ کوئی نیک کام کرے اور یہ محسوس کرے کہ یہ کام نیک ہے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کا بدلہ دے گا اور جب برائی کرے تو یہ محسوس کرے کہ یہ کام برا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اس کا یقین رکھے کہ گناہوں کی معاف کرنے والی صرف اسی کی ایک ذات ہے تو وہ شخص ضرور پکا مؤمن ہے- (احمد-طبرانی)

(۵۲۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَحْسَنُوا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاؤُا اسْتَغْفَرُوْا. (رواه ابن ماجه و البيهقی فی الدعوات الكبير)

(۵۲۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ مجھے ان لوگوں میں شمار کر لے جو نیک کام کریں تو خوش ہوں اور جب برا کام کریں تو استغفار کریں-
(ابن ماجہ-دعوات کبیر)

شرح الصدر

احکامِ اسلامیہ کے لیے قلب میں کشادگی پیدا ہو جانا

(۵۲۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ انْفَسَحَ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لِتِلْكَ مِنْ عَلَمٍ يُعْرَفُ بِهٖ قَالَ نَعَمْ اَلتَّجَافِيْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَ الْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَ الْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ. (شعب الايمان)

(۵۲۳) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ آیت تلاوت فرمائی فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ' الخ یعنی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے پھر اس کی یہ تفسیر فرمائی کہ نور ایمانی جب مسلمان کے سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ پھیلنا شروع ہوتا ہے- آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کوئی علامت بھی ہے جس سے یہ بات معلوم ہو سکے- فرمایا ہے- دنیا سے (جو دھوکے کی ٹٹی ہے) بیزاری- آخرت کی طرف (جو دائمی اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے) توجہ- اور موت کے لیے اس کی آمد سے قبل تیاری- (شعب الایمان)

---

(۵۲۲) ✽ دراصل انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ان کی صفت عبدیت کا تقاضہ ہوتی ہیں اور ان کی امت کے لیے ان میں بڑا سبق ہوتا ہے ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ صفت ان میں موجود نہیں ہوتی اور دعائیں کر کے وہ اس صفت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں البتہ وہ اس کی دلیل ہوتی ہیں کہ بارگاہ ایزدی میں وہ صفت اتنی محبوب ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کے لیے دست بدعا رہتے ہیں یہاں حسنہ سے استبشار اور سیئہ سے استغفار بھی اسی قسم کی ایک صفت ہے-

(۵۲۳) ✽ دنیا اور آخرت دو متضاد مقصد ہیں حدیث میں ان دو کو دو سوکنوں سے تشبیہ دی گئی ہے "ان رضيت احد اهما سخطت الاخرى" کہ اگر ان میں ایک خوش ہو تو دوسری اس سے ناراض ہو جاتی ہے- اس لیے ایک کی طرف میلان کے لیے دوسری سے کشیدگی اختیار کرنی پڑتی ہے- اس لیے دار غرور سے بیزاری اور انابة الى الله درحقیقت ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں اور اس کے لئے ....

(۵۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَ اَبِیْ خَلَّادٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَیْتُمُ الْعَبْدَ یُعْطٰی زُهْدًا فِی الدُّنْیَا وَ قِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهُ یُلَقَّی الْحِکْمَةَ. (شعب الایمان)

(۵۲۴) ابو ہریرہؓ اور ابو خلاد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دیکھو کہ کسی بندہ کے دل میں دنیا سے بے رغبتی اور اس میں کم سخنی کی صفت پیدا کردی گئی ہے تو (اس کی مجالست اختیار کرو اور) اس کے قریب آ کر بیٹھو کیونکہ (وقت آ گیا ہے) کہ اب اس کو علم لدنی اور سماوی طور پر حکمت سکھا دی جائے- (شعب الایمان)

تعاهد المسجد

نمازوں کے لیے مسجد کی پابندی

(۵۲۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهُ بِالْاِیْمَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَی الزَّکٰوةَ. (الایة رواه الترمذی بسند حسن)

(۵۲۵) ابوسعیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ ہمہ وقت نماز کے لیے مسجد کا خیال رکھنے لگا ہے تو اس کے متعلق اب ایمان کی گواہی دے سکتے ہو (باوجودیکہ ایمان ایک قلبی چیز ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ حقیقت میں خدا کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں- (ترمذی شریف)

لہ ....لیے موت کی تیاری کرنا لازم ہے- یہ تینوں عنوانات عقائد اور علوم نہیں کیفیاتِ قلبی ہیں جیسا نورِ ایمانی کہ وہ بھی کیفیت کا نام ہے علوم کے میدان جب طے ہو جاتے ہیں تو کیفیات کے میدان شروع ہو جاتے ہیں- اربابِ حقائق کی نظروں میں یہ انسانی ترقیات کی علامات ہیں اور یہیں سے صِبْغَةُ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً کی صحیح تفسیر کا انکشاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں　　　گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

(۵۲۴) * علماء نے حکمت کی تفسیر میں مختلف اقوال لکھ لکھ کر ڈھیر لگا دیا ہے- آپ اس حدیث کے ساتھ آیت قرآنی و لقد اتینا لقمان الحکمة کو پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حکمت وہ سچی سچی اور پکی پکی باتیں ہیں جو وحی کے طفیل میں اللہ تعالیٰ اپنے عباد صالحین کے قلوب میں اپنی جانب سے القاء فرماتا ہے پھر وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب حکمت ہی حکمت ہوتا ہے جس طرح ان کا باطن آثار و برکاتِ ایمانی سے منور ہوتا ہے اسی طرح ان کی زبان کلماتِ حکمت سے مزین ہو جاتی ہے اور اب اس کے برکات صفت لازمہ نہیں رہتے بلکہ متعدی ہونے لگتے ہیں جو ان کے پاس آ بیٹھا ان کو برکاتِ ایمانی اسی طرح لگ جاتی ہیں جیسا ڈاکٹروں کی نظروں میں متعدی امراض-

(۵۲۵) * جو آیت آپؐ نے تلاوت فرمائی اس کا پہلا حصہ یہ ہے ﴿مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ ..الخ﴾ (التوبة:۱۷) مشرکوں کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جیسے کافروں سے اللہ تعالیٰ کی مسجدیں آباد رکھیں الخ یہ حق صرف ان لوگوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں- واضح رہے کہ ایمان کو نماز کے ساتھ بڑا علاقہ ہے اور نماز کو مسجد کے ساتھ بڑی خصوصیت ہے اس لیے مسجد سے تعلق نماز سے تعلق کی علامت ہے اور نماز سے تعلق ایمان سے تعلق کی نشانی ہے- جیسا حج کہ اس کا تعلق بیت اللہ سے ہے اور بیت اللہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف ہے پس جو شخص قدرت و استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا یہ اس کی بیت اللہ لہ ....

(۵۲۶) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلَى الصَّلٰوةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْاِيْمَانِ وَ مَنْ غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَايَةِ اِبْلِيْسَ. (رواہ بن ماجه)

(۵۲۶) سلمانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خود سنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص صبح صبح فجر کی نماز کو گیا وہ (گویا) ایمان کا جھنڈا لے کر گیا اور جو (نماز کی بجائے) بازار گیا وہ (گویا) ابلیس کا جھنڈا لے کر گیا۔ (ابن ماجہ)

الحفاظة علی الطهارة

طہارت کی نگہداشت

(۵۲۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَقِيْمُوْا وَ لَنْ تُحْصُوْا وَ اعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ وَ لَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ.

(رواہ مالك و احمد و ابن ماجه و الدارمی)

(۵۲۷) ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحیح راستہ پر جمے رہو مگر اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے دین میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور وضو کی نگرانی بجز مؤمن کامل کے اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

(مالک۔ احمد۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

ﷺ ....کے ساتھ بے تعلقی کی کھلی نشانی ہے اور جو شخص بیت اللہ سے اپنی بے تعلقی کے اظہار میں نہیں شرماتا یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ اس کی بے تعلقی کی علامت ہے اسی ربط کی وجہ سے قرآن کریم میں نماز کو ایمان اور حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ (البقرۃ:۱۴۳) اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کر دے۔ (یعنی وہ نمازیں جو پہلے تم نے بیت مقدس کی طرف پڑھیں) ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ﴾ (آل عمران:۹۷) لوگوں کے ذمہ خدائے تعالیٰ کے بیت کا حج کرنا فرض ہے اب اگر کوئی کفر کرے (یعنی حج نہ کرے) تو یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام جہان سے بے نیاز ہے۔

(۵۲۶) ﷺ عرب میں جھنڈا حکومت کا آدمی ہونے کی خاص علامت سمجھی جاتی تھی اب جس شخص نے صبح ہوتے ہی خدا کی فرض نماز ادا کر لی تو اس کے ہاتھ میں ایمان کی سب سے بڑی علامت آ گئی اور اس نے اس کا بین ثبوت پیش کر دیا کہ وہ ایمان کی حکومت میں رہنے والا شخص ہے اس کے برخلاف جس نے نماز نہ ادا کی اس نے اس کا ثبوت دے دیا کہ وہ شیطان کے لشکر کا آدمی ہے ہر صبح جب آفتاب نکلتا ہے تو خدا کی مخلوق میں یہ عبرتناک تفریق دیکھتا ہوا نکلتا ہے ۔

نقاب چہرہ سے خورشید جب اٹھاتا ہے — کوئی حرم کو کوئی بتکدہ کو جاتا ہے
جو دل سے پوچھتا ہوں تو کدھر کو جاتا ہے — تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ کہہ سناتا ہے
علی الصباح چو مردم بکار و بار روند — بلا کشان محبت بہ کوئے یار روند

(۵۲۷) ﷺ نماز مسلمان کے اسلام کی سب سے بڑی علامت ہے اور منافق کے نفاق کی سب سے سچی پہچان۔ اسی لیے نفاق کا سب سے کھلا ہوا معیار نماز ہی کو قرار دیا گیا ہے جیسا کہ نفاق کے باب میں آئندہ آئے گا اسی مناسبت سے یہاں مؤمن کی ایک علامت اس کا وضو بھی قرار دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جتنا جو شخص نماز میں پختہ ہوگا اتنا ہی وہ وضو کی نگہداشت میں چست ہوگا۔ استقامت کا حکم تمام شریعت پر حاوی ہے ان میں جب نماز سب سے بہتر عمل ٹھہرا تو اس کے ارکان و آداب کی رعایت میں استقامت بھی سب سے اہم ہوگی۔ اور نماز کی استقامت میں جتنی وضو کی محافظت معین ہو سکتی ہے ظاہر ہے اس لیے یہ کام تو کسی کامل ہی مؤمن کا ہو سکتا ہے یاد رہے کہ وضو کی ﷺ ....

الفرار من الفتن

دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے بچتے پھرنا

(۵۲۸) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْشَکُ اَنْ یَّکُوْنَ خَیْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ یَّتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَ مَوَاقِعَ الْقَطْرِ یَفِرُّ بِدِیْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ. (متفق علیه)

(۵۲۸) ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جب کہ مسلمان کے لیے سب سے بہتر مال چند بکریاں ہوں گی جنہیں لے کر وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگلوں میں بھاگ جائے گا۔ (متفق علیہ)

(۵۲۹) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَ لِمَنْ ابْتُلِیَ فَصَبَرَ فَوَاهًا. (رواہ ابوداؤد)

(۵۲۹) مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو فتنوں سے محفوظ رہا وہ بڑا خوش نصیب ہے (تین بار فرمایا) اور جو شخص ان میں پھنس گیا پھر اس نے ان پر صبر کیا اس کے تو کیا ہی کہنے۔ (ابوداؤد)

لله .... نگہداشت کا حکم صرف نماز کے وقت پر منحصر نہیں بلکہ عام حالات میں بھی باوضو رہنا مطلوب اور ایمان کی علامت ہے۔ رہا خاص نماز کے وقت کا وضوء وہ تو نماز کی شرط ہی ہے آپ کسی غلط فہمی کی بنا پر اس عام حکم کو کہیں صرف نمازوں کے اوقات میں منحصر نہ سمجھ لیں۔

(۵۲۹) * فتنوں کی ذات میں خود بڑی کشش ہوتی ہے۔ بے دین ناسمجھی سے یا ان کو دین سمجھ کر ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور جو دین دار ہیں وہ ان میں شرکت کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں ان کی مثال ان متعدی امراض کی سی ہوتی ہے جو فضاء عالم میں دفعۃً پھیل جائیں ایسی فضاء میں جا جا کر گھسنا صحت کی قوت کی علامت نہیں بلکہ اس سے لاپرواہی کی بات ہے۔ عافیت اسی میں ہوتی ہے کہ اس فضاء ہی سے نکل بھاگے۔ اس حقیقت پر امام بخاریؒ نے ایک مستقل باب قائم کر کے متنبہ کیا ہے اس کے بعد اگر گذشتہ فتنوں کی تاریخ پر نظر ڈالو گے تو تم کو سلف صالح کا یہی طرز عمل نظر آئے گا' جب کبھی ان کے دور میں فتنوں نے منہ نکالا اگر وہ ان کو کچل نہیں سکے تو ان میں کودنے کی بجائے ہمیشہ ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ اگر امت اسی ایک حدیث کو سمجھ لیتی تو کبھی فتنے زور نہ پکڑتے اور اگر بے دین اس میں مبتلاء ہو بھی جاتے تو کم از کم دین داروں کا دین تو ان کی مضرتوں سے محفوظ رہ جاتا۔ مگر جب اس حدیث کی رعایت نہ رہی تو بے دینوں نے فتنوں کو ہوا دی اور دین داروں نے اصلاح کی خاطر ان میں شرکت کی پھر ان کی اصلاح کرنے کی بجائے خود اپنا دین بھی کھو بیٹھے۔ واللّٰہ المستعان۔ امت میں سب سے بڑا فتنہ دجال کا ہے اس کے بارے میں یہ خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس کو دیکھنے کے لیے نہ جائے کہ اس کے چہرہ کی نحوست بھی مؤمن کے ایمان پر اثر انداز ہو گی۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جہاد باللسان اور بالسنان دونوں اس امت کے فرائض میں سے ہیں مگر یہاں وہ زمانہ مراد ہے جب کہ خود مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جائے' حق و باطل کی تمیز باقی نہ رہے اور اصلاح کا قدم اٹھانا الٹا فساد کا باعث بن جائے چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اندرونی مشاجرات میں جنگ کی شرکت کے لیے کہا گیا اور ان کے سامنے آیت پڑھی گئی کہ ﴿قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ (البقرۃ: ۱۹۳) کافروں سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک کہ فتنہ نہ رہے۔ تو انہوں نے فرمایا فتنوں کے فرو کرنے کے لیے جو جنگ تھی وہ تو ہم کر چکے اب تم اس جنگ کا آغاز کر رہے ہو جس سے اور فتنے پیدا ہوں گے۔ لله ....

صفات المؤمن — مؤمن کی صفات

الحزم و الاحتیاط — احتیاط اور ہوشیاری

(۵۳۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّ احِدٍ مَرَّتَيْنِ.
(اخرجه احمد و الشيخان و ابوداؤد و ابن ماجة)

(۵۳۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان دار آدمی ایک سوراخ سے دو بارڈ سا نہیں جاتا- (احمد- بخاری و مسلم وغیرہما)

الغرارة و الكرم — سادگی و شرافت

(۵۳۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ وَ

(۵۳۱) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایمان دار آدمی بھولا' سیدھا اور شریف الطبع ہوتا ہے

ﷺ ....اپنی مادی اور روحانی طاقت کا اندازہ کیے بغیر فتنوں سے زور آزمائی کرنا صرف ایک جذبہ ہے اور فتنوں کو کچلنے کے لیے پہلے سامان مہیا کر لینا عقل اور شریعت کا حکم ہے- جذبات جب انجام بینی سے یکسر خالی ہوں تو دائمی ناکامی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں- اسی طرح جب عقل جذبات سے کوری ہو جاتی ہے تو وہ بھی صرف دماغی فلسفہ میں مبتلا ہو کر رہ جاتی ہے کامیابی کا راز جوش کے ساتھ ہوش میں پنہاں ہے-

(۵۳۰) ✽ امام احمد نقل فرماتے ہیں کہ ابوغرہ جمحی شاعر جب جنگ بدر میں قید ہو کر آیا تو آپ کے سامنے اپنی تنگدستی اور اپنے بچوں کا رونا رونے لگا آپ نے ترس کھا کر فدیہ لیے بغیر اس کو رہا فرما دیا لیکن جب یہ کم ظرف وہاں چلا گیا تو پھر آپ کی ہجو کرنے لگا- تقدیر الٰہی کہ جنگ احد میں پھر یہ قید ہو کر آ گیا اور آپ کے سامنے پھر رحم کی درخواست پیش کرنے لگا- اس مرتبہ آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور فرمایا کہ تو واپس جا کر یہ کہے گا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق بنا رکھا ہے- مؤمن کی شان سے یہ بعید ہے کہ جب وہ ایک بار کسی سوراخ سے ڈس لیا جائے تو تجربہ کے لیے اس میں دوبارہ انگلی ڈالے اور پھر دھوکا کھائے اور اس کے قتل کا حکم دے دیا- ابن ہشام نے تہذیب سیرت میں لکھا ہے کہ یہ فقرہ سب سے پہلے آپ ہی کی زبان سے نکلا تھا اس سے قبل عرب میں کسی سے نہیں سنا گیا اس کے بعد پھر اس قسم کے مواقع میں ضرب المثل بن گیا ہے- امام طحاوی نے ابن وہب سے اس کی یہی شرح نقل کی ہے وسئل ابن وهب عن تفسيره فقال الرجل يقع فی الشیء يكرهه فلا يعود فيه (المعتصر ص ۴۰۵)

(۵۳۱) ✽ ملا علی قاری فرماتے ہیں معنی "غر كريم ای ليس بذی مكر و هو ينخدع لا نقياده و لينه موضوعات ص ۷۶ مؤمن مکار نہیں ہوتا ہاں اپنی طبیعت کی نرمی کی وجہ سے دیدہ دانستہ دھوکا کھا لیتا ہے-

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے جنت و جہنم کے ایک طویل مکالمہ کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ جنت کہے گی فما لی لا يدخلنی الا الضعفاء الناس و سقطهم و غرتهم . مجھ میں کیا کمی ہے کہ میرے اندر صرف وہی لوگ آئیں گے جو سب سے کمزور گرے پڑے اور بھولے بھولے ہوں گے- اس حدیث میں غرارۃ مؤمن کی اسی صفت کی طرف اشارہ ہے-

صاحب مجمع البحار اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں ای من فی طبعه الغرارة و قلة الفطنة للشر و تراه الخب عنه و ليس ذا جهل بل كرم و حسن خلق . یعنی مؤمن طبعاً اس کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگوں کی عیب جوئی میں لگا رہے- یہ نہیں کہ وہ بیوقوف اور جاہل ﷺ....

اَلْمُنَافِقُ خَبٌّ لَئِيمٌ. اور منافق دھوکے باز اور ذلیل الطبع ہوتا ہے۔ (مستدرک)

(رواہ الحاکم فی المستدرک و احمد و ابوداؤد و الترمذی قال المناوی اسنادہ جید. و فی الموضوعات الکبیر للقاری قال الصغانی موضوع من احادیث المصابیح و لم یھب فقد رواہ احمد عن ابی ھریرۃ بہ مرفوعا و لفظہ الفاجر بدل المنافق)

☜ .... ہوتا ہے اس کا بھولا پن اور سادگی اس کی طبیعت کی شرافت کا تقاضہ ہوتی ہے وہ اس کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگوں کے عیوب نکال نکال کر ان کے منہ پر مارتا رہے اسی کے قریب ایک اور حدیث ہے جو بایں الفاظ مروی ہے ''اکثر اھل الجنۃ بلہ'' اکثر اہل جنت بھولے اور سادہ لوگ ہیں حافظ سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں اس کے جملہ طرق نقل کر کے سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں۔ و ھو للبزار مضعفا و القرطبی مصححا. (المصنوع)

حسب الانصاف اگر چہ حدیث مذکور بالفاظہ ضعیف سہی لیکن بڑے بڑے علماء و محدثین کا اس کی شرح کے درپے رہنا اس کی دلیل ہے کہ محض بے اصل بھی نہیں۔

حافظ سخاوی تستری سے نقل کرتے ہیں۔ ھم الذین و لھت قلوبھم و شغلت باللہ عزوجل. یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب ذکر اللہ میں فنا ہو کر ماسوا سے غافل ہو چکے ہیں۔

۱- ابوعثمان فرماتے ہیں ھو الابلہ فی دنیاہ الفقیہ فی دینہ۔ یہ وہ شخص ہے جو دنیا کے معاملہ میں ناسمجھ اور آخرت کے معاملہ میں سمجھدار ہے۔

۲- امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں۔ ھو الاعمی عن الشر البصیر بالخیر . (البیھقی فی الشعب) یہ وہ شخص ہے جو بری باتوں کے لیے نابینا اور بھلی باتوں کے لیے بینا ہے۔ (المقاصد الحسنہ)

۳- امام ابن قتیبہ لکھتے ہیں۔ وجاء فی الحدیث اکثر اھل الجنۃ البلہ یراد الذی سلمت صدورھم للناس و غلبت علیھم الغفلہ و قال معاذ بن جبل عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یحب الاخفیاء الاتقیاء الابریاء الذین اذا غابوا الم یفتقد و او اذا حضر و الم یعرفوا. (تاویل مختلف الحدیث ص۳۸۱) یعنی ابلہ سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جن کے سینے لوگوں کی طرف سے صاف ہوں اور مخلوق کی عیب جوئی کی عادت سے وہ اتنے دور ہوں گویا غافل نظر آئیں ان ہی لوگوں کی شان میں معاذ بن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو پسند کرتا ہے جو گمنام پرہیزگار اور لوگوں کے حقوق سے بری ہوں اگر مجلس میں نظر نہ آئیں تو ان کی تلاش نہ ہو اور اگر موجود ہوں تو انہیں کوئی شناخت نہ کرے کہ یہ کون صاحب ہیں۔

اسی مضمون کو صاحب مجمع البحار نے اور واضح الفاظ میں ادا کیا ہے۔

۴- امام طحاوی نقل فرماتے ہیں۔ وقیل المراد بالبلہ عن محارم اللہ ھو الذی لا یخطر المحارم علی قلبہ لا شتغالھم بعبادۃ اللہ و قد روی عن رجل من اھل العلم انہ قال ھذا علی التشاغل بالذات و ھو تأویل حسن . (المعتصر ص۴۲۳) یہ وہ شخص ہے جس کے قلب میں عبادتِ الٰہی میں مشغول رہنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے محارم کا خطرہ بھی نہیں گذرتا۔

۵- صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں۔ ھو الغافل عن الشر المطبوع علی الخیر و قیل من غلبت علیھم سلامۃ الصدر و حسن الظن بالناس لانھم اغفلوا امر دنیا ھم فجھلوا حذق التصرف فیھا و اقبلوا علی اخرتھم فاما الابلہ و ھو من لا عقل لہ فغیر مراد. (مجمع البحار ج ۱ ص ۱۱۶) یہاں ابلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو صاف سینہ ہوتے ہیں اور لوگوں کی طرف ہمیشہ نیک ہی گمان رکھتے ہیں۔ کیونکہ آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنے کی وجہ سے وہ دنیا کے اونچ نیچ سے ناواقف ہو جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ ☜ ....

الفراسة | دانائی اور مردم شناسی

(۵۳۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ

(۵۳۲) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مؤمن کی فراست اور مردم شناسی سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ان فی

بقیہ .... صاحب فہم نہیں ہوتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے المؤمن لین تخاله من اللین احمق. (کنوز الحقائق للمناوی) ایمان دار آدمی نرم خو ہوتا ہے مگر تم اس کی نرم مزاجی کی وجہ سے اس کو احمق تصور کر لیتے ہو۔

صاحب مقاصد حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل فرماتے ہیں۔ المؤمن کیس' فطن' حذر' وقاف لا یعجل. (الدیلمی والقضاعی) ایمان دار آدمی ہوشیار' سمجھ دار' انجام بین اور سوچ سمجھ کر کام کرنے والا ہوتا ہے جلد بازی نہیں کیا کرتا۔

خلاصہ یہ کہ یہ احادیث اگرچہ بلحاظ اسانید ضعیف ہوں مگر حضرت ابو ہریرہ کی مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرنے کے لیے کافی ہیں۔

(۵۳۲) ❋ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فراست مؤمن میں نبی کی قوت عاقلہ کا ایک فیض ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''اما تشبہ کہ در جزء علمی نفس ناطقہ دہند بایں وجہ تواند بود کہ کسے را از امت محدث وملہم کنند وایں معنی بدو طریق تواند بود دوم آنکہ فراست صادقہ او را نصیب کنند وعقل او را از حظیرۃ القدس تائید دہند کہ غالباً اصابہ کند در مجتہدات خود واز لوازم ایں معنی است کہ وحی برحسب رائے او نازل شود۔''

یعنی امتی کے اپنے نبی کے ساتھ اس کے علمی جزء میں تشبہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کی امت میں سے کسی کو محدث و ملہم کا منصب عنایت فرما دیں اس کے دو طریقے ہیں دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سچی فراست اس کو مرحمت فرما دیں اور حظیرۃ القدس سے اس کی اس طرح تائید فرمائیں کہ اپنے اجتہادیات میں اس کی رائے اکثر صحیح ہوا کرے اور اسی صفت کے لوازم میں سے یہ ہے کہ وحی اس کی رائے کے موافق نازل ہو۔ (قرۃ العینین ص ۴۴)

شاہ صاحبؒ کی اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ مؤمن کی فراست کو کیا اہمیت ہے اور یہ کہ وحی کی حضرت عمرؓ کی موافقت کرنا بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تھا اگر آپ کی قوت عاقلہ اتنی بلند نہ ہوتی تو آپ کے ہم جلیسوں میں یہ کمال فراست بھی نمایاں نہ ہوتا۔

حضرت شاہ اسماعیلؒ نے فراست کی حسب ذیل تشریح فرمائی ہے۔

''اما فراست پس عبارت است از مردم شناسی کہ از قرائن حالیہ و مقالیہ و از رفتار و گفتار صادق را از منافق ممتاز فہمد و خیر خواہ را از بدخواہ وطماع را از مخلص و خائن را از امین و پست ہمت و تنگ حوصلہ را از بلند ہمت و فراخ حوصلہ وعقل و کیاست ہر کس را بمیزان فراست خود بسنجد کہ کدام کس لائق کدام خدمت است و کدام کس لائق کدام منصب۔'' (منصب امامت ص ۴۷ و ۴۸) زیر تقسیم سیاست ایمانی و سیاست ملی۔

یعنی فراست ایسی مردم شناسی کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے آدمی حالیہ اور مقالیہ قرائن کی مدد سے سچے اور منافق میں تمیز کر لیتا ہے اور بدخواہ لالچی اور مخلص و خائن اور پست ہمت و بلند ہمت کا امتیاز کر لیتا ہے اور اپنی اسی فراست کی وجہ سے ہر شخص کی عقل و فہم کا اندازہ بھی لگا لیتا ہے کہ کون شخص کس خدمت اور کس منصب کے لائق ہے۔ بقیہ .....

فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ. ذالک' الخ اس میں بہت بڑی نشانی ہے شناخت والوں کیلئے۔ (ترمذی شریف)

(رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الحجر) و قال ھذا حدیث غریب و قال الحافظ السخاوی روی من طرق کلھا ضعیفہ و فی بعضھا ما ھو متماسك لا یلیق مع وجودہ الحکم علی الحدیث بالوضع لا سیما و للبزار و الطبرانی و غیرھما کابی نعیم فی الطب بسند حسن عن انس رفعہ ان للہ عباد ایعرفون الناس بالتوسم. و نحوہ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعمران بن حصین و قد انجذ بطرف عمامتہ من و رائہ و اعلم ان اللہ یحب الناظر الناقد عند مجیئ الشبہات.) (المقاصد الحسنہ)

ﷺ ..... غرض ان تمام حدیثوں سے مؤمن کی سادگی اور اسی کے ساتھ اس کے فہیم ہونے کی حقیقت واضح ہوگئی لہٰذا کسی صالح مؤمن کو اس کی سادہ لوحی کی بنا پر بیوقوف سمجھنا خود سب سے بڑی بیوقوفی ہوگی۔ درحقیقت سب سے بڑا فہیم شخص وہی ہے جس نے دنیا کی متاع کاسد کو آخرت کی بے بہا دولت پر قربان کر دیا۔ دنیا کی طرف رغبت اور آخرت سے بے رغبتی یہی ایک عام سے عام انسان کی ذہنیت ہوتی ہے اس کو بھلا معیارِ فہم کیا بنایا جائے۔ البتہ جو لوگ اس سطحی ذہنیت سے نکل کر اس سے ایک اور بالاتر ذہنیت پیدا کر چکے ہیں ان کی ذہنیت کو معیارِ فہم بنایا جا سکتا ہے۔ منافقوں نے اپنی ذہنیت اور اپنے ہی احساسات کو معیارِ فہم سمجھ کر اپنے آپ کو دانش مند اور مسلمانوں کو سفیہ کا لقب دے دیا تھا۔

﴿وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَ لٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ﴾(البقرۃ:۱۳)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے ہیں تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح اور احمق ایمان لے آئے ہیں۔ سن لو یہی لوگ احمق ہیں لیکن جانتے نہیں۔''

لیکن قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ سب سے بڑے بیوقوف وہی ہیں جنہوں نے دنیا کے ان سب سے بڑھ کر دانش مندوں کو بیوقوف سمجھا۔ منافقین کی فہم تھی کیا یہی کہ وہ اپنی دورخی پالیسی سے دوطرفہ نفع حاصل کرنے کی طمع میں رہا کرتے اور حق و ناحق کی تلاش سے آنکھیں بند کر لیتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ تلاشِ حق کے لیے سرگرداں پھرتے اور جب حق کا دامن ان کے ہاتھ میں آ جاتا تو اس کے پیچھے آنکھ بند کر کے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔ منافقوں کی فہم تو یہ تھی کہ وہ خدا اور رسول کے احکام کے سامنے بے چون و چرا اعتراف و تسلیم کا سر جھکا دینا سب سے بڑی بے وقوفی سمجھتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ ان کے احکام کی تعمیل میں ادنیٰ توقف کرنا بھی سب سے بڑا جرم تصور کرتے۔ قرآن کریم نے جہاں پہلی قسم کے ان دانش مندوں کو سفہاء قرار دیا ہے وہاں احکام اسلامیہ کے سامنے ان چون و چرا کرنے والوں کو بھی بیوقوف قرار دیا ہے۔

﴿سَیَقُوْلُ السُّفَھَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰھُمْ عَنْ قِبْلَتِھِمُ الَّتِیْ کَانُوْا عَلَیْھَا﴾ (البقرۃ : ۱۴۲)

''جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ تو کہیں گے ہی کہ مسلمان جس قبلہ پر پہلے تھے یعنی بیت المقدس اس سے ان کے دوسری طرف کو مڑ جانے کی کیا وجہ ہوئی''۔

خلاصہ یہ کہ ابلہ اور سفیہ کا لقب کچھ ابتداء ہی سے صالح مسلمانوں کے حصہ میں آ رہا ہے اور تعجب کیا ہے جب کہ رسولوں کے حصہ میں مجنون و ساحر کا لقب رہا ہو مگر افسوس تو یہ ہے کہ پہلے ہم کو یہ لقب منافقوں کی زبان سے ملا کرتا تھا اور اب خود مسلمانوں ہی کی زبان سے ملتا ہے اور ٹھیک اسی فرزانگی کی بدولت ملتا ہے جس کی بنا پر منافقوں نے تجویز کیا تھا۔ خدارا اگر آپ اس فرزانگی میں ہمارے حصہ دار نہیں بنتے تو کم از کم منافقوں کی دیوانگی میں تو حصہ دار نہ بنئے۔

(۵۴۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰیٰ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ رَجُلًا یَسْرِقُ فَقَالَ لَهُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ (علیهما السلام) سَرَقْتَ قَالَ کَلَّا وَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَقَالَ عِیْسٰی اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ کَذَّبْتُ نَفْسِیْ. (رواه مسلم)

(۵۴۳) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تو اس سے فرمایا ارے تو نے چوری کی ہے وہ بولا اس ذات کی قسم جس کے سوا معبود کوئی نہیں میں نے ہرگز چوری نہیں کی۔ (اس کی اس دیدہ دلیری کے بعد) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھی بھئی میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں۔ (مسلم شریف)

المؤمن لا ینجس

مؤمن نجس نہیں ہوتا مشرک نجس ہوتا ہے

(۵۴۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَقِیَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا جُنُبٌ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَمَشَیْتُ مَعَهُ حَتّٰی قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ

(۵۴۴) ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ (راستہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوگئی اس وقت میں جنابت کی حالت میں تھا آپؐ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا میں آپؐ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ جب آپ

---

(۵۴۳) * معلوم نہیں کہ خدا کے اس اولوالعزم رسول کے قلب میں عظمت الٰہی کا عالم کیا ہوگا جس کے سامنے اس کا باعظمت نام آ جانے کے بعد کسی انسان کے متعلق یہ تصور ہی نہیں آ سکتا کہ وہ اس کا واسطہ دے کر بھی جھوٹ بول سکتا ہے اس لیے وہ متحیر ہو کر اپنی آنکھوں کے بدیہی مشاہدہ کی تکذیب پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب تمہارا غلام سزا کے وقت اللہ کے نام کا واسطہ دے تو فوراً اپنا ہاتھ روک لو بہر حال خدائے تعالیٰ کے نام پاک کی عظمت اس کو مقتضی ہے کہ جب کہیں اس کا واسطہ آ جائے تو فوراً اپنے حق سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اتنی بھاری قسم سن کر اس چور کے ساتھ الجھنے کے بجائے یہ اچھا سمجھا کہ اس کو اپنا یہ نقشۂ عظمت دکھا کر یہ سمجھا دیں کہ اس ذات کا نام لے کر جھوٹ بولنا انسان کا کام نہیں۔ وقتی حالات اور انتظامی معاملات میں فرق کرنا چاہیے۔ ایک وقت یہ اغماض قابل تعریف ہوتا ہے اور بعض حالات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مخاطب کی قسم میں کھود کرید بھی کرنی پڑ جاتی ہے یہ باب اللہ کی بارگاہ میں بھی ہے کبھی ننانوے انسانوں کا قاتل بخش دیا جاتا ہے اور کبھی ایک بلی کو بھوکا رکھنے والا دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ہمارا یہاں مقصد یہ ہے کہ خدائی عظمت کے استحضار کی وجہ سے کسی مسلمان میں کسی کے پیچھے نہ پڑنے کی جو ایک صفت ہوتی ہے وہ انبیاء کے اخلاقِ فاضلہ کا ایک اثر ہے دراصل یہ صفت ان کی ہوتی ہے۔ پھر امت میں ان کی اتباع کے ثمرہ میں بقدر نصیب منتقل ہو جاتی ہے ناواقف دین کی ہر بات کو اپنے اندازۂ فکر کے مطابق سمجھتا ہے پھر اس کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ مثل مشہور ہے الناس اعداء ما جھلوا۔ لوگ جس بات کو نہیں جانتے اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔

(۵۴۴) * ابوہریرہؓ نے اپنی حسن فطرت سے جتنی بات سمجھی وہ قابل داد تھی یعنی بحالت جنابت آپ کی مقدس محفل میں حاضری نامناسب ہے مگر خاتم الانبیاء علیہم السلام کو آداب سے بڑھ کر عقائد کی رعایت مقدم تھی قرآن میں مشرک کو نجس فرمایا گیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ مؤمن اس قسم کا نجس نہیں اس کی ناپاکی عارضی ہوتی ہے اور مشرک کی ناپاکی نجاست کی طرح ذاتی ہوتی ہے اس لیے آپ نے مؤمن کی اس خصوصی شان کو واضح فرما دیا گویا قرآنی نظر میں مؤمن و مشرک میں ایسا فرق ہے جیسا نجاست و غیر نجاست میں نجاست سے جتنا دور رہنا ....

فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَ هُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهٗ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ.

(رواه البخاري)

آ کر بیٹھ گئے تو میں اس وقت (وہاں سے) کھسک گیا اپنے گھر آیا اور غسل کیا پھر غسل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا' آپ اس وقت تک بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے پوچھا ابو ہریرہ کہاں گئے تھے۔ میں نے اصل ماجرا عرض کر دیا آپ نے از راہ تعجب سبحان اللہ کہا اور فرمایا مؤمن کہیں ایسا ناپاک ہوتا ہے۔ (بخاری)

(۵۳۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنَجِّسُوْا مَوْتَاكُمْ فَاِنَّ الْمُسْلِمَ لَيْسَ بِنَجَسٍ حَيًّا وَ لَا مَيِّتًا.

(رواه الدارقطني)

(۵۳۵) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو ناپاک مت سمجھو کیونکہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ نہ زندگی میں ناپاک سمجھا جاتا ہے اور نہ مرنے کے بعد۔ (دارقطنی)

الهون و اللين و التألف

نرم مزاجی اور ہر دل عزیزی

(۵۳۶) عَنْ مَكْحُوْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُوْنَ هَيِّنُوْنَ لَيِّنُوْنَ كَالْجَمَلِ الْاَنِفِ اِنْ قِيْدَ انْقَادَ وَ اِنْ اُنِيْخَ عَلٰى صَخْرَةٍ اِسْتَنَاخَ. (رواه الترمذي مرسلاً)

(۵۳۶) مکحول روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ ایمان والے ہیں وہ بہت کہنا ماننے والے اور نہایت نرم خو ہوتے ہیں جیسے نکیل پڑا اونٹ جدھر اس کو گھسیٹا جائے چلا جائے اور اگر اس کو کسی پتھر پر بٹھا دیا جائے تو وہیں بیٹھ جائے۔ (ترمذی شریف)

(۵۳۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا

(۵۳۷) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کیا میں تمہیں وہ لوگ نہ بتا دوں جو آتش دوزخ پر حرام ہیں اور آتش دوزخ ان پر

....ممکن ہو بہتر ہے مؤمن ناپاک ہو کر بھی نشست و برخاست کے قابل رہتا ہے اور مشرک پاک و صاف ہو کر بھی اس قابل نہیں ہوتا اگر آپ ان کے حسن ادب پر خاموشی اختیار فرماتے تو یہ اہم نکتہ مخفی رہ جاتا۔

(۵۳۵) * اس حدیث میں بھی مرد مؤمن کی اسی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے شہید کو شریعت نے طہارت کا ایک اور بلند مقام دے دیا ہے وہ یہ کہ اس کا خون بھی ناپاک نہیں ہوتا اس لیے اس کو غسل بھی نہیں دیا جاتا۔

(۵۳۶) * امام احمدؒ نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے الاسلام ذلول لا یرکب الا ذلولا۔ اسلام کا مزاج خود نرم ہے اور وہ اسی کے قلب میں اچھی طرح سرایت کرتا ہے جو نرم خو ہوتا ہے۔ ان کی اسناد میں ایک راوی ابو خلف ہے اس کو متروک کہا گیا ہے۔ قرآن میں اسی مخصوص صفت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا﴾ (الفرقان: ٦٣) اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو ان کو سلام کر کے الگ ہو جائیں۔

(۵۳۷) * حافظ نورالدین نے اس کے قریب المعنی الفاظ حضرت ابوامامہ سے بھی روایت کیے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس کے راوی وہی ہیں جو صحیحین کے راوی ہیں۔

اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَ بِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ.

حرام ہے یہ وہ لوگ ہیں جو نہایت فرمان بردار، نرم خو، ہر دل عزیز اور با اخلاق ہوں۔ (احمد۔ترمذی)

(رواه احمد و الترمذی و قال هذا حدیث حسن غریب)

(۵۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ مَأْلَفٌ وَ لَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَأْلِفُ وَ لَا يُؤْلَفُ.

(۵۳۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان دار آدمی تو وہ ہے جو مجسم پیکر محبت ہو جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے اس میں تو بھلائی کی بو بھی نہیں۔ (احمد۔حاکم۔بیہقی)

(رواه احمد و البيهقی فی شعب الايمان و الحاكم فی المستدرك و قال علی شرطهما و لا اعرف له علة و قال الذهبی فيه انقطاع و فصله فی المقاصد بان ابا حازم هو المدينی لا الا شجعی و هو لم يلق اباهريرة و لا لقيه و ذكره السيوطی فی الجامع الصغير و بجانبه علامة الصحة)

(۵۳۹) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ. (متفق علیه)

(۵۳۹) حارثہ بن وہبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتا دوں کہ جنتی لوگ کون ہیں۔ ہر وہ شخص جو اپنی نظر میں اور لوگوں کی نظروں میں کمزور اور بے سہارا ہو۔ اگر وہ کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کرے گا۔ (اس کے بعد فرمایا) سنو، کیا میں تمہیں نہ بتا دوں کہ دوزخی کون ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سرکش، منہ پھٹ اور مغرور ہوں۔ (متفق علیہ)

(۵۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ وَ عَبْدُ الْخَمِيْصَةِ اِنْ اُعْطِیَ رَضِیَ وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَ سَخِطَ تَعِسَ وَ انْتَكَسَ وَ اِذَا شِيْكَ فَلَا انْتُقِشَ طُوْبٰى بِعَبْدٍ اٰخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَشْعَثَ رَأْسُهٗ

(۵۴۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہلاک ہو جو دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور کملی کا بندہ ہو (اس کی دون ہمتی کا یہ حال ہو) کہ اگر اس کو کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو روٹھ جائے ایسا کم ہمت خدا کرے ہلاک اور ذلیل ہو اور اگر اس کے کوئی کانٹا چبھے تو نہ نکلے۔ وہ بندہ مبارک ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے گھوڑے کی باگیں سنبھالے ہمہ وقت (خدمت دین کے لیے) تیار ہے۔ اس کے سر کے بال پراگندہ

---

(۵۳۹) * ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مسلمان کی نرم مزاجی سے مراد کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شدت طبع کو ان سے کوئی تعارض نہیں رہتا وہ حدید الطبع ہو کر بھی اتنے نرم تھے کہ ایک عام سے عام شخص بھی برسر منبر ان کو ٹوک دیتا اور وہ خوشی سے اس کو جواب دے دیتے۔ بہر حال مؤمن کا وجود صفحہ عالم پر قدرت کی صناعی کا وہ عجیب تر مجموعہ ہوتا ہے جس میں بیک وقت شدت و لین، سادگی و فہم، زینت و بذاذت اور فصاحت و کم سخنی کی تمام متضاد صفتیں جمع نظر آتی ہیں۔ اس تضاد کے جمع کی صورت گذشتہ احادیث کے ضمن میں اپنی اپنی جگہ ملاحظہ سے گذر چکی ہے۔

مُغبَرَّةً قَدَمَاهُ اِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ وَ اِنْ كَانَ فِيْ السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ اِنِ اسْتَاذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهُ وَ اِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ. (رواه البخاری)

اور پیر غبار آلودہ ہیں (اس کی نرم خوئی اور للہیت کا یہ عالم ہے) کہ اگر اسے اگلے دستہ میں محافظ کی حیثیت سے جگہ دی جائے تو حفاظت کی خدمت انجام دے اور اگر اس کو پچھلے حصہ میں ڈال دیا جائے تو پیچھے رہ کر بھی بخوشی اپنی ڈیوٹی کو پورا کرے (غرض نہایت مطیع مزاج ہو اور صرف دین کی خدمت اس کا مطمح نظر ہو) (بخاری شریف)

(٥٤١) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَقْوَامٌ اَفْئِدَتُهُمْ مِثْلَ اَفْئِدَةِ الطَّيْرِ. (رواه مسلم)

(٥٤١) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے لوگ جائیں گے جن کے دلوں کی کیفیت پرندوں کے دلوں سے بہت مشابہ ہوگی۔ (مسلم)

(٥٤٢) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوا الْكَرَمَ فَاِنَّ الْكَرَمَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ. (رواه مسلم و فی روایة و لکن قولوا العنب و الحنطة)

(٥٤٢) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگور کو کرم نہ کہا کرو کیونکہ کرم تو مؤمن کے قلب کا نام ہے (انگور میں کرم کہاں اس سے تو شراب بنتی ہے جو بے حیائیوں کا سرچشمہ ہے) (مسلم)

سلامة الصدر

صاف سینہ ہونا

(٥٤٣) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قِيْلَ

(٥٤٣) عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

(٥٤١) ٭ علماء نے یہاں وجہ تشبیہ رقت ولین تحریر فرمائی ہے یعنی پرندوں میں چوپایوں کی نسبت یہ صفت عام طور پر زیادہ پائی جاتی ہے وہ ہر اثر کو نسبۃً جلد قبول کر لیتے ہیں کینہ پرور نہیں ہوتے۔ چند تنکوں کا آشیانہ بنا کر عمر گذار دیتے ہیں، روزی جمع کرنے کی فکر نہیں کرتے صبح کو تلاش رزق میں نکلے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آ گئے ان کو دیکھو تو نہایت بھولے بھالے نظر آتے ہیں یہ تمام صفتیں ایک مسلمان کی بھی ہوتی ہیں۔

(٥٤٢) ٭ نہایہ میں لکھا ہے کہ چونکہ انگور سے شراب بنائی جاتی ہے اور عرب کے مذاق کے مطابق شراب سخاوت و کرم کی محرک ہوتی ہے اس لیے وہ انگور کو کرم کہہ دیتے تھے۔ آپ نے اس غلط اشتقاق کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ اس خوبصورت اور معنی خیز نام کا زیادہ مستحق مؤمن کا قلب ہے شراب کا مادہ یعنی انگور نہیں۔

یہاں قلب کو کریم کہنے کی بجائے مبالغہ کے طور پر عین کرم کہہ دیا گیا ہے۔ جیسے زید کو مبالغہ میں عین انصاف کہہ دیا جائے۔ زمخشری اس کی شرح میں یوں رقم طراز ہیں کہ یہاں دراصل انگور کا نام رکھنے سے ممانعت کرنا مقصود ہی نہ تھا بلکہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ جب قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ١٣)

تو اس کا حق ہونا چاہیے کہ اب اس مقدس نام میں متقی مسلمان کے سوا کسی اور چیز کو شریک نہ کیا جائے تاکہ ذہنوں میں یہ بات نقش کالحجر ہو جائے کہ کریم درحقیقت صرف متقی ہوتا ہے۔ اس کے سوا کہیں اور کرم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ غیر متقی کا کرم صرف نمائشی ہوتا ہے اس میں صورت ہی صورت ہوتی ہے معنی کچھ نہیں ہوتے۔

لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ النَّاسِ اَفْضَلُ قَالَ كُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ صَدُوْقِ اللِّسَانِ قَالُوْا صَدُوْقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُهٗ فَمَا مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ قَالَ هُوَ النَّقِيُّ التَّقِيُّ لَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَ لَا بَغْىَ وَ لَا غِلَّ وَ لَا حَسَدَ. (رواه ابن ماجه و البيهقى فى شعب الايمان)

دریافت کیا گیا لوگوں میں کون شخص سب سے بہتر ہے آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو ''مخموم القلب'' اور زبان کا سچا ہو- صحابہؓ نے عرض کیا؛ صدوق اللسان (زبان کا سچا) شخص تو ہم سمجھ گئے مخموم القلب' ہماری سمجھ میں نہیں آیا اس کی تشریح آپ فرما دیں- فرمایا یہ وہ دل کا صاف اور خدا ترس انسان ہے جس پر نہ گناہوں کا بوجھ ہو نہ ظلم تعدی کا بار نہ اس کے دل میں کسی کا کینہ ہو اور نہ حسد- (ابن ماجہ-شعب الایمان)

(۵۴۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِىْ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِىْ عَنْ اَحَدٍ شَيْئًا فَاِنِّىْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ سَلِيْمَ الصَّدْرِ. (رواه ابو داؤد)

(۵۴۴) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی کہ میرے صحابہ میں سے مجھ سے کوئی شخص کسی کی کوئی بات نہ پہنچایا کرے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا دل تم سب کی طرف سے صاف ہو- (ابوداؤد)

تألم المؤمن لاهل الايمان

مسلمانوں کی تکلیف کا اپنی تکلیف کے برابر احساس کرنا

(۵۴۵) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِىْ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَوَادِّهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَ الْحُمّٰى. (متفق عليه)

(۵۴۵) نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان داروں کو باہم رحم دل' باہم محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس کے بارے میں تم ایسا دیکھو گے جیسا ایک قالب ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا اور بیداری کے لیے تیار ہو جاتا ہے- (متفق علیہ)

(۵۴۶) وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ وَ اِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ. (رواه مسلم)

(۵۴۶) نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مؤمن شخص واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے اگر اس کا سر دکھتا ہے تو بھی اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے- (مسلم شریف)

---

(۵۴۴) * نبی اپنی سلامتی صدر اپنے ہی فائدہ کے لیے نہیں چاہتا بلکہ اپنی امت کے فائدہ کے لیے بھی چاہتا ہے کیونکہ اس کے قلب مبارک میں اگر کسی امتی کی طرف سے کوئی ادنیٰ خلش بھی پڑ جائے تو وہ بھی اس امتی کے لیے ایمانی ضعف کا موجب ہو سکتی ہے اعوذ من غضب الله و غضب رسوله و غضب اولياء ہ -حدیث میں ارشاد ہے من عادى لى و ليا فقد اذنته بالحرب -اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کا قلب مبارک ساری نزاہتوں اور پورے تقدس کے باوجود غلط خبروں سے متاثر بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس کو ہمہ وقت ہر ہر چیز کا علم حاصل ہو وہ روزمرہ کے معاملات سے بھی بے خبر رہ سکتا ہے اور اگر وہ غلط طور پر اس کے پاس پہنچ جائیں تو ان کا اثر بھی لے سکتا ہے- اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سلامتی صدر کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ غیر ضروری باتیں الخ.....

(۵۴۷) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ. (متفق علیه)

(۵۴۷) ابوموسیٰ رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے حق میں ایک عمارت کی طرح ہونا چاہیے اور ایک دوسرے کے لیے اس طرح مضبوطی اور قوت کا باعث ہونا چاہیے جیسا مکان کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لیے اس کے بعد آپؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔ (اور اس کا نقشہ دکھانے کے لیے فرمایا کہ اس طرح) (متفق علیہ)

(۵۴۸) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ فِیْ اَهْلِ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ یَأْلَمُ الْمُؤْمِنُ لِاَهْلِ الْاِیْمَانِ کَمَا یَأْلَمُ الْجَسَدُ لِمَا فِی الرَّأْسِ. (رواه احمد)

(۵۴۸) سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مؤمنوں کی جماعت میں ایمان دار آدمی کی مثال ایسی ہونی چاہیے جیسی سارے جسم میں سر کی۔ جیسا دردِ سر کی وجہ سے تمام جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح ایمان دار آدمی کو بھی اور مؤمنوں کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے۔ (احمد)

(۵۴۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَ جَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِهٖ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

(۵۴۹) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے وہ بھی کیا مؤمن ہے جو اپنا تو پیٹ بھر لے اور اس کے قریب اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ (شعب الایمان)

ﷺ ..... کسی کے متعلق نہ سنی جائیں۔ باقی جو باتیں نظم امور کے متعلق ہیں ان کا باب ہی علیحدہ ہے۔

(۵۴۹) ※ بے حسی اور بے دردی کا سب سے بڑا اور سب سے برا مظاہرہ یہ ہے کہ ایک انسان خود تو اپنا پیٹ بھرتا رہے اور اس کے پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ اسلام اس حسنِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر یہ اپنے بھائی کا پیٹ نہیں بھر سکتا تو اس کو چاہیے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر اس کی بھوک میں اس کا حصہ دار بن جائے۔ دیوار کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کی اینٹیں باہم بھی ایک دوسرے کے لیے باعث استحکام ہوتی ہیں اور چھت کا بوجھ بٹانے میں بھی برابر کی شریک رہتی ہیں۔ مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ باہمی اور قومی بار کو اسی طرح باہم تقسیم کر لیا کریں اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کا منتشر شیرازہ دنیا کے سامنے ایک مضبوط دیوار کی طرح بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان وحدت و اجتماع کی دعوت دیتا ہے اور کفر تحزب و تشتت کی۔ اسی لیے قرآن کریم نے جب صحابہؓ کے دورِ کفر کا نقشہ کھینچا تو اس کا جو پہلو سب سے نمایاں فرمایا وہ ان کی باہمی عداوت و تحزب تھا۔ پھر اسلام کے بعد جس نعمت کا سب سے زیادہ احسان جتایا وہ ان کی باہمی وحدت اور محبت و اخوت تھی ایسی وحدت و اخوت کہ اگرچہ ان کے قالبوں کے مابین مشرق و مغرب کا فاصلہ بھی ہوتا مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس میں اتنے قریب ہوتے کہ مشرق کے ایک مسلمان کے پیر کے کانٹے کی چسک مغرب کا رہنے والا مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتا ان کا یہ رشتہ محبت و اخوت صرف مبالغہ اور محض ایک رنگ آمیزی نہیں بلکہ ان کے احساسات کی صحیح ترجمانی ہے۔

﴿وَ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا﴾ (آل عمران:۳:۱۰۳) ﷺ ....

الخوف من المعاصی

گناہوں سے ڈرنا

(۵۵۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَرٰی ذُنُوْبَهٗ كَاَنَّهٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ اَنْ یَقَعَ عَلَیْهِ وَ اِنَّ الْفَاجِرَ یَرٰی ذُنُوْبَهٗ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰی اَنْفِهٖ فَقَالَ بِهٖ هٰكَذَا. اَیْ بِیَدِهٖ فَذَبَّهٗ عَنْهُ. (رواہ البخاری و ذکر معه الحدیث الاخر المرفوع ایضًا)

(۵۵۰) حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں مؤمن اپنے گناہوں سے اس طرح ڈرتا ہے جیسا وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ہے ڈرتا ہے کہ وہ اب اس پر گرا اور فاجر آدمی ان کو اس طرح حقیر سمجھتا ہے جیسا مکھی اس کے ناک کے پاس سے گذری اور اس نے اپنے ہاتھ کی حرکت سے اس طرح اڑادی۔ (بخاری شریف)

حفاظة عزة النفس

اپنی عزت نفس کی حفاظت کرنا

(۵۵۱) عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۵۵۱) حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

☜ ..... ''یاد کرو اللہ تعالٰی کے انعام کو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالٰی نے تمہارے درمیان ایسی محبت پیدا کر دی کہ محض اس کی مہربانی کی بدولت تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔''

دوسری جگہ کفار کے ظاہری اتحاد و اتفاق کی حقیقت اس طرح واشگاف فرمادی:

﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰی﴾ (الحشر : ۱٤)

''آپ تو ان کو متحد خیال کرتے ہیں مگر ان کے دل سب پراگندہ ہیں۔''

اس کے بعد اب آپ ہی غور کیجئے کہ اگر درحقیقت ہمارے قلوب میں وہی اخوت ایمانی موجود ہے تو اس میں وہ محبت و وحدت کیوں نہیں بلکہ اس کے برعکس کفار کے تفرق و تشتت کا نقشہ کیوں ہے۔ اللھم الف بین قلوبنا و اصلح ذات بیننا۔

یاد رکھئے کہ آپ کا ایمان جتنا کامل اور مستحکم ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی آپ کا اتحاد اور قومی تعمیر بھی مستحکم ہوتی چلی جائے گی اور جتنا اس میں نقصان پیدا ہوتا رہے گا اسی قدر آپ کے اتحاد اور قومی تعمیر میں بھی ضعف پیدا ہوتا رہے گا۔ آپ نقصان ایمانی کے ساتھ اپنے اتحاد پر مغرور نہ ہوں وہ صرف آپ کے قالب کا اتحاد ہوگا قلب کا نہیں اور اگر آپ کے قلوب رشتہ ایمانی کی بدولت وحدت کا رنگ اختیار کر چکے ہیں تو قالب کے انتشار سے مغموم نہ ہوں کہ وہ صرف آپ کے جسموں کا انتشار ہے۔ قلوب کا انتشار نہیں تعجب ہے کہ وحدت و افتراق کے جو بنیادی اسباب ہیں کم از کم مسلمان اس سے کیونکر غافل ہیں۔ وہ جس مجمع میں اتحاد و اخوت کی دعوت دیتے ہیں اسی میں اصل رشتہ ایمانی پر ضرب بھی لگاتے جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ نعمت اخوت صرف عطاء ربانی ہے ان کی تقریروں اور تحریروں سے حاصل نہیں ہوسکتی۔

﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ﴾ (الانفال: ٦٣)

''اے پیغمبر اگر آپ ساری زمین کا مال بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں ایسی الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے یہ تو صرف اللہ تعالٰی ہی کی ذات ہے جس نے ان میں باہم یہ الفت ڈال دی ہے۔''

(۵۵۱) * صحابہ کی فہم میں اپنے نفس کے ذلیل کرنے کی کوئی صورت ہی نہ آسکی وہ فطرۃً ذلت سے نفور تھے اور اسلام نے آکر ان کو احساس کمتری سے اور بھی دور کر دیا تھا آپ نے ان کو بتایا کہ کبھی عزت کے کام میں بھی ذلت کا خمیازہ بھگتنا پڑ جاتا ہے براہ راست ذلت کے کاموں سے بچنا سب جانتے تھے لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قدم اور آگے بڑھا کر سمجھایا کہ ایسے عزت کے کاموں میں ☜ .....

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُذِلَّ نَفْسَهٗ قَالُوْا وَ كَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهٗ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيْقُ. (رواه الترمذى و ابن ماجه و البيهقى فى شعب الايمان)

مؤمن کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے صحابہؓ نے عرض کیا بھلا اپنے نفس کو کوئی کیسے ذلیل کرسکتا ہے فرمایا ایسا بار اٹھا لینا جس کے اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہو (یہ ذلیل ہی کرنا ہے۔)

(ترمذی - ابن ماجہ - شعب الایمان)

لزوم التوبة

ہمیشہ توبہ کرتے رہنا

(۵۵۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفْتَّنَ التَّوَّابَ. (رواه احمد)

(۵۵۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے اس مؤمن بندہ سے محبت رکھتا ہے جو فتنوں میں مبتلا ہوتا رہے اور ہمیشہ توبہ کرتا رہے۔ (احمد)

تقیده بشرائع الاسلام مثل تقيد الفرس باخيته

احکام اسلامی کا اس طرح پابند رہنا جیسا گھوڑا اپنے کھونٹے کا

(۵۵۳) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ عَلٰى اٰخِيَّتِهٖ يَجُوْلُ ثُمَّ يَرْجِعُ

(۵۵۳) ابوسعید خدریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مؤمن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا ہوا ہو وہ اِدھر اُدھر پھر پھرا کر آخر اپنے کھونٹے کے پاس ہی آ جاتا ہے

..... پھنسنا جن کا انجام ذلت ہو یہ بھی مؤمن کا کام نہیں پھر معلوم نہیں ذلت کا جو تعلق یہود کے ساتھ تھا وہ مسلمانوں نے اپنے ساتھ کیسے سمجھ رکھا ہے شاید تکبر اور عزت کے مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تکبر اور غرور سے ہم کو بچائے اور اپنی صحیح عزت نفس محفوظ رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(۵۵۲) * جب گناہ بندہ کی فطرت ہو تو پھر توبہ ضرور اس کی صفت ہونی چاہیے پس اگر وہ اپنی فطرت کی بناء پر طرح طرح کی فتنوں میں گرفتار ہوتا رہتا ہے مگر ہر بار اپنی صفت توبہ و استغفار کو فراموش نہیں کرتا تو وہ ارحم الراحمین کی نظروں میں کیوں نہ پیارا ہو یہاں محبت اس کے تکرار جرم پر نہیں بلکہ ہر بار اس کی صفت توبہ و استغفار پر ہے۔ یہ اسلوب بیان اس لیے اختیار نہیں کیا گیا کہ گنہگار اپنے گناہوں پر اصرار کریں بلکہ اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ جو نادم و شرمسار رہیں وہ زیادہ دل شکستہ نہ ہوں اور اپنی اس ندامت کی بدولت عصیاں کے بعد بھی خدائے تعالیٰ کی محبت کی خوشخبری سن لیں ندامت پر خدا تعالیٰ کی محبت کی خوش خبری بندہ میں گناہ کی جرأت پیدا نہیں کرتی بلکہ اس کی فطرت سے معصیت کا تخم جڑ سے نکال پھینکتی ہے۔

(۵۵۳) * یعنی مؤمن دین اسلام کا ایسا پابند ہوتا ہے جیسا گھوڑا کھونٹے کا نہ یہ اپنے کھونٹے سے علیحدہ جا سکتا ہے نہ وہ شعب ایمان سے کہیں علیحدہ ہو سکتا ہے۔ سہو و نسیان کی بات دوسری ہے اگر غلطی ہو جائے تو پھر لوٹ کر اسے آنا ادھر ہی پڑتا ہے۔ حریت کیسی اور آزادی کہاں ۔

عاشقی چیست؟ بگو بندۂ جاناں بودن — دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

عَلٰی اٰخِیَّتِہٖ وَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَسْھُوْ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلَی الْاِیْمَانِ. (رواہ احمد و سندہ جید و اخرجہ ایضاء الضیا المقدسی فی المختارہ و حسنہ الحافظ السیوطیؒ)

اسی طرح مؤمن سے بھی بھول چوک ہو جاتی ہے آخر کار وہ پھر کر ادھر ہی آ جاتا ہے جو ایمان کی بات ہوتی ہے۔ (احمد)

کونہ نصحا خالصا و نفعا محضا

از سر تا قدم خیر خواہی اور نفع محض بن جانا

(۵۵۴) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَکَمَثَلِ الْقِطْعَۃِ مِنَ الذَّھَبِ نَفَخَ عَلَیْھَا صَاحِبُھَا فَلَمْ تَغَیَّرْ وَ لَمْ تَنْقُصْ وَ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَکَمَثَلِ النَّحْلَۃِ اَکَلَتْ طَیِّبًا وَ وَضَعَتْ طَیِّبًا وَ وَقَعَتْ فَلَمْ تُکْسِرْ وَ لَمْ تَضِرَّ.

(رواہ احمد ذکرہ السیوطی فی الجامع الصغیر و قال المناوی اسناد احمد صحیح)

(۵۵۴) عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ مؤمن کی مثال سونے کی اس ڈلی کی سی ہے جس کے مالک نے اس کو تپایا پھر نہ تو اس کا رنگ بدلا اور نہ وزن گھٹا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے مؤمن کی مثال ٹھیک اس شہد کی مکھی کی سی ہے جس نے عمدہ پھول چوسے اچھا شہد بنایا۔ اور جس شاخ پر وہ بیٹھی نہ تو اپنے وزن سے اس کو توڑا نہ خراب کیا۔ (احمد)

(۵۵۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَۃً لَّا یَسْقُطُ وَ رَقُھَا وَ اِنَّھَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُوْا فِیْ مَاھِیَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِیْ شَجَرِ الْبَوَادِیْ قَالَ عَبْدُاللّٰہِ فَوَقَعَ فِیْ نَفْسِیْ اَنَّھَا النَّخْلَۃُ فَاسْتَحْیَیْتُ ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ ھِیَ النَّخْلَۃُ. (متفق علیہ)

(۵۵۵) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور یہی درخت ہے جو مؤمن کی مثال ہے۔ اچھا بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں کا خیال تو جنگل کے اور اور درختوں کی طرف چلا گیا۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں مگر میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہوگا۔ لیکن مجھے (اپنے سے بزرگ ہستیوں کے سامنے بولتے) شرم آئی، اس کے بعد لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ ہی ارشاد فرمائیں (وہ درخت کون سا ہے) فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ (متفق علیہ)

---

(۵۵۴) ٭ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مؤمن کی چند صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس کی پہلی صفت یہ ہے کہ اس میں کھوٹ بالکل نہیں نکلتا جتنا اس کو آزماؤ اتنا ہی وہ اور کھر انکلتا ہے وہ اس نقلی سونے کی طرح نہیں ہوتا جس کا تپانے سے رنگ بدل جائے یا اس کا وزن گھٹ جائے۔ اس کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح صاف ستھری غذا کے سوا کوئی مشتبہ کھانا نہیں کھاتا۔ اس کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح جہاں بیٹھتا ہے کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا۔

(۵۵۵) ٭ عرب کی سرزمین میں کھجور کے درخت سے بڑھ کر کوئی اور درخت پر از منافع نہیں ہوتا۔ یہ اپنی پوری دور زندگی میں مجسم نفع ہی نفع ہوتا ہے اس کا کوئی جزء ایسا نہیں ہوتا جو نفع سے خالی ہو۔ حتیٰ کہ اس کی گٹھلیاں بھی بیکار نہیں ہوتیں وہ بھی اونٹوں کے چارے کے لئے ....

الحمد و الشکر للہ عزوجل فی الاحوال کلھا

ہر حالت میں خدائے تعالیٰ کا شکر گذار رہنا

(۵۵٦) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَہٗ خَیْرٌ حَمِدَ اللّٰہَ وَ شَکَرَ وَ اِنْ اَصَابَتْہُ مُصِیْبَۃٌ حَمِدَ اللّٰہَ وَ صَبَرَ فَالْمُؤْمِنُ یُؤْجَرُ فِیْ کُلِّ اَمْرِہٖ حَتّٰی فِی اللُّقْمَۃِ یَرْفَعُھَا اِلٰی فِیْ اِمْرَءَتِہٖ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

(۵۵٦) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کا حال بھی قابل تعجب ہے اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو مصیبت پیش آ جاتی ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا اور اس پر صبر کرتا ہے خلاصہ یہ کہ مؤمن کو ہر حال میں ثواب ملتا ہے حتیٰ کہ اس لقمہ میں بھی جو وہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔ (شعب الایمان)

(۵۵۷) عَنْ صُھَیْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَہٗ کُلَّہٗ لَہٗ خَیْرٌ وَ لَیْسَ ذٰلِکَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ وَ اِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ. (رواہ مسلم)

(۵۵۷) صہیبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا ہر معاملہ تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔ مسرت کی بات ہو یا غم کی اس کے حق میں سب بہتر ہی بہتر ہوتی ہے' یہ مؤمن کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں۔ اگر اس کو کوئی خوشی کی بات پیش آ جائے تو وہ شکر کرتا ہے' یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوتی ہے اور اگر کوئی تکلیف پیش آ جائے تو صبر کر لیتا ہے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے۔ (مسلم شریف)

رقۃ القلب

نرم دلی

(۵۵۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَآءَ اَھْلُ الْیَمَنِ ھُمْ

(۵۵۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو اہل یمن آ گئے یہ لوگ نہایت رقیق القلب ہوتے ہیں'

﴾..... کام آتی ہیں۔ یہ ہمیشہ سرسبز اور سایہ دار رہتا ہے اور جب تک خشک نہیں ہو جاتا ہمیشہ پھل دیتا رہتا ہے خشک ہونے کے بعد بھی اس کا تنا چھتوں کی کڑیوں کے کام آتا ہے اور اس کے پتوں کی رسیاں بنتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہی صفت ایک مسلمان کی ہے جو سر سے لے کر قدم تک دور طفولیت سے لے کر پیری تک سرتا سر نفع ہوتا ہے۔

(۵۵٦) * فراخی و تنگی اور صحت و مرض کے ہر حال میں اسی مدح سرائی کی بدولت اس امت کا لقب حمادون مشہور ہو گیا ہے۔ کیوں نہ ہو جس امت کا رسول احمد و محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی) اس کی امت کا لقب حمادون ہونا چاہیے۔ وہ افراد کتنے بدنصیب ہیں جو اپنی اس شہرت کے ساتھ نہ نعمت میں حمد کرنا یاد رکھیں اور نہ مصیبت میں حمد و شکر بجالانا جانیں۔

(۵۵۸) * صحیح بخاری میں اس حدیث کو ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قبیلہ بنوتمیم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے بنوتمیم تم کو بشارت ہو۔ ان بدقسمتوں نے اس کو مال کی بشارت سمجھا اور کہا اچھا تو دلوایئے کیا دلواتے ہیں آپ کو ان کی یہ پست فطرتی پسند نہ ہوئی۔ اتنی دیر میں یمن کی ایک جماعت آ نکلی آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بنوتمیم ﴾.....

اَرَقُّ اَفْئِدَةً اَلْاِیْمَانُ یَمَانٍ وَ الْفِقْهُ یَمَانٍ وَ الْحِکْمَةُ یَمَانِیَةٌ. (رواہ مسلم)

ایمان اور دین کی سمجھ اور حکمت تو یمن ہی کا حصہ ہے۔ (مسلم شریف)

نزاهة اللسان — پاکیزہ زبان ہونا

(۵۵۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَ لَا بِاللَّعَّانِ وَ لَا الْفَاحِشِ وَ لَا الْبَذِیِّ.

(۵۵۹) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لیے نہ یہ مناسب ہے کہ وہ ہر وقت لعن طعن کرتا رہے اور نہ یہ کہ فحش کلامی اور بدزبانی کرتا رہے۔ (ترمذی۔بیہقی)

(رواہ الترمذی و البیهقی فی شعب الایمان و فی اخری له و لا الفاحش البذی و قال الترمذی هذا حدیث غریب و فی روایة لا ینبغی للمومن ان یکون لعانا)

لله ......نے تو بشارت قبول نہ کی لو تم اسے قبول کرلو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم نے بسر و چشم قبول کی۔ اس کے بعد عرض کیا ''جئـنـا لنتفقه فی الدین'' ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے دین کے کچھ مسائل سیکھیں الخ.....اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے قلب میں دین اور احکام دین کے قبول کرنے کی کتنی صلاحیت تھی جو بشارت انہیں سنائی گئی وہ کسی بحث اور کسی تفصیل کے بغیر انہوں نے قبول کر لی اور اپنے آنے کا جو زرّیں مقصد آپ کے سامنے رکھا وہ صرف ایک فقہ فی الدین یعنی دین کی طلب تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس طرح بے چون و چرا بشارت نبویہ کو لپک لے جانے سے بہت محظوظ ہوئے اور ان کی اس صلاحیت اور علو استعداد کو دیکھ کر فرمایا کہ ایمان اور فقہ اور حکمت تو درحقیقت ان لوگوں کا حصہ ہے اور اسی کو یہاں رقتِ قلب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے بالمقابل قلبی قساوۃ ہے وہ یہ کہ نصیحت کے نفوذ کرنے کی اس میں کوئی صلاحیت نہ ہو بلکہ وہ اس خشک پتھر کی طرح ہو جس سے پانی کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکتی۔

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَهِیَ کَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهَارُ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ﴾ (البقرة: ۷۴)

''پھر اس کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر اور پتھروں میں تو بعضے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی جھرتا ہے اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں''۔

آیت بالا میں قلوب کی قساوۃ اور اس کے مختلف مدارج کو ایک بلیغ تشبیہ دے کر سمجھایا گیا ہے کہ قلب کی قساوت یہ ہے کہ اس میں اثر پذیری اور تاثر کی کوئی صلاحیت نہ رہے، دین کی فہم کے لیے اس میں کوئی حرکت نہ ہو اور خشیتِ الٰہی سے وہ یکسر خالی ہو جائے۔ یہی بے فیض قلوب جن سے ہدایت کے چشمے تو کیا بہتے اس کا کوئی قطرہ بھی ان سے نہیں ٹپکتا قلوب قاسیہ ہیں جو سختی میں پتھروں سے بھی بڑھ کر ہیں کہ پتھروں میں کچھ نہ کچھ آثار تاثر کچھ نہ کچھ حرکت تو نظر آتی ہے۔ اس کے برخلاف مومن کے قلب میں رقت و لین کی صفت ہوتی ہے یہ صفت صرف اس کے قلب تک محدود نہیں رہتی۔ بلکہ اس کے اعضاء و جوارح تک بھی سرایت کر جاتی ہے۔ وہ نرم خو، نرم مزاج، شیریں طبیعت، صاحب محبت و مروت اور ہر کس و ناکس کی بات سننے اور ماننے والا ہوتا ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے لیے ہمہ تن رحمت اور کفار کے مقابلہ میں مجسم شدت بن جاتا ہے۔ اسی صفت کو ﴿اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ﴾ (الفتح: ۲۹) میں ذکر کیا گیا ہے اور ذیل کی حدیث میں بھی اس کے اسی رقت و لین کے اثرات کا ذکر ہے۔

(۵۶۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْبَغِیْ لِصِدِّیْقٍ اَنْ یَکُوْنَ لَعَّانًا. (رواہ مسلم)

(۵۶۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق ہوکر یہ بات اس کی شایانِ شان نہیں کہ ہر وقت لعنت برسایا کرے۔ (مسلم)

(۵۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاَبِیْ بَکْرٍ وَّ هُوَ یَلْعَنُ بَعْضَ رَقِیْقِهٖ فَالْتَفَتَ اِلَیْهِ فَقَالَ لَعَّانِیْنَ وَ صِدِّیْقِیْنَ کَلَّا وَ رَبِّ الْکَعْبَةِ فَاَعْتَقَ اَبُوْبَکْرٍ یَوْمَئِذٍ بَعْضَ رَقِیْقِهٖ ثُمَّ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا اَعُوْدُ. (رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

(۵۶۱) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کے پاس سے گذرے وہ اتفاقاً اپنے کسی غلام کے متعلق لعنت کا لفظ استعمال فرمارہے تھے آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ جولوگ لعنتیں برسائیں وہ صدیق بھی شمار ہوں۔ اس واقعہ کے بعد ابوبکرؓ نے اس غلام کو آزاد کردیا اور آپ کے خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اب آئندہ ایسا قصور نہیں ہوگا۔ (بیہقی)

(۵۶۲) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللَّعَّانِیْنَ لَا یَکُوْنُوْنَ شُهَدَاءَ وَ لَا شُفَعَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (رواہ مسلم)

(۵۶۲) ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہر وقت لعنت برسانے والوں کو نہ شہادت کا حق دیا جائے گا نہ شفاعت کا۔ (مسلم شریف)

---

(۵۶۲) * لعنت لغت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کو کہتے ہیں۔ جو شخص دنیا میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کا عادی ہو قیامت میں اسے شفاعت اور شہادت کا بھلا کیا حق ہوسکتا ہے۔ شفاعت لعنت کے برعکس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلب کا نام ہے۔ دنیا میں قانونِ شہادت یہ ہے کہ مقدمہ میں گواہ وہ ہوسکتا ہے جو اس کا دشمن نہ ہو۔ پھر دنیا میں جو شخص خدائے تعالیٰ کی رحمت سے دور کرکے اپنی دشمنی کا ثبوت دے چکا ہے وہ آخرت میں کب کسی کا گواہ بن سکتا ہے۔

نبی کے بعد صدیق کی شفاعت کا درجہ ہے اور اس کے بعد شہداء و صالحین کی شفاعت کا۔ صاحب نبوت نے سمجھایا کہ آخرت میں جس امت کو شفاعت اور شہادت دونوں کا منصب عطا ہوا ہو جب اس کے لیے بالعموم لعنت کا استعمال کرنا ناموزوں ہے تو پھر ان میں جو صدیق کہلائیں ان کے لیے تو کتنا کچھ ناموزوں ہوگا۔ صدیق اکبرؓ نے اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا اور اسی لیے اس غلطی کی ہر ممکن طریقہ پر تلافی کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس ضمن میں آپ کو باہم اسبابِ افتراق مٹانے کا بھی ایک بڑا سبق دیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا ان ظاہری مضرتوں کو اہمیت دیتی ہے اور شریعت آخرت کی مضرتوں کو۔ اس لیے شریعت اپنی نظرِ حقیقت کے مطابق ان اسباب و اثرات کا ذکر کرتی رہتی ہے اور ظاہر بین ان آثارِ ظاہری کے درپے رہتا ہے اور اسی کو فلسفہ سے تعبیر کرتا رہتا ہے۔ پس ایک ظاہر پرست کے نزدیک تو نزاہت لسان کا فلسفہ صرف دعوتِ اتحاد اور باہمی اسبابِ منافرت کا ترک کرنا ہے۔ اور حدیث کی نظر میں یہ سب ضمنی اور سطحی نفع نقصان ہیں۔ ان کو سمجھنے سمجھانے کے لیے انسان کی عقل خود بھی کافی ہے جو اصل اور دائمی نقصان ہے اور ہماری ادراکِ عقل سے بالاتر ہے۔ وہ امت کی امتیازی خصوصیت یعنی شفاعت سے محرومی ہے۔ حدیث اس کا انکار نہیں کرتی تم اس کا انکار مت کرو بلکہ اس حقیقت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کے پا جانے کے بعد تمہارا اپنایا ہوا فلسفہ بلا تعب و مشقت خود بخود حاصل ہو جائے گا۔

الصدق ووفاء العهد واداء الامانة
راست گو امانت دار اور وفا شعار ہونا

(۵۶۳) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَی الْخِلَالِ کُلِّهَا اِلَّا الْخِیَانَةِ وَ الْکِذْبُ.

(رواه احمد و البیهقی فی شعب الایمان عن سعد بن ابی وقاص)

(۵۶۳) ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کی فطرت میں تمام عادتیں ہوسکتی ہیں مگر خیانت اور جھوٹ کی عادت نہیں ہوسکتی۔ (احمد-بیہقی)

(۵۶۴) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سَلِیْمٍ اَنَّهُ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ فَقِیْلَ لَهُ اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِیْلًا قَالَ نَعَمْ فَقِیْلَ لَهُ اَیَکُوْنَ الْمُؤْمِنُ کَذَّابًا قَالَ لَا.

(رواه مالك و البیهقی فی شعب الایمان مرسلاً)

(۵۶۴) صفوان بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا مؤمن بزدل ہوسکتا ہے؟ فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا' کیا بخیل ہوسکتا ہے؟ فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا اچھا کیا اول نمبر کا جھوٹا بھی ہوسکتا ہے؟ فرمایا جی نہیں۔

(مالک-شعب الایمان)

(۵۶۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ وَ لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَلَهُ.

(رواه البیهقی فی شعب الایمان)

(۵۶۵) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ ایسا کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں وفاء عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں۔ (شعب الایمان)

(۵۶۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَوَّادٍ قَالَ قَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

(۵۶۶) عبداللہ بن جواد روایت کرتے ہیں کہ ابوالدرداء نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مؤمن جھوٹ بولتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کی عادت

---

(۵۶۳) ٭ واضح رہے کہ اتفاقیہ خیانت اور اتفاقیہ جھوٹ مؤمن سے بھی سرزد ہوسکتا ہے لیکن وہ اس کا عادی نہیں ہوسکتا۔ اگر اس میں یہ عادت بد پیدا ہوگئی ہے تو اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ اب اس میں نفاق کے جراثیم داخل ہونے لگے ہیں اور اس کا ایمان زخمی ہو چکا ہے۔ رہ گئی خیانت تو وہ تو امانت و ایمان کی ضد ہے یہ صفاتِ ذمیمہ بھی اس میں پیدائشی نہیں ہوسکتیں۔ عارضی اثرات سے سب کچھ ممکن ہے۔ یہاں حدیث خلقت کی نفی کر رہی ہے۔

(۵۶۴) ٭ حدیث کی مراد یہ ہے کہ بزدلی اور شجاعت فطرت کی ایک تقسیم ہے جیسا سخاوت و بخل اس لیے بزدلی اور بخل اگر چہ مذموم صفات سہی مگر ہے غیر اختیاری۔ اس لیے اگر ایک مؤمن میں بہادری نہ ہو یا حقوقِ اسلام ادا کرنے کے بعد اس میں سخاوت کا مضمون نہ ہو تو وہ مواخذہ سے بری ہوسکتا ہے لیکن خیانت اور جھوٹ کی عادتیں غیر اختیاری صفات نہیں۔ ایمان امانت سے مشتق ہے جو خیانت کی ضد ہے اس لیے ایمان اور خیانت جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح دروغ گوئی کی عادت نفاق کا شعبہ ہے ایمان یک رخی کا طالب ہے اس لیے دورخاپن اسلام و ایمان کے ساتھ نبھ نہیں سکتا۔ اس لیے مؤمن نہ خیانت کا عادی ہوسکتا ہے نہ دروغ گوئی کا۔

(۵۶۶) ٭ اس حدیث میں اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ اوپر کی حدیثوں میں کذب سے مراد اتفاقاً جھوٹ بولنا نہیں بلکہ اس کا عادی ہونا مراد ہے اسی لیے صحیح حدیثوں میں جھوٹ کی عادت نفاق کی ایک خصلت قرار دی گئی ہے۔

هَـلْ يَـكْذِبُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ مَنْ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ. (الجامع الكبير)

یہ ہو کہ جب بات کرے تو جھوٹ ہی بولے وہ نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔ (جامع کبیر)

(۵۶۷) عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّهُ قِيْلَ لِلُقْمَانِ الْحَكِيْمِ مَا بَلَغَ بِكَ مَانَرٰى يَعْنِي الْفَضْلَ قَالَ صِدْقُ الْحَدِيْثِ وَ اَدَاءُ الْاَمَانَةِ وَ تَرْكُ مَا لَا يَعْنِيْنِيْ. (رواه في المؤطا)

(۵۶۷) امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لقمان حکیم سے پوچھا گیا فرمایئے کہ یہ رتبہ بلند آپ کو کیسے نصیب ہوا؟ انہوں نے جواب دیا۔ راست گوئی۔ اداء امانت۔ اور بیکار باتوں سے کنارہ کشی کی بدولت۔ (مؤطا)

(۵۶۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كُنْتُ اَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ اَسْمَعُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرِيْدُ حِفْظَهُ فَنَهَتْنِيْ قُرَيْشٌ وَ قَالُوْا اَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَ الرِّضَا فَاَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَوْمَأَ بِاِصْبَعِهِ اِلٰى فِيْهِ فَقَالَ اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ. (رواه ابوداؤد)

(۵۶۸) عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ جو کچھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن پاتا وہ سب کچھ لکھ لیا کرتا تھا اس سے میرا مقصد آپ کے کلمات کی حفاظت کرنی تھی۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات بھی سنتے ہو وہ سب قلم بند کر لیتے ہو حالانکہ آپؐ ایک بشر ہی تو ہیں کبھی کوئی بات غصہ کی حالت میں بھی فرما دیتے ہیں۔ (ہو سکتا ہے کہ اس حالت میں وہ مقام نبوت کے معیار اعتدال سے اتری ہوئی بات ہو) اس کے بعد میں نے لکھنا بند کر دیا اور اس قصہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپؐ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا (بے خوف وخطر) سب کچھ لکھو۔ اس خدائے تعالیٰ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے بجز حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ (ابوداؤد)

(۵۶۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ

(۵۶۹) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۵۶۷) * لایعنی اور بیکار باتوں کی شرح حدیث من حسن اسلام المرء ترک ما لا یعنیه کے ضمن میں مفصل گذر چکی ہے۔ ترجمان السنہ جلد اول میں ملاحظہ کر لی جائے۔

(۵۶۸) * انبیاء علیہم السلام کا کلام صرف سچا ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ جو کچھ بولتے ہیں وہ حق بھی ہوتا ہے سبحان اللہ! وہ دہن مبارک بھی کتنا مقدس دہن ہوگا جس میں مذاق اور غصہ کی بشری حالات میں بھی ملکی نطق کی صفات موجود رہتی ہیں جب تک خدائے برحق کی عصمت کسی کی اس طرح نگرانی نہ رکھے اس وقت تک کسی بشر کے لیے مقام صدق وصفا کی اس منزل تک رسائی ناممکن ہے۔ متکلم کی نیت کے لحاظ سے اس کو صادق تو کہہ سکتے ہیں مگر جب تک اس کا کلام حقیقت کے مطابق نہ ہو اس کو حق نہیں کہہ سکتے۔

(۵۶۹) * آپ نے اس مختصر جواب میں یہ مسئلہ حل کر دیا کہ نبی فرشتہ نہیں ہوتا وہ بشر کے تمام خواص اپنے اندر رکھتا ہے مگر فرق یہ ہوتا ہے کہ اس کی تربیت نظر ربوبیت کے تحت ہوتی ہے اس لیے وہ رضاء وغضب اور جد ومزاح کے تمام حالات میں کہیں لغزش نہیں کرتا حتیٰ کہ اگر اس پر نسیان بھی طاری ہوتا ہے تو وہ بھی کسی حکمت الٰہیہ پر مبنی ہوتا ہے۔ خوش طبعی اگر لایعنی اور خلاف واقع یا خفیف حرکات پر مشتمل ہو تو بے ......

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ تَدَا عِبُنَا قَالَ اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا. (رواہ الترمذی)

سے تعجب کے طور پر سوال کیا- آپ بھی ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا مگر میں کوئی کلمہ حق کے سوا زبان سے نہیں نکالتا- (ترمذی)

(۵۷۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا عَمَلُ الْجَنَّةِ قَالَ الصِّدْقُ وَ اِذَا صَدَقَ الْعَبْدُ بَرَّ وَ اٰمَنَ فَاِذَا اٰمَنَ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا عَمَلُ النَّارِ قَالَ الْكِذْبُ اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ فَجَرَ وَ اِذَا فَجَرَ كَفَرَ وَ اِذَا كَفَرَ دَخَلَ يَعْنِی النَّارَ. (رواہ احمد)

(۵۷۰) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ جنت کا عمل کیا ہے؟ فرمایا سچ بولنا- جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیک بن جاتا ہے اور ایمان دار ہو جاتا ہے اور جب ایمان دار بن جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے- پھر اس نے پوچھا اچھا دوزخ کا عمل کیا ہے؟ فرمایا جھوٹ بولنا' جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو حدودِ شریعت سے تجاوز کرنے لگتا ہے اور جب تجاوز کرنے لگتا ہے تو کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جب کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے- (احمد)

(۵۷۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِیْ اِلَى الْبِرِّ وَ اِنَّ الْبِرَّ يَهْدِیْ اِلَى الْجَنَّةِ وَ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَ يَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَ اِيَّاكُمْ وَ الْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِیْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَ اِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِیْ اِلَى النَّارِ وَ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَ يَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا. (متفق علیہ)

(۵۷۱) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راست گوئی کی عادت اختیار کرو کیونکہ راست گوئی سے نیکی کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نیکی انسان کو جنت تک پہنچا دیتی ہے- آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور تلاش کر کر کے سچ بولتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب صدیق پڑ جاتا ہے اور دیکھو جھوٹ سے بچنا کیونکہ جھوٹ فسق میں مبتلا کر دیتا ہے اور فسق دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے- انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر جھوٹ بولتا رہتا ہے- نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب کذاب پڑ جاتا ہے- (متفق علیہ)

لله ..... شک وہ نقصان کا موجب ہے لیکن اگر کوئی اس غفلت کی حالت میں بھی وقار و متانت اور صدق و حقانیت سے سر مُو ادھر اُدھر نہیں ہوتا تو یہی انسان کامل کا زیور بھی ہے- اب تم میرے اور اپنے مزاج کا موازنہ کر کے دیکھو تمہارا تعجب جاتا رہے گا-

(۵۷۱) ٭ یہ تنبیہ کی جا چکی ہے کہ خیر و شر کے علیحدہ علیحدہ دو سلسلے ہیں اور ان دونوں میں ایک کڑی اپنی دوسری کڑی سے متصل ہے- پھر سلسلہ خیر کے منتہی پر جنت ہے اور سلسلہ شر کے آخر میں دوزخ پس کوئی انسان بھی دفعۃً جنت یا دوزخ میں نہیں چلا جاتا اولاً اس کے ہاتھ میں خیر و شر کی کوئی معمولی سی کڑی آ جاتی ہے پھر اس کی وجہ سے اس میں اسی سلسلہ کی دوسری کڑی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور اس طریق سے وہ بتدریج جنت یا دوزخ میں جا پہنچتا ہے پس نہ کسی خیر کو معمولی سمجھنا چاہیے نہ کسی شر کو معمولی ترمذی میں سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ تکبر کرتے کرتے ایک دن ایسا آ جاتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبارین کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے آخر اس پر بھی وہ عذاب آ جاتا ہے جو ان پر آیا تھا- قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقین اور کاذبین کی ایک فہرست ہے یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کو یہ لله .....

(۵۷۲) عَنْ اُمِّ كُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَ يَقُوْلُ خَيْرًا وَ يَنْمِيْ خَيْرًا. (متفق علیه)

وزاد مسلم قَالَتْ وَ لَمْ اَسْمَعْهُ تَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَخِّصُ فِيْ شَيْءٍ مِمَّا يَقُوْلُ النَّاسُ اِنَّهُ كِذْبٌ اِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ الْحَرْبُ. وَ الْاِصْلَاحُ بَيْنَ النَّاسِ وَ حَدِيْثُ الرَّجُلِ اِمْرَأَتَهُ وَ حَدِيْثُ الْمَرْاَةِ زَوْجَهَا.

(روى احمد والترمذی عن اسماء بنت یزید مثله)

(۵۷۲) حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذاب وہ نہیں جو لوگوں میں صلح جوئی کے ارادہ سے کوئی کلمہ خیر زبان سے کہہ دے اور کسی کو کسی دوسرے شخص کی طرف سے کوئی بھلی بات پہنچا دے۔ (متفق علیہ)

مسلم میں اتنا مضمون اور ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جو باتیں لوگوں کے درمیان جھوٹ شمار ہوتی ہیں ان میں سے صرف تین موقعہ پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت سنی ہے۔ جنگ میں۔ لوگوں کے درمیان صلح جوئی کے لیے۔ اور تیسرے شوہر کا اپنی بی بی اور بی بی کا اپنے شوہر کی رضامندی کے لیے۔

(مسند احمد)

ﷺ.....کوشش کرنی چاہیے کہ اس کا نام صدیقین کی فہرست میں آ جائے ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (التوبة:۱۱۹) اور اس سے ڈرنا چاہیے کہ اس کا نام کہیں کاذبین کی فہرست میں درج نہ ہو جائے۔ ﴿لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾ (آل عمران:۶۱) اور یہ اس لیے کہ صدق و کذب صرف معمولی خیر و شر نہیں بلکہ ان کا ثمرہ جنت اور دوزخ بھی ہو سکتا ہے۔

(۵۷۲) ﷺ صریح جھوٹ بولنے کی اجازت تو مشکل ہے کہ کہیں ثابت ہو البتہ کسی اہم مصلحت کے لیے ایسی ذومعنیین بات کہہ دینے کی اجازت ہے جس پر بظاہر جھوٹ کا گمان ہو سکے مگر اصلی مراد کے لحاظ سے وہ سچ ہو اس کا نام توریہ ہے۔ پس توریہ کذب نہیں وہ صدق ہی کی ایک کذب نما صورت ہے مسلم کی روایت میں مما یقول الناس انه كذب کے لفظ میں غالباً اسی طرح اشارہ ہے۔ ایسے کلمات کے استعمال کی اجازت بھی عام طور پر نہیں بلکہ اس میں ہی صرف تین مقامات کا استثناء کیا گیا ہے۔ جنگ کی حالت میں (اس کی تفصیل جنگ کے بیان میں آئے گی) اور دوسرے دو مقام ایسے ہیں جن میں صاف گوئی موجب فتنہ ہو۔ اسی لیے مشہور ہے ؎

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

شافعیہ کے نزدیک یہاں کچھ زیادہ وسعت ہے۔ شیخ محی الدین نوویؒ نے امام غزالیؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی اچھے مقصد کے لیے صدق و کذب کے دونوں راستے ہوں تو ظاہر ہے کہ اب کذب بلا حاجت ہوگا اس لیے یہاں جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن اگر اس کے حصول کی جھوٹ کے سوا کوئی صورت نہیں تو دیکھنا چاہیے کہ وہ مقصد مباح ہے یا واجب۔ اگر مباح ہے تو یہ جھوٹ بھی مباح رہے گا ورنہ واجب ہو جائے گا مثلاً ایک مسلمان کسی ظالم سے بچ کر کہیں چھپا ہوا ہے تو واجب ہے کہ اس کو اس ظالم سے بچانے کے لیے جھوٹ بول دیا جائے یہ اس وقت ہے جب کہ توریہ سے کام نہ چلے ورنہ احتیاط اسی میں ہے کہ توریہ کر لے۔ (مختصر کتاب الاذکار ص ۱۲۶) ابن قتیبہ نے کتاب مختلف الحدیث میں اس کی خوب تفصیل کی ہے۔ (دیکھو ص ۴۳)

(۵۷۳) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَسِيدِ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ وَ اَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ.

(۵۷۳) سفیان بن اسید بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ یہ بھی ایک بڑی خیانت کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے اس طرح کی ذومعنیین باتیں بناؤ کہ وہ تو تم کو سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابوداؤد)

(رواہ ابوداؤد و سکت علیہ قال النووی و فی اسنادہ ضعف)

ان فی المعاریض لمندوحة عن الکذب

مجبوری میں توریہ کر لینا جھوٹ سے بچنے کا ایک صحیح طریقہ ہے

(۵۷۴) عَنْ سُوَيْدِ بْنِ حَنْظَلَةَ قَالَ خَرَجْنَا نُرِيْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ

(۵۷۴) سوید بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے نکلے ہمارے ہمراہ وائل بن حجر بھی

---

(۵۷۳) * نوویؒ فرماتے ہیں کہ توریہ یہ ہے کہ تم ایسا لفظ بولو جو ایک معنی میں ظاہر ہو مگر تم اس کے دوسرے ایسے معنے مراد لے لو جو اگرچہ اس لفظ سے مفہوم تو ہوں مگر اس کے ظاہر معنی کے خلاف ہوں چونکہ یہ بھی ایک قسم کا دھوکا ہے اس لیے حاجت کے بغیر یہ بھی ممنوع ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ اگر توریہ کا مقصد کسی کا حق تلف کرنا ہو جب تو یہ حرام ہوگا ورنہ پھر بھی بے حاجت بات ہے اس لیے مکروہ رہے گا اور اگر کسی صحیح مقصد کے لیے ہو تو مباح ہوگا۔ (کتاب الاذکار ص ۱٦۷)

ابن قتیبہؒ نے توریہ کی چند مثالیں سلف کے درمیان بھی پیش کی ہیں قابل مراجعت ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بھی اسی فہرست میں شمار کیا ہے۔ (دیکھو از ص ۴۴ تا ۴۷)

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مبالغہ اگرچہ فی نفسہٖ کذب میں شمار نہیں مگر جب بے محل اور اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ بھی کذب کی تعریف میں آ سکتا ہے مثلاً آپ نے کسی شخص کو صرف ایک بار بلایا ہو اور آپ اس سے یہ کہیں کہ ہم نے تجھے سینکڑوں بار بلایا۔ مگر تو نہیں آیا اب یہاں سینکڑوں بار کا لفظ اگرچہ بطریق مبالغہ ہی استعمال کیا گیا ہے مگر اس موقعہ پر یہ کذب شمار ہوگا۔ اس کو مبالغہ نہیں کہتے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کذب میں عام ابتلاء ہے لہٰذا اس سے بھی احتراز لازم ہے۔ (دیکھو کتاب الاذکار ص ۱٦۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کذب بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔ خیانت صرف ہاتھ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انسانی تمام اعضاء کی صفت ہو سکتی ہے۔ ہاتھ کی خیانت ناجائز مال حاصل کرنا' زبان کی خیانت واقع کے خلاف بات زبان سے نکالنا اور آنکھ کی خیانت خلاف شرع نظر اٹھانا ہے آیت ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ﴾ (المؤمن: ۱۹) میں آنکھ کی اسی خیانت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایمان جب قلب میں سرایت کر جاتا ہے تو پھر رگ رگ میں امانت سما جاتی ہے اور عضو عضو سے خیانت نکل جاتی ہے۔ جب تک مؤمن کی رگ و پے میں اس طرح امانت سرایت نہیں کرتی وہ پورا مؤمن نہیں کہلاتا اسی لیے حدیث میں ہے۔ لا ایمان لمن لا امانة له.

(۵۷۴) * ایک موقعہ پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زبان مبارک سے بھی حضرت سارہ کے حق میں ''انها اختی'' کا کلمہ حق نکلا تھا وہ بھی ایک ظالم بادشاہ سے اپنی تحفظ ناموس و آبرو کی خاطر تھا اور بلاشبہ سچا تھا لیکن جب کسی کو اس قسم کے نازک مواقع پر کوئی صحیح لیت نہ آتی ہو تو وہ بیچارہ اپنے دامن تقدس کو سنبھالنے کے سوا اور کر ہی کیا سکتا تھا انصاف کیجئے کہ مذکورہ بالا واقعہ میں اگر اخوت اسلامی کی بنا پر .....

مَعَنَا وَائِلُ بْنُ حُجْرٍ فَاَخَذَهُ عَدُوٌّلَهٗ فَتَحَرَّجَ الْقَوْمُ اَنْ يَحْلِفُوْا وَ حَلَفْتُ اَنَّهٗ اَخِیْ فَخَلّٰی سَبِيْلَهٗ فَاَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهٗ اَنَّ الْقَوْمَ تَحَرَّجُوْا اَنْ يَحْلِفُوْا وَ حَلَفْتُ اَنَّهٗ اَخِیْ فَقَالَ صَدَقْتَ الْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَ لَا يَخْذُلُهٗ وَ لَا يُسْلِمُهٗ.

(رواه ابوداؤد و اخرجه احمد الشيخان و عن ابن عمر)

تھے (راستہ میں) ان کو ان کے کسی دشمن نے پکڑ لیا اور لوگوں نے تو قسم کھانے میں کچھ تامل سا کیا مگر میں نے قسم کھا کر کہہ دیا کہ یہ میرا بھائی ہے اس نے میری وجہ سے ان کو چھوڑ دیا جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں نے تو قسم کھانے میں گناہ محسوس کیا مگر میں نے تو قسم کھالی کہ یہ میرے بھائی ہیں- آپ نے فرمایا تم نے سچ تو کہا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہی ہوتا ہے وہ نہ اس کی حق تلفی کرتا ہے' نہ بروقت اس کی مدد کرنے سے پیچھے ہٹتا ہے اور نہ اس کو کسی مصیبت میں گرفتار کر سکتا ہے- (ابوداؤد)

(۵۷۵) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اِشْتَكٰى ابْنٌ لِاَبِیْ طَلْحَةَ قَالَ فَمَاتَ وَ اَبُوْ طَلْحَةَ خَارِجٌ فَلَمَّا رَاَتْ اِمْرَاَتُهٗ اَنَّهٗ قَدْمَاتَ هَيَّاَتْ شَيْئًا وَ نَحَّتْهُ فِیْ جَانِبِ الْبَيْتِ فَلَمَّا جَاءَ اَبُوْ طَلْحَةَ قَالَ كَيْفَ الْغُلَامُ قَالَ هٰذَا نَفْسُهٗ وَ اَرْجُوْا اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اسْتَرَاحَ وَ ظَنَّ اَبُوْ طَلْحَةَ اَنَّهَا صَادِقَةٌ قَالَ فَبَاتَ فَلَمَّا اَصْبَحَ

(۵۷۵) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بچہ بیمار رہا اور اس کا انتقال ہو گیا اس وقت یہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے- ان کی بی بی نے جب دیکھا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے تو اس کو نہلا دھلا کر مکان کے ایک گوشہ میں رکھ دیا- (شب میں) جب ابوطلحہ آئے تو انہوں نے پوچھا بچہ کی طبیعت کیسی ہے؟ یہ بولیں وہ خاموش ہو گیا ہے اور میرا خیال ہے کہ اب اسے بالکل آرام ہوگا- ابوطلحہ نے اپنی فہم کے مطابق یہ خیال کیا کہ بچہ صحت یاب ہو گیا ہوگا- (حالانکہ ان کا مقصد کچھ اور

ﷺ ..... یہ قسم کھانے والا شخص نہ نکل آتا تو کیا ایک صحابی کا خون ناحق نہ بہا دیا گیا ہوتا' اسی لیے مفسدہ اور مصلحت کا علم نہایت اہم اور نازک ہے دین دار بیوقوف کے پلے پڑ جائے تو نہ معلوم وہ کتنے ناحق خون کر ڈالے اور بے دین سمجھدار کے ہاتھ آ جائے تو مصلحت کے پردوں میں نہ معلوم وہ کتنے احکام اسلامیہ کی بساط الٹ دے-

یہاں امام بخاریؒ نے بھی باب فی المعاریض لمندوحة عن الكذب رکھ کر اسی تحقیق کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس کے تحت میں حسب ذیل واقعہ نقل کیا ہے جو ابن قتیبہ نے تاویل مختلف الحدیث میں اس کی بہت سی امثلہ ذکر فرمائی ہیں- (دیکھو ازص ۴۳ تا ۴۷)

(۵۷۵) * صحیح مسلم میں اس واقعہ کی اتنی تفصیل اور مذکور ہے کہ جب صبح ہوئی تو ان کی بی بی نے پوچھا ابوطلحہؓ بتاؤ اگر کسی نے کسی کے پاس اپنی کوئی چیز بطور عاریت رکھی ہو پھر وہ اسے مانگ لے تو کیا اس شخص کو اس کے روکنے کا کوئی حق ہے انہوں نے کہا نہیں وہ بولیں تو پھر اپنے بچہ پر صبر کرو (وہ بھی خدا کی امانت تھی اس نے لے لی ہے) اس پر انہیں غصہ آیا اور فرمایا مجھے یہ پہلے کیوں نہ بتایا تھا کہ اس غم کے حال میں میں ہم بستری نہ کرتا- اس حدیث سے عرب کے سلیقہ کا پتہ چلتا ہے کہ اس مہذب عورت نے شب میں دفعۃً ایسے اضطراب انگیز حادثہ کی خبر دینا بھی نامناسب سمجھی اور جھوٹ بولنا بھی گوارا نہ کیا اس لیے ایک ایسا ذومعنی فقرہ کہہ دیا جو اپنی جگہ درست بھی تھا اور اس کے شوہر کے لیے اس میں کسی اور معنے سمجھنے کی گنجائش بھی نہ تھی-

اِغْتَسَلَ فَلَمَّا اَرَادَاَنْ يَّخْرُجَ اَعْلَمَتْهُ اَنَّهُ قَدْمَاتَ فَصَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا كَانَ مِنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّبَارِكَ لَهُمَا فِيْ لَيْلَتِهِمَا قَالَ سُفْيَانُ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَرَأَيْتُ تِسْعَةَ اَوْلَادٍ كُلُّهُمْ قَدْ قَرَؤُا الْقُرْاٰنَ. (رواه البخاری)

تھا) اور مطمئن ہو کر اپنی بی بی کے ساتھ ہم بستری کی جب صبح ہوئی تو غسل فرمایا جب باہر جانے لگے تو بی بی نے صاف بات کہہ دی کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی اس کے بعد ان کی بی بی کے واقعہ کی آپ کو اطلاع ہوئی آپ نے فرمایا کہ (اس کی حسن نیت) کی بدولت اس شب میں جو حمل اس کے استقرار پا گیا ہے امید ہے کہ اس میں بڑی برکت ہو- سفیان راوی حدیث کہتا ہے کہ ایک انصاری شخص نے بیان کیا کہ میں نے ان کی نو[۹] اولاد دیکھی ہیں سب کی سب حافظ تھیں- (بخاری شریف)

(۵۷۶) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) اِلَّا ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ ثِنْتَيْنِ مِنْهُ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ قَوْلُهُ اِنِّيْ سَقِيْمٌ وَ قَوْلُهُ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا . وَ قَالَ بَيْنَا هُوَذَاتَ يَوْمٍ وَ سَارَةُ اِذْ اَتٰى عَلٰى جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيْلَ لَهُ اِنَّ هٰهُنَا رَجُلًا مَعَهُ اِمْرَءَةٌ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ

(۵۷۶) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تمام عمر میں صرف تین مقامات پر توریہ سے کام لیا ہے جن میں دو تو خدائے تعالیٰ ہی کی راہ میں ہیں- ایک ان کا قول اِنِّيْ سَقِيْمٌ (میں بیمار پڑنے والا ہوں) دوسرا بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ (یہ کام اس نے کیا ہے جو ان میں بڑا ہے) اور تیسرا اس وقت جب کہ وہ ایک دن سفر کر رہے تھے اور ان کی بی بی سارہ ان کے ہمراہ تھیں راستہ میں ان کا ایک ظالم بادشاہ کے ملک سے گذر ہوا اس بادشاہ سے کسی نے ذکر کیا کہ آپ کی قلمرو میں ایک شخص آیا ہے اس کے ساتھ اس کی بی بی ہے اور وہ بڑی حسینہ ہے- یہ سن کر اس نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے

---

(۵۷۶) * حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں کواکب پرستی کا زور تھا ایک دن ان کی قوم نے عید منانے کے لیے باہر جانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ ان کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جائیں انہوں نے پہلے سے اپنے دل میں بتوں کے خلاف ایک اسکیم تیار کر رکھی تھی جب چلتے وقت انہوں نے اصرار کیا تو انہوں نے ان کے دستور کے مطابق پہلے تو ذرا آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا گویا انہیں بھی علم نجوم میں بڑا دخل تھا پھر ادھر ادھر دیکھ کر فرمایا کہ ''اِنِّيْ سَقِيْمٌ'' میں تو بیمار پڑنے والا ہوں- اب بھلا ایسا انسان کون سا ہے جو کبھی بیمار نہ پڑے- بات تو بالکل صاف اور سچی تھی لیکن وہ یہ سمجھے کہ انہوں نے یہ بات ستاروں کو دیکھ کر کہی ہے جب وہ چلے گئے تو ان کے پیچھے انہوں نے بتوں کو توڑ تاڑ برابر کیا واپس آ کر جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو اس وقت ان کے سوا وہاں اور کوئی نہ تھا اس لیے ان سے اس کا سبب دریافت کیا- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی سادگی سے فرمایا کہ یہ کام تو اس کا معلوم ہوتا ہے جو ان سب میں بڑا ہے- یہ بات بھی بالکل صاف تھی کہ ''میرا'' ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کو پتھر پر یوں بھی قدرتی بزرگی حاصل ہے مگر ایسا لفظ استعمال فرمایا جس کے یہ معنی بھی ہو سکتے تھے کہ یہ سب سے بڑے بت کا کام ہے ان سے پوچھ دیکھو اس طریقہ سے ان کو قائل کرنا منظور تھا کہ جو بت نہ اپنے آپ کو بچا سکیں اور نہ دوسرے کی مدد کو پہنچ سکیں اور نہ ایک حرف بول سکیں ان کی عبادت کرنی کتنی نامعقول بات ہے یہ دو واقعہ تو وہ تھے جو خالص اللہ تعالیٰ کی راہ میں تھے ....

فَسَأَلَهُ مَنْ هٰذِهٖ قَالَ أُخْتِيْ فَاَتٰى سَارَةَ فَقَالَ لَهَا اِنَّ هٰذَا الْجَبَّارَ اِنْ يَعْلَمْ اَنَّكِ امْرَأَتِيْ يَغْلِبُنِيْ عَلَيْكِ فَاِنْ سَاَلَكِ فَاَخْبِرِيْهِ اَنَّكِ اُخْتِيْ فِي الْاِسْلَامِ لَيْسَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِيْ وَ غَيْرُكِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهَا فَاُتِيَ بِهَا قَامَ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُصَلِّيْ فَلَمَّا دُخِلَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَ يَتَنَا وَلُهَا بِيَدِهٖ فَاُخِذَ وَ يُرْوٰى فَغُطَّ حَتّٰى رَكَضَ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اُدْعِي اللّٰهَ لِيْ وَ لَا اَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَاُطْلِقَ ثُمَّ تَنَا وَلَهَا الثَّانِيَةَ فَاُخِذَ مِثْلَهَا اَوْ اَشَدَّ فَقَالَ اُدْعِي اللّٰهَ لِيْ وَ لَا اَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَاُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهٖ فَقَالَ اِنَّكَ لَمْ تَأْتِنِيْ بِاِنْسَانٍ اِنَّمَا اَتَيْتَنِيْ بِشَيْطَانٍ فَاَخْدَمَهَا هَاجَرَ فَاَتَتْهُ وَ هُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فَاَوْمَأَ بِيَدِهٖ

پاس اپنا آدمی بھیجا اس نے پوچھا تمہارے ساتھ یہ کون ہیں انہوں نے فرمادیا میری بہن- اس کے بعد حضرت سارہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اگر یہاں کے بادشاہ کو یہ علم ہوگیا کہ تم میری بی بی ہو تو وہ تم کو مجھ سے زبردستی چھین لے گا لہٰذا اگر وہ تم سے پوچھے تو کہہ دینا کہ تم میری (اسلامی) بہن ہو کیونکہ اس خطہ زمین پر میرے اور تمہارے سوا اس وقت کوئی اور مؤمن نہیں ہے بادشاہ نے حضرت سارہؑ کو بلا بھیجا وہ حاضر کردی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز کے لیے کھڑے ہوگئے جب وہ اس کے سامنے پیش کی گئیں تو اس بدبخت نے بدنیتی سے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا فوراً اس کا گلہ پکڑا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ گھٹ گیا یہاں تک کہ وہ اپنے پیر پٹخنے لگا اور کہنے لگا میرے واسطے دعا کریں میں تجھے کچھ نہ ستاؤں گا- حضرت سارہ نے دعا فرمائی فوراً وہ درست ہوگیا بدبخت نے پھر ہاتھ بڑھایا اور پہلے کی طرح پھر اس کا گلا گھٹنے لگا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت- وہ پھر چیخا میرے لیے دعا کریں میں تجھے کچھ نہ کہوں گا- حضرت سارہ نے دعا فرمائی فوراً وہ درست ہوگیا- اس کے بعد اس نے اپنے ایک دربان کو بلا کر کہا تو تو میرے پاس کوئی انسان نہیں لایا کسی بلا کو لے آیا ہے اور رخصت کے وقت حضرت سارہ کی خدمت میں حضرت

ﷺ .... پیش آئے- تیسرا واقعہ بھی خالص دینی ہی معاملہ تھا- عصمت ایک شرعی حق ہے اور اس کا بچانا بھی شرعی فرض ہے لیکن اس کا ایک گونہ تعلق خود ان کے ساتھ بھی تھا- یہ تینوں واقعات دینی اور دنیوی نظر سے جتنے اہم تھے اس کے لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے جو توریہ کے الفاظ استعمال فرمائے وہ ثناء ہی ثناء کے قابل تھے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کی بلند نظر میں یہ توریہ بھی ایک جھوٹ نظر آرہا ہو اور وہ اس پر بھی اتنے نادم ہوں کہ مارے شرم کے محشر میں نظر بھی اونچی نہ کرسکیں اور جب اہل محشر ان کی خدمت میں شفاعت کے لیے حاضر ہوں تو وہ یہ عذر کردیں کہ مجھ سے دنیا میں تین جھوٹ سرزد ہوچکے ہیں آج بھلا میں اس قابل کہاں- بہرحال جب اس پیکر حق وصداقت کی نظروں میں اس توریہ کو کذب سمجھا گیا تو ان کے سب سے لائق فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری ہوا کہ وہ دنیا میں تشریف لا کر اپنے والد بزرگوار کی اس عظمت کو ظاہر کردیں کہ جن کو وہ روز محشر کذب تصور فرمائیں گے اول تو وہ خالص اللہ تعالیٰ کی راہ میں تھے پھر ان کی حقیقت بھی اتنی تھی اس لیے حدیث میں اس توریہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لفظوں میں کذب ہی سے تعبیر کیا گیا ہے- بعض علماء کو یہ مشکل پیش آگئی ہے کہ جب ان کی حقیقت صرف توریہ تھی تو پھر حدیث میں ان پر کذب کا اطلاق کیوں ہوا- اور ذرا سے اس عقلی شبہ کی بنیاد پر انہوں نے ایک متفق علیہ حدیث کا انکار کردیا ہے- یہ طریقہ صحیح نہیں ہے- حقیقت یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنے شان کے نامناسب سمجھ کر اپنے حق میں ان کو کذب شمار کیا تھا تو حدیث میں بھی اس نقطہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ صفائی جرم سے قبل فرد جرم معلوم ہوجائے اس کے بعد یہ واضح کردیا جائے کہ جن واقعات کی حقیقت صرف ایک مستحسن توریہ ہو وہ بھی باقی ﷺ ....

مَهْيَمْ قَالَتْ رَدَّاللّٰهُ كَيْدَ الْكَافِرِ فِيْ نَحْرِهٖ فَاَخْدَمَ هَاجَرَ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ تِلْكَ اُمُّكُمْ يَابَنِيْ مَاءَ السَّمَاءِ.

(متفق عليه)

ہاجرہ کو پیش کیا- جب سارہ آئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مشغول تھے اشارہ سے پوچھا کہو کیا حال رہا انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی بد نیتی کا نتیجہ اس کو دکھا دیا اور اس نے ہاجرہ کو بطور نذر پیش کیا ہے- ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اے (پانی پر بسر کرنے والے) عرب یہ تھیں تمہاری ماں- (متفق علیہ)

(۵۷۷) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُهٗ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكُمْ عَلٰى هٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُحِبَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اَوْ يُحِبَّهُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهٗ اِذَا حَدَّثَ وَ لْيُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا اؤْتُمِنَ وَ لْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ.

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۵۷۷) عبدالرحمٰن بن قراد بیان کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو صحابہ کرامؓ آپ کے وضو کا پانی لے لے کر اپنے جسموں پر ملنے لگے- آپ نے پوچھا تم یہ حرکت کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا صرف خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کے جذبہ میں اس پر آپ نے فرمایا- اچھا تو جس کو یہ بات اچھی معلوم ہو کہ وہ ٹھیک ٹھیک خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خود اس سے محبت کرنے لگیں تو اسے چاہیے کہ جب بات کیا کرے تو سچی بات کیا کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس کو پورا پورا ادا کیا کرے اور جو شخص بھی اس کا پڑوس اختیار کرے یہ اس کے ساتھ اچھا ہی معاملہ کیا کرے- (شعب الایمان)

(۵۷۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ. (رواه مسلم)

(۵۷۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے جھوٹ بولنے کے لیے اتنی سی بات کافی ہے کہ وہ جو سن پائے اسی کو (قبل تحقیق) دوسروں سے نقل کر دے- (مسلم)

؀..... ملت حنفیہ کی نظر میں کتنی اہمیت اختیار کر گئے تھے حتیٰ کہ محشر میں بھی ان کی نظریں نیچی تھیں ان کے علاوہ انبیاء علیہم السلام میں سے جس جس نے بھی اپنی تقصیرات کا ذکر کر کے شفاعت سے انکار کیا ہے کیا وہ سب اسی درجہ کی تقصیرات تھیں کہ اگر ان حضرات کے سوا کسی اور بشر سے سرزد ہوتیں تو وہ ان کو اپنے حسنات کے دفتر میں ایک درخشندہ حسنہ شمار کرتا اس سے زیادہ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے- و للعاقل تكفيه الاشاره-

(۵۷۷) ٭ حدیث بالا میں محبوب رب العالمین نے مجذوبین راہ محبت کو سالک بننے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارا یہ جذبہ محبت بے شک بہت مبارک ہے مگر راہ محبت صرف جذب سے طے نہیں ہوگی- اس کے لیے سلوک بھی درکار ہے وہ چند پاکیزہ صفات اختیار کرنے سے ہوگی جن میں سب سے پہلی صفت صدق اور راست گوئی ہے- دوسری صفت امانت داری اور تیسری خدائے تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ ہمدردی ہے اس صفت میں سب سے زیادہ نمایاں یہ ہے کہ جو شخص بھی تمہاری دیوار کے سایہ کے نیچے آ جائے وہ کسی تفریق کے بغیر تمہاری ہمدردیوں کا مرکز بن جائے- ان تین صفتوں کے بالمقابل جو صفتیں ہیں وہ مؤمن کی نہیں منافق کی صفتیں ہیں جیسا کہ نفاق کے باب میں آئندہ آپ کے ملاحظہ سے گذرے گا-

(۵۷۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِيْ صُوْرَةِ الرَّجُلِ فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيْثِ مِنَ الْكِذْبِ فَيَتَفَرَّقُوْنَ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ سَمِعْتُ رَجُلًا اَعْرِفُ وَجْهَهُ وَ لَا اَدْرِيْ مَا اسْمُهُ يُحَدِّثُ. (رواہ مسلم)

(۵۷۹) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (بعض مرتبہ) شیطان لوگوں کے سامنے ایک آدمی کی شکل بنا کر آتا ہے اور ان سے ایک جھوٹی بات کہہ دیتا ہے جب وہ اس مجلس سے اِدھر اُدھر جاتے ہیں تو ان میں کا کوئی شخص کہتا ہے کہ (آج) میں نے ایک آدمی کو یہ بات کہتے خود سنا تھا جس کو میں شناخت تو کر سکتا ہوں مگر اس کا نام نہیں جانتا کیا تھا- (مسلم)

(۵۸۰) عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ لِاَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ اَوْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ لِاَبِيْ مَسْعُوْدٍ مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ زَعَمُوْا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بِئْسَ مَطِيَّةُ الرَّجُلِ.

(رواہ ابو داؤد قال ان ابا عبداللہ حذیفۃ)

(۵۸۰) ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باہم ایک گفتگو میں یہ سوال کیا- (راوی کو شک ہے کہ یہ سوال کس نے کیا' ابو مسعودؓ نے حذیفہ سے یا حذیفہؓ نے ابو مسعود سے) کہ آپ نے کلمہ زَعَمُوْا (لوگوں کا گمان ہے) کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ کلمہ بے تحقیق باتوں کے چلتا کرنے کا بہت برا ذریعہ ہے- (ابوداؤد)

الکف عن الفتک

اچانک قتل کرنے سے بچنا

(۵۸۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِيْمَانُ قَيْدُ الْفَتْكِ لَا يَفْتِكُ مُؤْمِنٌ. (رواہ ابو داؤد)

(۵۸۱) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان بے تحقیق اور اچانک قتل کرنے میں مؤمن کے ہاتھوں کی ہتھکڑی بن جاتا ہے- مؤمن کبھی اچانک قتل کر سکتا ہی نہیں- (ابوداؤد)

---

(۵۷۹) * حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو ہر بات میں اور خاص کر حدیث رسول سننے میں بڑی احتیاط لازم ہے- جو شخص حدیث بیان کرے پہلے اس کے متعلق پوری تحقیق کر لینی چاہیے وہ کون ہے سچا ہے یا جھوٹا ہے بے تحقیق بات کو چلتا کر دینا بے وجہ اشاعت کذب کا موجب ہوتا ہے- اب رہا شیطان کا تمثل تو جو لوگ عالم ارواح کی کیفیات کا کچھ علم رکھتے ہیں ان کے نزدیک یہ بدیہیات میں سے ہے اور جو اس کے اب تک منکر ہیں ان سے یہاں خطاب لا حاصل ہے-

(۵۸۰) * ابن قتیبہ نے مختلف الحدیث میں اور امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اس روایت پر طویل کلام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کسی بات کا خود یقین نہ ہو جائے اس وقت تک صرف اپنی گردن کو دروغگوئی سے رہا کرنے کے لیے اس کو لوگوں کی طرف نسبت کر کے بیان کر دینا کافی نہیں- شریعت کی نظر میں یہ بھی قابل مؤاخذہ ہے- اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کذب اور اشاعت کذب کی شرعاً کتنی اہمیت ہے-

(۵۸۱) * قتل کرنا کوئی کار ثواب نہیں اور اچانک قتل کر ڈالنا جس میں گناہ و بے گناہ کی کوئی تحقیق نہ ہو اور ایمان و کفر کی کوئی تمیز نہ ہو یہ تو انتہائی درندگی اور بدترین قسم کی معصیت ہے- مومن قتل کے معاملہ میں کبھی جری نہیں ہوتا- بعض مرتبہ حالت جنگ میں اس کا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ وہ اپنے کافر دشمن کا سر اڑا دے اگرچہ وہ ایک ہزار بار بھی کلمہ اسلام پڑھتا رہے لیکن اس کا ایمان آ کر اس کے ہاتھوں کی قید بن جاتا ہے- وہ قتل کرنا چاہے بھی تو وہ ان کو جنبش کرنے نہیں دیتا- جب حالت جنگ میں اس کی تلوار اتنی مقید ہے تو عام حالات میں بھلا وہ کہاں بے باک ہو سکتی ہے صحابہ کرامؓ کے جنگی کارنامے پڑھو تو تم کو معلوم ہوگا کہ جہادوں میں تلواریں نیام سے نکلنے کے بعد نیام میں جانے نہیں پاتی تھیں جب مسلمانوں میں باہمی جنگ شروع ہو گئی تو وہی تلواریں نکالے سے بھی باہر نہ نکلتی تھیں اگر کافر و مسلمان اس ایک حدیث کو بغور پڑھ لیتے تو اسلام کی طرف جواب دہی کے لیے یہی ایک حدیث کافی ہو جاتی-

لا یفرک مؤمن مؤمنة

(۵۸۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَفْرَکُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ کَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْهَا اٰخَرَ.

(رواہ مسلم)

مؤمن مرد کا مؤمنہ بی بی سے بغض نہ رکھنا

(۵۸۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد مؤمن کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنی مؤمنہ بی بی سے بغض رکھے اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہوگی تو دوسری پسندیدہ بھی ہوگی۔

(مسلم شریف)

لا یروع مسلمًا لاعبًا او جادًا

(۵۸۳) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ رِجَالٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَنَّ الصَّحَابَةَ کَانُوْا یَسْرُوْنَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَانْطَلَقَ بَعْضُهُمْ اِلٰی حَبْلٍ مَعَهٗ فَاَخَذَهٗ فَفَزِعَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یُرَوِّعَ مُسْلِمًا.

کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان نہ کرنا

(۵۸۳) عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ متعدد صحابہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ کے صحابہ ایک مرتبہ آپ کے ساتھ شب کے وقت سفر کر رہے تھے (جب کسی مقام پر قافلہ ٹھہرا) تو ان میں ایک شخص اٹھا اور دوسرے شخص کی رسی جو وہ اپنے ساتھ لے کر (سو رہا) تھا اٹھا لی اور اس طرح (مذاق میں) اس کو پریشان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان کے لیے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو (ہنسی مذاق میں بھی) پریشان کرے۔ (احمد۔ ابوداؤد)

(اخرجه الامام احمد و ابوداؤد و الطبرانی قال الزین العراقی حدیث حسن و رمز السیوطی لصحته)

(۵۸۴) عَنِ الْوَاقِدِیِّ قَالَ اَوَّلُ مَشْهَدٍ شَهِدَهٗ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْخَنْدَقُ وَهُوَ ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً وَ کَانَ مِمَّنْ یَنْقُلُ التُّرَابَ یَوْمَئِذٍ مَعَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ غَلَبَتْهُ عَیْنَاهُ یَوْمَئِذٍ فَرَقَدَ فَجَاءَ عُمَارَةُ بْنَ حَزْمٍ فَاَخَذَ سَلَاحَتَهٗ وَ هُوَ لَا

(۵۸۴) واقدی بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلا وہ غزوہ جس میں زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریک ہوئے۔ غزوۂ خندق تھا اس وقت ان کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔ عام مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی (خندق کھودنے اور) مٹی ڈھونے کی خدمت انجام دے رہے تھے اتفاقاً انہیں نیند آ گئی اور یہ سو رہے۔ کہیں عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ادھر) آ نکلے اور ان کی بے خبری میں (چپکے سے) ان کے ہتھیار لے لیے۔ (جب وہ بیدار ہوئے تو

---

(۵۸۲) ٭ حسن معاشرت شریعت میں ایک بہت بڑا باب ہے اور اس میں میاں بی بی کی معاشرت کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے حتیٰ کہ اس کی تحسین و تکمیل کو شریعت نے انسان کے ایمانی کمال کا معیار قرار دے دیا ہے گویا اس سے تغافل برتنا مؤمن کی شان ہی نہیں ہو سکتی اور اس کی تسلی کے لیے یہ مؤثر اور مختصر اصول بتا دیا ہے کہ ایک انسان میں اگر کچھ خوبیاں بھی ہوں تو اس کی برائیاں قابل چشم پوشی ہونی چاہئیں۔ یہی مقتضائے انصاف ہے۔ ایسا کون ہوگا جس میں کوئی برائی نہ ہو۔ پس ایک شوہر کے لیے یہ امر قابل تسلی ہونا چاہیے کہ اس کی بی بی میں کچھ خوبیاں بھی تو ہیں مگر یہ واضح رہے کہ یہ حسن معاشرت اسی حد تک ہے جب تک بی بی مؤمنہ کا مصداق رہے اگر وہ اس لقب سے نکل کر فاسقہ یا فاجرہ بن چکی ہے تو اس کے احکام اب دوسرے ہیں۔

يَشْعُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَهُ عِلْمٌ بِسَلَاحِ هٰذَا الْغُلَامِ فَقَالَ عُمَارَةُ بْنُ حَزْمٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اَخَذْتُهُ فَرَدَّهُ فَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُرَوَّعَ الْمُؤْمِنُ اَوْ اَنْ يُؤْخَذَ مَتَاعُهُ لَا لَعِبًا وَ لَاجِدًّا. (اخرجه ابن عساکر)

آپ کی خدمت میں آ کر ماجرا بیان کیا) آپ نے پوچھا اس نوجوان کے ہتھیاروں کی کسی کو خبر ہے؟ اس پر عمارہ بن حزم بولے یا رسول اللہ جی ہاں' میں نے لے لیے ہیں اور فوراً ان کو واپس کر دیئے- اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ممانعت فرمادی کہ (آئندہ) کسی مؤمن کو ڈرایا جائے اور ہنسی میں یا واقعی طور پر کسی کا کوئی سامان لیا جائے-

(ابن عساکر)

حقوق المسلم

مسلمانوں کے حقوق

(۵۸۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْصُرُهُ مَظْلُوْمًا فَكَيْفَ اَنْصُرُهُ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِكَ نَصْرُكَ اِيَّاهُ. (متفق علیه)

(۵۸۵) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مسلمان بھائی کی ہر حال میں مدد کیا کرو- خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم- ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہؐ مظلوم ہونے کی حالت میں تو میں اس کی مدد کرتا ہوں' ظالم ہونے کی صورت میں میں اس کی کیسے مدد کروں- آپؐ نے فرمایا اس طرح کہ اس کو ظلم کرنے سے روکو' کیونکہ ظالم کو ظلم کرنے سے روک دینا بس یہی اس کی مدد کرنی ہے- (متفق علیہ)

(۵۸۶) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ مِرْاٰةُ اَخِيْهِ فَاِنْ رَاٰى بِهٖ اَذًى فَلْيُمِطْ عَنْهُ رَوَاهُ التِّرمذى وَ ضَعَّفَهُ وَ فى رواية له و لابى داؤد المومن مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ يَكُفُّ عَنْهُ ضَيْعَتَهُ وَ يَحُوْطُهُ مِنْ وَرَائِهٖ.

(۵۸۶) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ہر شخص اپنے بھائی مسلمان کے لیے آئینہ کی مثل ہونا چاہیے پس اگر وہ اس میں کوئی عیب کی بات دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اس کا ازالہ کر دے (ترمذی و ابوداؤد میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہوتا ہے اور مومن مومن کا بھائی ہوتا ہے جو بات اس کے نقصان کی ہو وہ اس کو روکتا ہے اور اس کی غیبت میں اس کی نگرانی کیا کرتا ہے- (ابوداؤد)

---

(۵۸۶) * بعض علماء نے اسی حدیث کا مضمون حسب ذیل اشعار میں بصورت نظم یوں ادا کیا ہے-

صديقى مرأة اميط بها الاذى وغضبٌ حسامٌ ان منعت حقوقى

''میرے لیے میرا دوست آئینہ کی طرح ہے جسے دیکھ کر میں اپنی بدنمائی کی اصلاح کر لیتا ہوں اور ایک تیز تلوار کی طرح ہے جب کہ کوئی شخص میرے حقوق ادا کرنے سے انکار کرے-''

و ان ضاق امرٌ او المت ملمةٌ لجأت اليه دون كل شقيق

''اگر کوئی اڑا وقت آ جائے یا مصیبت درپیش ہو تو میں اپنے حقیقی بھائی کو چھوڑ کر اس کی پناہ لیتا ہوں-''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح آئینہ انسان کے عیوب دکھا کر اس کی اصلاح کا موجب ہوتا ہے اسی طرح ایک مسلمان کو اپنے بھائی مسلمان کے لیے ہونا چاہیے-

(۵۸۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ اَخُوا لْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهُ وَ لَا یُسْلِمُهُ وَ مَنْ کَانَ فِیْ حَاجَةِ اَخِیْهِ کَانَ اللّٰهُ فِیْ حَاجَتِهٖ وَ مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ کُرْبَةً مِّنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ. وَ مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (متفق علیه)

(۵۸۷) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان سب بھائی بھائی ہیں- نہ ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو کسی مصیبت میں ڈال سکتا ہے- جو اپنے کسی بھائی کی حاجت روائی کی فکر میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا رہتا ہے اور جو کسی مسلمان کی کوئی مشکل آسان کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی مشکلات میں اس کی مشکل آسان کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی آخرت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمالیتا ہے- (متفق علیہ)

(۵۸۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَهْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلٰثٍ فَاِنْ مَرَّتْ بِهٖ ثَلَاثٌ فَلْیَلْقَهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ فَاِنْ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَکَا فِی الْاَجْرِ وَ اِنْ لَّمْ یَرُدَّ عَلَیْهِ فَقَدْ بَاءَ بِالْاِثْمِ وَ خَرَجَ الْمُسَلِّمُ مِنَ الْهِجْرَةِ. (رواه ابوداؤد)

(۵۸۸) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کو یہ اجازت نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے مؤمن بھائی سے بات چیت کرنا بند کر دے اگر اس درمیان میں اس کو ملاقات کی نوبت نہ آئے تو اسے چاہیے کہ قصداً اس سے ملاقات کرے اور اس کو سلام کرے اب اگر وہ اس کے سلام کا جواب دے دے تو دونوں ثواب میں شریک ہو گئے ورنہ تو گناہ اسی کے سر رہے گا اور سلام کرنے والا گناہ سے بری الذمہ ہو جائے گا- (ابوداؤد)

(۵۸۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ سِتُّ خِصَالٍ یَعُوْدُهٗ اِذَا مَرِضَ وَ یَشْهَدُهٗ اِذَا مَاتَ وَ یُجِیْبُهٗ اِذَا دَعَاهُ وَ یُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِذَا لَقِیَهٗ وَ یُشَمِّتُهٗ اِذَا عَطَسَ وَ یَنْصَحُ لَهٗ اِذَا غَابَ اَوْ شَهِدَ. (ذکره صاحب المشکوٰة بروایة النسائی)

(۵۸۹) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے، مر جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرے، اگر بلائے تو اس کے یہاں چلا جائے، ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے چھینکے اور الحمدللہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے اور حاضر و غائب یکساں اس کی خیر خواہی کرتا رہے- (نسائی)

توقیر المسلم

مسلمانوں کا اکرام

(۵۹۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی

(۵۹۰) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

---

(۵۸۷) * حدیث میں جزاء من جنس العمل کا ایک بہت بڑا وسیع باب ہے یہ حدیث بھی اسی باب کی ایک جزئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل اور اس کی جزاء میں سورۃً بھی تناسب کی رعایت رکھی جاتی ہے- جیسا انسان عمل کرتا ہے اس کی جزا بھی اسی عمل کے مناسب اس کو دی جاتی ہے-

(۵۹۰) * اسلام میں چھوٹے کا حق شفقت اور بڑے کا تعظیم مقرر کیا گیا ہے رہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو وہ ایک عام اسلامی حق ہے اس میں چھوٹے بڑے کی قید نہیں صرف اسلامی شرکت کافی ہے-

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَ لَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَ يَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (رواه الترمذي و قال هذا حديث غريب)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے چھوٹوں پر رحم نہ کھائے، بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے وہ ہمارے مشرب کا انسان نہیں۔ (رواہ ترمذی)

(۵۹۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا مِنْ اَجْلِ سِنِّهٖ اِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ مَنْ يُكْرِمُهٗ. (رواه الترمذي)

(۵۹۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نوجوان کسی بوڑھے شخص کی صرف اس کے بڑھاپے کی خاطر تعظیم نہیں کرتا، مگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے بھی ایسا شخص مقدر فرما دیتا ہے جو اس کی ضعیفی میں اس کی تعظیم کرتا ہے۔ (ترمذی)

(۵۹۲) عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ اِكْرَامُ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَ حَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَيْرَ الْغَالِيْ فِيْهِ وَ لَا الْجَافِيْ عَنْهُ وَ اِكْرَامُ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. (رواه ابوداؤد و البيهقي في شعب الايمان)

(۵۹۲) ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کی تعظیم کرنا اور ایسے حافظ قرآن کی جو اس میں افراط وتفریط سے کام نہ لے۔ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم کرنے میں شامل ہے اسی طرح اس بادشاہ کی تعظیم کرنا بھی جو منصف ہو۔ (ابوداؤد۔بیہقی)

(۵۹۳) عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَاْتُوْنَهٗ فَمِنْ قَائِلٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعَيْتُ قَبْلَ اَنْ اَطُوْفَ اَوْ اَخَّرْتُ

(۵۹۳) اسامہ بن شریکؓ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لیے آیا تھا (میں نے کیا دیکھا) کہ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں پھر کوئی تو یہ پوچھ رہا ہے کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے یا فلاں کام پہلے کر لیا فلاں بعد میں کر لیا ہے (تو اب مجھے

---

(۵۹۲) * وہ حافظ جو قرآن شریف کے بارے میں اور وہ بادشاہ جو عدل وانصاف میں راہ اعتدال پر قائم ہو خدائے تعالیٰ کی صفت کلام اور اس کی صفت عدل کے خاص مظہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ مسلمان جو خدائے تعالیٰ کی فرماں برداری میں بوڑھا ہو گیا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خاص مورد ہوتا ہے۔ اس لیے ان تینوں کا اکرام حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے اکرام کرنے میں شامل ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بندہ براہ راست خدا تعالیٰ کا اکرام کرنے میں تو فطرۃً پس وپیش نہیں کرتا شیطان کو بھی حق تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے کوئی انحراف نہ تھا ہاں اس کو کچھ تامل ہوتا ہے تو اپنے ہم جنس کے اکرام میں ہوتا ہے۔ اس لیے اس اسلوب بیان میں اس کی فطرت کو اپنے ہم جنس کے اکرام کرنے پر اس طرح ابھارا گیا ہے کہ اس اکرام کو بھی وہ اللہ تعالیٰ ہی کے اکرام میں شمار کرے کیونکہ حافظ کے اکرام میں خدا کے کلام کا اکرام اور منصف بادشاہ کے اکرام میں خدائے تعالیٰ کے خلیفہ عدل کا اکرام ہے۔ رہا بوڑھا مسلمان تو اس میں ایک خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور نیت کی گنجائش ہی نہیں اس تعلیم میں ایک بڑی گہری حکمت یہ ہے کہ جس قوم کے عادل بادشاہ اور اس کے دین کے حاملین اور اس کے کمزور مکرم ومعزز رہ کر زندگی بسر کریں گے۔ وہ قوم کبھی دنیا میں ذلت کی زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ ذلت کی ابتداء ان ہی تین گوشوں سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کچھ نہیں رہتا اس لیے وہ جو حرکت بھی کرتا ہے اسی کے لیے کرتا ہے اسی کا نام مرتبہ احسان ہے۔

شَيْئًا اَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُوْلُ لَا حَرَجَ اِلَّا عَلٰى رَجُلٍ اِقْتَرَضَ عِرْضَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَ هُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِكَ الَّذِيْ حَرِجَ وَ هَلَكَ. (رواہ ابو داؤد)

کیا کرنا چاہیے) آپؐ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں- اس میں بھی کچھ حرج نہیں- حرج تو بس اس میں ہے کہ ظلم کی راہ سے اپنے ایک مسلمان بھائی کی آبروریزی کرے- یہ ہے وہ شخص جو حرج میں پڑ گیا اور ہلاک ہوگیا- (بخاری شریف)

(۵۹۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَ لَا يَخْذُلُهٗ وَ لَا يَحْقِرُهٗ. اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَ يُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ بِحَسْبِ امْرَءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَ مَالُهٗ وَ عِرْضُهٗ. (رواہ مسلم)

(۵۹۴) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان سب بھائی بھائی ہیں- ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر نہ ظلم کر سکتا ہے نہ بروقت اس کی امداد سے دست کش ہوسکتا ہے اور نہ اس کی تحقیر کرسکتا ہے- اس کے بعد آپؐ نے سینہ کی طرف تین بار اشارہ کرکے فرمایا (کہ تقویٰ صرف ظاہری افعال میں منحصر نہیں) اصل تقویٰ یہاں ہے (اس لیے دل کا حال بھی دیکھنا چاہیے) برائی کے لیے بس اتنی ہی بات بہت کافی ہے کہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو ذلیل اور حقیر سمجھے (یادرکھو) کہ ہر مسلمان پورا کا پورا قابل احترام ہوتا ہے اس کی جان بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی- (مسلم)

---

(۵۹۴) * یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہیے کہ خدائے تعالیٰ کی نظر میں عزت و احترام صرف ایک اللہ اور اس کے رسول یا پھر مسلمان کا حق ہے اس کی جان ہی کا نہیں بلکہ اس کی آبرو اور اس کے مال کا بھی جو شخص اس کے خلاف ایک قدم بھی اٹھاتا ہے وہ معمولی مجرم نہیں بلکہ ایک شرعی نصب العین کا مخالف ہے حتیٰ کہ ترمذی اور نسائی کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان کی جان اتنی قیمتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں تمام دنیا کا فناء ہوجانا بھی معمولی بات ہے- ابوسعید خدری اور ابو ہریرہؓ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے- یہ ایک احمقانہ خیال ہے کہ اسلام پستی و ذلت کی تعلیم دیتا ہے- یہاں نرمی و تواضع اور تکبر و ذلت کے مابین فرق نہیں کیا گیا- اب اگر کسی فرقہ کے طرز عمل سے تم کو یہ شبہ ہوگیا ہے تو اس کی ذمہ داری اسلام پر نہیں اس پر ہے اور اگر عزت کے مفہوم سمجھنے میں تم ہی نے غلطی کھائی ہے تو پھر اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی' عزت وہ نہیں جو دنیا کی کسی سربرآوردہ قوم کی نظروں میں عزت شمار ہوجائے بلکہ دراصل عزت وہ صحیح اخلاق و ملکات ہیں جو انسان کی علمی و عملی قوت کے ثمرات ہوسکتے ہیں ان ہی سے انسان کے ظاہر و باطن کو عزت حاصل ہوسکتی ہے اور یہی اسلام کی نظر میں بھی عزت کا موجب ہیں صرف کسی متغلب قوم کے آداب و معاشرت اختیار کرلینے کا نام عزت نہیں ہے- سوچو کہ قومی سربلندی کے لیے اس سے بڑھ کر سبق اور کیا ہوسکتا ہے کہ تحقیر مسلم کو مذہب کی سب سے سخت دفعہ قرار دے دیا جائے- حقیقت یہ ہے کہ جس قوم میں باہم ایک دوسرے کی عزت کرنے کی عادت نہیں ہوتی وہ دوسروں کی نظروں میں کبھی معزز نہیں ہوسکتی اس لیے اسلام یہ تاکید کرتا ہے کہ تم باہم ایک دوسرے کی عزت کرنا اپنا اولین فرض سمجھو تا کہ خود بخود دنیا کی نظروں میں معزز بن جاؤ- رہبانیت کا دور ختم ہوا' یہ دین محمدی کا دور ہے اب تم میں حاکمیت اور عزت کے جذبات پیدا ہوجانے چاہئیں- خود باعزت بنو اور دنیا کو عزت کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دو تا کہ دنیا کی خلقت کا مقصد پورا ہو اور خدا کی دی ہوئی عزت سے تمام جہان معزز بن جائے-

(۵۹۵) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَاعِدًا فَتَزَحْزَحَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فِي الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا رَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ يَتَزَحْزَحَ لَهُ.

(۵۹۵) واثلۃ بن الخطاب روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے آپ نے اس کے احترام میں اپنی جگہ سے کچھ حرکت کی وہ بولا یا رسول اللہ (آپ تکلیف نہ فرمائیے) صف میں کافی گنجائش ہے- آپ نے فرمایا (میرا حرکت کرنا جگہ کی تنگی کی وجہ سے نہیں) بلکہ مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ جب کوئی مسلمان بھائی اس کے پاس آئے تو اس کے احترام میں وہ تھوڑی سی حرکت کر جائے- (بیہقی)

(۵۹۶) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَرْبَى الرِّبٰو الْاِسْتِطَالَةُ فِيْ عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ. (رواه ابوداؤد والبيهقي في شعب الايمان)

(۵۹۶) سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک سود تو تم جانتے ہی ہو لیکن) سب سے بدتر سود مسلمان کی عزت برباد کرنے میں ناحق زبان چلانا ہے- (ابوداؤد و بیہقی)

(۵۹۷) عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ يَعْنِيْ مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ.
(رواه الترمذي و قال هذا حديث غريب و ليس اسناده بمتصل لان خالدا لم يدرك معاذ بن جبل)

(۵۹۷) خالد بن معدان معاذ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی بری حرکت پر عار دلائی تو وہ اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا جب تک کہ اسی حرکت کو خود بھی نہ کرے- راوی اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہاں اس حرکت پر عار دلانا مراد ہے جسے وہ غلطی سے کرگزرا تھا اور اس پر اظہارِ ندامت اور توبہ بھی کر چکا تھا (توبہ کے بعد اب پھر عار دلانا اخوتِ اسلامی کے خلاف ہے)- (ترمذی)

---

(۵۹۵) ❋ انبیاء علیہم السلام کا طریق تعلیم سب عملی ہوتا ہے صرف زبانی نہیں ہوتا خلاصہ یہ ہے کہ اکرام مسلم اسلام کی سب سے اہم تعلیم ہے، اب بادشاہ و رعایا والد و مولود بھائی بھائی اور اجنبی سے اجنبی کے ساتھ اکرام کے طور و طریق کیا ہیں اس کے لیے مفصل ابواب کو دیکھنا چاہیے-

(۵۹۶) ❋ اس اسلوبِ بیان میں ایک طرف مسلمان کی آبرو کی حفاظت کی ترغیب دینا تو ظاہر و باہر مضمون ہے دوسری طرف اس کی آبرو ریزی کو سود سے تشبیہ دے کر سود کی حرمت کو پورے طور پر ذہن نشین کرنا بھی ایک اہم مقصد ہے- گویا دین میں یہ ایسی قابل نفرت چیز ہے کہ جب کسی بات سے روکنا منظور ہو تو اس سے ممانعت کے لیے جو سب سے قابل نفرت مثال ہو سکتی ہے وہ سود کی ہے-

(۵۹۷) ❋ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں پر جب ندامت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے پیش قدمی کر کے فرمایا ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ﴾ (یوسف : ۹۳) خدا تمہیں معاف کرے اب میں تمہیں ملامت کرنا نہیں چاہتا- اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب غلام پر حد جاری کر دی جائے تو اس کے بعد (ولا یثرب) اب اس کو ملامت نہ کرو' اس حدیث کی شرح اور طرح بھی کی گئی ہے- ...

(۵۹۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِىْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَ مَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. (رواہ ابوداؤد)

(۵۹۸) معاذ بن انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مؤمن کو کسی منافق کی نکتہ چینی سے بچالیا اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا کہ وہ قیامت میں اس کے گوشت کو آتش دوزخ سے بچائے گا اور جس نے کسی مسلمان پر عیب لگانے کے لیے کوئی تہمت رکھی اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں جانے نہیں دے گا اور پل صراط پر روکے رکھے گا جب تک کہ وہ اس کی سزا نہ بھگت لے۔ (ابوداؤد)

(۵۹۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَ لَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَ لَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَ مَنْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَ لَوْ فِىْ جَوْفِ رَحْلِهٖ. (رواہ الترمذی)

(۵۹۹) ابن عمر روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا اے وہ جماعت جن کا اسلام صرف زبانوں پر ہے اور ابھی دلوں میں نہیں اترا (دیکھو) مسلمانوں کو تکلیف نہ دو' ان کو عار نہ دلاؤ' اور ان کے عیب جوئی کے درپے نہ ہو کیونکہ جو شخص اپنے بھائی کی عیب جوئی کے درپے ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا اور (یہ ظاہر ہے) کہ جس کی عیب جوئی کے خدا درپے ہوگا پھر (وہ کہاں چھپ سکتا ہے) وہ اس کو رسوا کر کے چھوڑے گا اگر چہ وہ اپنے گھر کے اندر گھس کر کیوں نہ بیٹھ رہے۔ (ترمذی)

لہ ..... خلاصہ یہ کہ توبہ کے بعد اس گناہ پر عار دلانے کا ہمیں کیا حق ہے جب کہ صاحب حق ہی اس سے درگذر کر چکا پھر نفسیاتی لحاظ سے اس کا اثر ایک مجرم کی نظر میں اس کے جرم کی اہمیت کو کم کرنا ہے اور اپنے حق میں بد خلقی کا ثبوت ہے شریعت چاہتی ہے کہ تم بار بار عار دلا کر اس کو بے غیرت نہ بناؤ اور جب مقصد حاصل ہو چکا تو اب اس فضول تذکرہ سے اپنی بد اخلاقی کا ثبوت بھی نہ دو۔

(۵۹۸) * احادیث سے ثابت ہے کہ پل صراط سے گذر کر جنت سے قبل ایک مختصر پل اور ہے اس پر کچھ لوگوں کو روک لیا جائے گا اور جو سزا اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کے لیے مقدر ہے یہاں اس کو بھگتا کر جنت میں داخلہ کی اجازت دی جائے گی اہل جنت کو بھی باہم قلوب کی رنجشیں یہاں صاف کر لینی ہوں گی اسی لیے دنیا میں صاف سینہ رہنا بہت مفید ہے۔ باہمی عداوت کے نتیجہ میں جنت سے نکلنا ہوا تھا اسی عیب کو پھر ساتھ لے کر جانا کیسے ہو سکتا ہے۔ ﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ (طٰہٰ : ۱۲۳)

(۵۹۹) * انسان کمزوریوں کا مجموعہ ہے ایسا کون بشر ہے جس کے احوال کا تفقد کیا جائے تو اس میں کوئی نہ کوئی عیب اور خامی نہ نکل آئے اس لیے شریعت نے اس عادت ہی کو مذموم قرار دیا ہے پس اگر کسی شریف الطبع انسان سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس سے چشم پوشی کر لینی چاہیے لیکن اگر کوئی بد طینت دن دہاڑے بے حیائی کا عادی ہو چکا ہے تو اس کے لیے سنت ستر نہیں ہے اس کے جرم سے چشم پوشی کرنا خود جرم ہے اس کا معاملہ حکومت تک پہنچا دینا چاہیے تاکہ وہ اس کی مناسب پاداش کو پہنچ جائے حدیث کے لفظ ''اتباع عورت'' اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ قابل مذمت بات یہ ہے کہ کسی کو رسوا کرنے کے لیے اس کے عیوب کے پیچھے لگ جانا کھلے ہوئے مجرم کا معاملہ بالکل جداگانہ ہے مجرم کسی حرمت کا مستحق نہیں۔

(۶۰۰) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اِمْرَأٍ مُسْلِمٍ يَخْذُلُ اِمْرَأً مُسْلِمًا فِيْ مَوْضِعٍ يُنْتَهَكُ فِيْهِ حُرْمَتُهُ وَ يُنْتَقَصُ فِيْهِ مِنْ عِرْضِهِ اِلَّا خَذَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيْهِ نُصْرَتَهُ وَمَا مِنْ اِمْرَأٍ مُسْلِمٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِيْ مَوْضِعٍ يُنْتَقَصُ مِنْ عِرْضِهِ وَ يُنْتَهَكُ فِيْهِ مِنْ حُرْمَتِهِ اِلَّا نَصَرَهُ اللّٰهُ فِيْ مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيْهِ نُصْرَتَهُ.

(رواہ ابوداؤد)

(۶۰۰) جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کی امداد کرنے سے ایسے موقعہ پر بیٹھ جاتا ہے جہاں اس کی عزت کی دھجیاں اڑائی جارہی ہوں اوراس کی آبروریزی کی جارہی ہوتو اللہ تعالیٰ بھی ایسے (نازک) مقام پر اس کی اعانت اور نصرت ترک کردیتا ہے جہاں یہ چاہتا ہو کہ کوئی شخص اس کی طرف سے جواب کے لیے کھڑا ہو جاتا اور جو مسلمان کسی مسلمان کی مدد کرنے کے لیے ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے جہاں اس کی آبروریزی کی جارہی ہو اوراس کی مٹی خراب کی جارہی ہوتو اللہ تعالیٰ بھی ایسے مقام پر اس کی نصرت و مدد فرماتا ہے۔ جہاں یہ چاہتا ہو کہ کوئی اس کی نصرت و مدد کردیتا۔ (ابوداؤد)

(۶۰۱) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارَجَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ.

(رواہ فی شرح السنہ)

(۶۰۱) ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان بھائی کی آبرو کی حفاظت کے لیے جواب دہی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن وہ آتش دوزخ سے اس کی حفاظت کرے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ کہ مؤمنین کی مدد کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے۔ (شرح السنہ)

---

(۶۰۱) * ان جملہ حدیثوں سے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب سے بڑا حق یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ حاضر و غائب اس کی آبرو و عزت کا نگران بنا رہے جس دن سے مسلمانوں نے اس سبق کو فراموش کیا ہے ان کی حالت دن بدن زبوں ہوتی چلی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تعلیماتِ اسلامی پر صحیح صحیح عمل پیرا ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

❁ ❁ ❁

الاشراک باللّٰہ تعالٰی و اقسامہ

شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام

دین اسلام کے بدیہی مسلمات کو دل سے ماننا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ایمان ہے اور ان بدیہی مسلمات میں کسی ایک بات کے انکار کا نام کفر ہے پس ایمان کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ دین کے تمام بدیہی مسلمات قلب و زبان سے مان لیے جائیں اور کفر کی صورتیں بہت ہیں۔ لیکن دین کی بدیہیات میں سے اگر کسی ایک بات کا بھی انکار کر دیا جائے خواہ بقیہ سب کا اقرار موجود رہے تو بھی کفر عائد ہو جاتا ہے اس کی مثال ترازو کے دو پلوں کی سی ہے کہ ان کے اعتدال کی صرف ایک ہی صورت ہوتی ہے اور اختلاف کی بہت عجب نہیں کہ عالم میں مؤمنوں کی قلت اور کافروں کی کثرت کا ایک راز یہ بھی ہو ورنہ بظاہر عالم میں مومنوں کی تعداد کافروں سے زیادہ ہونی مناسب تھی۔ پھر علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ کفر صرف قول ہی کے ساتھ خاص نہیں بعض افعال بھی موجب کفر ہو سکتے ہیں۔ جو خاص خاص افعال انسان کے قلبی کفر کے صریح ترجمان سمجھے گئے ہیں ان کے صدور کے بعد زبانی انکار کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا صدور ہی کفر کی مستقل دلیل ہے۔ اسی لیے ہمارے فقہاء ایسے افعال کے صدور سے بھی کفر کا حکم لگا دیتے ہیں۔ بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جو قلبی کفر کی گو صریح دلیل تو نہیں ہوتے مگر وہ صریح کافروں کے افعال سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے افعال پر فقیہ تو کفر کا حکم نہیں لگاتا مگر حدیث ان پر بھی کفر کا اطلاق کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام احادیث کا اسلوب بیان صرف وہ نہیں جو ایک آئینی کتاب کا ہوتا ہے بلکہ ان میں اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام گفتگو کا مجموعہ بھی ہیں اس لیے ان کا اسلوب بیان بھی وہی ہے جو عام گفتگو کا ہوا کرتا ہے۔ اس میں ترغیب و ترہیب کے موقعہ پر تمام شروط و قیود کا استیفاء نہیں ہوتا بلکہ ایسی تعبیرات اختیار کی جاتی ہیں جو متکلم کے مقصد پر عمل پیرا ہونے کے لیے زیادہ سے زیادہ محرک ہوں۔ حضرت شاہ اسمٰعیلؒ نے انبیاء علیہم السلام کے اظہار دعوت کے ذیل میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہت زیادہ قابل قدر تحقیق ہے۔ اس میں نبی کی طرز دعوت کی بڑی تفصیل کی ہے اور خوب سمجھایا ہے کہ ان کے کلام کا اسلوب بیان کیا ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے سمجھنے کا اسلوب کیا ہونا چاہیے۔ (دیکھو منصب امامت ص ۳۰)

حدیث و قرآن میں کفر کا اطلاق کچھ لغت کے قریب قریب ہے۔ کفر لغت میں حق ناشناسی کو کہتے ہیں اس لیے جہاں جہاں حق شناسی کی زیادہ ضرورت ہے اگر وہاں اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے تو حدیث ایسی حق ناشناسی کو کفر کہہ دیتی ہے۔ مثلاً ایک بی بی اگر اپنے شوہر کے احسانات کا حق نہیں پہچانتی تو وہ بھی بے شبہ بڑی حق ناشناسی کی مرتکب ہے اس لیے اس کو بھی حدیث میں کفر کہا گیا ہے اسی طرح ایک غلام اگر اپنے آقا سے منہ موڑ کر بھاگ جاتا ہے تو اس کی حق ناشناسی بھی کفر سے تعبیر کی گئی ہے اور سب سے بڑی حق ناشناسی یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ حقیقی سے منہ پھیر کر بھاگ جائے۔ بارش وہ برسائے یہ ستاروں کا شکر گذار ہو تمام بزرگیوں اور عظمتوں کا مرکز تو اس کی ذات ہو اور یہ دوسروں کی جبہہ سائی میں مستغرق ہو ان کی ناموں کی قسمیں اٹھائے اور ان کے ناموں کے جانور ذبح کرے۔ تمام نفع و نقصان کا مالک تو وہ ہو اور یہ مصیبتوں میں اس کی بنائی ہوئی مخلوق کو

پکارے ان ہی سے مرادیں مانگے اور اپنی رغبت و رہبت کا اصل رشتہ ان ہی کے ساتھ قائم رکھے- اس قسم کی تمام باتیں حدیث و قرآن میں کفر کے ذیل میں آ جاتی ہیں خواہ ان میں نیت کچھ رہے اس تحقیق کی بنا پر کفر کی بہت سی اقسام اسلام وایمان کے ساتھ بھی جمع ہوسکتی ہیں- لیکن ہمارے فقہاء صرف اسی قسم کے کفر سے بحث کرتے ہیں جس سے ایک انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اس لیے ان کے نزدیک اسلام اور کفر کی کوئی قسم قابل اجتماع نہیں-

اس کے علاوہ حدیثوں میں ایسے افعال جو کافروں میں بہ نیت شرک وکفر کیے جاتے تھے مطلقاً کفر ہی کے افعال سمجھے گئے ہیں خواہ ان میں اس درجہ کی فاسد نیت نہ ہو- جن افعال کا قالب اتنا خطرناک ہو کہ ان میں صریح کفر کی اتنی قریب استعداد موجود ہو کہ ذرا غفلت کرنے سے وہ کھلا کفر وشرک بن جائیں- شریعت ان میں منطقی تحلیل کرنی پسند نہیں کرتی بلکہ ان کو بھی کفر ہی کے ذیل میں شمار کر لیتی ہے- اس اختلاف نظر اور اختلاف اسلوب کی وجہ سے فقیہ مزاج اس قسم کی بہت سی حدیثوں میں تاویل کرتا نظر آتا ہے- ناواقف یہ دیکھ کر سمجھتا ہے کہ شاید یہاں درحقیقت مسئلہ کا کوئی اختلاف ہوگا' حالانکہ یہاں مسئلہ کا کوئی اختلاف نہیں ہوتا اپنے اپنے موضوع فن کے لحاظ سے صرف اختلاف نظر اور طریقہ تعبیر کا اختلاف ہوتا ہے- مثلاً وہ محدث جو ایک ناشکر بی بی کی ناشکری پر کفر کا اطلاق کر دیتا ہے اگر آپ اس سے پوچھیں کہ کیا یہ عورت دائرۂ اسلام سے خارج ہوگئی تو اس کے جواب میں وہ آپ کو ٹھیک ایک فقیہ کے ہم آہنگ نظر آئے گا اور جواب نفی ہی میں دے گا- اسی طرح محدث کے نزدیک ایک مسلمان میں کفر کی باتیں پائی جا سکتی ہیں مگر اس کے باوجود اس کو کافر نہ کہا جائے گا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ اس مسلمان میں یہ خصلت کفر کی ہے اسی طرح ایک کافر میں اسلام کے شعبے پائے جاسکتے ہیں مگر صرف ان شعبوں کی وجہ سے اس کو مسلمان نہ کہا جائے گا- ہاں یہ کہا جائے گا کہ اس کافر کے بہت سے کام اسلام کے ہیں- محدث کے نزدیک اسلام اور کفر علیحدہ علیحدہ عقائد اور اعمال کا ایک ایک مجموعہ ہیں- اس مجموعہ میں بہت سے اجزاء ہیں اور یہ اجزاء بیش وکم ہوتے رہتے ہیں بلکہ کبھی اسلام کے اجزاء کافر میں اور کفر کے مسلمان میں بھی پائے جاتے ہیں مگر نہ صرف ان اجزاء کے ہونے سے ایک کافر مسلمان بنتا ہے اور نہ کوئی مسلمان کافر- ہاں ان کی یہ دو زندگیاں ضرور کافر یا مسلمان کی زندگیوں کے مشابہ بن جاتی ہیں- البتہ جب ان اجزاء میں اشتراک ہوتے ہوتے عقائد میں بھی اشتراک کی نوبت آ جاتی ہے- تو اس مرحلہ پر پہنچ کر اسلام وکفر کی سرحدیں پھٹ جاتی ہیں اب یا کافر ٹھیٹ مسلمان کہلانے لگتا ہے اور یا مسلمان پر صاف ارتداد کا حکم لگا دیا جاتا ہے- فقیہ کے زیر بحث کفر و اسلام کا صرف وہی ایک نقطہ ہوتا ہے جس میں کفر و اسلام کے مابین اشتراک کا کوئی احتمال نہیں ہوتا کیونکہ جس جزء کے لحاظ سے احکام دنیا میں فرق پیدا ہوتا ہے وہ یہی ایک نقطہ ہوتا ہے- بقیہ اجزاء اگر مسلمان یا کافر میں کم وبیش ہوتے رہیں تو ان سے احکام دنیا میں کوئی تفاوت نہیں پڑتا یعنی مسلمان پر اسلام کے اور کافر پر کفر ہی کے احکام چلتے رہتے ہیں- علاوہ ازیں محدث کی نظر میں صرف دنیوی احکام نہیں ہوتے وہ بارگاہ خداوندی کی پسندیدگی' ناپسندیدگی اور جنت کے مراتب پر بھی حاوی ہوتی ہے- اس لیے جن اجزاء سے اس بارے کوئی تفاوت پیدا ہوسکتا ہے وہ بھی دنیوی احکام کی طرح اس کے زاویہ نظر میں داخل رہتے ہیں-

اس کی نظر میں مسلمان وکافر کی دو زندگیاں بالکل جداگانہ ہیں- عبادات ہی میں نہیں بلکہ باہم معاشرت کے ایک ایک جزء

میں بھی - اس لیے وہ کبھی ایک مسلمان میں کافر کی زندگی کے مشابہت دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا خواہ دنیوی احکام کے لحاظ سے اس کا حکم کچھ بھی رہے - اگر فقیہ بھی ان حدیثوں کو محدثانہ نقطہ نظر سے دیکھے تو وہ بھی ان میں کبھی تاویل نہیں کرے گا اور اگر یہاں ایک محدث فقیہ کی جگہ آ جائے تو وہ بھی وہی رنگ اختیار کر لے گا جو یہاں ایک فقیہ اختیار کرتا پس ان دونوں فرقوں کے مابین مسئلہ کا کوئی اختلاف نہیں' ان میں اختلاف صرف تعبیرات اور اپنے اپنے موضوع فن کا ہے-

اس تحقیق کے بعد اب یہ غلط فہمی نہ رہنی چاہیے کہ فلاں کافر سے جب کہ بہت سے نیک کام سرزد ہوتے ہیں بلکہ بعض مرتبہ ایسے اچھے اچھے کام صادر ہوتے ہیں جو مسلمانوں سے بھی صادر نہیں ہوتے تو پھر ایسے انسان کو کافر کیسے کہا جا سکتا ہے- حقیقت یہ ہے کہ جتنے اچھے کام ہیں بلاشبہ وہ اچھے ہی کام ہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ بعض مرتبہ وہ اسلام کے شعبے بھی ہوں مگر سوال یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد کے بغیر کیا صرف ان شعبوں کے وجود سے کسی پر اسلام کا حکم لگایا جا سکتا ہے اس کے برعکس بعض مسلمانوں میں کافروں سے بدتر زشت کاریاں نظر آتی ہیں مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ کیا وہ مرحلہ بھی آ گیا ہے جس کے بعد ایک شخص حریم اسلام سے حتمی طور پر باہر ہو جاتا ہے- اگر ایسا نہیں ہے تو ان تمام زشت کاریوں کے باوصف اس کو مسلمان ہی کہا جائے گا- اگر چہ اس کا یہ اسلام کتنا ہی ناقص ہو مگر اس کو ہرگز کافر نہیں کہا جا سکتا - یہ اختلاف نظر تو وہ تھا جو علمی دائرہ میں داخل تھا - اس سے آگے چل کر اختلاف جذبات و مذاق کا نمبر آتا ہے- ایک دور وہ تھا جب کہ ہمارا اسلامی مذاق اتنا بلند تھا کہ حنظلہؓ جیسے صحابی کو اپنے نفس کے متعلق نفاق کا شبہ ہونے لگتا تھا اور ان کو اتنا مضطرب بنا دیتا تھا کہ اس کی شکایت دربار نبوت تک میں پیش کرنے کی نوبت آ جاتی تھی اور ایک دور انحطاط یہ ہے جب کہ ہمارا اسلامی مذاق اتنا گر چکا ہے کہ اس میں عقائد کی کوئی بحث ہی باقی نہیں رہی ایک شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خواہ کتنا ہی گندا ہو' اس کی ذات وصفات سے وہ کتنا ہی جاہل ہو' رسول کے مقام رفیع سے وہ کتنا ہی ناواقف ہو' عالم غیب اور اس کے ایک ایک جزء کا وہ کتنا ہی منکر ہو' اور اعمال شرعیہ کی ادائیگی میں وہ کتنا ہی مقصر ہو' نماز کے قریب نہ جاتا ہو' ساغر سے مے منہ سے جدا نہ کرتا ہو' مگر منصف ہو' ہمدرد ہو' متواضع ہو' ایثار پیشہ ہو اور نوع انسانی کا خادم کہلاتا ہو وہ ایک پکا مسلمان کہلا سکتا ہے بلکہ اس کا یہ اسلام ایک پکے مسلمان سے کہیں زیادہ ارفع واعلیٰ سمجھا جا سکتا ہے- حضرت حذیفہؓ کی ایک صحیح حدیث میں اس دور کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے-

و یقال للرجل ما اعقله و ما اظرفه و ما اجلده و ما فی قلبه حبة خردل من ایمان.	یعنی ایک زمانہ آئے گا جب کہ آدمی کی تعریف صرف اس پر ہوا کرے گی کہ وہ کتنا بڑا عاقل' کیسا خوش مزاج اور کتنا قوی و بہادر ہے لیکن اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا پتہ نہ ہوگا-

یہ اسی دور انحطاط کی طرف اشارہ ہے اس لیے جو حدیثیں صحابہؓ کے ارفع واعلیٰ مذاق پر آئی ہیں وہ بھی ہمارے دور میں قابل تاویل نظر آنے لگی ہیں ان کی تاویل کرنی بھی غلط ہے- اگر آج ہمارا مذاق پھر اتنا ہی بلند ہو جائے تو ہم بھی وہی تعبیرات اختیار کر لیں گے جو صحابہؓ نے کیں تھیں- خلاصہ یہ کہ محدثین وفقہاء کے اختلاف نظر یا ہمارے اور سلف کے اختلاف مذاق کی وجہ سے جو حدیثیں زیر بحث آ گئی ہیں ان میں اصل مقصد کا اختلاف نہیں ہے وہ سب ایک ہی اصول کے ماتحت ہیں- ان میں کسی قسم کا

اختلاف سمجھنا خلاف واقع ہے۔

یوں تو کفر کی ہر قسم انسانیت کے لیے سب سے بدنما داغ ہے لیکن اس کی جو قسم سب سے بدتر ہے وہ شرک ہے یعنی خدا تعالیٰ کی ذات' اس کی صفات' اس کی عبادت اور اس کی حدود عظمت میں کسی اور کو شریک بنالینا قرآن وحدیث اس کا اعلان کرتے ہیں کہ قدرت نے ہر انسان کی فطرت شرک کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک وصاف بنائی ہے اس کو اس قسم کی نجاستوں سے ملوث کرنے کا مجرم یا تو وہ خود ہے یا اس کے والدین ہیں۔ پروردگار عالم نے تخلیق عالم سے پہلے یہ طے کر دیا ہے کہ اس کی بارگاہ میں ہر کوتاہی و لغزش قابل معافی ہو سکتی ہے مگر کفر و شرک کا جرم ہرگز قابل معافی نہیں ہوگا۔ اس کی سزا اس کو ضرور بھگتنی ہوگی اور خدائے تعالیٰ کی پاک جنت میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی۔

(۱) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءَ. (النساء:۱۱۶) — بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے' ہاں اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا۔

(۲) اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰهُ النَّارُ. (سورۃ المائدہ : ۷۲) — بیشک جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا سو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کی اور اس کا ٹھکانا دوزخ رہے گا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے حق میں شفاعت کی اجازت بھی نہ ہوگی۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ شرک خدائے تعالیٰ پر سب سے بڑا افتراء سب سے بڑھ کر بے دلیل بات اور نفس انسانی کے لیے ایک ابدی موت ہے جو روح قالب انسانی جیسے اشرف قالب میں بھی شرک کرنے سے نہیں شرمائی وہ اس قابل نہیں ہے کہ قفس عنصری سے آزادی کے بعد اس کو کوئی عروج میسر ہو۔ اب وہ ذلتوں کی تاریک گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ گرتی ہی چلی جائے گی۔ اسی لیے قرآن عزیز میں مشرک کی مثال ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ. (الحج: ۳۱) — اور جو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے تو اس کا حال ایسا ہے جیسا وہ آسمان پر سے گرا پھر یا تو اس کو پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا اس کو کسی دور جگہ لے جا کر ڈال دے۔

شرک انسانی فطرت سے سعادت کا تخم جڑ سے فنا کر دیتا ہے اور اس کی روحانی ترقی کی تمام استعدادیں باطل کر دیتا ہے شدہ شدہ اس کی فطرت کا یہ استعدادی فقدان اس کے حواسِ ظاہرہ کو بھی اتنا متاثر کر دیتا ہے کہ وہ پوری صحت و سلامتی کے باوجود اپنے فطری احساس سے بھی یکسر معری اور معطل ہو کر رہ جاتے ہیں اسی کو قرآن کریم نے یوں ادا فرمایا ہے۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ـــ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ. (الاعراف : ۱۷۹) — ان کے دل ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں' ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ یہی لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے ہوئے۔

چونکہ ان کے حواس ظاہرہ کا یہ تعطل ان کے قلبی استعداد کے فقدان سے شروع ہوتا ہے اسی لیے آیت بالا میں سب سے پہلے ان کی قلبی موت اور قلبی بے حسی کو ذکر کیا گیا ہے۔ جب کسی کے ظاہری اور باطنی حواس اس طور پر معطل ہو جاتے ہیں تو اب اس سے عالم قدس کی طرف طیران کی کوئی توقع باقی نہیں رہتی اسی کو ختم اور قلبی مہر سے تعبیر کیا گیا ہے اسی حقیقت کو ذیل کی آیت میں ادا فرمایا گیا ہے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ. (البقرہ:۱۸) وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اور اندھے ہیں سو وہ ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ تحریر فرماتے ہیں اگر راہ گیر کے کان ہوں تو وہ کسی کے بتائے سے راستہ پر آ سکتا ہے اگر منہ میں زبان ہو تو وہ از خود پوچھ سکتا ہے۔ اور اگر اس کی آنکھیں ہوں تو خود راستہ دیکھ بھی سکتا ہے لیکن جس کے یہ تمام حواس بیکار ہو چکے ہوں اس کے لیے راہ یاب ہونے کی کیا صورت ہے اس کے لیے تو یہی ایک صورت ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے اسفل السافلین میں جا پڑے اور ان حیوانات سے بھی نیچے کے طبقے میں چلا جائے' جن کے حواس اپنے آقا کی شناخت میں اس درجہ تو معطل نہیں ہوتے۔

حافظ ابن قیمؒ نے شرک پر ایک بسیط مقالہ سپرد قلم کیا ہے مختصر لفظوں میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرک کی اصل حقیقت' کسی مخلوق کو خالق کے مشابہ بنا دینا یا اپنے نفس کو خالق کے مشابہ سمجھ لینا ہے۔ یہ مشابہت ان صفات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جو خدائے قدوس کی خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں۔ مثلاً اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نفع و نقصان اور عطاء و منع کا مالک وہی ہے۔ اس خصوصیت کو قرآن کریم میں جگہ جگہ نمایاں کیا گیا ہے اور مشرکین کو یہی الزام دیا گیا ہے کہ جب تمہارے معبود اس خصوصیت کے حامل نہیں تو تم نے کیوں کر ان کو خدا کا شریک تسلیم کر لیا ہے۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا. (مائدہ : ۷۶)	آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے برے کا مالک ہو نہ نفع کا۔
قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا. (بنی اسرائیل : ۵٦)	آپ کہہ دیجئے جن کو تم اللہ کی ذات پاک کے سوا معبود سمجھتے ہو ان کو پکارو تو سہی وہ نہ تو تمہاری کوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بدلنے کی قدرت رکھتے ہیں۔
وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ. (یونس : ۱۰٦)	اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کو نہ پکارو جو نہ تم کو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔
قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ. (الانعام : ٦٤)	آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی تم کو اس سے اور ہر سختی سے بچاتا ہے اس پر بھی تم شرک کرتے ہو۔

ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ مصیبتوں میں اسی کو پکارا جائے' خوف و رجا کا تعلق اسی کی ذات کے ساتھ رکھا جائے اور اسی کی ایک ذات وحدہ لاشریک پر بھروسہ کیا جائے۔

خدائے تعالیٰ کی ایک اور خصوصی صفت اس کے سامنے اظہار بندگی بھی ہے۔ عبودیت اور بندگی کی حقیقت دو چیزیں ہیں

انتہائی محبت اور انتہائی عجز و نیاز۔ اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ اسی کو سجدہ کیا جائے' اسی کے نام کی قسم کھائی جائے اور اسی کی ذات پر بھروسہ کیا جائے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات وہ ہے جو ہر پہلو سے کامل ہی کامل ہو اور اس میں عیب و نقصان کا کوئی شائبہ نہ ہو اس لیے انتہائی محبت اور انتہائی عجز و نیاز بھی اسی کا حق ہو سکتا ہے اسی کا نام عبادت ہے۔ نہ اس کمال میں اس کا کوئی شریک ہے نہ عبادت میں اس کا کوئی اور شریک ہونا چاہیے۔ اب اگر کوئی شخص مذکورہ بالا امور میں کسی مخلوق کو اس کا شریک ٹھہراتا ہے تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ وہ اس میں اس کی الوہیت کی صفت بھی تسلیم کرتا ہے۔ شرک کی یہ صورت تو مخلوق کو خالق کے ساتھ مشابہ بنانے کی تھی۔ اب خود خالق کے مشابہ بننے کی صورت یہ ہے کہ غرور و تکبر کی وجہ سے لوگوں سے اپنی مدح سرائی کا طلبگار رہے' اس کا خواہش مند ہو کہ وہ اس سے خوف کھائیں' اس سے امیدیں وابستہ رکھیں' اور اسی کو مشکلات میں اپنا مرجع و ماویٰ سمجھیں۔ یہ تو خاص الوہیت کی خصوصیات میں تشبیہ یا تشبہ کی صورتیں تھیں۔ خدائے قدوس کی بارگاہ بلند میں تو رسمی تشبہ کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اسی بنا پر حدیثوں میں ملک الاملاک (شاہان شاہ) نام رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ (الجواب الکافی ص۱۸۲ تا ۱۸۴)

شرک کی انواع و اقسام اور عالم کے مختلف فرقوں پر اگر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو ہمارا مضمون بہت طویل ہو جائے گا اس لیے ہم یہاں صرف اس مختصر بیان پر کفایت کرتے ہیں جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عالم کے مشہور فرقے یہ ہیں۔

ثنویہ: یہ دو خالق مانتا تھا ایک خیر کا خالق دوسرا شر کا۔ اس کے سوا کوئی فرقہ خدا تعالیٰ کی ذات میں شرکت کا قائل نہ تھا۔ البتہ شرک کی اور بہت سی مختلف صورتوں میں گرفتار تھا۔

صابئیہ: ان کا عقیدہ تھا کہ خدائے تعالیٰ کی خاص صفات جیسے صفت وجوب' قدرت اور علم و حکمت میں اگرچہ اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں مگر چونکہ اسی نے عالم کا نظم و نسق ارواح کواکب کے حوالہ کر دیا ہے اس لیے تعظیم و تکریم اور عبودیت و نیاز کے جتنے آداب ہیں وہ سب ان ہی کے سامنے ادا کرنے چاہئیں۔ اس فرقے کی مفصل تحقیق ابوبکر رازیؒ نے جن کو جصاص بھی کہا جاتا ہے احکام القرآن میں بیان فرمائی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے صابئین اور اہل اسلام کی عبادت میں ایک اہم فرق پر تنبیہ کی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ گروہ کواکب اور ملائکہ کی عبادت میں مبتلا تھا اور ان کا نام عقول اور نفوس رکھا کرتا تھا اور خالق و مخلوق کے مابین ان کو ایک واسطہ تصور کرتا تھا ان کے مقابلہ میں ملت حنیفیہ تھی۔ جب ملت حنیفیہ نے ان کو خدا تعالیٰ کی عبادت اور رسولوں کی اطاعت کا حکم دیا تو انہوں نے الزام کے طور پر کہا کہ خدا اور مخلوق کے درمیان واسطہ تو تم بھی تسلیم کرتے ہو۔ فرق یہ ہے کہ تم بشر کا واسطہ مانتے ہو یعنی رسول کا اور ہم روحانیات کا۔ اس لیے ہم تم سے افضل رہے۔ شہرستانی نے اپنی کتاب ملل و نحل میں ان کے جواب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ روحانیات کی نسبت سے بشر ہی کو واسطہ بنانا افضل ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے اس معارضہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہرستانی کو بھی دین حنیف کی پوری حقیقت منکشف نہیں ہو سکی حقیقت یہ ہے کہ دین حنیف میں خدائے تعالیٰ کی عبادت

میں واسطہ کسی کو بھی نہیں بنایا جاتا نہ کسی ملک کو نہ کسی بشر کو اور نہ کسی کی روحانیت کو- یہاں اگر رسولوں کا واسطہ ہوتا ہے تو صرف خدا تعالیٰ کے امر و نہی پہنچانے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اس کی عبادت کے لیے- رسول کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے نماز کے امام کی یا حاجی کے ساتھ مسئلہ بتانے والے معلم کی جیسا معلم حاجی کو صرف احکام حج بتاتا چلتا ہے ایسا ہی رسول بھی صرف خدائے تعالیٰ کی عبادت کے طریقوں کی تعلیم کرتا ہے- حاجی کا معلم ہو یا نماز کا امام دونوں خدائے تعالیٰ کی عبادت میں قطعاً واسطہ نہیں ہوتے بلکہ وہ خود بھی اور لوگوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی بلا واسطہ عبادت کرنے میں شریک ہوتے ہیں اس کے برعکس صابئین عبادت ہی میں روحانیات کا واسطہ تعلیم کرتے ہیں- (کتاب الرد علی البکری ص ۳۰۲)

حافظ ابن تیمیہ کی یہ تحقیق نہایت قابل قدر ہے اور اس سے اسلام کی توحید کی پاکیزگی اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے- آج مسلمانوں میں بھی بعض جاہل فرقے صابئین کی طرح انبیاء اور اولیاء کو خدائے تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرتے ہیں اور اسی کو اپنی عبادت کی قبولیت کا معیار سمجھتے ہیں بلکہ ان کا شرک صابئین سے بھی زیادہ عبرتناک ہے ان کا حال ان مشرکین سے بہت ہی مشابہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى. (الزمر: ۳) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں ذرا قریب کر دیں-

ہنود: ان میں جو فرقہ ذرا ترقی یافتہ تھا اس کا عقیدہ یہ تھا کہ مدبر عالم درحقیقت حسین و جمیل روحانیات ہیں چونکہ وہ ہمیں آنکھوں سے نظر تو آتی نہیں اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے نام کے سونے اور چاندی کے خوبصورت خوبصورت بت تراش کر ان کے سامنے آداب عبودیت بجا لائیں تاکہ ان کا تقرب حاصل ہو اور وہ ہم سے خوش ہو کر ہمارے کاموں میں ہماری مدد کیا کریں-

دوسرا فرقہ جو ان میں ذرا جاہل ہے اس کا خیال یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات پاک خود تو اپنی برتری و تجرد کی وجہ سے ہماری عبادت سے مستغنیٰ اور بے نیاز ہے- اب اس کی عبادت کی یہی ایک صورت ہوسکتی ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کسی کو ہم اپنا قبلہ توجہ بنالیں لہٰذا حیوانات' نباتات اور جمادات میں جو بھی انہیں آثارِ عجیبہ اور خواصِ غریبہ کا حامل نظر آیا اسی کو انہوں نے اپنی عبادت کا قبلہ توجہ مقرر کرلیا جیسے دریاءِ گنگا' یا تلسی کا درخت یا طاؤس وغیرہ-

ایک فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے مقدس و بزرگ بندے ریاضات و مجاہدات کے بعد جب منازلِ قرب طے کر لیتے ہیں تو وفات کے بعد ان کی روحوں کو ایسی وسعت اور قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر بن جاتے ہیں اور عالم میں پورے پورے تصرف کے مالک ہو جاتے ہیں اس لیے وفات کے بعد ان کی خوشنودی کے لیے ان کی تعظیم و تکریم کرنی چاہیے اور ان کو سجدہ کرنا چاہیے تاکہ وہ ہم سے خوش رہیں اور دین و دنیا میں ہماری امداد کریں- ان سب فرقوں کا شرک یہ نہیں تھا کہ وہ خدا کی ذات میں تعدد کے قائل تھے بلکہ توحید کے قائل ہو کر خدائی تصرفات اور خدا کی صفات میں دوسروں کو شریک کیا کرتے تھے چنانچہ قرآن کریم میں ہے-

وَ لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَا الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. (العنکبوت:٦١)

اگر آپ ان سے پوچھیں بولو کس نے زمین اور آسمانوں کو بنایا اور کس نے سورج اور چاند کو کام میں لگایا تو یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. (العنکبوت:٦٣)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کس نے آسمان سے بارش نازل کی پھر اسی سے زمین کو زندہ کیا تو یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔

اس مضمون کی آیات قرآن کریم میں متعدد جگہ موجود ہیں ان میں کفار کو یہی الزام دیا گیا ہے کہ جب خالق کی اصل صفات تمہارے نزدیک بھی ایک ہی ذات میں منحصر ہیں تو پھر تم الوہیت اور خالقیت کے حقوق میں دوسروں کو کیسے شریک کرتے ہو۔

قرآن کریم میں جو بات بہت صاف صاف اور بار بار دہرائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت اور کسی میں نہیں اس کی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے یہ طاقت نہ کسی دوسرے میں بالذات موجود ہے اور نہ اپنی جانب سے خدائے تعالیٰ نے کسی اور مخلوق کے حوالہ کی ہے حتیٰ کہ دنیا میں سب سے بزرگ ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہیں پھر ان میں سب سے بزرگ تر ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر یہ طاقت وقدرت آپ کو اپنے جان و مال کے بارے میں بھی عطا نہیں کی گئی۔ بلکہ آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ اس بارے میں اپنے عجز کا دنیا کے سامنے صاف صاف اعلان کر دیں تاکہ عجائب پرست دنیا نہ تو آپ سے اس قسم کے تصرفات کی فرمائش کر کے آپ کو تنگ کرے اور نہ آپ کی زندگی میں حوادثات کا مشاہدہ کر کے آپ کی رسالت میں شکوک وشبہات نکالے۔ شاید انبیاء علیہم السلام کی شکست میں ایک بڑی حکمت ان کے اسی عجز کا اظہار بھی ہو۔ اسی لیے فتح وظفر کے عظیم الشان مظاہرے اور ہزیمت وشکست کے حوصلہ شکن مواقع پر ہمیشہ یہی بات دہرائی جاتی تھی کہ ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ (آل عمران:١٢٦) اترانے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں اگر کامیابی ہو تو یہ مت سمجھو کہ تمہاری طاقت کے بل بوتے پر ہوئی ہے اور اگر ناکامی ہو تو بھی یہ گمان مت کرو کہ فتح کے اسباب مہیا نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ فتح ونصرت کا تمام معاملہ صرف اسی کی ذات پر منحصر ہے وہ چاہے تو تیرتے کو ڈبا دے اور چاہے تو ڈوبتے کو ترا دے۔ اور یہ خوب سمجھ لو کہ جو تھوڑی بہت قدرت تم کو عطا ہوئی ہے وہ صرف تمہارے کام چلانے کے لیے عطا ہوئی ہے وہ اتنی نہیں کہ تم دنیا کے تمام فائدوں کو حاصل کر سکو یا اس کے نقصانات سے اپنی کمزور جان کو بچا سکو۔

قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ. (الاعراف:١٨٨)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی جان کے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں ہوں مگر جتنا اللہ تعالیٰ چاہے صرف اتنے ہی پر میرا قابو ہے۔

اسی کے ساتھ دوسری جگہ یہ بھی واشگاف کر دیا گیا کہ جن کے متعلق تمہارا یہ خیال خام ہو وہ بھی اس کے مالک نہیں بلکہ خود الٹے خوف وہراس کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا. اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ

کہہ دو (ذرا ان کو) پکارو جن کو تم نے اس کے سوا (خدا) سمجھ رکھا ہے وہ اس کا اختیار نہیں رکھتے کہ تم سے تکلیف کو دور کر دیں اور نہ اس کا کہ اس کو بدل کر کسی دوسرے پر ڈال دیں یا اس کو ہلکا ہی کر دیں جن کو یہ

اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا. (بنی اسرائیل:٥٦و٥٧)

لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے پروردگار تک وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کونسا بندہ بہت نزدیک ہے اور اس کی مہربانی کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں-

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ کچھ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے وہ جن تو مسلمان ہو گئے اور یہ اپنی قدیم جہالت پر قائم رہے اس پر یہ آیت اتری یا یوں کہا جائے کہ جن' فرشتے اور حضرت مسیح علیہ السلام وغیرہ سب اس میں شامل ہیں- خلاصہ یہ ہے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود پکارتے ہو وہ نہ مستقل کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ تمہارے نفع نقصان پہنچانے کی ان میں قدرت ہے وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے تقرب کی تلاش میں لیل ونہار سرگرداں ہیں اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ کس عمل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے لئے تقرب کا ذریعہ اور وسیلہ بنائیں جو خود اپنی فکر میں ہیں وہ تمہارے تفکرات بھلا کیا دور کر سکتے ہیں وہ تو خود ہی رجاء وبیم کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں-

اصل یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں خدائے تعالیٰ کی غیب در غیب ذات کی طرف اگر کوئی میلان وانجذام پیدا ہوتا ہے تو وہ صرف اسی لئے کہ اس کے نزدیک اس کے نفع ونقصان کا رشتہ اسی کی قادر وتوانا ذات کے ساتھ وابستہ ہے اور اگر اس کے اس اعتقاد میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا یہ میلان بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ بندۂ خدا ہونے کے بجائے بندۂ اسباب بن جاتا ہے- اس کی زبان پر اگر ذکر ہوتا ہے تو اسباب کا' اس کے قلب میں اگر محبت ہوتی ہے تو ان ہی کی' خوف ہوتا ہے تو ان ہی سے- حتیٰ کہ اس کے جملہ عواطف ومیلانات کا مرکز یہی اسباب بن جاتے ہیں اور شدہ شدہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ نفع ونقصان کے اصلی مالک سے اس کو ایسا ذہول ہو جاتا ہے کہ اس کے تذکرہ سے بھی اسے کوئی لگاؤ نہیں رہتا بلکہ انقباض ہونے لگتا ہے جو کیف اور جو ذوق وشوق اس کو یا رسول اللہ اور یا غوث کے نعروں میں میسر آتا ہے وہ نعرۂ یا اللہ میں نصیب نہیں ہوتا جس محبت سے وہ بزرگوں کی نذر ونیاز کرتا ہے اس کے عشر عشیر سے خدا کی واجب کردہ قربانی ادا نہیں کرتا یہ توحید کا عمق نہیں بلکہ مبادی کفر وشرک ہیں- ذیل کی آیات میں اسی طرف اشارہ ہے-

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ کَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ.(البقرة:١٦٥)

انسانوں میں کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو بتوں سے اتنی محبت کرتے ہیں جتنی خدا تعالیٰ کی ذات سے مگر جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے-

وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ' الخ. (الزمر : ٤٥)

اور جب نام لیا جاتا ہے ایک اللہ کا تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل رک جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا نام لیا جائے تو خوش ہونے لگتے ہیں-

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَکَآئِنَا

اور وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں اس کے نام کا ایک حصہ رکھتے ہیں پھر اپنے خیال کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ یہ حصہ (نیاز) تو

فَمَا لِشُرَكَائِهِمْ فَلاَ يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلَى شُرَكَاءِ هُمْ. (الانعام : ۱۳۶)

اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا سو جو حصہ (نیاز) ان کے شریکوں کا ہوتا وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف نہ پہنچتا اور جو اللہ تعالیٰ کا ہوتا وہ ان کے شریکوں کی طرف پہنچ جاتا کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اسفل السافلین اسی وادیٔ شرک کا نام ہے جو ضلالت کی اس کھائی میں جا پڑا۔ سمجھ لو کہ وہ مخلوقات کے سب سے نیچے طبقے میں جا پہنچا۔ اب وہ اشرف المخلوقات نہیں رہا بلکہ سب سے رذیل تر مخلوق بن گیا۔ سورہ والتین میں انسان کے اس سوء انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عالم ایسے نادان فرقے بہت ہی شاذ و نادر گذرے ہیں جو خدائے تعالیٰ کی ذات میں شرکت کے قائل ہوں۔ اکثر فرقے عبادت ہی میں شرک کیا کرتے تھے اور اس ضلالت میں یہاں تک تجاوز کر گئے تھے کہ ان کے نزدیک معبودِ حقیقی کا نمبر باطل معبودوں سے بھی نیچے گر گیا تھا۔ اس تمام گمراہی کی بنیاد صرف یہی تھی کہ ان کے عقیدے میں ان کے نفع و نقصان کا رشتہ غیر اللہ کے ساتھ قائم ہو گیا تھا اس لئے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اصل مرکز بھی شرک فی العبادت کی تردید ٹھہر گیا تھا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ. (الانبیاء : ۲۵)

یعنی اس جہان میں جو رسول بھی آیا وہ یہی ایک سبق لے کر آیا کہ جب اللہ ایک ہی ہے اور اس کا شریک کوئی نہیں تو پھر تم صرف اسی ایک ہی کی عبادت کیوں نہیں کرتے اور اس میں دوسروں کو کیوں اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔

آیت بالا میں یہ بتایا گیا ہے کہ توحید الوہیت کا اصل منشا توحید فی العبادۃ ہی کی تعلیم تھی۔ الوہیت کی توحید امر مسلّم ہونے کی وجہ سے اس وقت ایک تمہیدی چیز سمجھی گئی تھی۔ مشرکین عرب اگرچہ بہت سے خدا تسلیم کرتے تھے مگر صاحب تصرف ایک ہی کو مانتے تھے بقیہ سب کو اس کا ماتحت سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمران بن حصین سے پوچھا بتاؤ کفر کے زمانہ میں تم کتنے خداؤں کی پوجا کیا کرتے تھے انہوں نے عرض کیا سات خداؤں کی چھ زمین میں اور ایک آسمان میں آپ نے فرمایا اچھا تو امید و بیم کے مواقع پر کس کو یاد کیا کرتے تھے انہوں نے عرض کیا اس کو جو آسمان میں ہے۔

وَ اِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ. (العنکبوت: ۶۵)

جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو بڑے خلوص سے خدا ہی کو پکارتے ہیں پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو نجات پاتے ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جب کبھی کفار کسی نرغے میں پھنس جاتے تو اس وقت سب کو بھول کر اللہ ہی کی ذات پاک کو یاد کرتے۔

ہمارا منشا یہ نہیں کہ قرآن کریم یا انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں شرک فی الذات کی تردید شامل ہی نہ تھی بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے کلام میں جس امر پر زیادہ زور دیا گیا تھا وہ شرک فی العبادت کی تردید تھی۔ اسلام کے جملہ ابواب میں اور ہر بات کے جملہ

فصول میں جس نکتہ کی ہر ہر جگہ رعایت ملحوظ رہی ہے وہ بھی شرک فی العبادۃ ہے- اس کا راز یہ ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے اصل مقصد توحید فی العبادۃ ہے-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ. (الذاریات:٥٦) ہم نے جنات اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے بنایا ہے-

اس لیے شیطانی طاقتیں ہمیشہ اسی مقصد میں خلل اندازی کی فکر میں رہتی ہیں اور اسی لیے انبیاء علیہم السلام بھی ہمیشہ اسی کے مقابلہ کے لیے آنے چاہئیں- اور ان کی بساطِ شریعت بھی اتنی صاف ہونی چاہیے کہ اس میں شرک فی العبادۃ کی کوئی ادنیٰ سی شکن بھی پیدا ہونے کا امکان نہ رہے- اسی لیے شرائع سماویہ میں سب سے کامل شریعت وہی ہونی چاہیے جس کے حدود توحید سب سے زیادہ مستحکم ہوں- اسی نکتہ کے پیش نظر اسلام نے ہر اس رگ کو جڑ سے کاٹ دیا ہے جس میں کفر و شرک کی ادنیٰ رمق بھی پیدا ہونے کا احتمال تھا- عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں حد سے تجاوز کرنے کی بدولت شرک میں مبتلا ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی ذات کے متعلق اطراء اور مبالغہ آمیز کلمات سے ہی نہیں روک دیا بلکہ عام توقیر و تعظیم کی بھی ایسی حد بندی فرما دی کہ پھر اس راستہ سے کفر و شرک کا کوئی احتمال ہی نہ رہا- اسلام میں الوہیت کا تخیل صرف مجرد ہی مجرد نہ تھا اس میں خوف و طمع کے دونوں جذبات بھی شامل تھے- اس لیے یہاں بھی ایسے مضبوط بند لگا دیئے کہ اب نفع و نقصان اور خوف و طمع کے لیے ایک مسلم کی نظر میں کوئی دوسری چوکھٹ ہی باقی نہ رہی مگر اس کو یہ نہیں سکھایا کہ وہ کسی سے محبت نہ کرے کسی کا خوف نہ رکھے بلکہ یہ سکھایا کہ محبت کرے تو خدا کی خاطر اور ڈرے تو اسی ایک خدا کی خاطر- اس نے غیر اللہ سے نفع و نقصان کے تمام رشتے توڑ ڈالے اور صرف مالک حقیقی سے بیم و رجاء کا ایک رشتہ اس کے قلب میں راسخ فرما دیا اس کے دماغ کو صرف صریح شرک و کفر کی نجاستوں ہی سے پاک و صاف نہیں کیا بلکہ اس کو ایسا نازک بنا دیا کہ اگر اس کے گرد و پیش میں کہیں کفر و شرک کا احتمال بھی ہو تو مارے تعفن کے اس کا دماغ پھٹنے لگا- وہ اپنا نام غلام غوث اور عبد النبی رکھنے میں وہی ناگواری محسوس کرنے لگا جو عبد المطلب یا عبد شمس یا عبد مناف یا عبد العزیٰ جیسے نام رکھنے میں محسوس کرتا- اس کی نظر میں سب سے پیارا نام وہ بن گیا جس میں اس کی نسبت عبدیت اسی ذات کی طرف ہو جس کا وہ درحقیقت عبد تھا یعنی عبد اللہ اور عبد الرحمٰن- اسے جان آفریں کے سوا کسی اور کے نام پر جان قربان کرنے میں غیرت آنے لگی- وہ خدا کے گھر کی طرح اپنے گھروں کو لباس پہنانے سے شرمانے لگا بتوں کی طرح اینٹوں اور پتھروں پر غلاف چڑھانے سے نفرت کرنے لگا جب اس کے کان میں ھو البارئ المصور کی آواز آئی تو مصورِ حقیقی کی نقالی کرنے سے اس کی آنکھیں نیچی ہو گئیں اس کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو گیا اور اس کا قلم تصویر ہاتھوں سے چھوٹ گیا-

اسلامی توحید کی ان نزاکتوں کا اندازہ آپ کو ذیل کی احادیث سے ہوگا- نسائی شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن کسی شخص نے آپ کے سامنے یہ لفظ کہا ماشاء اللّٰہ و شئت (جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں) آپ نے فوراً اس کو منع کیا اور ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی- جعلتنی لله ندا تو نے تو مجھے اللہ تعالیٰ کا ایک شریک ٹھہرا دیا "قل ماشاء اللّٰہ وحدہ" (بس یوں کہہ جو صرف ایک اللہ چاہے)-

امام احمد ابو داؤد اور نسائی وغیرہ نے حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تقولوا ماشاء

اللہ و شاء فلان قولوا ماشاء اللہ ثم شاء فلان -یعنی اگر سبب حقیقی کے ساتھ تم کسی وقت سبب ظاہری کا بھی ذکر کرنا چاہو تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے بالکل برابر اس شخص کا نام ذکر کرو جو ظاہر میں اس کا سبب بنا ہے- بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا ادب یہ ہے کہ پہلے تم صرف اللہ تعالیٰ کا نام لو اس کے بعد پھر دوسرے نمبر میں اس شخص کا نام بھی لے سکتے ہو- حدیث شریف میں تین آدمیوں کے امتحان کا ایک طویل قصہ مذکور ہے ان میں ایک مبروص (مرضِ برص والا) تھا دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا- ان کا امتحان یوں مقدر رہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ بصورت آدمی ہر ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ آیا اور ان سے اپنی حاجت ان الفاظ میں ظاہر کی فلا بلاغ لی الیوم الا باللّٰہ ثم بک. آج کے دن میری حاجت روائی کے لیے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یا پھر اس کے بعد ظاہری اسباب میں آپ کی ذات نظر آتی ہے- پس جب اسلامی توحید کی نزاکت اتنا بھی برداشت نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے ساتھ کسی مخلوق کے نام کی صرف عبارتی اور لفظی مساوات بھی گوارا کی جائے تو اس کے حقوق میں کسی کی مساوات کب برداشت کر سکتی ہے- اسلام نے توحید صرف علمی دائرہ میں نہیں سکھلائی بلکہ اس کو عملی جامہ پہنانے کی بھی تاکید کی ہے اور قدم قدم پر اس کا لحاظ رکھا ہے کہ کس طرح اس کا نقش انسان کے قلب و دماغ پر جم سکتا ہے اس لیے اس نے عام گفتگو میں بھی کسی کو یہ آزادی نہیں دی کہ وہ خدائے تعالیٰ کے اسم مبارک کو دوسرے ناموں کی طرح جس طرح جی چاہے زبان پر لے آئے بلکہ یہ تنبیہ کی ہے کہ اس کی ہستی کا نقش عظمت اس کے قلب میں اتنا گہرا ہونا چاہیے کہ جب کبھی بات کرتے کرتے وہ اس کے باعظمت نام پر جا پہنچے تو یہاں پہنچ کر اس کی زبان لکنت کر جائے اور وہ کسی بڑے سے بڑے شخص کے نام کے ساتھ اس کی تعبیری مساوات بھی گوارا نہ کر سکے یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک مسلمان کے ایک ایک عمل سے توحید اس طرح نہ ٹپکنے لگے اس وقت تک اس کی توحید بھی صرف ایک دماغی فلسفہ کہلائے گی، عملی دائرہ میں اس کو شرک سے کیا امتیاز ہوگا ؟

ایک سطحی نظر کا شخص تو حدیث مذکور کو صرف ایک تعبیری اصلاح سمجھے گا مگر ایک علم النفس کا ماہر اس کا پورا ادراک کر لے گا کہ فطری طور پر کسی حقیقت کے ذہن نشین کرنے کی اس سے زیادہ مؤثر کوئی اور صورت نہیں نکل سکتی- اگر آپ کو کتاب الایمان میں احسان کی بحث فراموش نہیں ہوئی تو اتنا اور سمجھ لیجئے کہ آپ کو اس مقام پر احسان کا ایک اور سبق دیا گیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ ایک مؤمن کے قلب و دماغ پر حق تعالیٰ کی ذاتِ قدسی صفات کی محبت کا اس درجہ استحضار اور غلبہ ہو جانا چاہیے کہ کچھ عبادات ہی میں نہیں بلکہ عام بات چیت میں بھی اس کی غیرت- اس کی عظمت و توحید کے خلاف کوئی ادنیٰ ٹھیس برداشت نہ کر سکے- بقول شخصے ؎

شرکت غم میں نہیں چاہتی غیرت میری　　غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم　　گوش را نیز حدیثے تو شنیدن ندہم

جب تک ایک مؤمن کا قلب خدائے تعالیٰ کے شریک ٹھہرانے پر اسی درجہ غیور نہ ہو جائے وہ مقام محبت سے آشنا نہیں ہوتا اور جب تک وہ اس وادی سے آشنا نہیں ہوتا اس وقت تک ذوقِ احسان سے بھی آشنا نہیں ہوتا- جب اس تصور کے ساتھ آپ اپنی زبان سے ماشاء اللہ و شاء فلاں کا فقرہ ادا کریں گے تو اس وقت اس معمولی سے کلمہ کی تلخی آپ کی زبان محسوس کر لے گی اور اسی وقت حدیث کی اس تعبیری گرفت کی حکمت بھی آپ پر روشن ہو سکے گی- اسی قسم کے ضمنی مقامات سے ایک فہیم شخص کو یہ اندازہ لگانا

چاہیے کہ اس نبی عظیم الشان کی معرفت کا عالم کیا ہوگا جس کی شریعت میں توحید ربانی کا ایک عام ادب یہ ہو کہ سرسری بول چال میں بھی خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ شرکت و مساوات قائم کرنا حقیقی شرک کی برابر مکروہ سمجھا جاتا ہو- اسلام کی توحید سمجھنے کے لیے آپ کھلی کھلی آیات اور واضح احادیث کی طرف مت جائیے یہ تو اس کے ابتدائی اسباق ہیں بلکہ ان عملی گوشوں کو بڑے غور سے ملاحظہ کیجیے جن کی سطح میں بظاہر توحید کا کوئی سبق نظر نہیں آتا مگر جب ذرا غور کیجیے تو اس کے عمق میں اصل مقصد وہی ایک درس توحید ثابت ہوتا ہے- انسان کی فطرت ہے کہ وہ مسلسل ایک نوع کا عمل نہیں کرسکتا اس کی طبیعت اکتا جاتی ہے اس لیے شریعت نے اس کے لیے مختلف لذتوں کی مختلف عبادتیں مقرر فرمادی ہیں لیکن ان سب کا اصل مقصد وہی ایک نشہ توحید پیدا کرنا ہے اب آپ ذرا جنازہ کی نماز ہی کو ملاحظہ کیجیے وہ بھی ایک قسم کی نماز ہی تو ہے اور اسی ذات پاک کے لیے ہوتی ہے جس کے لیے اور فرض نمازیں پھر کیا بات ہے کہ رکوع اور سجود جو نماز کی اصل روح تھے وہ یہاں سے غائب ہیں- اگر آپ غور سے کام لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ایک جسد میت کو سامنے رکھ کر اس کی طرف رکوع و سجود کرنا شاید اسلام کی توحید برداشت نہیں کرتی - خیر یہ تو ایک انسان تھا جس کو جاہل قومیں کبھی سجدہ کر بھی لیتی ہیں مگر ایک معمولی خشک لکڑی جس کی کوئی عبادت نہیں کرتا اگر سترہ کے لیے سامنے گاڑ دی جائے تو اس کے متعلق بھی مقدس اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ وہ بھی ٹھیک سامنے نہ ہونی چاہیے بلکہ ذرا دائیں بائیں سمت مائل ہونی چاہیے تاکہ اس قوم کے سامنے جس کو پتھروں کو سجدہ کرنے کی عبادت تھی کوئی عمل بھی ایسا نہ آنے پائے جو ان کی قدیم خصلت کی یاد دہانی میں ذرا بھی ممد و معاون ہو-

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم بنی اسرائیل کو دریائے نیل کے پار لے کر اتر آئے تو یہاں ان کی قوم نے دیکھا کہ کچھ لوگ بت پرستی میں مشغول ہیں یہ دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا اور بڑے حسرت کے انداز میں وہ یہ درخواست کرنے پر مجبور ہوگئے-

قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْھَلُوْنَ. (اعراف: ۱۳۸)	وہ کہنے لگے اے موسیٰ ہماری عبادت کے لیے بھی ایسا ہی ایک بت بنا دیجیے جیسے بت ان کے ہیں انہوں نے فرمایا تم لوگ بڑے ہی جاہل ہو-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر صحبت تربیت یافتہ صحابہ اتنے تو نہیں گرے لیکن ایک موقعہ پر جب انہوں نے دیکھا کہ مشرکین نے ایک درخت مقرر کر رکھا ہے جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکا دیا کرتے ہیں اور اسی مناسبت سے اس کو ذاتِ انواط کہا کرتے ہیں تو وہ بھی بے ساختہ یہ درخواست کرنے پر مجبور ہوگئے کہ یارسول اللہ ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی درخت مقرر فرما دیجیے ہم بھی اس پر اپنے ہتھیار لٹکایا کریں گے ذرا سوچیے اس میں شرک کی کیا بات تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی سی بات کو بھی نہایت اہمیت دی اور بہت تشدید آمیز لہجہ میں اس طرح تنبیہ کی کہ تمہاری یہ فرمائش ٹھیک ایسی ہی ہے جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل کی وہ فرمائش تھی اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ - یہی راز تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سب معاملات میں جہاں آپ کی کوئی خاص شریعت نازل نہ ہوتی مشرکین عرب کی نسبت اہل کتاب کی موافقت کرنی زیادہ پسند فرماتے - پس اسلام نے ہر ہر موقعہ پر جہاں کسی دور کے علاقہ سے بھی شرک کی رگ متحرک ہوسکتی تھی اس کو بھی جڑ سے کاٹ دینے کی کوشش کی

ہے- ہمارے فقہاء اس حقیقت کو خوب سمجھے تھے اور اسی لیے انہوں نے فرمایا کہ جو حیوان کبھی کسی قوم کا معبود رہ چکا ہو یا کوئی اور ایسی چیز جو کبھی معبود لغیر اللہ بن چکی ہو اس کو بھی سترہ نہ بنانا چاہیے اور اس کی طرف بھی نماز نہ ادا کرنی چاہیے- اسی طرح طلوع و غروب میں نماز سے ممانعت کی حکمت بھی یہی ہے کہ یہ اوقات بھی مشرکین کی عبادت کے اوقات ہیں ہماری عبادت جہاں ان سے مقصد نیت اور اپنی ترتیب و صورت میں ممتاز ہے اسی طرح وقت میں بھی ممتاز رہنی چاہیے یہ کوئی تنگ نظری نہیں بلکہ شرک فی العبادۃ کی بعید سے بعید رشتوں کے قطع کرنے کی سب سے بہتر صورت ہے-

ایک حدیث میں ارشاد ہے لا تاتوا الصلوۃ و انتم تسعون و أتوھا و علیکم السکینۃ ' الخ نماز کے لیے دوڑتے بھاگتے نہ آیا کرو بلکہ اس طور پر وقار کے ساتھ آیا کرو گویا تم سرتا پا سکون و وقار ہو-

شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس مخصوص ادب میں جو بڑی حقیقت پنہاں ہے وہ یہ ہے کہ نماز کے لیے جب ایک مخصوص مکان مقرر کر دیا گیا' اس کے لیے ایک اعلان بھی کیا گیا اور اس کے بعد یہ نظر آنے لگا کہ مختلف سمتوں سے مختلف جماعتیں کسی ایک مقصد کے لیے کسی ایک جگہ جمع ہونے جا رہی ہیں اگر وہ بہت زیادہ بھاگ بھاگ کر جائیں گی تو دیکھنے والوں کے دماغ میں یہ نقشہ آ سکتا ہے کہ جس طرح اور مذاہب کو ان کے معبود کسی ایک جگہ رکھے ہوئے مل جاتے ہیں شاید ان کو بھی اپنا معبود کسی مسجد وغیرہ میں رکھا ہوا مل گیا ہے جس کی طرف یہ ایسے والہانہ انداز میں بھاگے جا رہے ہیں اس لیے فرمایا کہ تم بھاگا مت کرو بلکہ اس طرح جایا کرو کہ ہر دیکھنے والا سمجھ جائے کہ جہاں تم جا رہے ہو وہاں کچھ بھی نہیں ہے تم کسی ایسے معبود کی تلاش میں ہو جو اس مکان میں بھی ہے اور اس سے باہر بھی ہر حال میں وہ تمہارے ساتھ ہے- وہ تمہاری رگ جان سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے- شیخ اکبرؒ کے اس مضمون کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ شدت شوق میں کسی سفر میں چیخ چیخ کر نعرہائے تسبیح و تہلیل لگا رہے تھے آپ نے ان کو اتنے چیخنے سے منع فرمایا اور کہا کہ تمہاری اس حرکت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا رب شاید تمہارے پاس نہیں کہیں غائب ہے یا اگر موجود ہے تو سنتا نہیں ہے اس کو آہستہ پکارو کیونکہ وہ تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی تمہارے قریب ہے اونٹ پر سواری کے وقت جو چیز سوار کو سب سے قریب نظر آتی ہے وہ اس کی گردن ہی ہوتی ہے اس لیے نفسیاتی طور پر اس کے قرب کا نقشہ جمانے کے لیے یہی سب سے عمدہ مثال تھی فرمایا انکم لا تدعون اصم و لا غائبا - تم تو اس کو پکارتے ہو جو ہمہ وقت سنتا ہے اور جواب دیتا ہے پس اسلامی توحید تو اس کو بھی برداشت نہیں کرتی کہ تمہارے کسی عمل سے خدائے تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کے متعلق کوئی ایسا موہوم سے موہوم نقش بھی پیدا ہو سکے جو اس کی شان تقدیس و تنزیہ کے خلاف ہو- چہ جائیکہ اس میں شرک کے آثار صاف صاف نمایاں ہو رہے ہوں- کیا ایسا مقدس مذہب جو نماز جنازہ میں رکوع و سجود سے منع کرے قبور کو سجدہ کرنا برداشت کر سکتا ہے حالانکہ وہ قابل تعظیم جسد اب زمین میں مدفون ہو چکا ہے-

یہی حقیقت مشرکین کے لباس' وضع قطع اور معاشی و معاشرتی مخالفت میں بھی پنہاں ہے اس کا مقصد بھی یہ ہے کہ توحید و شرک کا امتیاز صرف علمی مرتبہ میں نہ رہے بلکہ ایک موحد و مسلم کی رگ رگ سے بھی ٹپکنے لگے- اس کے معنی یہ نہیں کہ جو حق تعالیٰ کا مقرر کردہ طریقہ عبادت ہو اگر مشرکین بھی اسے اختیار کر لیں تو ہمیں اس کو چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہمارا خود

کوئی اصل مرکز اور مقام ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس راہِ مستقیم کے ہم مالک ہیں اگر اس میں دوسرے لوگ ہماری اتباع کرتے ہیں تو یہ ان کے شرک میں اسلامی تعلیم کا ایک عکس ہوگا اگر اس میں کچھ ناگواری کی بات ہو تو ان کے لیے ہونی چاہیے نہ یہ کہ ہمیں اپنا مقام چھوڑ کر اس سے ہٹ جانا چاہیے۔ اسی لیے مشرکین کی مخالفت میں اسلام نے ملت حنیفیہ کی اتباع ترک نہیں کی بلکہ الٹا ان کو یہ الزام دیا ہے کہ یہ تو ہمارا حق ہے اس میں تم ہمارے متبع ہو اگر تم اس کی اتباع کرتے ہو تو اس وجہ سے ہم اپنے اصل حق سے دست بردار نہیں ہوں گے۔

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِیُّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا. (آل عمران:٦٨)

ابراہیم کے ساتھ خصوصیت کے بڑے حق دار تو وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ پیغمبر (آخرالزماں) اور مسلمان (جو ایمان لائے)۔

یہ فرق اس سے ظاہر ہوسکتا ہے کہ تم ملت حنیفیہ کا دعویٰ تو کرتے ہو مگر اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہو اور ہم بھی دعویٰ کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ شرک سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں آؤ دیکھیں ملت حنیفیہ کی صحیح اتباع کیا ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصَارٰی تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ. (بقرہ:١٣٥)

کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو تم راہ یاب ہو گئے آپ کہہ دیجئے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے حضرت ابراہیم کی راہ اختیار کی جو ایک ہی طرف کے تھے اور وہ مشرک نہ تھے۔

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ تم تو صرف مدعی ہو مگر ان کے متبع ہم ہیں بلکہ ان کی اتباع کا بڑا حق ہمارا ہے اس لیے ہم کسی حالت میں اپنے حق سے دست بردار نہیں ہوسکتے۔ جو نعرۂ مستانہ حضرت خلیلؑ اپنی ذرّیت میں بطور یادگار چھوڑ گئے وہ تو یہ ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ. (الانعام: ١٦٢)

آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری عبادات، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں اس کے فرمان برداروں میں پہلا فرمان بردار ہوں۔

مَا كَانَ اِبْرَاهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ. (آل عمران: ٦٧)

(حضرت) ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی لیکن حنیف تھے یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم کے بڑے فرمان بردار اور مشرک نہ تھے۔

ان عمیق اور حقیقت سے لبریز کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی توحید کا پورا پورا نقشہ صرف زبان سے کلمہ توحید پڑھ لینے سے عیاں نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ انسانی زندگی کے ہر ہر چھوٹے بڑے گوشے سے بھی ظاہر نہ ہونے لگے اور اس کا ہر ہر عمل اسی ایک ذاتِ پاک کے لیے اس طرح خالص ہو کر نہ رہ جائے کہ اس میں للہ اور لاشریک لہ کے مثبت اور منفی ہر دو پہلو جدا جدا ممتاز نظر نہ آنے لگیں یعنی اس کا للہ ہونا بھی نمایاں ہو جائے اور شرک کے خلاف ہونا بھی اسی درجہ پر نمایاں ہو جائے۔ توحید کے دعوے کے ساتھ جہاں پہنچ کر مداہنت کی ادنیٰ سی ادنیٰ گنجائش بھی ختم ہو جاتی ہے وہ اس کا یہی منفی پہلو ہے اور اسی پہلو کے نمایاں ہو جانے

سے اسلام وکفر میں کھلا ہوا امتیاز ہو جاتا ہے- شرک کی عام فضاؤں میں جب کبھی خدا کے برگزیدہ نبی آئے تو ان کا مقصد صرف توحید کا پرچم لہرا دینے سے پورا نہیں ہوا جب تک کہ انہوں نے علم کفر کو سرنگوں بھی نہیں کر دیا- اس لیے ان کے دعووں میں کبھی کوئی ایسا تخلل نہیں ہوا جس کے بعد کفر لوان سے اپنے ساتھ سازگاری کی کوئی ادنیٰ سی طمع بھی باقی رہ گئی ہو- وہ ہمیشہ ایک ٹھوس اور علیحدہ جماعت بنانے کا پروگرام لے کر دنیا میں آئے اور جب تک ان کا یہ مقصد پورا نہ ہو لیا روز وشب اسی کے لیے سرگرم عمل رہے ان کی اس پالیسی سے اگر کسی فرد یا جماعت نے اتفاق نہ کیا اور دونوں طرف لگے رہنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ان کو منافق کا لقب دے کر اپنی جماعت سے ہمیشہ ایک علیحدہ جماعت سمجھا- خلاصہ یہ کہ توحید کے مرحلے پر جتنا اس کا مثبت پہلو اہم ہوتا ہے اتنا ہی اہم اس کا منفی پہلو ہو جاتا ہے اگر آپ اتنی بات سمجھ گئے ہیں تو اب سورۂ قل یا ایہا الکافرون میں ایک ہی مضمون کو دو دو پہلوؤں سے ادا کرنے کا راز بھی سمجھ گئے ہوں گے یعنی کفر واسلام کے دوراستوں کی واضح علیحدگی کے لیے یہی ایک تعبیر تھی جس کے بعد ان کے مابین سازگاری کی کوئی توقع باقی نہیں رہ سکتی-

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام وکفر کے درمیان کوئی نقطہ مشترک نہیں نکلتا جس جگہ کفر ہے وہاں اسلام نہیں اور جہاں اسلام ہے وہاں کفر کی کوئی گنجائش نہیں- اسلام کے ساتھ ساتھ کفر کی کسی ایک ادا کو بھی نبھایا نہیں جا سکتا اسی لیے قرآن کریم نے ایمان پر امن مرتب ہونے کے لیے یہ شرط لگا دی ہے کہ اس میں شرک کا کوئی میل نہ ہونا چاہیے-

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ.

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں کی بس یہی لوگ امن کے مستحق ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ بھی ہیں- (سورۃ انعام : ۸۲)

ایک نصرانی شخص صرف کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا بھی صاف وصریح اقرار نہ کر لے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک بندہ ہی تھے یہ اسی حقیقت پر مبنی ہے کہ توحید الٰہی کے ساتھ لاشریک لہ کا مظاہرہ ہونا بھی ضروری ہے- جب تک جملہ شرکاء پر لا کی شمشیر نہیں چلائی جاتی اس وقت تک صحیح طور پر نعرۂ توحید بلند نہیں ہوتا-

اسلام نے جہاں ظاہری افعال شرک سے منع کیا ہے اسی طرح ان باریک باریک فروگذاشتوں سے بھی روکا ہے جن سے ایک موحد کا اچھا خاصا عمل مشرک کے عمل کے مشابہ بن جاتا ہے مثلاً ریاء وشہرت پسندی جو عمل خواہ وہ اپنی شکل وصورت میں کتنا ہی توحید کا عمل سمجھا جائے لیکن اگر وہ ریاء وشہرت پسندی سے آلودہ ہو جائے تو اسلامی نظر میں وہ بھی ایک قسم کا شرکیہ عمل سمجھا جاتا ہے اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم نے عمل کے صالح ہونے کے لیے یہ شرط لگا دی ہے کہ وہ شرک کی اس قسم سے بھی پاک وصاف ہونا چاہیے اور ایسے ہی عمل کا نتیجہ لقاء رب ہو سکتا ہے-

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا.

تو جس کو اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو تو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ کرے- (الکہف : ۱۱۰)

یہاں ''لایشــرک'' کی تفسیر لا یرائی سے کی گئی ہے یعنی جس شخص کے پیش نظر لقاء رب جیسا اہم مقصد ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ نیک عمل کیا کرے اور اپنی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ بنایا کرے- اس آیت میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جس امر پر یہاں زیادہ زور دیا گیا ہے وہ وہی خدائے تعالٰی کی عبادت میں شرکت کی ممانعت ہے- ذاتی شرکت کا مسئلہ بھی گوکم اہمیت نہیں رکھتا وہ بھی ایک بدترین کفر ہے لیکن شرک کی جس خطرناک جھاڑی میں ایک مدعی توحید بھی الجھ سکتا ہے وہ صرف شرک فی العبادۃ ہے اور اس کی ایک نہایت دقیق اور باریک قسم ریاء وشہرت پسندی ہے قرآن کریم نے شرک میں عام ابتلاء کا شکوہ ان الفاظ میں کیا ہے-

وَ مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ھُمْ مُّشْرِکُوْنَ. (یوسف : ۱۰۶)
اور اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالٰی پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی شرک بھی کرتے رہتے ہیں-

یعنی ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو ایمان کے زبانی دعوے کے ساتھ شرک جلی اور شرک خفی کے ہر ہر شعبے سے احتراز رکھتے ہوں- غرض قرآن عزیز یہ اعلان کرتا ہے کہ محبوب حقیقی کے متلاشی کہاں مارے مارے پھرتے ہیں ان کے لیے اس کی ملاقات کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ نیک عمل کریں یہ تو اس کا مثبت پہلو ہوا اور اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ اس کی عبادت میں شرک کی کسی نوع کی آلودگی بھی پیدا نہ ہونے دیں یہ منفی پہلو اس لیے ضروری ہے کہ بسا اوقات نیک عمل میں بھی شرک خفی کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں ایسا عمل گو نیک نظر آئے مگر درحقیقت نیک نہیں ہوتا- ٹھیک اسی طرح خدائے تعالٰی کی توحید بھی اس وقت تک خالص توحید نہیں کہلاتی جب تک کہ اس کے ساتھ لا شریک لہ اور ما انا من المشرکین کا اعلان بھی صاف صاف نہیں کر دیا جاتا- آج بھی اگر آپ اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں تو اس میں بھی آپ کو توحید کا مثبت پہلو جتنا صاف اور واضح نظر آئے گا اتنا واضح اس کا دوسرا منفی پہلو نظر نہیں آئے گا خوب یاد رکھئے جب تک کہ اس کا یہ پہلو بھی اتنا ہی واضح نہ ہو جائے اس وقت تک آپ کی توحید کا نقشہ بھی نامکمل رہے گا- مشکل دعویٰ توحید نہیں اس میں تو اکثر قومیں آپ کی ہم آہنگ ہیں جو مرحلہ مشکل ہے وہ تمام شرکاء اور باریک سے باریک شریکوں سے بیزاری ہے اور اس سے بڑھ کر اس بیزاری کا اعلان ہے اسی لیے کلمہ لا الٰہ الا اللہ میں مثبت پہلو کی بنیاد منفی پہلو پر قائم کی گئی ہے- اتنی وضاحت کے بعد غالبًا اب آپ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ اسلامی توحید کو اور مذاہب کی توحید سے کتنا امتیاز ہے ان کی توحید تو ابنیت اور تثلیث کے عقیدہ کے باوجود قائم رہ سکتی ہے مگر اسلام کی توحید ریاء وشہرت پسندی کے بار کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی پس جس شرک سے ایک مسلمان کو بچنا ہے وہ صرف خدا کی ذات میں شرک نہیں اس کی عبادت میں شرک بھی نہیں بلکہ شرک کی وہ نوع بھی ہے جو اس کے خالص سے خالص عمل میں بھی خفیہ طور پر پیدا ہو جاتی ہے اور ایک مسلم کو بھی اس سے رستگاری نصیب نہیں ہوتی۔

برائی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینہ میں بنا لیتی ہے تصویریں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شرک فی الذات' شرک فی الصفات (یعنی خدا تعالٰی کی مخصوص صفات میں کسی کو اس کے برابر سمجھنا) اور

شرک فی العبادت تو حقیقی شرک کے اقسام تھے- شرک فی القمیه' شرک خفی (یعنی ریا' وشہرت پسندی) اور عقیدۂ توحید کے ساتھ بعض اور نا زیبا طریقے جو اگرچہ شرک نہ ہوں مگر عملاً شرک حقیقی کے مشابہ ہوں یہ سب شرک اور قابل ترک ہی سمجھنے چاہئیں- کیونکہ ان کی سرحدیں حقیقی شرک کے ساتھ اتنی ملی جلی ہوتی ہیں کہ ان میں ذرا سی لغزش سے حقیقی شرک میں جا پڑنے کا ہر وقت احتمال ہوتا ہے اس لیے مذہب کی صحیح اتباع یہ نہیں کہ ایسے افعال کو تاویل کر کے کیا جائے اور خوب اصرار کے ساتھ کیا جائے صحیح اتباع یہ ہے کہ جن افعال سے کفر کی بو بھی آئے ان کو بھی کفر کی طرح ترک کر دیا جائے تاکہ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کا پہلو اپنی پوری حقیقت کے ساتھ نمایاں ہو جائے اور كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ کا پورا پورا نقشہ سامنے آجائے- اس کے بعد یہاں شرک کی ایک قسم اور بھی ہے جس کی طرف عام نظریں نہیں پہنچیں اس پر محقق امت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے خاص طور پر تنبیہ فرمائی ہے-

شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ شرک کی ایک قسم شرک فی الطاعت بھی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کی اطاعت کرنی ایسی اطاعت کہ اس میں خدا تعالیٰ کے رسول اور اس کے مبلغ ہونے کی حیثیت بھی ملحوظ نہ رہے حتیٰ کہ اگر اس کا حکم خداوندی حکم کے خلاف بھی ہو جب بھی اسی کی اطاعت کی جائے اس کا نام مستقل اطاعت ہے یہ صرف ایک خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا حق ہے اس لیے اس میں بھی کسی کو شریک بنانا ایک قسم کا شرک ہی ہے- اسی لیے قرآن کریم نے اہل کتاب کی اس نوع کی اطاعت کو شرک ہی سے تعبیر کیا ہے-

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (توبہ : ۳۱) ان لوگوں نے (اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے) عالموں اور درویشوں کو خدا بنا رکھا ہے-

آیت بالا کی تفسیر میں منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اہل کتاب نے تو اپنے احبار وعلماء کو کبھی ارباب نہیں بنایا تھا اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کیوں نہیں' کیا انہوں نے اپنے احبار کو مستقل مطاع کی حیثیت نہیں دی کیا جس کو انہوں نے حلال کہہ دیا انہوں نے اس کو حلال نہیں سمجھ لیا اور جس کو حرام بنا دیا اس کو حرام نہیں سمجھ لیا- اطاعت کا یہ منصب صرف ایک رب العزت کے لیے زیبا تھا جب انہوں نے یہ منصب اٹھا کر اپنے احبار کے سپرد کر دیا تو یہی اتخاذ ارباب اور شرک ہے- اس مضمون سے حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ استنباط فرمایا کہ قرآنی نظر میں اس درجہ کی اطاعت بھی شرک کی ایک قسم ہے جس کو مستقل اطاعت کہا جاتا ہے- اسی قسم کی اطاعت کو قرآن کریم نے شرک سے تعبیر فرمایا ہے-

وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. (الانعام:۱۲۲) اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو تم مشرک ہو گے-

رہی غیر مستقل اطاعت جس میں مطاع کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہوتی بلکہ یہ اطاعت رب العزت کے حکم کے ماتحت ہوتی ہے جیسے رسول' مجتہدین امت' سلاطین وامراء' شوہر' والدین اور غلام کی اپنے مالک کی اطاعت اس لیے یہ شرک بھی نہیں بلکہ بعض مرتبہ فرض اور واجب بھی ہوتی ہے- عبادت اور اطاعت میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت غایت تذلل اور انتہائی خشوع وخضوع کا اظہار ہے- یہ اسی کے لیے مناسب ہے جس میں غایت درجہ عظمت موجود ہو' ایسی عظمت کہ اس سے

برتر وہم وگمان میں نہ آ سکے۔ اس درجہ کی عظمت صرف ایک ذات میں منحصر ہے اس لیے اس میں غیر مستقل طور پر بھی کسی کی شرکت کے لیے گنجائش نہیں اس میں ہر قسم کی شرکت شرک ہے۔ اور اطاعت کے لیے صرف حکمرانی کی لیاقت درکار ہے یہ بطریق نیابت مخلوق میں بھی پیدا ہوسکتی ہے اس لیے نیابۃً غیر اللہ کی اطاعت شرک نہیں۔ اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے امت کے چند فریق افراط وتفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں ایک تو تاویل کر کے غیر اللہ کی عبادت جائز سمجھنے لگا اور دوسرا اطاعت مجتہدین کو شرک سمجھنے لگا اور کوئی اطاعت رسول کو بھی شرک کا ایک شعبہ قرار دے بیٹھا۔ یہ تمام راہیں حقیقت سے ناآشنا ہونے کی دلیل ہیں۔ قرآن کریم نے اس مسئلہ کو علمی اور عملی ہر دو پہلوؤں سے پورے طور پر صاف کر دیا ہے۔ علمی لحاظ سے تو اس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے علیحدہ اطاعت نہیں ہوتی اس کو مستقل اطاعت سمجھنا ہی غلط ہے اس لیے وہ شرک کیسے ہوسکتی ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء: ۸۰) جس نے رسول کا کہا مانا اس نے خدا ہی کا حکم مانا۔

اور عبادت کے متعلق اس قسم کا کہیں ایک حرف بھی نہیں فرمایا جس سے یہ خطرہ بھی گذر سکے کہ غیر اللہ کی عبادت کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کہی جاسکتی ہے اور عملی دائرہ میں رسول کی اطاعت اور اولوالامر کی اطاعت کو خود قرآن کریم ہی نے فرض و واجب قرار دے دیا پھر اس کو شرک کیسے کہا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس عبادت میں کسی کی شرکت کو کسی نہج سے بھی گوارا نہیں کیا بلکہ ایک ادنیٰ سی ریاء کی نیت کو بھی شرک سے تعبیر فرمادیا اور فوز وفلاح کے لیے اس سے بھی احتراز کرنا شرط اول قرار دے دیا پس جتنی بات قرآن کریم سے کسی تاویل کے بغیر صاف اور صریح طور پر سمجھی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے حکم کے ماتحت کچھ اشخاص یا جماعتوں کی اطاعت تو جائز ہے اور عبادت میں اس کا حکم ہی یہ ہے کہ اس میں کسی کو شریک بھی نہ کیا جائے۔

اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ. (یوسف: ۴۰) اللہ نے اس بات کا حکم دیدیا ہے کہ عبادت بجز اسکے اور کسی کی نہ کی جائے۔

پس مسئلہ تو اتنا صاف اور واضح ہے جتنا کہ ہوسکتا ہے لیکن تاویل کا دروازہ کب بند ہوا اس کو عبادت لغیر اللہ کے مشتاق اور اطاعت رسول سے بیزار دونوں جماعتیں کھڑی کھٹکھٹا رہی ہیں اللہ تعالیٰ دونوں کو صحیح فہم مرحمت فرمائے اطاعت رسول کے متعلق ہم حجیت حدیث کے ذیل میں زیادہ بسط کے ساتھ گفتگو کر چکے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

❀ ❀ ❀

الاشراک باللّٰہ تعالیٰ ممالم یفطر علیہ الانسان

(۶۰۲) عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فِيْ خُطْبَةٍ اَلَا اِنَّ رَبِّيْ اَمَرَنِيْ اَنْ اُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِيْ يَوْمِيْ هٰذَا كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ وَ اِنِّيْ خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَ اَنَّهُمْ اَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِيْنِهِمْ وَ حَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا اَحْلَلْتُ لَهُمْ وَ اَمَرَتْهُمْ اَنْ يُشْرِكُوْا بِيْ مَا لَمْ اُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَ اِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ اِلَى اَهْلِ الْاَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَ عَجَمَهُمْ اِلَّا بَقَايَا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَ قَالَ اِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِاَبْتَلِيَكَ وَ اَبْتَلِيَ بِكَ وَ اَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَأُهٗ نَائِمًا وَ يَقْظَانَ وَ اَنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اُحَرِّقَ قُرَيْشًا فَقُلْتُ رَبِّ اِذًا يَثْلَغُوْا رَاْسِيْ فَيَدَعُوْهُ خُبْزَةً قَالَ اسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا اَخْرَجُوْكَ وَ اغْزُهُمْ نُغْزِكَ وَ اَنْفِقْ فَسَنُنْفِقُ عَلَيْكَ وَ ابْعَثْ جَيْشًا نَبْعَثْ خَمْسَةً مِثْلَهٗ وَ قَاتِلْ بِمَنْ اَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ.

(رواہ مسلم)

شرک انسان کی فطرت نہیں

(۶۰۲) عیاض بن حمار مجاشعی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا سن لو میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کچھ آج اس نے مجھے بتایا ہے اس میں کوئی حصہ میں تم کو بھی بتا دوں (اس نے فرمایا ہے) کہ جو مال میں نے کسی بندہ کو دیا وہ اس کے لیے حلال ہے اور فرمایا کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو دین فطرت پر پیدا کیا ہے پھر ان کے پاس شیطان آئے اور ان کو اپنے دین سے ہٹا کر جو چیزیں میں نے ان کے لیے حلال بنائی تھیں حرام کر دیں اور اس پر اُبھارا کہ میرا شریک ٹھہرائیں جس کی میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین پر نظر ڈالی تو عرب وعجم سب کو قابل نفرت سمجھا بجز ان چند لوگوں کے جو اہل کتاب میں سے باقی رہ گئے تھے اور فرمایا کہ میں نے تم کو رسول بنا کر اس لیے بھیجا ہے تا کہ تمہاری بھی آزمائش کروں اور تمہارے ذریعہ سے دوسروں کی بھی آزمائش کروں اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی دھو نہیں سکتا' تم سوتے جاگتے ہر وقت اس کو پڑھ سکتے ہو۔ (قرآن حافظ کے سینہ میں ہوتا ہے نہ پانی اسے دھو سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے کے لیے آنکھوں سے دیکھنے کی ضرورت ہے) اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا بھی حکم دیا کہ میں قریش کو جلا کر تباہ کر ڈالوں اور اس پر میں نے عرض کیا وہ تو میرے سر کو کچل ڈالیں گے اور اس کو ایک روٹی کی طرح بنا کر رکھ دیں گے فرمایا تم ان کو نکال باہر کرو جیسا انہوں نے تم کو وطن سے نکالا اور ان سے جنگ کرو ہم تمہاری مدد کریں گے اور خوب لشکر پر خرچ کرو ہم تمہیں خرچ دیں گے اور ان پر فوج کشی کرو ہم ان کی پچگنی اپنی جانب سے اور بھیجیں گے اور اپنے تابعداروں کو ساتھ لے کر ان سے جنگ کرو جو تمہاری نافرمانی کرے۔ (مسلم شریف)

---

(۶۰۲) * عرب بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ بتوں کے نام کے بہت سے جانور اپنے اوپر حرام کر لیا کرتے تھے حدیث کہتی ہے کہ جو جانور اللہ تعالیٰ نے حلال کیے ہیں ان کو حرام کرنے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت شرک وکفر سے پاک پیدا فرمائی ہے اس سے شرک کرنے میں کسی کا کوئی عذر مسموع نہیں۔ یہ آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ کسی کے کہنے پر حلال کو حرام سمجھ لینا بھی ...

(۶۰۳) عَنْ زَيْدِ بْنِ سَلَّامٍ اَنَّ اَبَا سَلَّامٍ حَدَّثَهُ اَنَّ الْحَارِثَ الْاَشْعَرِیَّ حَدَّثَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ يَحْیٰ بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ اَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَ يَاْمُرَ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ اَنْ يَعْمَلُوْا بِهَا وَ اَنَّهُ كَادَ اَنْ يُبْطِیَ بِهَا قَالَ عِيْسٰی اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَ تَاْمُرَ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ اَنْ يَعْمَلُوْبِهَا فَاِمَّا اَنْ تَاْمُرَهُمْ وَ اِمَّا اَنْ اٰمُرَهُمْ فَقَالَ يَحْیٰ اَخْشٰی اِنْ سَبَقْتَنِیْ بِهَا اَنْ يُخْسَفَ بِیْ اَوْ اُعَذَّبَ فَجَمَعَ النَّاسَ فِیْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَامْتَلَأَ وَ قَعَدُوْا عَلَی الشُّرَفِ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِیْ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ اَنْ اَعْمَلَ بِهِنَّ وَ اٰمُرَكُمْ اَنْ تَعْمَلُوْا بِهِنَّ اَوَّ لُهُنَّ اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَ اِنَّ مَثَلَ مَنْ اَشْرَكَ بِاللّٰهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرٰی عَبْدًا مِنْ خَالِصِ مَالِهٖ بِذَهَبٍ اَوْ وَرِقٍ فَقَالَ هٰذِهٖ دَارِیْ وَ هٰذَا عَمَلِیْ فَاعْمَلْ وَ اَدِّ اِلَیَّ فَكَانَ يَعْمَلُ وَ يُؤَدِّیْ اِلٰی غَيْرِ سَيِّدِهٖ فَاَيُّكُمْ يَرْضٰی اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدُهٗ كَذٰلِكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ اَمَرَكُمْ بِالصَّلٰوةِ فَاِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ يَنْصِبُ وَجْهَهٗ لِوَجْهِ عَبْدِهٖ فِیْ صَلٰوتِهٖ

(۶۰۳) زید بن سلامؓ سے روایت ہے کہ ان سے ابوسلام نے کہا کہ حارث اشعری نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ ان پر وہ خود بھی عمل کیا کریں اور بنی اسرائیل سے کہہ دیں کہ وہ بھی ان پر عمل کریں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل سے کہنے میں کچھ تاخیر ہونے لگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ آپ خود بھی ان پر عمل کیا کریں اور بنی اسرائیل سے بھی عمل کرنے کے لیے کہہ دیں تو یا تو آپ ہی ان سے کہہ دیجیے یا پھر میں ان سے کہہ دوں- حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ (چونکہ حکم مجھے ہوا ہے اس لیے) مجھے خطرہ ہے اگر اس بارے میں آپ نے سبقت کی تو کہیں میں زمین میں دھنسا نہ دیا جاؤں یا کسی اور عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں اس کے بعد انہوں نے فوراً لوگوں کو بیت مقدس میں جمع کیا جب وہ خوب بھر گیا اور لوگ گیلریوں تک میں بیٹھ گئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں پر خود عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کا کہ میں تم کو بھی ان پر عمل کرنے کی تاکید کر دوں- پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ کیونکہ جو شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے اس کی مثال ایسی ہے جیسی اس غلام کی جس کو ایک شخص صرف اپنے سونے چاندی کے مال سے بلا شرکت غیرے خریدے اور اس کو یہ بتا دے کہ دیکھ یہ تو میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے تو مزدوری کرنا اور اس کی اجرت مجھے دے دیا کرنا- یہ غلام مزدوری تو کرے مگر اس کی اجرت اپنے آقا کی بجائے کسی اور شخص کو دے دیا کرے بھلا تم میں کون شخص یہ پسند کر سکتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو- دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو نماز کا حکم دیا ہے لہٰذا جب تک نماز میں رہو اِدھر اُدھر دیکھا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی طرف پورا پورا متوجہ

.... خدا کے شریک ٹھہرانے کے ہی مرادف ہے اسی کو شرک فی الطاعۃ کہا جاتا ہے- خلاصہ یہ کہ شرک فی الذات ہو یا فی العبادت یا فی الطاعت یہ سب انواع انسانی فطرت کے خلاف ہیں ان کا بانی صرف شیطان ہے اور جو اس کی تقلید کرتا ہے وہ عبدرحمٰن نہیں اسی کا بندہ ہے- جب خارجی اثرات یا والدین کی تعلیم سے فطرت مسخ ہو جاتی ہے تو پھر عقائد شرکیہ فطرت کا تقاضہ معلوم ہونے لگتے ہیں-

(۶۰۳) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان پانچ باتوں کا امر فرمایا ہے جن کے بغیر پہلی باتوں پر بھی پورا عمل نہیں ہو سکتا- نماز روزہ اور بالخصوص زکوٰۃ و صدقات یہ مسلمانوں کی صرف انفرادی عبادتیں نہیں بلکہ ان کی اجتماعی عبادتیں بھی ہیں اور اجتماعی عبادتوں کا نظم ....

مَالَمْ يَلْتَفِتْ وَ اَمَرَكُمْ بِالصِّيَامِ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِيْ عِصَابَةٍ مَعَهُ صُرَّةٌ فِيْهَا مِسْكٌ وَ كُلُّهُمْ يَعْجَبُ اَوْ يُعْجِبُهُ رِيْحُهَا اِنَّ رِيْحَ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَ اَمَرَكُمْ بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَسَرَهُ الْعَدُوُّ فَاَوْثَقُوْا يَدَهُ اِلٰى عُنُقِهٖ وَ قَدَّمُوْهُ لِيَضْرِبُوْا عُنُقَهُ فَقَالَ اَنَا اَفْدِيْهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيْلِ وَ الْكَثِيْرِ فَفَدَا نَفْسَهُ مِنْهُمْ وَ اَمَرَكُمْ اَنْ تَذْكُرُوا اللّٰهَ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِيْ اَثَرِهٖ سِرَاعًا حَتّٰى اِذَا اَتٰى عَلٰى حِصْنٍ حَصِيْنٍ فَاَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ كَذَالِكَ الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ اِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ. اَلسَّمْعُ وَ الطَّاعَةُ وَ الْجِهَادُ وَ الْهِجْرَةُ وَ الْجَمَاعَةُ فَاِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ اِلَّا اَنْ يُرَاجِعَ وَ مَنِ ادَّعٰى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّهُ مِنْ جُثَى جَهَنَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اِنْ صَلّٰى وَ صَامَ فَقَالَ وَ اِنْ صَلّٰى وَ صَامَ فَادْعُوْا بِدَعْوَى اللّٰهِ الَّذِيْ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عِبَادَا للّٰهِ.

(رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث حسن صحیح غریب)

رہتا ہے جب تک وہ اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا- تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو روزہ کا حکم دیا ہے روزہ کی مثال ایسی ہے جیسی کسی جماعت میں اس شخص کی جس کے پاس ایک تھیلی ہو اس تھیلی میں مشک ہو تو ہر شخص کو اس کی خوشبو اچھی معلوم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو روزہ دار کے منہ کی بو مشک سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے- چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو صدقہ کا حکم دیا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کو دشمن نے قید کر لیا ہو اور اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیئے ہوں اور اس کی گردن مارنے کے لیے اس کو لیے جا رہے ہوں- یہ شخص کہے کہ میں اپنی جان کے عوض میں تھوڑا بہت مال (جو کچھ مال میرے پاس ہے) سب دیتا ہوں اور اس طرح فدیہ دے کر اپنی جان کو ان سے چھڑا لے اور پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ذکر اللہ کا حکم دیا ہے کیونکہ ذکر کی مثال ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کے تعاقب میں دشمن تیزی کے ساتھ آ رہا ہو اور یہ دوڑتے دوڑتے کسی مضبوط قلعہ کے اندر آ جائے اور اس میں آ کر اپنی جان کو دشمن سے بچا لے اسی طرح بندہ بجز ذکر اللہ کے اور کسی طرح اپنے آپ کو شیطان سے بچا نہیں سکتا- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب میں تم کو ان پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم خدائے تعالیٰ نے مجھ کو دیا ہے- اپنے حاکم کا حکم بغور سننا اور بخوشی ماننا جہاد کرنا' ہجرت اور مسلمانوں کی جماعت جو اپنے امام کے ساتھ رہے اس کے ساتھ تم بھی لگے رہنا کیونکہ جو امام وقت کی جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ رہا اس نے گویا اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا مگر یہ کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آ جائے اور پھر اس کی اطاعت کرنے لگے اور پانچویں بات یہ کہ جس نے اسلام میں پھر زمانہ جاہلیت کی آوازیں لگانی شروع کیں وہ شخص دوزخ کے خس و خاشاک میں داخل ہوا ایک شخص بولا یا رسول اللہ اگر چہ وہ نمازیں بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے- فرمایا اگر چہ نمازیں بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے- اس لیے اللہ کے بندو! تم اسی اللہ کی مرضی کے مطابق نعرے لگاؤ جس نے پہلے سے تمہارا نام مسلم اور مؤمن رکھ دیا ہے- (ترمذی شریف)

ﷺ ....ونسق بلا جماعت کے قائم نہیں رہ سکتا اور کوئی جماعت بلا کسی امام و امیر کے زندہ نہیں رہ سکتی اس لیے آپ نے ان اجزاء پر زیادہ زور دیا ہے جن کے بغیر اللہ تعالیٰ کی خالص عبادتیں پوری طاقت اور آزادی کے ساتھ ادا نہیں کی جا سکتیں آخری شریعت درحقیقت پہلی شریعتوں کے لیے مکمل ہے-

الاشراک باللّٰہ اقبح الاشیاء عند اللّٰہ

(۶۰۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيْلَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ قَالَ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَ هُوَ خَلَقَكَ ثُمَّ قَالَ اَيٌّ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَ لَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ ثُمَّ قَالَ اَيٌّ قَالَ اَنْ تُزَانِيَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ فَاَنْزَلَ تَصْدِيْقَ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ. (بخاری شریف)

(۶۰۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ قَالَ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَ هُوَ خَلَقَكَ قَالَ قُلْتُ لَهُ اِنَّ ذٰلِكَ لَعَظِيْمٌ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ ثُمَّ اَنْ تَقْتُلَ وَ لَدَكَ مَخَافَةَ اَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ ثُمَّ اَنْ تُزَانِيَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ. رواہ مسلم و في طريق اخر فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ تَصْدِيْقَهَا (وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا).

(۶۰۶) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَ اِنْ قُطِّعْتَ وَ حُرِّقْتَ وَ لَا تَتْرُكْ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَ لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ. (رواه ابن ماجة)

شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر جرم ہے

(۶۰۴) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس خدا کا شریک ٹھہرائے جس نے تجھ کو تنہا بلا شرکت پیدا کیا ہے پوچھا اس کے بعد' فرمایا کہ تو اپنے جگر گوشہ کو اس خوف سے مار ڈالے کہ کہیں وہ تیرے ساتھ تیرے کھانے میں شریک نہ ہو جائے' اس نے کہا پھر اس کے بعد' فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زناء کرے- آپ کے اس کلام کی تصدیق میں آیت ذیل بھی نازل ہوگئی- و الذین لا یدعون ... الخ- (بخاری شریف)

(۶۰۵) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس کا شریک ٹھہرائے حالانکہ تجھ کو پیدا اسی نے کیا ہے میں نے کہا بے شک یہ تو بہت بڑا جرم ہے- میں نے عرض کیا اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خطرہ سے مار ڈالے کہ وہ (بڑا ہو کر) کھانے میں تیرا شریک ہوگا- میں نے عرض کیا پھر' فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بی بی سے زناء کرے- صحیح مسلم کے دوسرے طریقے میں ہے کہ آپ کے اس ارشاد کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل نازل فرمائی- (وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا).

(۶۰۶) ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ میرے سب سے بزرگ محبوب نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تمہاری بوٹی بوٹی کر دی جائے اور تم کو جلا کر خاک بھی کر دیا جائے اور دیکھو جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص جان کر نماز چھوڑ بیٹھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور شراب کبھی نہ پینا کیونکہ اس سے تمام برائیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے- (ابن ماجہ)

(۶۰۷) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ یَعْبُدُ اللّٰهَ وَ لَا یُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا وَ یُقِیْمُ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتِی الزَّکٰوةَ وَ یَجْتَنِبُ الْکَبَائِرَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ فَسَأَلُوْهُ مَا الْکَبَائِرُ قَالَ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰهِ وَ الْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ وَ قَتْلُ النَّفْسِ. (رواه الحاکم فی المستدرك)

(۶۰۷) ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرائے، نماز اچھی طرح پڑھے زکوٰۃ ادا کرے، کبائر سے بچتا رہے مگر وہ ضرور بالضرور جنت میں جائے گا - لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ کبائر کی تفصیل کیا ہے فرمایا خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا جہاد سے بھاگ جانا اور کسی کو ناحق قتل کرنا یہ سب کبیرہ ہیں - (مستدرک)

(۶۰۸) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیَغْفِرُ لِعَبْدِهٖ مَا لَمْ یَقَعِ الْحِجَابُ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْحِجَابُ قَالَ اَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ وَّ هِیَ مُشْرِکَةٌ. (رواه البیهقی فی کتاب البعث و النشور)

(۶۰۸) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے گناہ برابر بخشتا رہتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت (اور اس کے بندہ کے درمیان) پردہ نہیں پڑتا - صحابہؓ نے پوچھا وہ پردہ کیا چیز ہے فرمایا وہ پردہ یہ ہے کہ شرک کے عقیدہ پر کسی کی موت آ جائے - (کتاب البعث والنشور)

(۶۰۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ لَا یَعْدِلُ بِهٖ شَیْئًا فِی الدُّنْیَا ثُمَّ کَانَ عَلَیْهِ مِثْلُ جِبَالٍ ذُنُوْبٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ. (ایضا)

(۶۰۹) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھے بغیر مر جائے اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرما دے گا اگرچہ اس کے سر پر پہاڑوں کے برابر بھی گناہ ہوں - (ایضاً)

(۶۱۰) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ مَاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰهِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه احمد و الشیخان)

(۶۱۰) ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے خود سنا ہے جو شخص شرک سے پاک وصاف مر جائے گا وہ ضرور جنتی ہوگا -
(احمد وشیخین)

(۶۱۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَنْ عَلِمَ اَنِّیْ ذُوْ قُدْرَةٍ عَلٰی مَغْفِرَةِ الذُّنُوْبِ غَفَرْتُ لَهٗ وَ مَا اُبَالِیْ مَا لَمْ یُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا. (رواه فی شرح السنه)

(۶۱۱) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث قدسی نقل فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو شخص یہ یقین رکھے کہ میں تمام گناہوں کی بخشش پر قدرت رکھتا ہوں میں اس کو بخش دوں گا بشرطیکہ اس نے کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرایا ہو اور میں بڑا بے نیاز ہوں -
(شرح السنہ)

(۶۱۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی

(۶۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلدَّوَاوِیْنُ ثَلاَ ثَۃٌ دِیْوَانٌ لَا یَغْفِرُ اللّٰہُ. اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ دِیْوَانٌ لَا یَتْرُکُہُ اللّٰہُ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَھُمْ حَتّٰی یَقْتَصَّ بَعْضُھُمْ مِنْ بَعْضٍ وَ دِیْوَانٌ لَا یَعْبَاُ اللّٰہُ بِہٖ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَھُمْ وَ بَیْنَ اللّٰہِ فَذَاکَ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَاءَ عَذَّبَہٗ وَ اِنْ شَاءَ تَجَاوَزَ عَنْہُ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال کے دفاتر تین قسم کے ہیں ایک شرک کا دفتر اس کی بخشش کا تو کوئی امکان ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے" خدائے تعالیٰ اس بات کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے-" دوسرا دفتر وہ ہے جس کا انتقام لیے بغیر اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا یہ بندوں کے باہم ایک دوسرے پر حقوق ہیں- تیسرا دفتر ان حقوق کا ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہیں- اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے چاہے تو ان پر گرفت فرمائے اور چاہے درگذر فرمادے- (شعب الایمان)

(۶۱۳) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ اَوْ صَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ کَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَ اِنْ قُتِلْتَ وَ حُرِّقْتَ وَ لَا تَعُقَّنَّ وَ الِدَیْکَ وَ اِنْ اَمَرَاکَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَھْلِکَ وَ مَالِکَ وَ لَا تَتْرُکَنَّ صَلٰوۃً مَکْتُوْبَۃً فَاِنَّ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَ لَا تَشْرِبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّہٗ رَأْسُ کُلِّ فَاحِشَۃٍ وَ اِیَّاکَ وَ الْمَعْصِیَۃَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِیَۃِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰہِ وَ اِیَّاکَ وَ الْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَ اِنْ ھَلَکَ النَّاسُ وَ اِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَ اَنْتَ فِیْھِمْ فَاثْبُتْ وَ اَنْفِقْ عَلٰی عَیَالِکَ مِنْ طَوْلِکَ وَ لَا تَرْفَعْ عَنْھُمْ عَصَاکَ اَدَبًا وَ اَخِفْھُمْ فِی اللّٰہِ. (رواہ احمد)

(۶۱۳) معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کی وصیت فرمائی ہے آپ نے فرمایا ہے- (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگر چہ تمہیں جان سے مار ڈالا جائے اور جلا کر خاک بھی کر دیا جائے- (۲) اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرنا اگر چہ وہ بیوی اور مال چھوڑ دینے کا بھی حکم دیں- (۳) کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص قصداً نماز چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے- (۴) شراب نہ پینا کیونکہ یہ تمام بے حیائیوں کا سرچشمہ ہے- (۵) خدا کی نافرمانی سے دور رہنا کیونکہ نافرمانی کرنے سے خدا کا غصہ اتر آتا ہے- (۶) جہاد میں ہرگز نہ بھاگنا اگر چہ اور لوگ بھاگ جائیں- (۷) جب لوگوں میں وباء پھیلے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہنا (اور بھاگنا مت) (۸) اپنی اولاد پر اپنی وسعت کے موافق خرچ کرتے رہنا- (۹) بنظر ادب اپنا ڈنڈا ان سے نہ ہٹانا (۱۰) اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انہیں ڈراتے بھی رہنا- (احمد)

(۶۱۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَھْوَنُ اَھْلِ النَّارِ عَذَابًا

(۶۱۴) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- دوزخیوں میں سب سے زیادہ ہلکا عذاب ابو طالب کو ہو

---

(۶۱۴) * اگر شرک کے متعلق حتمی وعید میں قدرت کوئی استثناء گوارا کرتی تو شاید ان سے بڑھ کر اس کا کوئی اور محل نہ ہوتا مگر یہاں بھی صحیح حدیثوں میں خدا کی وعید میں کوئی استثناء ثابت نہیں ہوتا- بعض روایات میں جو تفصیلات مذکور ہیں وہ حد ثبوت کو نہیں پہنچتیں- یہ حدیث بالفاظ مختلفہ وارد ہوئی ہے ہم نے اس کے مختلف الفاظ سے مختلف فوائد اخذ کیے ہیں اس لیے اس کو کئی جگہ ذکر کیا ہے مگر ہر جگہ لفظ نئے ہیں-

اَبُوْ طَالِبٍ وَ هُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ. (رواہ البخاری)

گا وہ صرف آگ کے دو چپل پہنے ہوئے ہوں گے اس کی وجہ سے ان کا دماغ کھولتا رہے گا۔ (اعاذنا اللّٰہ منہ) (بخاری شریف)

(۶۱۵) عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِجَمِیْعِ خَلْقِہٖ اِلَّامُشْرِکٍ اَوْ مُشَاحِنٍ.

(۶۱۵) ابوموسیٰ اشعری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں اپنے بندوں کی طرف خاص طور پر توجہ فرماتا ہے اور سب کی مغفرت کر دیتا ہے بجز مشرک اور کینہ ور کے۔ (ابن ماجہ۔احمد)

(رواہ ابن ماجة و رواہ احمدعن عبداللہ بن عمرو بن العاص و فی روایته لاثنین مشاحن و قاتل نفس)

(۶۱۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَ یَوْمَ الْخَمِیْسِ فَیُغْفَرُ لِکُلِّ عَبْدٍ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا اِلَّا رَجُلٌ کَانَتْ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ اَخِیْہِ شَحْنَاءُ فَیُقَالُ دَعُوْا هٰذَیْنِ حَتّٰی یَصْطَلِحَا. (رواہ مسلم)

(۶۱۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں اور ان میں تمام ان بندوں کی بخشش کر دی جاتی ہے جو کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہراتے بجز ان کے جن کے دل میں اپنے بھائی کا کینہ ہو۔ ایسے دو شخصوں کے متعلق یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ان کا معاملہ ملتوی رکھو تا آنکہ وہ دونوں صلح کرلیں۔ (مسلم)

لاینفع الایمان مع الاشراک باللّٰہ

شرک وکفر کی ملاوٹ کے ساتھ ایمان بھی سودمند نہیں۔

(۶۱۷) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ شَقَّ ذَالِکَ عَلٰی اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّنَا لَمْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ ذَاکَ

(۶۱۷) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت اَلَّذِیْنَ آمَنُوْ ... الخ (جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے اپنے ایمان میں کسی قسم کا ظلم شامل نہیں کیا الخ) نازل ہوئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سخت پریشانی لاحق ہوئی اورانہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا ہم میں ایسا کون شخص ہوگا جس نے کوئی بھی ظلم (گناہ) نہ کیا ہو۔

---

(۶۱۶) ٭ آسمانوں میں دروازے ہیں وہ کھولے بھی جاتے ہیں اور بند بھی کیے جاتے ہیں یہ سب عالم غیب کے حقائق ہیں ان میں جگہ جگہ نہ الجھیے اگر کلی طور پر آپ کو عالم غیب کا وجود مسلم ہو چکا ہے تو یہ سب اسی کی معمولی جزئیات ہیں اور اگر ابھی اس کے وجود ہی میں کچھ تردد ہے تو پہلے اسی کو طے کر لیجئے یہاں مقصد یہ ہے کہ ارحم الراحمین کی مہربانیوں کی ایسی ایسی ساعات میں بھی شرک کرنے والا محروم ہی رہتا ہے اپنے ایک مسلمان بھائی سے بغض رکھنے والا شخص بھی کتنا بدنصیب ہے جو محرومی میں ایک مشرک کا شریک بن رہا ہے۔

(۶۱۷) ٭ ایمان میں شرک ملانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ سب سے خطرناک یہ ہے کہ زبان پر تو خدا کی توحید کا دعویٰ ہو اور عملاً اس کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک بھی بنایا جائے۔ قرآن کریم نے حسب ذیل الفاظ میں ایسے ہی ایمان کا شکوہ فرمایا ہے۔ وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ هُمْ مُشْرِکُوْنَ. ان میں اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے مگر وہ اس کے ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ جس کے ایمان لله ....

اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ اَلَمْ تَسْمَعُوْا قَوْلَ لُقْمَانَ لِابْنِهِ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ وَ فِي رِوَايَةٍ لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّوْنَ اِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ. (متفق عليه)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا یہاں ظلم سے یہ ظلم مراد نہیں بلکہ (سب سے بڑا ظلم) شرک مراد ہے- کیا تم نے لقمان کا وہ قول نہیں سنا جو انہوں نے بطور وصیت اپنے لڑکے سے فرمایا تھا اے ولد عزیز! دیکھو شرک نہ کرنا کیونکہ یہ بڑا ظلم ہے- (متفق علیہ)

(۶۱۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَءَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَ لَا دِيْنٍ وَ لٰكِنِّيْ اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَ طَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً. (رواه البخاري)

(۶۱۸) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شوہر کی عادت یا ان کے دین پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن مجھے اسلام میں کفر کرنا گوارا نہیں- آپ نے فرمایا کیا ان کا وہ باغ جو انہوں نے تم کو مہر میں دیا تھا واپس کر سکتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں- آپ نے ثابت بن قیس سے فرمایا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم وہ باغ لے لو اور ان کو ایک طلاق دے دو- (بخاری شریف)

لاتقبل الشفاعة في المشرك

مشرک کے حق میں شفاعت قبول نہیں

(۶۱۹) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِيْ اٰتٍ مِنْ عِنْدِ

(۶۱۹) عوف بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس

ﷺ ....میں کسی قسم کا بھی شرک شامل ہوگا وہ نہ تو ہدایت یافتہ ہے اور نہ آخرت میں اسے امن و اطمینان نصیب ہوگا- ایمان اسی وقت نجات بخش ہوتا ہے جب کہ اس میں شرک کا کوئی شائبہ نہ ہو حتیٰ کہ جس عمل میں شرک خفی یعنی ریاء کی بھی بو ہو وہ بھی آخرت میں کالعدم ہو جائے گا-

(۶۱۸) ﷺ ثابت بن قیس پست قد تھے ان کی بی بی کا دل ان سے ملتا نہ تھا جب دل نہیں ملتا تو معاشرتی زندگی میں بے سبب اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں- یہ بی بی کتنی سچی، کتنی دانا اور کتنی دیانت دار تھیں کہ اپنی مقصد براری کے لیے اپنے شوہر کے سر کوئی جھوٹا مقدمہ بنا کر کھڑا نہیں کرتیں نہ ان پر کوئی تہمت لگاتی ہیں بلکہ بڑی صفائی سے اپنے قلبی اختلاف کا اظہار کر دیتی ہیں کتنی دین دار ہیں کہ جدائی کی درخواست اس لیے پیش نہیں کرتیں کہ کوئی دنیوی نفع ان کے پیش نظر ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے اسلام میں کفر کی ادنیٰ آمیزش بھی برداشت نہیں کر سکتیں- جس انس و محبت کو ان کا اسلام تقاضا کرتا ہے وہ بہ صورت موجودہ اس کو نباہ نہیں سکتیں ایک محسن کے ساتھ قلبی کراہت بھی ایک قسم کا کفر ہے جو اسلام خدائے تعالیٰ کے ساتھ کفر سے روکتا ہے وہی اپنے شوہر کے ساتھ بھی کفر سے روکتا ہے اسلام کے ساتھ کفر کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا شعبہ بھی ہو تو وہ انسان کے اسلام کو بدنما کر دیتا ہے- مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اسلام سے کفر نما افعال کی جڑ بنیاد نکال پھینکے- اس وقت اس کا اسلام سچا اور پکا اسلام کہلانے کا مستحق ہے-

(۶۱۹) ﷺ یعنی آپ کی شفاعت کے لیے اور کسی تفصیل کی ضرورت نہیں صرف اتنی بات کافی ہے کہ شرک سے کلیتہً اجتناب رہے کیونکہ شرک آپ کی شفاعت کے لیے بھی حجاب ہوگا-

رَبِّیْ فَخَیَّرَنِیْ بَیْنَ اَنْ یَّدْخُلَ نِصْفُ اُمَّتِی الْجَنَّةَ وَ بَیْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَ هِیَ لِمَنْ مَاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰهِ شَیْئًا. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

نے مجھے اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو میری نصف امت جنت میں داخل ہو جائے اور چاہوں تو امت کے لیے شفاعت اختیار کرلوں- میں نے شفاعت کو پسند کرلیا ہے اور یہ ہر اس شخص کے لیے ہوکر رہے گی جو اس حالت پر مر جائے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائے- (ترمذی-ابن ماجہ)

(۶۲۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَلْقٰی اِبْرَاهِیْمُ اَبَاهُ اٰزَرَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ عَلٰی وَجْهِ اٰزَرَ قَتَرَةٌ وَ غَبَرَةٌ فَیَقُوْلُ لَهٗ اِبْرَاهِیْمُ اَلَمْ اَقُلْ لَکَ لَا تَعْصِنِیْ فَیَقُوْلُ لَهٗ اَبُوْهُ فَالْیَوْمَ لَا اَعْصِیْکَ فَیَقُوْلُ اِبْرَاهِیْمُ یَا رَبِّ اِنَّکَ وَ عَدْتَّنِیْ اَلَّا تُخْزِیَنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ فَاَیُّ خِزْیٍ اَخْزٰی مِنْ اَبِیْ الْاَبْعَدِ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَی الْکَافِرِیْنَ ثُمَّ یُقَالُ لِاِبْرَاهِیْمَ مَا تَحْتَ رِجْلَیْکَ فَیَنْظُرُ فَاِذَا هُوَ بِذِیْخٍ مُتَلَطِّخٍ فَیُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهٖ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ. (رواہ البخاری)

(۶۲۰) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محشر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد آزر سے جب اس حالت میں ملاقات ہوگی کہ ان کے چہرہ پر تاریکی چھائی ہوگی اور وہ غبار آلود ہوگا تو وہ فرمائیں گے کیا میں نے آپ سے دنیا میں نہیں کہہ دیا تھا کہ میری نافرمانی نہ کیجیے وہ جواب دیں گے اچھا اب نہیں کروں گا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام (جوش محبت میں) دعا فرمائیں گے پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ محشر میں مجھے رسوا نہ کرے گا- آج میرے اس رحمت سے دور افتادہ والد کی حالت سے بڑھ کر میری رسوائی اور کیا ہوگی- ارشاد ہوگا میں تو جنت کو کافرین پر حرام کر چکا ہوں- اس کے بعد ان سے کہا جائے گا اچھا ذرا اپنے پیروں کے پاس تو دیکھو کیا چیز ہے وہ دیکھیں گے تو ایک کیچڑ میں لتھڑی ہوئی ہنڈار کی مسخ شدہ صورت ان کو نظر آئے گی (یہ مکروہ صورت دیکھ کر تکوینی طور پر ان کے قلب سے شفقت پدری نکل جائے گی) پھر آزر کے پیروں کو پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا- (بخاری شریف)

(۶۲۱) عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا یَسْتَغْفِرُ

(۶۲۱) حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک

---

(۶۲۰) ٭ یہ والد بزرگوار کے لیے سفارش نہیں تھی اس کی ممانعت تو پہلے ہو چکی تھی بلکہ یہ اس وعدہ کی یاد دہانی ہے جو ان کی رسوائی سے حفاظت کے متعلق کیا جا چکا تھا- قدرت نے اس کا یوں ایفء کر دیا کہ آزر کی شکل ہی کو مسخ کر دیا تاکہ یہ شناخت ہی نہ ہو سکے کہ یہ کون ہیں اگرچہ اس یاد دہانی میں دوسرے پیرایہ سے سفارش کی بو بھی آ رہی تھی مگر یہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی مشرک امت کے حق میں شفاعت سے بچ بچ کر فرمایا ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ (المائدۃ: ۱۱۸) یعنی میں آج بحق نبوت تو کچھ بول نہیں سکتا مگر تیری خدائی اور ان کے رشتہ بندگی کو یاد دلاتا ہوں اب تو چاہے تو اپنے بندے سمجھ کر ان کو عذاب دے دے اور چاہے تو بخش دے اسی طرح یہاں ابراہیم علیہ السلام براہ راست تو کافر باپ کی سفارش نہیں کرتے مگر یوں فرماتے ہیں کہ پروردگار ان کی اس حالت کا اثر آج کچھ تیرے خلیل پر بھی پڑتا ہے ان کو رسوائی سے بچانہ بچا یہ تیری مرضی مگر اپنے خلیل کو تو بچا لے اس کے متعلق تو تیرا وعدہ ہے قدرت نے اپنے دونوں وعدے پورے کر دیے- کافر کو بخشا نہیں اور خلیل کو رسوا نہیں کیا- وله الحمد فی الاولیٰ و الآخرہ-

(۶۲۱) ٭ اس روایت سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے دعاء مغفرت بھی نہ کرنی چاہیے کیونکہ جس کے حق میں عدم مغفرت کا اعلان ہو.....

لابَوَیْهِ وَ هُمَا مُشْرِكَانِ فَقُلْتُ لَا تَسْتَغْفِرْ لِاَبَوَیْکَ وَ هُمَا مُشْرِكَانِ فَقَالَ اَلَیْسَ قَدِ اسْتَغْفَرَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَ هُوَ مُشْرِکٌ فَذَکَرْتُهٗ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَ لَوْ كَانُوْا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ. (رواه الحاکم فی التفسیر و صححه الذهبی ایضا و الحدیث یروی فی الصحاح)

والدین کے لیے استغفار کرتے سنا تو میں نے کہا کہ تو ان کے لیے استغفار نہ کر کیونکہ وہ مشرک تھے- اس نے کہا کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے مغفرت طلب نہ کی تھی حالانکہ وہ بھی تو مشرک تھے- یہ بات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی - نبی اور مؤمنین کے لیے یہ شایان شان نہیں کہ وہ مشرکین کے حق میں استغفار کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بالخصوص جب کہ ان پر یہ واضح ہو چکا ہو کہ مشرکین سب دوزخی ہیں- رہا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لیے استغفار کا معاملہ تو وہ صرف ایک وعدہ کی بناء پر تھا جو انہوں نے پہلے سے کر رکھا تھا لیکن جب ان کو یہ واضح ہو گیا کہ ان کا والد خدائے تعالیٰ کا دشمن تھا تو وہ بھی ان سے الگ ہو گئے (اور سفارش ترک کردی) ابراہیم مزاج کے نہایت نرم اور بڑے گریہ وزاری کرنے والے نبی تھے- (حاکم)

(۶۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ زَارَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ اُمِّهٖ فَبَكٰی وَ اَبْكٰی مَنْ حَوْلَهٗ فَقَالَ اسْتَاْذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لَهَا

(۶۲۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے پروردگار سے اجازت مانگی تھی کہ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرلوں، تو مجھ کو دے دی اور میں نے اس کی اجازت مانگی کہ ان

☜ ....کردیا گیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنی قرآن کریم سے گویا معارضہ ہے- ابو طالب کے حق میں آپ کی سفارش صرف عذاب کی تخفیف کے لیے ہوگی اس کو بھی علماء نے آپ کی خصوصیت پر محمول کیا ہے بہر حال مغفرت کا دروازہ کافر کے لیے بند ہے-

(۶۲۲) * اس قسم کی احادیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شرک کا جرم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا ہے کہ اس پر کسے باشد سب یکساں ماخوذ ہوں گے اب اگر فرض کر لیجیے کہ کسی کی خاطر رحمت کوئی کرشمہ قدرت دکھا دے اور کسی کو اسی عالم میں دوبارہ زندہ کر کے ایمان کی توفیق بخش دے تاکہ مشرک کے حق میں اس کا آئین بھی محفوظ رہے اور رعایت کرنے کا ایک سبب بھی پیدا ہو جائے تو یہ اس کی مرضی کی بات ہے اس میں کون مداخلت کرسکتا ہے لیکن اس قسم کا مضمون صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا صحیح حدیثوں سے جتنا ثابت ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی توحید کے معاملہ میں کسی کے ساتھ بھی نرمی نہیں کی گئی- و اللّٰہ تعالیٰ اعلم بحقیقة الحال -

حافظ ابن تیمیہؒ نے خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کی اہم خصوصیت پر حسب ذیل الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے-

واصل ضلال المشرکین انهم ظنوا ان الشفاعة عند الله کالشفاعة عند غیره و هذا اصل ضلال النصاری ایضا فمن ظن ان الشفاعة المعهودة من الخلق للخلق تنفع عند الله مثل ان یشفع الا نسان عند من یرجوه المشفوع الیه او یخافه کما یشفع عند الملک ابنه او اخوه او اعوانه او نظرائه الذین یخافهم او یرجوهم فیجیب سؤالهم. لا جل رجائه و خوفه منهم. فیمن یشفعون فیه عنده و ان کان الملک ☜ ....

فَلَمْ يُؤْذَنْ لِيْ وَ اسْتَأْذَنْتُهُ فِي اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَاُذِنَ لِيْ فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ. (رواہ مسلم)

کی مغفرت کے لیے درخواست پیش کروں تو مجھ کو اس کی اجازت نہ دی۔ تم قبروں کی زیارت کرو کیونکہ یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔

(مسلم شریف)

(۶۲۳) عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ اَبَا طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عِنْدَهُ اَبُوْجَهْلٍ فَقَالَ اَیْ عَمِّ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً اُحَاجُّ لَكَ

(۶۲۳) ابن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابوجہل بھی موجود تھا' آپؐ نے ان سے کہا چچا جان لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجئے تا کہ اس کلمہ کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ کی جناب میں

ﷺ.... او الا میرا وغیرهما یکره الشفاعة فیمن شفعوا فیه فیشفعهم فیه علی کراهة منه و یشفعون عنده ایضا بغیر اذنه فالله تعالی هو رب کل شیء و ملیکه و خالقه فلا یشفع احد عنده الا باذنه و لا یشفع احد فی احد الا لمن اذن الله للشفیع ان یشفع فیه فاذا اذن للشفیع شفع و ان لم یسأله الشفیع. و لو سأل الشفیع الشفاعة و لم یأذن الله له لم تنفع شفاعته کما لم تنفع شفاعة نوح فی ابنه و لا ابراهیم فی ابیه و لا مراجعة لوط فی قومه و لا صلوة النبی صلی الله علیه وسلم علی المنافقین و استغفاره لهم.

(الرد علی البکری ص ۶۰)

''یعنی مشرکین اور نصاریٰ کی گمراہی کی اصل حقیقت یہی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کا معاملہ بھی مخلوق کی سفارش پر قیاس کر رکھا تھا جیسے یہاں ایک انسان اپنی سفارش کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کرتا ہے جس کے متعلق وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی سفارش کا اثر پڑ سکے گا یا تو اس لیے کہ اس کا اس سے کوئی تعلق ہے یا وہ اس سے ڈرتا ہے مثلاً بادشاہ کے سامنے اس کے بیٹے یا بھائی یا کسی اس کے مشیر کی سفارش لے جاتا ہے یا پھر اس کے کسی ایسے ہمعصر کی سفارش لے جاتا ہے جس سے بادشاہ کو کوئی خوف ہوتا ہے تو یہ سفارشیں بادشاہ کو بعض اوقات اپنی طبیعت کے خلاف بھی سننی پڑتی ہیں پس جس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش بھی اسی نوع کی سمجھی اس نے سخت غلطی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کا پروردگار' سب کا مالک' اور خالق ہے اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرنے کی کسی کو تاب و طاقت نہیں وہاں اجازت ملنے پر شفاعت ہوسکتی ہے خواہ شفیع نے اپنی جانب سے درخواست بھی نہ کی ہو اور اگر اجازت نہ ملے تو اگر شفیع ستر بار بھی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہیں ہوتی جیسی حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے والد کے لیے اور حضرت لوط علیہ السلام کی اپنی قوم کے حق میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منافقین کے بارے میں قبول نہ ہوئی''۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ بلند میں سفارش کا معاملہ بھی ان ہی کی مرضی پر موقوف ہے انبیاء علیہم السلام کی بھی یہ تاب و طاقت نہیں کہ وہ کسی کے معاملہ میں قدرت کو مجبور کر سکیں جب تک اس طرف سے ممانعت کے آثار نہیں پاتے یہ بھی اپنے عجز و نیاز کے ہاتھ پھیلائے رہتے ہیں اور جب ذرا آثار ممانعت نظر آنے لگتے ہیں تو پھر وہ بھی اپنی بیزاری کا اعلان کر دیتے ہیں خواہ وہ اپنا والد ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں ارشاد ہے۔ ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ (التوبة: ۱۱۴)

بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْ جَهْلٍ وَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ اُمَيَّةَ يَا اَبَا طَالِبٍ اَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَا لَا يُكَلِّمَاهُ حَتّٰى قَالَ اٰخِرَ شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهٖ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ اُنْهَ عَنْهُ فَنَزَلَتْ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ وَ نَزَلَتْ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ. (رواہ البخاری)

آپ کے لیے کچھ گفت وشنید کا موقعہ مل جائے اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ فوراً بولے ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کا آبائی دین چھوڑ دو گے اور اس سلسلہ میں وہ ابو طالب کو اتنا ورغلاتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے جو سب سے آخری بات اپنی زبان سے کہی وہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب ہی کی ملت پر ہوں آپ نے فرمایا اس کے باوجود میں آپ کے حق میں استغفار کرتا رہوں گا تاآنکہ مجھے اس سے صاف طور پر روک نہ دیا جائے اس پر یہ آیت اتری - نبی اور مؤمنوں کے لیے یہ نامناسب ہے کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قریب رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی ہو کہ مشرک دوزخی جماعت ہیں نیز یہ آیت بھی نازل ہوئی جسے آپ چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے - (بخاری شریف)

❁ ❁ ❁

الکافر یجازی بحسناته فی الحیوة الدنیا

کافروں کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے

قرآن کریم نے اس حقیقت کا بار بار اعلان کر دیا ہے کہ کافر کے اعمال آخرت میں سب اکارت ہو جائیں گے کیونکہ عمل صالح کی ہستی صرف ان کو عملی جامہ پہنا دینے سے قائم نہیں ہوتی بلکہ روح ایمانی سے قائم ہوتی ہے روح ایمانی کے بغیر وہ صرف ایک بے جان قالب اور عمل صالح کا ایک خول رہتا ہے جس میں نہ تو کچھ حقیقت ہوتی ہے نہ وزن' اسی کو قرآن میں حبط سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کافر کے وہ اعمال جو دنیا میں بظاہر حسنات نظر آتے تھے قیامت میں روشن ہو جائے گا کہ وہ اس کی شامت کفر کی وجہ سے حسنات کا صرف ایک ڈھانچا تھے ان میں حقیقت کی کوئی روح نہ تھی اسی لیے ان اعمال پر وہ کسی ثواب کے مستحق بھی نہ ہوں گے اور اسی لیے ان کو میزان آخرت میں تولا بھی نہیں جائے گا کیونکہ وزن ہمیشہ اسی چیز کا ہوا کرتا ہے جو ذی مقدار نہیں اس کا وزن کرنا بھی ممکن نہیں' ہاں ان کے اعمال چونکہ حسنات کی صورت ضرور رکھتے ہیں اس لیے آئین رحمت کے ماتحت ان کا بھی کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہو جائے گا' اب وہ خواہ دنیوی وسعت کی شکل میں ہو یا عذاب اخروی کی تخفیف کی صورت میں بہر حال نجاتِ ابدی جس کو قرآن کریم میں فوزِ عظیم کہا گیا ہے' کافر کے اعمال پر کبھی مرتب نہیں ہو سکتی ہاں تخفیف عذاب ہو سکتی ہے اور یہ بھی ان کے اعمال کے صلہ میں نہیں بلکہ محض فضل ایزدی کے صدقہ میں اور وہ بھی ہر کس و ناکس کے لیے نہیں بلکہ اسی کے لیے جس کے حق میں مولائے کریم فضل کرنا چاہے- کافر و مؤمن کے درمیان اس تفریق کی وجہ بھی خود قرآن کریم نے وضاحت سے بیان کر دی ہے- پہلے آپ ان آیات کو ملاحظہ کیجئے جن میں اعمال کفار کی حیثیت اور ان کے حبط ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے اس کے بعد وہ آیات ذکر کی جائیں گی جن میں اس تفریق کی وجہ بیان کی گئی ہے-

(۱) وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (البقرہ : ٦)

اور جو تم میں اپنے دین سے برگشتہ ہو گا اور کفر ہی کی حالت میں مر جائے گا تو ایسے لوگوں کا کیا کرایا (کیا) دنیا اور (کیا) آخرت دونوں میں اکارت ہوا اور یہی ہیں دوزخی اور یہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے-

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ مَا لَھُمْ مِنْ نَاصِرِیْنَ. (آل عمران : ۲)

جولوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کرتے اور ناحق پیغمبروں کوقتل کرتے اور نیز ان لوگوں کوقتل کرتے جو انہیں انصاف کرنے کو کہتے ہیں تو (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے یہی ہیں جن کا سارا کیا دھرا دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہوا اور خدائے تعالیٰ (کے مقابلہ میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

(۳) وَ مَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُہٗ وَ ھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ. (المائدہ:۷)

اور جو ایمان کی (ان باتوں کو) نہ مانے تو اس کا کیا دھرا اکارت ہوا اور آخرت میں بھی وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

(۴) وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ اِنَّھُمْ لَمَعَکُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَاَصْبَحُوْا خَاسِرِیْنَ.

(المائدہ : ۷)

اور مسلمان (کفار کے حال پر افسوس کرکے) کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو ظاہر میں بڑے زور سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے اور ہم سے کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور اندر اندر یہود کی تائید میں کوشش کرتے تھے) تو ان کا سارا کیا دھرا اکارت ہوا اور وہ سراسر نقصان میں آ گئے۔

(۵) ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰہِ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَ لَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. (الانعام : ۹)

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس طرح کی ہدایت دے اور اگر یہ پیغمبر شرک کرتے تو ان کا سارا کیا دھرا ضائع ہو جاتا۔

(۶) وَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَۃِ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ ھَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. (الاعراف:۱۶)

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی پیشی کو نہ مانا ان کا کیا دھرا سب اکارت ہوا' یہ سزا ان کو ان ہی اعمال بد کی دے جائے گی جو دنیا میں وہ کرتے تھے۔

(۷) مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰہِ شٰھِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ بِالْکُفْرِ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ وَ فِی النَّارِ ھُمْ خٰلِدُوْنَ.

(التوبۃ : ۲)

مشرکوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد رکھیں اور شرک کے افعال (واقوال) سے اپنے اوپر کفر کی شہادت بھی دیئے جائیں یہی لوگ ہیں جن کا کیا دھرا سب اکارت ہوا اور یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

(۸) وَعَدَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْکُفَّارَ نَارَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ھِیَ حَسْبُھُمْ وَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ وَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ

منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کے حق میں خدا نے دوزخ کی آگ کی قرارداد کر لی ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور وہی ان کو بس کرتی ہے اور خدا نے ان کو پھٹکار دیا ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے یہی وہ لوگ تھے کہ دنیا اور آخرت دونوں

اُولٰئِکَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ. (التوبة : ۷)

میں ان کا کیا دھرا سب اکارت ہوا اور یہی نقصان میں بھی رہے۔

(۹) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (هود : ۱)

جن کا مطلب دنیا کی زندگی اور دنیاوی رونق ہوتی ہے ہم ان کے عملوں کا بدلہ یہیں دنیا میں ان کو پورا پورا بھر دیتے ہیں اور وہ دنیا میں کسی طرح گھاٹے میں نہیں رہتے لیکن یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں دوزخ کے سوا اور کچھ نہیں اور جو نیک عمل انہوں نے دنیا میں کیے وہ آخرت میں سب گئے گذرے ہوئے اور ان کا جو کیا دہرا تھا سب لغو تھا۔

(۱۰) اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَائِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا. (الكهف : ۱۱)

جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو اور قیامت کے دن اس کے حضور میں حاضری کو نہ مانا تو ان کے عمل اکارت ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے نیک اعمال کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

(۱۱) اُولٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ. (الاحزاب : ۱)

یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل (جو کچھ بھی کیے تھے) اکارت کر دیے۔

(۱۲) وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ. لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ. (الزمر : ۱۱)

اے پیغمبر بلاشبہ تمہاری طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو تم سے پہلے ہو گذرے وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے سارے عمل حبط ہو جائیں گے اور ضرور تم گھاٹے میں آ جاؤ گے۔

(۱۳) وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰهُ حِسَابَهٗ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ. (النور : ٤)

اور جو لوگ منکر اسلام ہیں ان کے اعمال نرے دھوکے کی ٹٹی[1] ہیں جیسے چٹیل میدان میں چلکتا[2] ہوا ریت کہ پیاسا اس کو دور سے پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور (پیاسا تڑپ تڑپ کر مر گیا) اور دیکھا تو خدائے تعالیٰ نے اس کے اعمال کا حساب پورا پورا چکا دیا۔

(۱۴) كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ. (الحديد : ۲)

دنیا کی زندگی کی مثال بارش کی مثال ہے کہ اس سے کھیتی لہلہانے لگتی ہے اور کاشتکار کھیتی کو دیکھ کر خوشیاں منانے لگتا ہے پھر پک کر خشک ہو جاتی ہے تو اے مخاطب تو دیکھے گا کہ وہ پیلی پڑ گئی ہے پھر وہ آخرکار روند میں آ جاتی ہے، الخ

---

[1] سرکنڈوں کا بنا ہوا جال۔ شکار کو دھوکے میں رکھنے کے لیے آڑ۔ [2] چمکدار، روشن

ان آیات میں صاف طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ کافروں کی سب نیکیاں آخرت میں اکارت ہو جائیں گی اور ان کے لیے ہرگز نجات بخش نہ ہوں گی ان کی امیدیں سب غلط ہیں' ان کو نقصان ہی نقصان اور خسارہ ہی خسارہ رہے گا - اس کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے قابل قبول اعمال کو بے وجہ یونہی رد کر دے گا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کے مارکیٹ میں اس بے قدر متاع کو لانے میں خود انہوں نے غلطی کی ہے - سورۂ محمد کی آیتوں میں کافروں کے اعمال کے نامقبول ہونے کی ذمہ داری خود ان ہی کے سر ڈالی گئی اور یہ کہا گیا ہے کہ جب کافروں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو نفرت سے دیکھا تو پھر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو رغبت کی نظر سے کیسے دیکھتا انہوں نے خدا کے احکام سے نفرت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اعمال سے نفرت اختیار کی - جب انہوں نے اس کی نارضائی کو پسند کیا اور اس کی رضا جوئی کو مکروہ سمجھا تو اس نے بھی ان کے اعمال کو مکروہ سمجھا اور ان کا اجر حبط کر دیا -

ان کے اس معاندانہ رویہ کی سزا تو یہ تھی کہ انہیں اور الٹا عذاب دیا جاتا مگر شانِ رحمت نے ان بے روح اعمال پر بھی علی الحساب دنیوی انعامات دے کر ان کا منہ بند کر دیا ہے تاکہ آخرت میں ان کو ثواب کے مطالبہ کا کوئی حق ہی باقی نہ رہے - اب حسب ذیل آیات پڑھیے اس کے بعد اس باب کی حدیثوں کو مطالعہ فرمایئے :

(۱۵) اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ. (محمد : ۱)

جن لوگوں نے دین حق کو نہ مانا اور اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکا' خدا نے ان کے کئے کرائے اعمال اکارت کر دیئے -

(۱۶) ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّھِمْ. (محمد : ۳)

مؤمن کے اعمال کی قبولیت اور کفار کے اعمال کی نامقبولیت اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے دین حق سے انکار کیا وہ غلط راستے پر چلے اور جو ایمان لائے وہ اپنے پروردگار کے بتائے ہوئے ٹھیک راستے پر چلے -

(۱۷) وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّھُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ ○ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَرِھُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ. (محمد : ۸، ۹)

اور جو لوگ دین حق سے منکر ہیں ان کے لیے ہلاکت اور ان کا سارا کیا دھرا خدائے تعالیٰ برباد کر دے گا اور یہ اس سبب سے کہ خدا نے جو دین اتارا اس کو انہوں نے پسند نہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ان کے عمل اکارت کر دیئے -

(۱۸) ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اتَّبَعُوْا مَا اَسْخَطَ اللّٰہَ وَ کَرِھُوْا رِضْوَانَہٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ. (محمد : ۲۸)

یہ نوبت اس لیے آئی کہ جو بات خدا کی ناراضگی کی تھی یہ لوگ اسی کے پیچھے چلے اور اس کی رضامندی کو ناپسند کیا تو خدا نے بھی ان کے اعمال ملیا میٹ کر دیئے -

(۱۹) أُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَ نَتَجَاوَزُ عَنۡ سَیِّاٰتِهِمۡ فِیۡ اَصۡحٰبِ الۡجَنَّةِ وَعۡدَ الصِّدۡقِ الَّذِیۡ کَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ○ وَ یَوۡمَ یُعۡرَضُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَلَی النَّارِ اَذۡهَبۡتُمۡ طَیِّبٰتِکُمۡ فِیۡ حَیَاتِکُمُ الدُّنۡیَا وَ اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا فَالۡیَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَکۡبِرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَفۡسُقُوۡنَ.

(الاحقاف : ۱٦، ۲۰)

یہ (مسلمان) لوگ ہیں کہ جنتیوں کے ساتھ ہم ان کے نیک عملوں کو قبول فرمائیں گے اور ان کی خطاؤں سے درگذر کریں گے- اس سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے دنیا میں کیا گیا تھا........اس دن جب کہ کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم دنیا کی زندگی میں اپنے اعمال کے مزے لوٹ چکے اور ان کا خاطر خواہ فائدہ حاصل کر چکے (اب ان کے بدلہ میں تمہارے لیے کیا رکھا ہے) تو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس لیے کہ تم ناحق زمین میں اکڑا کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے-

❁ ❁ ❁

(۶۲۴) عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى رِمَالِ حَصِيْرٍ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهٗ فِرَاشٌ قَدْ اَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهٖ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى اُمَّتِکَ فَاِنَّ فَارِسَ وَ الرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَ هُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَقَالَ اَوَ فِيْ هٰذَا اَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰئِکَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِيْ روايةٍ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَ لَنَا الْاٰخِرَةُ. (متفق علیہ)

(۶۲۴) حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کا چال بھرا ہوا تھا اور ایک کھرے بورئیے پر لیٹے ہوئے تھے آپ کے جسم مبارک اور بورئیے کے درمیان کوئی کپڑا تک نہ تھا اس لیے بورئیے کے بناوٹ کے نقش جسم نازک پر اُبھر آئے تھے- یہ ماد یکھ کر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ آپ کی امت پر بھی کچھ وسعت فرمادے- دیکھئے تو سہی آخر یہ فارس و روم بھی تو ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں کرتے وہ کس طرح پھل پھول رہے ہیں' آپ نے فرمایا ابن الخطاب! اچھا کیا ابھی تک تم اسی پیچیدگی میں پھنس رہے ہو' ارے بھئی یہ تو وہ قوم ہے جن کی نیکیوں کا بدلہ پیشگی طور پر دنیا ہی میں دے دیا گیا ہے- دوسری روایت میں ہے کیا تم اس تقسیم پر خوش نہیں کہ ان کے حصہ میں دنیا رہے اور ہمارے حصہ میں آخرت- (بخاری و مسلم)

(۶۲۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ اِسْتَسْقٰى يَوْمًا عُمَرُ فَجِيْئَ بِمَاءٍ قَدْ شِيْبَ بِعَسَلٍ فَقَالَ اِنَّهٗ طَيِّبٌ لٰكِنِّيْ اَسْمَعُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ نَعٰى عَلٰى قَوْمٍ شَهَوَاتِهِمْ فَقَالَ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِيْ حَيٰوتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَاَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا فَلَمْ يَشْرَبْهُ. (رواه رزين)

(۶۲۵) زید بن اسلمؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے پینے کے لیے پانی مانگا تو ان کے سامنے شہد کا شربت پیش کیا گیا- فرمایا شربت تو بڑا مزے دار ہے لیکن کیا کروں کہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنتا ہوں کہ اس نے کافروں کی من مانی خواہشات ملنے پر ان کی مذمت فرمائی ہے اور کہا ہے کہ تم تو اپنی نیکیوں کے مزے دنیا ہی میں اُڑا چکے' اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ بھی کہیں جلدی جلدی دنیا ہی میں نہ دیا جا رہا ہو- یہ کہہ کر شربت ہرگز نہ پیا- (رزین)

(۶۲۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَةً يُعْطٰى بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ يُجْزٰى بِهَا فِي الْاٰخِرَةِ وَ اَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِحَسَنَاتِ مَا عَمِلَ بِهَا لِلّٰهِ فِي الدُّنْيَا حَتّٰى اِذَا اَفْضٰى اِلَى الْاٰخِرَةِ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ حَسَنَةٌ يُجْزٰى بِهَا. (رواه مسلم)

(۶۲۶) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی مؤمن پر اس کی کسی نیکی کے بارے میں ظلم نہیں کرتا- اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی دیا جاتا ہے- رہا کافر تو جو نیکیاں اس نے اپنی دانست میں خدائے تعالیٰ کے واسطے کی تھیں ان کا پورا بدلہ دنیا ہی میں نمٹا دیا جاتا ہے- یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کی کوئی نیکی ایسی باقی نہیں ہوتی جس کا ثواب اس کو وہاں دیا جائے- (مسلم)

(۶۲۷) عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ اُتِيَ بِطَعَامٍ وَ كَانَ

(۶۲۷) سعد بن ابراہیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف کا روزہ تھا جب افطار کے وقت ان کے سامنے نہایت نفیس کھانا رکھا

صَـائِـمًا فَـقَـالَ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ كُفِّنَ فِيْ بُرْدَةٍ اِنْ غُطِّيَ رَأْسُهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَ اِنْ غُـطِّـيَ رِجْلَاهُ بَدَارَ أْسُـهُ وَ اُرَاهُ قَـالَ وَ قُتِـلَ حَـمْزَةُ وَ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ ثُمَّ بُسِطَ لَـنَـا مِـنَ الـدُّنْيَـا مَـا بُسِـطَ اَوْقَالَ اُعْطِيْنَا مِنَ الـدُّنْيَـا مَـا اُعْـطِيْـنَـا وَ لَقَدْ خَشِيْنَا اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَـا تُـنَـا عُجِّلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِيْ حَتّٰى تَرَكَ الطَّعَامَ. (رواه البخاری)

گیا تو فرمانے لگے کہ مصعب بن عمیر شہید ہوئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے مگر ان کو کفن کے لیے صرف ایک چادر نصیب ہوئی وہ بھی اتنی تھی کہ جب ان کا سر ڈھکا جاتا تو دونوں پیر کھل جاتے اور جب پیر ڈھکے جاتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا (راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں حضرت حمزہ کا بھی ذکر فرمایا) کہ وہ بھی شہید ہوئے اور وہ بھی مجھ سے بدرجہا افضل تھے اس عسرت و تنگی کے دور کے بعد پھر ہمارے لیے دنیا کی جو کچھ فراوانی ہوئی وہ ہوئی۔ ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں نہ نمٹایا جار ہا ہو' یہ کہہ کر اتنا روئے کہ کھانا (اسی طرح) چھوڑ دیا۔ (بخاری)

(٦٢٨) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَـيْـهِ وَسَـلَّـمَ قَالَ مَا اَحْسَنَ مِنْ مُسْلِمٍ وَ لَا كَافِرٍ اِلَّا اَثَابَهُ اللّٰهُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اِثَابَةُ الْـكَـافِرِ قَـالَ اِنْ كَـانَ قَـدْ وَصَـلَ رَحِمًا اَوْ تَـصَـدَّقَ بِـصَـدَقَةٍ اَوْ عَـمِلَ حَسَنَةً اَثَابَهُ اللّٰهُ الْمَالَ وَالْوَلَدَ وَ الصِّحَّةَ وَ اَشْبَاهَ ذَالِكَ قَالَ فَـقُـلْـنَـا مَـا اِثَـابَتُهُ فِي الْاٰخِرَةِ فَقَالَ عَذَابًا دُوْنَ الْعَذَابِ قَـالَ وَ قَـرَأَ رَسُـوْلُ الـلّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ.

(٦٢٨) حضرت ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمان ہو یا کافر نیک عمل جو بھی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ ضرور دیتا ہے' ہم نے پوچھا یا رسول اللہ کافر کے عمل کا بدلہ کیا ہے فرمایا جو کافر اپنے عزیزوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے' یا صدقہ دیتا ہے یا اور کوئی بھلا کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ مال اولاد' تندرستی اور اسی قسم کی دنیوی نعمتوں کی شکل میں دے دیتا ہے' ہم نے عرض کیا یہ تو دنیا میں بدلا ہوا آخرت میں ان کا بدلا کیا ہوگا۔ فرمایا عذاب کی تخفیف' اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی اُدْخِلُوْا اٰلِ فِرْعَوْنَ ... الخ فرعونیوں کو سخت عذاب میں جھونک دو۔ (مستدرک)

(اخرجه الحاكم في التفسير ص ٢٥٣ ج٢ و قال الذهبي فيه عتبة يقظان واه)

حسنات الكافر اذا اسلم

اسلام قبول کرنے کے بعد کیا زمانہ کفر کی نیکیاں بھی قبول ہو سکتی ہیں؟

(٦٢٩) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّهُ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ

(٦٢٩) حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ فرمائیے میرے وہ نیک کام جو میں زمانہ جاہلیت

---

(٦٢٨) ٭ بظاہر آیت سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ جب اس آیت سے فرعونیوں کا سخت ترین عذاب میں گرفتار ہونا ثابت ہوا تو دوسروں کے حق میں ان کی نسبت سے عذاب کی تخفیف بھی مفہوم ہوئی لہٰذا ثابت ہوا کہ بعض کفار کو بعض کی نسبت عذاب میں تخفیف ہوگی اس تخفیف کا باعث کچھ ان کی نیکیاں بھی ہو سکتی ہیں۔

(٦٢٩) ٭ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر کے نیک عمل اسلام کے بعد معتبر ہو سکتے ہیں لیکن بحث طلب یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان نہ ہو جب بھی ان کا کوئی نفع ظاہر ہوگا یا نہیں۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو زکوۃ' عتق' اور صلہ رحمی کے مختلف ابواب میں روایت کیا ہے لله .....

اَرَأَيْتَ اُمُوْرًا كُنْتُ اَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صَدَقَةٍ اَوْ عَتَاقَةٍ اَوْ صِلَةِ رَحِمٍ اَفِيْهَا اَجْرٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا اَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ.

(رواه البخاري و مسلم و الحاكم في مستدركه في مناقب حكيم)

میں کیا کرتا تھا جیسے صدقہ، غلام آزاد کرنا اور عزیزوں کے ساتھ سلوک کرنا کیا ان کا بھی مجھ کو ثواب ملے گا - آپ نے فرمایا تم جتنی نیکیاں پہلے کر چکے ہو ان سب کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے ہو - (یعنی ان کا بھی ثواب ملے گا) (بخاری - مسلم - مستدرک)

حسنات الكافر اذا لم يسلم

اگر کافر اسلام نہ لائے تو کیا اس کی نیکیاں سودمند ہیں

(۶۳۰) حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَغْنَيْتَ عَنْ عَمِّكَ فَاِنَّهُ كَانَ يَحُوْطُكَ وَ يَغْضَبُ لَكَ قَالَ هُوَ فِيْ ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ وَ لَوْ لَا اَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ.

(رواه البخاري في قصة ابي طالب)

(۶۳۰) عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے چچا (ابو طالب) کو کیا نفع پہنچایا وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بڑی حمایت کرتے تھے اور آپ کی خاطر دوسروں سے ناراض ہو جایا کرتے تھے - فرمایا دوزخ میں ان کو ٹخنوں تک عذاب ہوگا - اگر کہیں میری سفارش نہ ہوتی تو سب سے نیچے کے طبقے میں ہوتے - (بخاری)

(۶۳۱) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ ذُكِرَ

(۶۳۱) ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں آپ کے چچا ابو طالب کا ذکر آیا تو انہوں نے ان کے متعلق آپؐ کو یہ

﴿ .....اور ہر جگہ اس پر صدقہ مشرک اور عتق مشرک کا عنوان قائم کرکے ''ثم اسلم'' (یعنی پھر اسلام قبول کر لے) کی قید لگا دی ہے - یعنی اگر مشرک صدقہ یا غلام آزاد کر کے مسلمان ہو جائے تو کیا اس کے یہ اعمال موجب ثواب ہوں گے؟ حافظ ابن حجرؒ نے غالباً اسی لیے یہ تفصیل اختیار فرمائی ہے کہ کافر اگر اسلام قبول کر لے جب تو اس کے زمانہ کفر کی نیکیوں پر اجر ملتا ہے ورنہ نہیں - ہمارے نزدیک امام بخاری نے ان تراجم میں اس مسئلہ کے فیصلہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں فرمایا بلکہ اس کے پیچیدہ اور مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے کسی ایک جانب جزم کرنا خلاف احتیاط سمجھا ہے اور اس لیے الفاظ حدیث ہی کو عنوان باب بنا دیا ہے - یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کافر کے طاعات معتبر ہونے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے عذاب میں کچھ تخفیف ہو جائے یہی اس کے حق میں بہت بڑی بات ہے اس کے سوا اس کے حق میں نجات ابدی کا تو کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا پوری بحث عن قریب آنے والی ہے -

(۶۳۱) ✽ ان احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کافر کی نیکیاں اصولی طور پر بھی تخفیف عذاب کا موجب ہو سکتی ہیں بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ خاص موقعہ پر کسی سفارش کی وجہ سے اس کے حق میں تخفیف عذاب ہو سکتی ہے - اسی لیے آپؐ نے فرمایا ہے کہ اگر میری سفارش نہ ہوتی تو ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہ کی جاتی - مسلم شریف میں اس حدیث پر یہ باب ہے ''شفاعة النبي صلى الله عليه وسلم لابي طالب و التخفيف عنه بسببه'' اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ابو طالب کے حق میں جو تخفیف ہوئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کی بدولت ہی ہوئی - یہ دوسری بات ہے کہ آپؐ کی سفارش میں ان کی اس جاں نثاری کا دخل بھی ضرور تھا - ﴾ .....

عِنْدَهٗ عَمُّهٗ اَبُوْ طَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهٗ تَنْفَعُهٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُجْعَلُ فِیْ ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ یَبْلُغُ کَعْبَیْهِ تَغْلِیْ مِنْهُ اُمُّ دِمَاغِهٖ.

(رواه البخاری)

فرماتے سنا' قیامت کے دن میری سفارش شاید ان کو کچھ نفع دے دے اور اس کی وجہ سے وہ تھیلی آگ میں رکھے جائیں جو صرف ان کے ٹخنوں تک رہے لیکن اس عذاب سے بھی ان کا دماغ تک کھولتا رہے گا۔

(بخاری شریف)

(۶۳۲) عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمِ الطَّائِیِّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِیْ کَانَ یَصِلُ الرَّحِمَ وَ یَفْعَلُ وَ یَفْعَلُ فَهَلْ لَهٗ فِیْ ذٰلِکَ یَعْنِیْ مِنْ اَجْرٍ قَالَ اِنَّ اَبَاکَ طَلَبَ اَمْرًا فَاَصَابَهٗ.

(رواه احمد قال الهیثمی و رجاله ثقات و الطبرانی فی الکبیر)

(۶۳۲) عدی بن حاتم طائی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرے والد صلہ رحمی کرتے اور بھی بہت اچھے اچھے کام کیا کرتے تھے انہیں کچھ ملے گا؟ راوی کہتا ہے کہ کچھ ان کا ثواب ملے گا؟ آپ نے جواب دیا کہ تمہارے والد کی جو نیت تھی وہ انہیں حاصل ہوگی۔ (یعنی شہرت مقصود تھی وہ اتنی ہوگئی کہ دنیا میں ان کی سخاوت ضرب المثل ہوگئی یہ کمال بلاغت تھی کہ بیٹے کے منہ پر باپ کی عدم مغفرت بیان کرنے سے اعراض فرمایا)۔ (احمد و طبرانی)

(۶۳۳) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

(۶۳۳) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ ابن

لے ..... حافظ ابن تیمیہؒ نے رسول کی ذات سے متمتع ہونے کی دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں:

الداعی انما ینتفع من وجهین اما بدعاء الرسول و اما بایمان الداعی به و طاعته و محبته فاذا کان الرسول لم یدع له و هو لم یؤمن به لم ینتفع بالرسول صلی الله علیه وسلم فابو طالب مع کفره لما کان یحوط الرسول و یمنعه شفع فیه حتی خففت عنه العذاب. (کتاب الرد علی البکری ص ۶۲)

''کسی دعا کرنے والے کو رسول کی ذات سے صرف دو طرح نفع پہنچ سکتا ہے یا تو اس کے حق میں خود رسول دعا و سفارش کرے' یا یہ شخص خود اس رسول پر ایمان رکھتا ہو' اس کی اطاعت اور اس سے محبت کرتا ہو پس اگر نہ تو رسول اس کے حق میں دعا کرے اور نہ یہ اس پر ایمان رکھے تو اب رسول کی ذات سے اس کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ ابو طالب باوجودیکہ کافر تھے لیکن چونکہ وہ آپؐ کی حمایت کیا کرتے تھے (اور آپؐ نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی) اس لیے ان کے حق میں آپؐ کی سفارش کارگر ہوئی اور ان کے عذاب میں تخفیف کر دی گئی۔''

یہاں ایک شبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احادیث بالا سے کافر کے حق میں بھی شفاعت کا نافع ہونا ثابت ہوتا ہے اس کے برخلاف قرآن کی تصریح یہ ہے کہ ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِیْنَ﴾ (المدثر: ۴۸) کافروں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سودمند نہ ہوگی۔ ہمارے نزدیک اس کا سب سے بہتر اور بے تکلف جواب امام قرطبی کا ہے وہ فرماتے ہیں:

المراد بها فی الایة الاخراج من النار و فی الحدیث المنفعة بالتخفیف. (فتح الباری)

''آیت کی مراد یہ ہے کہ شفاعت کی وجہ سے کسی کافر کو عذاب دوزخ سے نجات نہیں مل سکتی اور حدیث میں شفاعت کا جو نفع مذکور ہے اس سے مراد صرف عذاب کی تخفیف ہے نجات نہیں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اِبْنَ جُدْعَانَ كَانَ يَقْرِى الضَّيْفَ وَ يَصِلُ الرَّحِمَ وَ يَفْعَلُ وَ يَفْعَلُ أَيَنْفَعُهُ ذَالِكَ قَالَ لَا اِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا قَطُّ رَبِّ اغْفِرْلِیْ خَطِيْئَتِىْ يَوْمَ الدِّيْنِ.

(رواہ مسلم و ابن جریر و الحاکم و صححہ)

جدعان بڑی مہمان نوازی، بڑی صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور بھی بہت اچھے اچھے کام کیا کرتا تھا، کیا یہ کام اس کے لیے کچھ سودمند ہوں گے فرمایا؟ نہیں اس نے کسی دن (بھولے سے) بھی یہ نہیں کہا میرے پروردگار قیامت میں میری خطاؤں سے درگذر کرنا۔

(ابن جریر و حاکم و مسلم)

(۶۳۴) عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِىْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فِىْ قِصَّةٍ اَنَّ ثُوَيْبَةَ مَوْلَاةٌ لِاَبِىْ لَهَبٍ وَ كَانَ اَبُوْ لَهَبٍ اَعْتَقَهَا فَاَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ لَهَبٍ اُرِيَهُ بَعْضُ اَهْلِهٖ بِشَرِّ حِيْبَةٍ قَالَ لَهٗ مَاذَا لَقِيْتَ قَالَ اَبُوْ لَهَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَ كُمْ غَيْرَ اَنِّىْ سُقِيْتُ فِىْ هٰذِهٖ بِعَتَاقَتِىْ ثُوَيْبَةَ. (رواہ البخاری)

(۶۳۴) زہری سے روایت ہے کہ عروہ فرماتے تھے ثویبہ ابولہب کی باندی تھی جسے ابولہب نے آپ کی ولادت کی خوشی میں آزاد کردیا تھا۔ اس آزاد شدہ باندی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا جب ابولہب مرگیا تو اس کے گھر کے کسی آدمی نے اس کو بہت برے حال میں دیکھا اس سے پوچھا کہو کیا گذری؟ ابولہب نے کہا تم سے جدا ہو کر مجھے کوئی راحت نہیں مل سکی بجز اس کے کہ ثویبہ کو چونکہ میں نے آزاد کیا تھا اس لیے اس کے بدلہ میں مجھ کو تھوڑا سا پانی پلا دیا جاتا ہے۔ (بخاری شریف)

(وفى الفتح ذكر السهيلى ان العباس قال لما مات ابو لهب رأيته فى منامى بعد حول فى شر حال فقال ما لقيت بعدكم راحة الاان العذاب يخفف عنى فى كل يوم اثنين قال وذلك ان النبى صلى الله عليه وسلم ولديوم الاثنين و كانت ثويبة بشرت ابالهب بمولده فاعتقها.)

فتح الباری میں سہیلی سے منقول ہے کہ عباسؓ کہتے ہیں جب ابولہب مرگیا تو میں نے اسے ایک سال بعد بہت خراب حال سے خواب میں دیکھا اس نے کہا تم سے جدا ہو کر میں نے راحت کا ذائقہ تک نہیں چکھا۔ صرف پیر کے دن میرے عذاب میں ذرا سی تخفیف کردی جاتی ہے۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پیر ہی کے دن ہوئی تھی جب ثویبہ نے ابولہب کو آپ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو اس نے خوشی میں آکر اس کو آزاد کردیا تھا۔

(۶۳۵) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ اَوْصٰى اَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةَ رَقَبَةٍ فَاَعْتَقَ اِبْنُهٗ هِشَامٌ خَمْسِيْنَ رَقَبَةً فَاَرَادَ اِبْنُهٗ عَمْرٌو اَنْ يَعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِيْنَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتّٰى اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِىْ اَوْصٰى اَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةَ

(۶۳۵) عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ عاص بن وائل نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میری طرف سے سو غلام آزاد کردیئے جائیں ان کے ایک فرزند ہشام نے تو پچاس غلام آزاد کردیئے تھے دوسرے فرزند عمرو نے بقیہ پچاس ادا کرنے کا ارادہ کیا تو دل میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیے بغیر مجھے یہ اقدام کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے یا رسول اللہؐ میرے والد ماجد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت فرمائی تھی پچاس تو

رَقَبَةٍ وَ اِنَّ هِشَامًا اَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِيْنَ وَ بَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُوْنَ رَقَبَةً اَفَاُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذَالِكَ. (رواه ابو داؤد)

میرے بھائی ہشام نے آزاد کر دیئے ہیں اور پچاس ابھی باقی ہیں اور اجازت ہو تو ان کی طرف سے وہ میں آزاد کر دوں- آپ نے فرمایا اگر تمہارے والد مسلمان ہوتے پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا کچھ صدقہ دیتے یا حج کرتے تو ان اعمال کا ثواب بے شک ان کو پہنچتا-

(ابوداؤد)

(۶۳۶) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ يَزِيْدَ الْجُعْفِيِّ قَالَ اِنْطَلَقْتُ اَنَا وَ اَخِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمَّنَا مُلَيْكَةَ كَانَتْ تَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَقْرِى الضَّيْفَ وَ تَفْعَلُ وَ تَفْعَلُ هَلَكَتْ فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَهَلْ ذَالِكَ نَافِعُهَا شَيْئًا قَالَ لَا قَالَ قُلْنَا فَاِنَّهَا كَانَتْ وَ اَدَتْ اُخْتًا لَنَا فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَهَلْ ذَالِكَ نَافِعُهَا شَيْئًا قَالَ الْوَائِدَةُ وَ الْمَوْؤُدَةُ فِى النَّارِ اِلَّا اَنْ تُدْرِكَ الْوَائِدَةُ الْاِسْلَامَ فَيَعْفُوَ اللّٰهُ عَنْهَا.

(۶۳۶) سلمہ بن یزید سے روایت ہے کہ میں اور میرا بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے (حاضر ہوکر) پوچھا یا رسول اللہ ہماری والدہ ملیکہ بڑی (نیک اور پارسا بی بی تھیں) صلہ رحمی کرتیں، مہمان نوازی کرتیں اور بھی اچھے اچھے کام کیا کرتی تھیں- کفر ہی کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوگیا ہے کیا ان کے یہ اعمال انہیں کچھ سودمند ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا کچھ نہیں پھر ہم نے پوچھا کہ انہوں نے ہماری ایک بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا کیا اس معصوم کو (گناہ کی تمیز سے پہلے مرجانے سے) کوئی فائدہ ہو گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ رسم بدادا کرنے والی اور وہ لڑکی دونوں دوزخ میں ہیں ہاں اگر اس جرم کا ارتکاب کرنے والی اسلام قبول کر لیتی اور اللہ تعالیٰ اس کا یہ جرم بخش دیتا تو پھر نجات کی صورت ہو سکتی تھی- (احمد وطبرانی)

(رواه احمد و الطبرانی قال الهیثمی رجال احمد رجال الصحیح و فی مشکل الاثار عن سلمة بن زید بدل یزید کما فی اسباب الورود ج ۲ ص ۲۹۷ و فیه فهل ینفعه عمل ان عملناه عنها، الخ)

(۶۳۷) عَنْ اَبِىْ نُعَيْمٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اَوْ

(۶۳۷) ابونعیم روایت کرتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص یا ایک

---

(۶۳۶) * یہ حدیث مشکوۃ میں بھی موجود ہے مگر اس میں صرف اتنا قصہ مذکور ہے "الوائدة و الموؤدة فی النار" اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ کلیہ ہے اور اس وجہ سے اطفالِ مشرکین کے مسئلہ میں اشکال پیدا ہو جاتا ہے- یہاں یہ واضح ہوگیا کہ اس کا شانِ نزول ایک خاص واقعہ ہے لہٰذا موؤدہ سے یہی خاص موؤدہ مراد ہوگی- ابوداؤد میں حسناء اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں اس میں اس کے خلاف یہ ہے والوئید فی الجنة. (مشکوۃ ص ۳۳۵) مسئلہ کی تفصیل کتاب الجنائز میں کی جائے گی- آخرت میں اصل نفع چونکہ عذابِ دوزخ سے نجات ہے اس لیے سائلین کے سوال پر آپؐ مجملاً نفع کی نفی فرماتے رہے- نیز کافروں کے اعمال کے معمولی سے نفع کی بے وجہ تشریح کرنا صاحب نبوۃ کے لیے ذرا موزوں بھی نہ تھا- آپؐ دنیا کو شرک سے نفرت دلانے کے لیے آئے تھے خدا کی زحمتوں اور اس کی رحمتوں کے کرشموں کے بیان کرنے کا محل اور ہے-

(۶۳۷) * یہ امر تو تقریباً طے شدہ ہے کہ کافر کی نیکیاں اس کے اسلام کے بعد معتبر ہو سکتی ہیں یعنی رحمت ان پر بھی اس کو ثواب دیتی ہے....

شَيْخٌ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ فَنَزَلَ عَلٰى مَسْرُوْقٍ فَقَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُوْلُ قَالَ

بوڑھا شخص (راوی کو شک ہے) آیا اور مسروق کے یہاں مہمان ہوا- اس نے بیان کیا کہ میں نے عبداللہ بن عمرو کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ رسول اللہ صلی

ﷺ .... دے سکتی ہے بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کافر مسلمان نہ ہوتو کیا پھر بھی اس کی نیکیوں کا کوئی ثمرہ آخرت میں ظاہر ہو سکے گا یا نہیں- دوسری بحث یہ ہے کہ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ ان کی نیکیاں کس درجہ میں قابل اعتبار ہوں کیا یہ حکم ان کی عبادتوں کو بھی شامل ہے یا عبادتیں اس سے مستثنیٰ ہیں- ان دونوں مسئلوں میں علماء کا اختلاف ہے-

پہلے مسئلہ کے بارے میں محققین کے مختلف اقوال کا خلاصہ یہ ہے:

و ذهب ابن بطال وغيره من المحققين الى ان الكافر اذا اسلم و مات على الاسلام يثاب على ما فعله من الخير في حال الكفر و استدلوا بحديث ابى سعيد الخدرى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اسلم الكافر فحسن اسلامه كتب الله له كل حسنة زلفها الخ ذكره الدار قطني في غريب حديث مالك ورواه عنه من تسع طرق و ثبت فيها كلها ان الكافر اذا حسن اسلامه يكتب له في الاسلام كل حسنه عملها في الشرك. (النووى ج ١ ص ٧٧)

''ابن بطال اور دوسرے محققین کا مختار یہ ہے کہ کافر اگر مسلمان ہو جائے اور اسی حالت پر اس کا انتقال ہو جائے تو جو نیک کام وہ کفر کے زمانہ میں کر چکا ہے ان کا ثواب بھی اس کو ملتا ہے اس کی دلیل ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کافر مسلمان ہو جائے اور خوب اچھی طرح مسلمان ہو جائے تو جو نیکیاں پہلے وہ کر چکا تھا اللہ تعالیٰ وہ سب نیکیاں لکھ دیتا ہے- دارقطنی نے اس حدیث کو مالک کی غریب حدیثوں میں ذکر کیا ہے اور نو طریقوں سے صحیح طور پر یہ مضمون نقل کیا ہے کہ جب کافر سچے طور پر مسلمان ہو جاتا ہے تو تمام وہ نیکیاں جو شرک کے زمانہ میں وہ کر چکا تھا اسلام کے بعد لکھ دی جاتی ہیں'' - (نووی)

قال الحافظ و الحق انه لا يلزم من كتابة الثواب للمسلم في حال اسلامه تفضلا من الله و احسانا ان يكون ذلك لكون عمله الصادر منه في الكفر مقبولاً و الحديث انما تضمن كتابة الثواب و لم يتعرض للقبول و يحتمل ان يكون القبول يصير معلقًا على اسلامه فيقبل و يثاب ان اسلم و الا غلا و هذا قوى.

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں کافر کے متعلق اس کے مسلمان ہونے کے بعد اس کی نیکی کا ثواب لکھے جانے کا ذکر ہے اس سے زمانہ کفر کے عمل کا مقبول ہونا لازم نہیں آتا - بلکہ ہوسکتا ہے کہ اسلام کے بعد یہ کتابت اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف اس پر ایک انعام واحسان کی طور پر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی قبولیت کی بنا پر مگر یہ قبولیت اس کے اسلام لانے پر موقوف رہے اگر مسلمان ہو گیا تو قبول ہو جائے ورنہ قبول نہ ہو اور یہی جواب زیادہ قوی ہے-

قال ابن المنير المخالف للقواعد دعوى ان يكتب له ذلك في حال كفره و اما ان الله يضيف الى حسناته في الاسلام ثواب ما كان صدر منه لا مما كان يظنه خير افلا مانع منه كما لو تفضل عليه ابتداء من غير عمل و كما يتفضل على العاجز بثواب ما كان يعمل و هو قادر فاذا جازله ان يكتب له ثواب مالم يعمل البتة جازله ان يكتب له ثواب ما عمله غير موفى الشرط. (فتح البارى)

ابن منیر کہتے ہیں کہ جو بات قواعد شریعت کے خلاف ہے وہ صرف یہ ہے کہ کافر کی نیکیاں کفر ہی کے زمانہ میں لکھی جائیں رہی ﷺ ....

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا لَمْ تَضُرُّهُ مَعَهُ خَطِيْئَةٌ وَ

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت پر مرجائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو کوئی گناہ اس کو جنت میں داخل ہونے سے روک نہیں سکتا

.... یہ بات کہ مسلمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں میں ان نیکیوں کے ثواب کا بھی اضافہ فرما دے جن کو وہ عہد کفر میں اچھے عمل سمجھ کر کر چکا ہے تو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے جب کہ اس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ کسی کو عمل کیے بغیر یونہی ابتداء ثواب دے دے یا عجز و مرض کے زمانہ میں اس کی صحت و قدرت کے اعمال کے برابر ثواب بخش دے تو اس کے اسلام کے بعد زمانہ کفر کے کئے ہوئے اعمال پر ثواب دینے کی قدرت کیوں نہیں اگر چہ ان کی قبولیت کی شرط اس وقت موجود نہ تھی۔ (یعنی اسلام)۔ (فتح الباری)

اس کا حاصل یہ ہے کہ کافر کی نیکیاں اسلام کے بعد تو معتبر ہو سکتی ہیں لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوا تو پھر ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

دوسرے مسئلہ میں امام نووی کی رائے یہ ہے کہ کافر کی عبادات طاعات اور قربات ہر قسم کی نیکیاں معتبر ہو سکتی ہیں۔ اس پر ان کو یہاں تک اصرار ہے کہ وہ فقہاء کے قول میں بھی تاویل کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں۔

لا تصح عبادة الكافر و لو اسلم لم يعتدبها.

کافر کی عبادت صحیح نہیں ہوتی حتیٰ کہ اگر وہ مسلمان بھی ہو جائے جب بھی اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

شیخ اس کی یہ تاویل فرماتے ہیں:

مرادهم انه لا يعتدله بها في احكام الدنيا و ليس نعرض لثواب الاخرة.

فقہاء کی مراد یہ ہے کہ احکام دنیا میں ان کا اعتبار نہ ہوگا آخرت کے ثواب کے متعلق ان کے قول میں کوئی حکم مذکور نہیں ہے۔ (گویا اسلام کے بعد کافر کی گذشتہ عبادات کا ثواب آخرت میں مل سکتا ہے)۔

یہاں حضرت استاد مرحوم کا فیصلہ یہ ہے کہ کافر کے نیک کام آخرت میں نفع بخش ہو سکتے ہیں گو اس کی صورت صرف تخفیف عذاب ہو۔ آخر ایک منصف اور ظالم کافر کے عذاب میں فرق بدیہی ہے۔ اس فرق کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ منصف کافر کا انصاف ہی اس کے حق میں تخفیف[1] عذاب کا موجب ہو ورنہ اصل کفر میں تو دونوں برابر ہیں۔ پس حافظ ابن حجرؒ کا حدیثوں کی .....

---

[1] شیخ محی الدین نوویؒ امام بیہقیؒ سے نقل فرماتے ہیں:

قال البيهقي و قد يجوز ان يكون حديث ابن جدعان و ما و رد بين الايات و الاخبار في بطلان خيرات الكافر اذا مات على الكفر ورد في انه لا يكون لها موقع التخلص من النار و ادخال الجنة و لكن يخفف عنه من عذابه الذي يستوجبه على جنايات ارتكبها سوى الكفر بما فعل من الخيرات اه. (مجتبائی ص ۱۱۵) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابن جدعان کی حدیث اور سب آیتیں اور حدیثیں جن میں کہ کافر کے بحالت کفر مر جانے کے بعد اس کی نیکیوں کے برباد ہو جانے کا ذکر آیا ہے وہ اس پر محمول ہوں کہ ان نیکیوں کا نتیجہ اس کے حق میں عذاب دوزخ سے نجات اور جنت نہ ہو سکے گا۔ اگر چہ یہ ممکن ہے کہ اس کی نیکیوں کی وجہ سے کفر کے علاوہ اس کے اور برے اعمال کی سزا میں ایک گونہ تخفیف کر دی جائے۔

امام بیہقیؒ کی اس عبارت میں یہ اور وضاحت ہو گئی کہ تخفیف عذاب سے مراد بھی اس کے گناہوں کے عذاب میں تخفیف ہے۔ کفر کے عذاب میں نہیں۔ گویا نیکیوں کا اثر کفر کے معاملہ میں کچھ نہیں ہوگا۔

مَنْ مَاتَ وَ هُوَ يُشْرِكُ بِهٖ لَمْ تَنْفَعْهُ مَعَهٗ حَسَنَةٌ. اور جو شخص شرک کی حالت پر مرے تو کوئی نیکی اس کو سود مند نہیں ہو سکتی۔ (یعنی اس کی مغفرت نہیں ہو گی) ۔ (احمد و طبرانی)

(قال الهيثمي رواه احمد و الطبراني في الكبير و رجاله رجال الصحيح ما خلا التابعي فانه لم يسلم و رواه الطبراني فجعله من رواية مسروق و رواه عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما كما في رحمة المهداة)

تاویل کرنا اور یہ فرمانا کہ کافر کے اعمال کا نفع ہو تو سکتا ہے مگر یہ نفع اسی وقت ظاہر ہو گا جب وہ مسلمان ہو جائے ظاہر کے خلاف ہے۔ ہاں شیخ محی الدین نووی کی اتنی تعمیم کر دینی کہ ان کی سب نیکیاں معتبر ہیں یہاں تک کہ عبادتیں بھی' یہ بھی دلپذیر نہیں۔ متوسط فیصلہ یہ ہے کہ کافر کی عام نیکیاں تو معتبر ہو سکتی ہیں مگر اس کی عبادت کوئی معتبر نہیں ہو سکتی۔ عبادات اور دوسرے اچھے کاموں میں فرق یہ ہے کہ عبادت خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ عبادت میں نیت اور صاحب حق کی معرفت بھی درکار ہے۔ کافر کو خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت کا ایک ذرّہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کی عبادت خدائے تعالیٰ کی عبادت ہی نہیں ہوتی وہ صرف اپنے ایک خیالی معبود کی عبادت ہوتی ہے۔ اور نیک کاموں سے مراد وہ کام ہیں جن کو انسان اپنی فطرت سے مذہب کی قید و بند کے بغیر بھی اچھا سمجھتا ہے ان میں نیت کرنا شرط نہیں۔ احادیث بالا میں اسی قسم کے اعمال کا ذکر ہے جیسے بنی نوع انسان کی ہمدردی' عدل و انصاف' صدقہ و خیرات' صلہ رحمی' مہمان نوازی' غلام آزاد کرنا' اور اسی قسم کے اور اعمال[1]

ظاہر ہے کہ یہ کام ایک کافر کے بھی اسی طرح اچھے کہلاتے ہیں جس طرح ایک مسلمان کے' پس اس قسم کے کام تو کافر کے بھی معتبر ہو سکتے ہیں خواہ وہ اسلام لائے یا نہ لائے۔ ہاں عذاب دوزخ سے ابدی نجات صرف اسلام پر موقوف ہو گی۔ اسی طرح تمام عبادتوں کی قبولیت بھی بغیر اسلام کے نصیب نہیں ہو سکتی۔

اس لیے ممکن ہے کہ کافر کے نیک کام آخرت میں عذاب کی تخفیف کا فائدہ دے سکیں مگر یہ بھی مشیت الٰہیہ کے تابع ہے بشکل ضابطہ نہیں۔ اب رہ گئیں وہ آیات جن میں کفار کے حق میں تخفیف عذاب کی نفی مذکور ہے تو ان سے مراد یہ ہے کہ ان کی نیکیوں کی رعایت کر کے جو عذاب ان کے لیے مقرر کر دیا جائے گا پھر اس میں کوئی تخفیف نہ کی جائے گی اور جو تخفیف ہم نے یہاں ذکر کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافر کے پاس حسنات نہ ہوں تو جتنا عذاب اس کو اس وقت ہوتا ان حسنات کے ہوتے ہوئے اتنا عذاب نہیں ہو گا۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ عذاب مقدر شروع ہو جانے کے بعد پھر اس میں کسی قسم کی تخفیف کی جائے گی۔ اس لیے جو تخفیف ہم نے ذکر کی ہے وہ صرف ایک ذہنی امر ہے خارج میں اس کا کوئی ثمرہ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ مشرک پر جس شدت کے ساتھ مغفرت کے دروازے بند ہیں شاید تخفیف عذاب کے دروازے اس شدت کے ساتھ بند نہیں۔ کسی کی سفارش یا کرشمہ رحمت کے صدقہ میں عذاب آخرت کے تخفیف کی گنجائش نکل سکتی ہے البتہ دنیوی فراوانی کو اس کے حق میں بھی ضابطہ کہا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر مختصر سی بحث ترجمان السنہ جلد اول ص ۵۲ پر بھی گذر چکی ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

[1] شیخ محی الدین نووی ایک حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ و صرح في هذا الحديث بان يطعم في الدنيا بما عمله من الحسنات اما بما فعله متقربا به الى الله تعالىٰ مما لا يفتقر الى النية كصلة الرحم و الصدقة و العتق و الضيافة و تسهيل الخيرات و نحوها . (ج ۲ ص ۳۷۴)

یعنی جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ کافر کی نیکیوں کا بدلہ اس کو دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے اس میں اسی قسم کی نیکیوں کا ذکر ہے جن کو انسان ثواب کے لیے کیا کرتا ہے مگر ان میں نیت شرط نہیں ہوتی جیسے عزیزوں کے ساتھ سلوک۔ صدقہ۔ غلام آزاد کرنا اور مہمانی وغیرہ۔

العبادة لغير الله شرک و ان اعتقد ان النفع والضرر بيد الله سبحانه

غیر اللہ کی عبادت کرنی شرک ہے اگر چہ عقیدہ میں نفع ونقصان کا مالک خدائے تعالیٰ کی ذات ہی کوتصور کرتا ہو

(٦٣٨) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ حُصَيْنٍ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ اِلٰهًا قَالَ اَبِيْ سَبْعَةً سِتًّا فِي الْاَرْضِ وَ وَاحِدًا فِي السَّمَآءِ قَالَ فَاَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَ رَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ قَالَ يَا حُصَيْنُ اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا اَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ الَّتَيْنِ وَعَدْتَّنِيْ فَقَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَ اَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ.

(رواه الترمذی)

(٦٣٨) عمران روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد حصین سے پوچھا تم موجودہ حالت میں کتنے خداؤں کی پوجا کرتے ہو؟ میرے والد نے جواب دیا سات خداؤں کی جن میں چھ تو زمین میں ہیں اور ایک آسمان میں- آپ نے پوچھا اچھا تو ان میں سے اپنی محبت اور خوف کے لیے تم نے کس کو بنا رکھا ہے انہوں نے جواب دیا آسمان والے کو- اس کے بعد آپؐ نے فرمایا حصین! اگر تم اسلام قبول کر لیتے تو میں تم کو دو کلمے ایسے تعلیم کرتا جو تم کو بڑے سودمند ہوتے- راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد جب حصین حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بات یاد دلائی اور عرض کیا یا رسول اللہ جن دو کلموں کا آپؐ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اب وہ مجھے بتا دیجئے- آپ نے فرمایا اچھا یہ پڑھ لیا کرو اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ الخ... خدایا میرے مقدر کی ہدایت میرے دل میں ڈال دے (کہ میں اس پر عمل پیرا ہو جاؤں) اور میرے نفس کے فریب سے مجھے بچالے- (ترمذی)

ان الله لا مكره له و لا يتعاظم عنده شيء

اللہ تعالیٰ کی ذات پر جبر کرنے والا کوئی نہیں اور نہ کوئی بڑے سے بڑا کام اس کے نزدیک بڑا ہے

(٦٣٩) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(٦٣٩) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

(٦٣٨) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مختصر اور سادہ سوال و جواب نے حصین کی سلیم فطرت کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ جب محبت اور خوف کا علاقہ اس کے نزدیک بھی صرف ایک ہی ذات کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر مفت میں بقیہ چند خداؤں کے آستانہ پر جبہ سائی کا فائدہ؟ یہ صرف ہدایت کا ایک معمولی قالب تھا اس میں اصلی روح آپ کی چند لمحوں کی وہ کیمیا اثر صحبت تھی جو بجلی کی طرح سعادت مند قلوب میں دوڑ جایا کرتی تھی اور آن کی آن میں ان کے باطن کی کایا پلٹ دیتی تھی اسی نے یہاں حصین کے باطن میں بھی انقلاب پیدا کر دیا تھا- اس حدیث سے مشرکین عرب کے شرک کی کچھ تفصیل بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ توحید کی اصل روح توحید فی العبادت ہے جب تک رشتہ عبادت غیر اللہ کے ساتھ وابستہ رہے توحید نصیب نہیں ہوتی اور اس کا شمار مشرکوں ہی میں رہتا ہے اگر چہ اپنے زعم میں نفع ونقصان کا مالک ایک ہی ذات کو تصور کرتا ہو اسی لیے اسلام کی توحید کا نمایاں پہلو توحید فی العبادت ہے- آج بھی بہت سے مسلمان ہیں جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ زبان سے پڑھ کر غیر اللہ کی عبادت میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں- درحقیقت یہ اسلام کی توحید نہیں- اگر اسلامی توحید کا صحیح مفہوم دماغ میں آجائے تو پھر ان افعال کے قریب پھٹکنا بھی ممکن نہیں ہوگا جن میں عبادت لغیر اللہ کی ذرا بھی بو آسکے-

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُکُمْ فَلَا یَقُلْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِیْ اِنْ شِئْتَ اُرْزُقْنِیْ اِنْ شِئْتَ وَ لْیَعْزِمْ مَسْئَلَتَہٗ اِنَّہٗ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَ لَا مُکْرِہَ لَہٗ. (رواہ البخاری)

جب تم دعا مانگو تو یوں مت کہا کرو' اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما دے اور تو چاہے تو مجھے روزی دے دے بلکہ خوب اصرار کے ساتھ کسی شرط و تردد کے بغیر دعا مانگا کرو کیونکہ اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں وہ خود مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (بخاری شریف)

(۶۴۰) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُکُمْ فَلَا یَقُلْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ وَ لٰکِنْ لِیَعْزِمْ وَ لْیُعَظِّمِ الرَّغْبَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَتَعَاظَمُہٗ شَیْءٌ اَعْطَاہُ. (رواہ مسلم)

(۶۴۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دعا مانگا کرو تو یوں مت کہا کرو اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے بلکہ بلا شرط دعا مانگا کرو اور اپنی ہمت بلند رکھا کرو' کیونکہ اللہ کو بڑی سے بڑی چیز دینی بھی کچھ بھاری نہیں ہوتی۔
(مسلم شریف)

(۶۴۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِیَدِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ لَاُحِبُّکَ یَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَ اَنَا اُحِبُّکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ فَلَا تَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوۃٍ رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِکَ.

(۶۴۱) معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑ کر فرمایا اے معاذ میں تم سے بہت محبت رکھتا ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں بھی آپؐ سے بڑی محبت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر نمازوں کے بعد یہ کلمات پڑھنا نہ چھوڑنا۔ اے اللہ اپنے ذکر و شکر اور اپنی عبادت اچھی طرح کرنے کے لیے میری مدد فرما۔
(نسائی - ابوداود)

(رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی الا ان ابا داؤد لم یذکر قال معاذ و انا احبک)

(۶۴۲) عَنْ رَبِیْعَۃَ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کُنْتُ اَبِیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ

(۶۴۲) ربیعہ بن کعب روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سو رہا تھا جب آپ کے وضوء کے لیے پانی اور دیگر ضرورت کی

---

(۶۴۰) * حدیث بالا میں کلمات دعا کے اندر اس شرط لگانے کے (اگر تو چاہے) دو ہی مفہوم نکل سکتے ہیں' یا تو متکلم اپنی شان بے نیازی کا اظہار چاہتا ہے اس لیے وہ انداز استغناء میں سوال کرتا ہے اور لازمی طور پر اپنی درخواست کی منظوری کی حاجت ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا یا مخاطب کی سہولت کی غرض سے ان الفاظ کا اضافہ کرتا ہے گویا اس درخواست کی اجابت مخاطب کی سہولت پر چھوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ دونوں باتیں بے محل اور لغو ہیں اس کے سامنے نہ تو اظہار بے نیازی کا موقعہ ہے اور نہ اس کے لیے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد کے بخشنے میں کوئی دشواری ہے پھر دعا کے الفاظ میں یہ کلمات شرط بے معنی اور سراسر گستاخی ہی ہوئے۔

(۶۴۲) * مطلب یہ تھا کہ بلند مقاصد صرف تمناؤں سے حاصل نہیں ہوا کرتے ان کے لئے مشقت اور مجاہدوں کی چکیوں میں پسنا پڑتا ہے مشہور ہے المعطایا علی متن البلایا یعنی انعامات سخت ترین آزمائشوں میں گذر کر ہی نصیب ہوتے ہیں۔ کامل دین یہ نہیں سکھاتا کہ فوز و فلاح کا راستہ بے عملی کے ساتھ صرف دعاؤں سے طے ہو جائے گا وہ عمل اور صرف عمل سے طے ہوگا۔ نسبی شرافتوں اور بزرگوں کے طفیل....

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَيْتُهُ بِوَضُوْئِهِ وَ حَاجَتِهِ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْاَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوَ غَيْرَ ذَالِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ. (رواه مسلم)

اشیاء لے کر حاضر ہوا تو آپ نے (مسرور ہو کر) مجھ سے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو- میں نے عرض کیا جنت میں آپ کے قرب میں رہنے کا سوال رکھتا ہوں- فرمایا یہ کیا مانگتے ہو کچھ اور مانگو میں نے عرض کیا میرا سوال تو یہی ہے- فرمایا تو اس اہم مقصد کے لیے اپنے نفس کے دشمن بن جاؤ اور خدائے تعالیٰ کے لیے نمازوں میں سجدے کر کر کے میری بھی کچھ مدد کرو- (مسلم)

(۲۴۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَ خَصَّ فَقَالَ يَا بَنِيْ كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا فَاطِمَةُ

(۲۴۳) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت ﴿اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا وہ جمع ہو گئے آپ نے ان کے عام اور خاص سب قبائل کو پکار پکار کر کہا اے کعب بن لوی کی اولاد دوزخ کی آگ سے اپنی جانوں کو بچاؤ- اے کعب ابن مرہ کی اولاد اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ اے عبد شمس کی اولاد اپنی جانوں کو عذابِ دوزخ سے بچاؤ- اے عبدالمطلب کی اولاد اپنی جانوں کو عذابِ دوزخ سے بچاؤ- (یہ تو عام قبائل کو دعوت تھی اس کے بعد پھر اپنے خاص قبیلہ کو دعوت دی) اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنی جان کو آتش دوزخ سے بچا' کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی مدد نہیں کر سکتا- ہاں

﴾ ....توسل کے بھروسہ پر عمل سے تغافل برتنا اسلامی تعلیم نہیں- کمال و تکمیل کی اس اصل روح کے ساتھ یہاں آپ نے کس خوبی سے اپنی عبدیت و عجز کا اظہار بھی فرمادیا یعنی تمام مراتب قرب کے باوجود بارگاہ بے نیاز میں خلاف آئین سفارش کرنے میں اور سب درماندہ ہیں- اگر عمل کا قدم اٹھا کر تم میری مدد کرنے کا وعدہ کرتے ہو تو سفارش کا قدم اٹھانے کا وعدہ میں کرتا ہوں- حسن خدمات کے ساتھ اگر یہ اچھی سفارش مل جائے تو فوز و فلاح کی امید رکھنا- قرآن شریف میں ارشاد ہے' وَاسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ''سجدے کر کے آپ ہمارا قرب تلاش کیجئے- اس آیت میں قرب خداوندی کا جو آئین آپ کو بتایا گیا تھا وہی آئین آپ نے یہاں قرب رسول کے اس متلاشی کو بتا دیا اور اس ضمن میں یہ اشارہ بھی فرما دیا کہ جنت میں تمہارے رسول کا مقام تجلیاتِ الٰہیہ کی سب سے قریب ترین منزل ہے جہاں پہنچنے کے لئے قدوسیوں کے پر جلتے اور مقربین کے ہوش اڑتے ہیں- اس کے قرب کی تمنا کرنا بہت بڑا سوال ہے- اب اگر اس سوال کی ہمت رکھتے ہو تو عمل کی ہمت بھی پیدا کر دیہی وہ حقیقت تھی جس کا اعلان آپ نے بطون عرب کو خطاب کرنے کے بعد اپنی سب سے محبوب ترین صاحبزادی کے سامنے کر دیا تھا- خلاصہ یہ کہ اسلام کی توحید یہ ہے کہ کامیابی و ناکامی کا معاملہ صری دست قدرت میں سمجھنا چاہئے- عمل کا قدم اٹھائے ہو جاؤ اور رسول کی شفاعت کے بعد اپنے ان ہیچ در ہیچ اعمال کے قبولیت کی امید رکھو- خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی شریعت کا خلاف کر کے یہ امید رکھنا کہ رسول خدائے تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہم کو زبردستی بخشوا لیں گے- رسول کی محبت نہیں اس کی صریح مخالفت ہے- اسی سفاہت پر ابوہریرہؓ کی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے-

اَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّ لَکُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا.

میرے تمہارے مابین جو رشتہ کا تعلق ہے میں اس کے حقوق ضرور ادا کرتا رہوں گا۔ (مسلم شریف)

(رواه مسلم و هو فی المتفق علیه مع بعض تغییر)

(۶۴۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَذَکَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ اَمْرَهٗ ثُمَّ قَالَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْئُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ بَعِیْرٌ لَهٗ رُغَاءٌ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْئُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْئُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْئُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ نَفْسٌ لَهَا صِیَاحٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْئُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ

(۶۴۴) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اس میں آپؐ نے خیانت کے معاملہ پر خاص طور سے زور دے کر فرمایا دیکھو میں ایسا نہ دیکھوں کہ قیامت کے دن تم میں کوئی شخص اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ لدا ہوا بڑبڑا رہا ہو اور وہ شخص مجھے آواز دے یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں ان کے جواب میں کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی شخص اس طرح آئے کہ اس کی گدی پر گھوڑا لدا ہوا ہو اور وہ ہنہنا رہا ہو اور وہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں اس سے کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ میں تو تجھے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر بکری لدی ہوئی ہو اور وہ بول رہی ہو اور وہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہؐ میری مدد فرمایئے تو میں کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی شخص قیامت کے دن آئے اور اس پر کوئی انسان بیٹھا چیخ رہا ہو اور یہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو تجھے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں ایک شخص

(۶۴۴) * اس حدیث میں ذی روح اور غیر ذی روح دو قسم کے مالوں کا ذکر ہے ذی روح کے بولنے اور غیر ذی روح کی حرکت کے تذکرہ کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اس دن کسی قسم کی خیانت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اول تو کاندھے پر لدا ہوا مال ہی کب پوشیدہ رہ سکتا ہے پھر اگر جانور خاموش رہے تو بھی ممکن ہے کہ اس طرف کسی کا دھیان نہ جائے لیکن جب جانور بولتا بھی رہے تو خواہ مخواہ کے لیے بھی ہر شخص کی نظر ادھر اٹھتی ہے یہی حال کپڑے کی حرکت کا ہے۔ بہر حال اس حدیث میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ کسی کو محض رشتے ناطے کے بھروسہ پر نہ رہنا چاہیے۔ خدائے تعالیٰ کی قاہر بارگاہ میں اس کے اذن کے بغیر لب کشائی کی ہمت کسی میں بھی نہیں۔ عمل کیے جاؤ اس کے بعد بھی بخشش کا بھروسہ صرف اس کی رحمت پر رکھو مگر دنیا ہے کہ وہ عمل صالح اور خدا کی رحمت کو تو فراموش کر چکی ہے اور اب محض بزرگانہ نسبتوں پر بھروسہ کیے بیٹھی ہے یہ اسلامی تعلیم نہیں نہ فوز و فلاح کا یہ راستہ ہے ؂

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی ۔۔۔ کہ دریں راہ فلاں بن فلاں چیزے نیست

تَـخُـفِقُ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِىْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَکَ شَيْـئًـا قَـدْ اَبْـلَغْتُکَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَـدَكُمْ يَـجِـىْءُ يَـوْمَ الْـقِيَـامَةِ عَلٰى رَقَبَتِـهٖ صَامِتٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِىْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَکَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ.

(متفق عليه و هذا لفظ مسلم و هو اتم)

قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر کپڑ الدا ہوا ہو ا میں اڑ رہا ہو اور یہ شخص پکارے یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں کہہ دوں بھلا آج میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا' دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں ایک شخص قیامت کے دن آئے اور اس کے اوپر سونا چاندی لدا ہوا ہو اور وہ پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں کہہ دوں میں آج بھلا تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو دنیا ہی میں تجھ سے سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔

(٦٤٥) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يُنْجِىَ اَحَدًا مِّنْكُمْ عَـمَـلُهٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ لَا اَنَـا اِلَّا اَنْ يَتَـغَـمَّدَنِىَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ فَسَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا وَ اغْدُوْا وَ رُوْحُوْا وَ شَىْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ وَ الْـقَـصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا. (متفق عليه وروى البيهقى نحوه عن عائشة فى الدعوات الكبير كما فى باب قيام شهر رمضان من المشكاة)

(٦٤٥) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کسی کو بھی صرف اس کا عمل آخرت میں نجات نہیں دے گا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی فرمایا ہاں مجھ کو بھی بجز اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت میں گھیر لے لہٰذا میانہ روی کے ساتھ عمل کرتے رہو اور زیادہ بلند پروازیاں نہ کرو۔ پس کچھ صبح و شام کچھ شب کی تاریکی میں میانہ رفتار کے ساتھ چلتے رہو منزل مقصود کو جا پہنچو گے۔ (متفق علیہ)

ليسأل العبد من ربه جميع حاجاته

بندہ کو چاہیے کہ وہ اپنی سب مرادیں اللہ تعالیٰ سے مانگے

(٦٤٦) عَـنْ اَنَـسٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَـالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْـهِ وَسَلَّمَ لِيَسْاَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْاَلَ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ.

(رواه الترمذى)

(٦٤٦) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم کو چاہیے کہ اپنی سب حاجتیں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا کرو۔ یہاں تک کہ اگر چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی خدائے تعالیٰ سے مانگو۔ اور ایک روایت میں ثابت بنانی سے مرسل طور پر اتنا اور اضافہ منقول ہے کہ نمک بھی اس سے مانگو۔ (ترمذی)

---

(٦٤٥) * رسول بارگاہ ایزدی میں مقرب سے مقرب ہو کر بھی سرتاپا آداب عبودیت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں وہ عین عالم استغراق میں بھی ایک حرف اپنی زبان پر ایسا نہیں لاتے جو ان کی شان عبدیت سے ذرا بھی اُترا ہوا ہو۔ دیکھو یہاں رحمۃ للعالمین کے سامنے جب بارگاہِ رب العالمین کا ذکر آ جاتا ہے تو وہ اس کی رحمت کی طرف احتیاج میں اپنی ذات کا بھی کوئی استثناء نہیں فرماتے اور بڑے مضطربانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ ارحم الراحمین کی رحمت کا تو وہ بھی محتاج ہے جس کو اس نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ پس یہاں رحمت کے بغیر نہ عملی سرگرمی سے کچھ کام بنتا ہے اور نہ صرف رحمت کا بھروسہ کچھ کارآمد ہو سکتا ہے مسافر آخرت پر لازم ہے کہ رحمت کی طرف نظر اٹھائے ہوئے میانہ روی کے ساتھ قدم بڑھائے چلے وہ اپنی منزل مقصود پر ضرور جا پہنچے گا۔

(۶۴۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَكْفُلُ لِيْ اَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا فَاَتَكَفَّلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَكَانَ لَا يَسْأَلُ اَحَدًا شَيْئًا.

(رواه ابو داؤد و النسائی)

(۶۴۷) ثوبان رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کا کون ضامن ہوتا ہے کہ وہ کسی شخص سے کچھ سوال نہ کیا کرے گا تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوتا ہوں- ثوبان نے عرض کیا میں- اس کے بعد وہ کسی سے کوئی چیز بھی مانگا نہیں کرتے تھے-

(ابوداؤد- نسائی)

(۶۴۸) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَعَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ يَشْتَرِطُ عَلَىَّ اَنْ لَا تَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَ لَا سَوْطَكَ اِنْ سَقَطَ مِنْكَ حَتّٰى تَنْزِلَ اِلَيْهِ فَتَأْخُذَ. (رواه احمد)

(۶۴۸) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھ سے یہ شرط کی کہ دیکھنا کسی سے کچھ سوال نہ کرنا میں نے کہا قبول ہے آپ نے فرمایا اگر تمہارے ہاتھ سے کوڑا اگر پڑے تو اپنا کوڑا بھی نہ مانگنا یہاں تک کہ اُترنا اور اس کو خود اٹھا لینا-

(احمد)

(۶۴۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاعَ اَوِ احْتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ يَرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِنْ حَلَالٍ.

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۶۴۹) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھوک کی تکلیف ہو یا اس کو کوئی اور حاجت پیش آ جائے پھر وہ اس کو لوگوں سے پوشیدہ رکھے تو اللہ تعالیٰ پر یہ ایک حق ہوگا کہ اس کو ایک سال کی حلال روزی دے دے-

(شعب الایمان)

---

(۶۴۸) ✻ یہ تمام مقامات وہ ہیں جہاں اگر کسی انسان سے سوال کر لیا جائے تو اس سے حدودِ اسلامی پر کوئی ضرب نہیں لگتی صرف ادبِ اسلامی میں فرق آتا ہے لیکن جہاں پہنچ کر حدودِ اسلامی پر ضرب لگتی ہے وہ مردوں سے یا غائب کو حاضر جان کر سوال کرنا ہے یہ صفت ایک خدائے قدوس کی ہے کہ اس کے لیے شہود و غیبوبتہ کا کوئی فرق نہیں وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے- اصل یہ ہے کہ جو ذات مکان و زمان میں مقید ہے قرب و بُعد اور غیبوبتہ و شہود کا فرق بھی اسی کے لیے ہے اور جو مادیت کی قیود سے منزہ و مبرا ہو وہ ان فروق سے بھی منزہ و مبرا ہے- اسی طرح اس کی ذاتِ پاک نیند اور موت کے آثار سے بھی بالاتر ہے- پس جو شخص مردوں کو زندوں کی طرح اور بعید کو قریب کی طرح اور غائب کو حاضر کی طرح پکارتا ہے وہ گویا ایک مخلوق میں خالق کی صفات تسلیم کرتا ہے اسی حقیقت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

﴿وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَ﴾ (الاحقاف: ۵)

''اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کو نہ پہنچے اور ان کی پکار سے بھی غافل ہو''-

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ﴾ (الاعراف: ۱۹۴)

''جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو وہ تم جیسے بندے ہیں بھلا انہیں پکار دیکھو تو چاہیے کہ وہ تمہارے پکارنے کو قبول کریں''-

(۶۴۹) ✻ یہ ایک وعدہ ہے اور جیسے دوسرے وعدہ وعید کے لیے قیدیں اور شرطیں ہوتی ہیں اس کے لیے بھی ہیں- یہاں متردد کبھی کامیاب نہیں ہوتا اور یقین رکھنے والا کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا-

(۶۵۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ اِلَّا الْجَنَّةُ. (رواہ ابوداؤد)

(۶۵۰) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے روئے انور کے طفیل میں صرف ایک جنت ہی ایسی متاع ہے جو طلب کی جا سکتی ہے- (ابوداؤد)

اسناد الامور کلها الی الله سبحانه رأس التوحید

مسلمان کے قلب پر ایک اللہ تعالیٰ کی فاعلیت کا نقش ہو جانا توحید کا سب سے بلند مقام ہے

(۶۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُعْطِيْكُمْ وَ لَا اَمْنَعُكُمْ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَيْثُ اُمِرْتُ. (رواہ البخاری)

(۶۵۱) ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو میں تم کو اپنی طرف سے کچھ مال دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہاں اٹھا کر بس اس کو رکھ دیتا ہوں- (بخاری شریف)

(۶۵۲) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا

(۶۵۲) حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی فہم

---

(۶۵۰) ٭ جنت بھی اللہ تعالیٰ کے اسم کے طفیل میں اس لیے مانگی جا سکتی ہے کیونکہ وہ اس کے دیدار کا محل ہے ورنہ مخلوقات میں ایسی چیز جس کو خالق کے روئے انور کے طفیل میں طلب کیا جا سکے کوئی بھی نہیں۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتی — نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ان احادیث میں ایک موحد کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ تا امکان وہ کسی انسان سے سوال کرنے کا خیال بھی اپنے دل سے نکال ڈالے حتیٰ کہ اگر کوئی ابوذرؓ جیسا زاہد مزاج نظر پڑ گیا تو اس سے یہ ایک شرط ٹھہرا لی گئی -سوچئے کہ جس شریعت میں ادنیٰ ادنیٰ چیز مانگنے کے لیے بھی ایک رب العزت ہی کا دروازہ بتایا گیا ہو اس میں غیر اللہ سے ایسی ایسی مرادیں مانگنا جن کے پورا کرنے کی ان میں طاقت بھی نہ ہو کب گوارا ہو سکتا ہے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مال تقسیم کرتے پھر خود فرما دیتے انما انا قاسم و الله یعطی -دیکھو میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والے کی حیثیت رکھتا ہوں دراصل دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے-

(۶۵۱) ٭ یعنی جیسی رسول کی خود اپنی ہستی بندہ اور اس کے خدا تعالیٰ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہوتی ہے ایسے ہی وہ مال کی تقسیم میں بھی صرف ایک واسطہ ہی رہتی ہے وہ خدا کے دیئے ہوئے مال کو اس کے حکم کے مطابق صرف ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیتی ہے- سبحان اللہ جس جگہ اعطاء و منع کا فعل حقیقت بھی آپ کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے اس جگہ بھی آپؐ مسلمان کی نظر کو اور بلند کر کے ایک ایسی عمیق حقیقت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں جہاں حقیقت بھی مجاز بن کر رہ جاتی ہے- اسلام کی توحید کا یہ وہ بلند مقام ہے جہاں پہنچ کر قادر مطلق کی فاعلیت و اختیار منکشف ہوتا ہے- بقیہ صرف آلات و وسائل کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں-

(۶۵۲) ٭ مال کی تقسیم سے زیادہ نازک مسئلہ فہم کی تقسیم کا ہے- حدیث کہتی ہے کہ یہ بھی اسی ایک ذات پاک کے ہاتھ میں ہے- رسول وحی الٰہی کی تبلیغ میں اپنی جانب سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں کر سکتا وہ تو اس کو اپنے سب امتیوں کو برابر سنا دیتا ہے اب اگر مراتب فہم کے لحاظ .....

يُفَقِّهُهُ فِي الدِّيْنِ وَ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَ اللّٰهُ يُعْطِيْ. (متفق عليه)

عطا فرماتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا تو وہی ہے- (متفق علیہ)

(۶۵۳) عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِنَ الْاَ شْعَرِيِّيْنَ اَسْتَحْمِلُهٗ فَقَالَ وَ اللّٰهِ لَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ قَالَ ثُمَّ لَبِثْنَا مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ نَلْبَثَ ثُمَّ اُتِيَ بِثَلٰثِ زَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰى فَحَمَلَنَا عَلَيْهَا فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا اَوْ قَالَ بَعْضُنَا وَ اللّٰهِ لَا يُبَارَكُ لَنَا اَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهٗ فَحَلَفَ اَنْ لَا يَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا فَارْجِعُوْا بِنَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنُذَكِّرُهٗ فَاَتَيْنَاهُ فَقَالَ مَا اَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللّٰهُ حَمَلَكُمْ وَ اِنِّيْ اِنْشَاءَ اللّٰهُ لَا اَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَاَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا اِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِيْنِيْ وَاَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَ كَفَّرْتُ عَنْ يَمِيْنِيْ. (رواه البخاري)

(۶۵۳) ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ میں اشعریوں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری مانگنے کے لیے حاضر ہوا آپؐ نے قسم کھا کر فرمایا میں تم کو سواری نہیں دے سکتا اور نہ اس وقت میرے پاس تم کو دینے کے لیے سواری موجود ہے- راوی کہتا ہے اس کے بعد پھر جتنا وقفہ اس حال پر گذرنا مقدر تھا گذر گیا پھر کہیں سے سفید کوہان والے تین اونٹ آپؐ کی خدمت میں آ گئے آپؐ نے وہ ہم کو دے دیئے- جب ہم ان کو لے کر چلے تو ہم نے کہا یا ہم میں سے کسی نے کہا (راوی کو اس بارے میں شک ہے) خدا کی قسم ان میں کبھی ہمارے لیے برکت نہ ہوگی کیونکہ ہم آپ سے سواری مانگنے کے لیے آئے تھے اور آپؐ نے نہ دینے کی قسم کھائی تھی پھر غالباً بھولے سے آپؐ نے ہم کو یہ اونٹ دے دیئے ہیں چلو پھر لوٹ چلیں تا کہ آپ کو آپؐ کی قسم کی یاددہانی کرا دیں- یہ کہہ کر ہم آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے ہماری گفتگو سن کر فرمایا میں نے تو تم کو یہ اونٹ نہیں دیئے یہ تو تم کو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں اور اگر بالفرض میں کسی ایسی بات پر قسم کھالوں پھر اس کے خلاف میں بہتری دیکھوں تو میں یقیناً اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا اور جس بات میں بہتری ہوگی وہ کر لوں گا یا پہلے وہ کام کر لوں گا اس کے بعد اپنی قسم کا کفارہ ادا کروں گا- (روای کو ان دو باتوں کے درمیان صحیح ترتیب یاد نہیں رہی)- (بخاری شریف)

٭.....اختلاف سے ان کے علم و فضل کے مراتب میں کوئی تفاضل پیدا ہو جائے تو یہ رسول کے اختیار کی بات نہیں خدا کے دین کی بات ہے کسی کو زیادہ فہم دے دی کسی کو کم اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں جسے چاہے افضل اور جسے چاہے مفضول بنا دے- ﴿وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَ يَخْتَارُ﴾ (القصص: ۶۸) یعنی صفت خلق پھر اس میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا یہ دونوں صفتیں خدائے تعالیٰ ہی کی ہیں- خلاصہ یہ ہے کہ رسول کی ذات کو نہ مال کی تقسیم میں متہم سمجھنا چاہیے اور نہ وحی کی تقسیم میں اور یہ سب کچھ اس بنا پر کہ اصل متصرف صرف خدا تعالیٰ کی توانا اور قادر مطلق ذات ہے- رسول درمیان میں صرف ایک سبب و واسطہ کی حیثیت رکھتا ہے-

(۶۵۳) ٭ خطابی فرماتے ہیں کہ آپ کا جملہ ما انا حملتکم (یہ اونٹ میں نے تم کو نہیں دیئے) ایک اخلاقی جملہ تھا اور مقصد یہ تھا کہ اس میں میرا تم پر کوئی احسان نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے- اس کے حکم سے میں نے تم کو یہ اونٹ دیئے ہیں اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ میرے حلف کا مطلب مطلقاً دینے سے انکار نہیں تھا بلکہ خاص اس وقت دینے سے انکار تھا- جب اونٹ میرے پاس آ گئے تو میں نے تم کو دے دیئے یہ ہمارے لیے ایک انعام ایزدی ہے-

(۶۵۴) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَ لَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَ لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ. (متفق عليه)

(۶۵۴) مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے اور تمام تعریفیں بھی اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اے اللہ جو تو دے دے اس سے روکنے والا کوئی نہیں اور جو نہ دے اس کا دینے والا کوئی نہیں اور تیرے سامنے کسی صاحب ثروت کی دولت بھی اس کے لیے کچھ سودمند نہیں۔

(متفق علیہ)

الاعتقاد بان لغير الله اثرًا فوق ما اراد منه كفر

کسی مخلوق کے متعلق ظاہری سببیت سے بڑھ کر حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھنا کفر ہے

(۶۵۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ اَنَّهٗ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ عَلٰى اِثْرِ السَّمَاءِ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ رَحْمَتِهٖ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَ اَمَّا مَنْ قَالَ بِنَوْءِ كَذَا وَ كَذَا فَذَا لِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ. (رواه البخاری)

(۶۵۵) زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ شب کو پانی برس چکا تھا اس کی صبح کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں ہم لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کچھ جانتے ہو تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔ سب نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے کہا یہ فرمایا ہے کہ آج صبح میرے بندوں میں (دو فریق ہو گئے) ایک مؤمن ہو گیا اور ایک کافر ہو گیا۔ جس نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے پانی برسا وہ ہم پر ایمان لایا اور ستاروں کا منکر ہوا، اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے پانی برسا وہ ہمارا منکر ہو گیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔

(بخاری شریف)

---

(۶۵۴) * سبحان اللہ! اسلام کی توحید بھی کتنی بلند ہے جس میں منع و اعطاء کی دو صفتوں میں بھی شرکت کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ ایک مسلمان موحد اس کا مامور ہے کہ وہ نفی و اثبات کی صورت میں خدا کی ان صفات کو پنج وقتہ دہرایا کرے یعنی جس طرح لا الٰہ الا اللہ کی صورت میں وہ معبودانِ باطل کی شرکت کی نفی کرتا ہے اسی طرح لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ کی شکل سے وہ اس کی ان دو صفتوں میں بھی شرکت کی نفی کیا کرے، کیونکہ جب ملک اس کا ہے تو حکم بھی اسی کا چلنا چاہیے، وہی دینے والا ہے اور وہی چھیننے والا۔ پھر اس کی بارگاہ دنیوی بادشاہوں کی طرح نہیں جہاں، قرب کا مدار دولت پر ہو وہاں تو صرف اخلاص و عمل کارآمد ہوگا کسی کی ثروت دولت کچھ کارآمد نہ ہوگی۔

(٦٥٦) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَکَةٍ اِلَّا اَصْبَحَ فَرِیْقٌ مِنَ النَّاسِ بِھَا کَافِرِیْنَ یُنَزِّلُ اللّٰہُ الْغَیْثَ فَیَقُوْلُوْنَ بِکَوْکَبِ کَذَا وَ کَذَا۔ (رواہ مسلم)

(٦٥٦) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو برکت بھی آسمان سے نازل فرماتا ہے لوگوں میں ایک نہ ایک فرقہ اس کا منکر ہو کر رہتا ہے (کتنا ظلم ہے کہ) بارش تو خدا بھیجے اور لوگ یہ کہیں کہ فلاں فلاں ستارہ کی رفتار کی وجہ سے ہوئی ہے۔ (مسلم شریف)

---

(٦٥٦) یہاں قدرت کے فیاض ہاتھوں کو ناشکر انسان سے یہ شکوہ ہے کہ وہ اس کی فیاضی کا کتنا بڑا ناقدرشناس ہے کہ بارش تو وہ بھیجے اور یہ اس کو اس کی مخلوق کی طرف نسبت کر دے جس کو اس میں کوئی بھی دخل نہ ہو۔

واضح رہے کہ جہاں کوئی جماعت کسی مخلوق میں حقیقی یا خلاف واقع تاثیر کا اعتقاد رکھتی ہے وہاں شریعت اپنا لب ولہجہ سیاق تردید میں ذرا سخت کر دیتی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ستاروں کے متعلق عرب کا اعتقاد تھا وہ محض اپنے اوہام کی بنا پر ان کو عالم کے بہت سے حوادث میں اسی طرح مؤثر سمجھتے تھے جیسا کہ آج بہت سے ضعیف الاعتقاد مسلمان بزرگوں کو سمجھ لیتے ہیں اور تاثیر بھی ایسی جو محض ان کے دماغوں کی تراشیدہ اور صرف وہمی ہوتی۔ شریعت نے عالم اسباب میں اشیاء کے اسباب خود مقرر فرمائے ہیں مگر اس سے روکا ہے کہ غیر سبب کو سبب یا سببیت کو بڑھا کر مؤثر حقیقی کے برابر بنا دیا جائے اس نے عالم میں ایک غیر مرتبط سلسلہ کو ایک دوسرے کے ساتھ الجھا دیا ہے اور محض اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک کا وجود دوسرے کے ساتھ وابستہ کر کے اسی کا نام عالم اسباب رکھ دیا ہے اور بندہ کو یہ فہمائش کر دی ہے کہ وہ اصل کار فرما اسی کی قدرت کو سمجھتا رہے۔ اسلام کی توحید اس تخلل کو برداشت نہیں کرتی کہ کوئی شخص عالم میں ایک ذرہ کی جنبش میں بھی ید قدرت کے سوا کسی اور کو حقیقۃً شریک سمجھے اس کا ایک ایک ذرہ اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی قدرت سے حرکت کرتا ہے۔

عرب میں انسانی زندگی کے لیے سب سے ضروری چیز بارش تھی اگر اس میں بھی اس کے نزدیک تاثیر ستاروں کی رہے تو پھر اس کے قلب میں اپنے حقیقی خالق کی طرف کیا کشش باقی رہ سکتی ہے۔ دراصل شوق وخوف کے دو بازو ہی ایسے ہیں جو مخلوق کو طوعاً و کرہاً اپنے خالق کی عبادت کی طرف اڑائے لیے جاتے ہیں۔ اگر ان دونوں میں ایک بھی کمزور ہو جاتا ہے تو انسان کی وہی جانب مخلوق کی طرف جھکنے لگتی ہے پھر وہ خوف یا طمع سے اس کو خالق کے ساتھ شریک کرنے پر فطرۃً مجبور ہو جاتا ہے اس لیے شریعت نے جابجا یہ تنبیہ کی ہے کہ حوادث عالم میں صرف اسی کی ذات مؤثر ہے اور اسی کو مؤثر سمجھنا چاہیے اور اس حقیقت کو اتنا ذہن نشین کیا ہے کہ جس سے بعض اوقات کسی کوتاہ اندیش کو یہ شبہ گذرنے لگتا ہے کہ شاید وہ سلسلہ اسباب ہی کی منکر ہے۔ جی ہاں جن مقامات پر صرف وہم پرستی ہو وہاں ایسا ہی ہونا چاہیے اگر شریعت یہاں تعبیرات میں اتنی شدت اختیار نہ کرتی تو جو قوم مخلوقات ہی کی تاثیر میں اُلجھ کر رہ گئی تھی وہ مؤثر حقیقی تک کیسے پہنچتی۔

شیخ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر بارش کی نسبت ستاروں کی طرف اسی اعتقاد کے ساتھ کی ہے جب تو صریح کفر ہے اور اگر صرف ایک علامت ہونے کی بنا پر ہے جب بھی ایسے لفظ کے استعمال کی ضرورت کیا ہے جو کفر اور غیر کفر دونوں کا محتمل ہو۔ (کتاب الاذکار ص ١٥٧)

جو لوگ ذوقِ ایمانی نہیں رکھتے وہ ان نزاکتوں کو بھی نہیں سمجھتے اور ان مشہور اسباب پر کلی اعتماد کا نام روشن خیالی اور علم اور دست قدرت کی اصلی طاقت پر بھروسہ کرنے کا نام جمود اور جہل رکھ دیتے ہیں یہ بڑا قصور نظر ہے۔ خدائے تعالیٰ انصاف عطا فرمائے۔

(۶۵۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّھُمْ بَیْنَاھُمْ جُلُوْسٌ لَیْلَۃً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُمِیَ بِنَجْمٍ وَ اسْتَنَارَ فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اِذَا رُمِیَ بِمِثْلِ ھٰذَا قَالُوا اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ کُنَّا نَقُوْلُ وُ لِدَا للَّیْلَۃَ رَجُلٌ عَظِیْمٌ اَوْمَاتَ رَجُلٌ عَظِیْمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّھَا لَا یُرْمٰی بِھَا لِمَوْتِ اَحَدٍ وَ لَا لِحَیٰوتِہٖ وَ لٰکِنْ تَبَارَکَ اِسْمُہٗ اِذَا قَضٰی اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَۃُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَھْلُ السَّمَاءِ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ التَّسْبِیْحُ اَھْلَ ھٰذِہِ السَّمَاءِ الدُّنْیَا ثُمَّ قَالَ الَّذِیْنَ یَلُوْنَ حَمَلَۃَ الْعَرْشِ لِحَمَلَۃِ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ فَیُخْبِرُوْنَھُمْ مَا قَالَ فَیَسْتَخْبِرُ بَعْضُ اَھْلِ السَّمٰوَاتِ بَعْضًا حَتّٰی یَبْلُغَ ھٰذِہِ السَّمَاءَ الدُّنْیَا فَیَخْطِفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَیَقْذِفُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَاءِ ھِمْ وَ یُرْمَوْنَ فَمَا جَاءُوْا بِہٖ عَلٰی وَجْھِہٖ فَھُوَ حَقٌّ وَ لٰکِنَّھُمْ یَقْرِفُوْنَ فِیْہِ وَ یَزِیْدُوْنَ۔

(رواہ مسلم)

(۶۵۷) ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے جو قبیلہ انصار میں کا تھا- مجھ سے بیان کیا کہ وہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور روشن ہوگیا- آپؐ نے ان سے پوچھا جب زمانہ جاہلیت میں اس طرح کوئی ستارہ ٹوٹا کرتا تھا تو تم لوگ اس کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے تھے؟ پہلے تو انہوں نے (ادباً) کہا کہ خدا اور اس کا رسولؐ زیادہ عالم ہیں اس کے بعد کہا کہ ہمارا عقیدہ تھا کہ اس شب میں یا تو کوئی بڑا شخص پیدا ہوا ہے یا اس کی وفات ہوئی ہے- آپ نے فرمایا ستارہ نہ تو کسی کی پیدائش کی وجہ سے ٹوٹتا ہے نہ کسی کی موت کی وجہ سے- اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی حکم صادر فرماتے ہیں تو (بارگاہ الوہیت کے ادب کے موافق) پہلے عرش کے فرشتے تسبیح پڑھنا شروع کر دیتے ہیں پھر ان کی تسبیح سن کر ان کے متصل آسمان کے فرشتے تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کا یہ سلسلہ اس دنیا کے آسمان تک متصل اور مسلسل ہو جاتا ہے- اس کے بعد جو فرشتے عرش والے فرشتوں کے متصل ہیں ان سے دریافت کرتے ہیں' تمہارے پروردگار نے کیا حکم صادر فرمایا وہ جو کچھ ارشاد ہوا تھا ان کو بتا دیتے ہیں- اس کے بعد ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے اسی طرح پوچھتے چلے آتے ہیں- یہاں تک کہ نوبت اس آسمان والوں تک آجاتی ہے (یہاں شیاطین ان خبروں کو سننے کے لیے چھپ کر کھڑے رہتے ہیں) اور ان میں کوئی کوئی بات سن کر اُچک بھی لے جاتے ہیں پھر وہی بات اپنے عاملوں کے پاس لے آتے ہیں اس اثناء میں ان کو مار بھگایا جاتا ہے' اب جو کلمہ وہ پورا پورا لے آتے ہیں وہ تو درست نکلتا ہے لیکن وہ (اپنی طرف سے) اس میں بہت کمی بیشی کر دیتے ہیں (اس لیے ان کی بہت باتیں غلط نکلتی ہیں) (مسلم)

---

(۶۵۷) * آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کے متعلق غلط اعتقادات ہی نے عرب کے قلوب میں ان کی بیجا عظمت پیدا کر دی تھی اور کسی کے متعلق اس کی حد سے زیادہ اعتقاد عظمت ہی درحقیقت اس کی عبادت کا پیش خیمہ ہو جاتا ہے اس لیے قرآن و حدیث نے جگہ جگہ سلسلہ سببیت کو اتنا بے وقعت بنایا ہے کہ بعض کوتاہ فہمیوں کو تو یہ شبہ پڑنے لگتا ہے کہ شاید شریعت سرے سے اس سلسلہ ہی کا انکار کرتی ہے- یاد رکھو خدائے تعالیٰ کی توحید کا اعتقاد صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ ایک ہے بلکہ یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ درحقیقت اسی ایک کا تصرف ہے- ﷺ ....

(۶۵۸) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعْجِلًا اِلَى الْمَسْجِدِ وَ قَدِ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى حَتّٰى انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ اِلَّا لِمَوْتِ عَظِيْمٍ مِنْ عُظَمَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ وَ اَنَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَ لَا لِحَيٰوتِهٖ وَ لٰكِنَّهُمَا خَلِيْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ يُحْدِثُ اللّٰهُ فِيْ خَلْقِهٖ مَا شَاءَ فَاَيُّهُمَا انْخَسَفَ فَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِيَ اَوْ يُحْدِثَ اللّٰهُ اَمْرًا. (رواه النسائی)

(۶۵۸) نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی مسجد میں تشریف لائے اس وقت آفتاب کو گہن لگ چکا تھا آپؐ نے اتنی دیر تک نماز پڑھی کہ آفتاب صاف ہو گیا اس کے بعد فرمایا کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ چاند اور سورج جب گہن ہوتے ہیں تو کسی ایسے شخص کی موت پر گہن ہوتے ہیں جو اس وقت زمین میں سب سے بڑی ہستی ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نہ ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ پیدائش کی وجہ سے' وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی تبدیلی اپنی مخلوق میں پیدا کر دیتا ہے- لہٰذا جب کسی کو گہن لگا کرے تو نمازیں پڑھا کرو تاآنکہ یا تو گہن چھوٹ جائے یا اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا کرشمہ دکھلائے (یعنی قیامت آ جائے)- (نسائی)

ﷺ....حدیث کا مضمون از اول تا آخر بار بار پڑھیے تو آپ کا قلب تمام مخلوق کی عظمت سے خالی ہو کر ایک قادر علی الاطلاق ہستی کی عظمت سے معمور ہو جائے گا-

رہی یہ بات کہ شیاطین کا آسمانوں پر جانا اور غیب کی معمولی خبریں لے بھاگنا تو جو لوگ شیاطین کے تسخیر کے اعمال کرتے ہیں' ان سے آج بھی اس کی تصدیق ہو سکتی ہے- آپ کا علم تو بس یہ ہے کہ جس چیز کا آپ کو علم نہیں درحقیقت وہ چیز بھی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جس چیز کا دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کو علم ہے وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے گو اس کا آپ کو کوئی ادنیٰ سا علم بھی نہ ہو- آپ کے اقرار و انکار کے یہ دونوں پہلو آپ کی انتہائی ناانصافی پر مبنی ہیں-

(۶۵۸) * یہ ۹ھ کا واقعہ ہے- صحیح مسلم میں ہے کہ اسی دن حضرت ابراہیمؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ کا انتقال ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس قسم کے موقعہ پر جو آپؐ کی شریعت تھی وہ ادا فرمائی اس کے بعد نہایت اہتمام کے ساتھ خطبہ دیا' مبادا کوئی شخص زمانہ جاہلیت کے خیال کے مطابق یہ سمجھ بیٹھے کہ آج بھی گرہن آپؐ کے صاحبزادہ کے انتقال کی وجہ سے ہوا ہے اس لیے آپؐ نے اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ یہ بالکل خلاف واقع بات ہے- کسی مخلوق پر کسی مخلوق کی موت و حیات سے کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ یہ خدائی تصرفات ہیں وہ اپنی قدرت کے کرشمے طرح طرح سے دکھایا کرتا ہے تمہارا یہ خیال مخلوق کی تعظیم میں افراط اور خدائے تعالیٰ کے تصرفات کی عظمت میں تفریط پر مبنی ہے- خدائی تصرفات کو کسی مخلوق کا اثر اقرار دینا بھی ایک قسم کا شرک و کفر ہے- مخلوق اور اس کے حدود اختیارات بالکل محدود ہیں اور خدائے قادر کے تصرفات لامحدود- ان دونوں میں خلط کرنا بڑی جہالت ہے- یہ معلوم رہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسباب و مسببات کے سلسلہ میں داخل ہے- حدیث نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ گرہن کا کوئی سبب نہیں ہوتا بلکہ یہ سمجھایا ہے کہ گرہن خواہ کسی اسباب کی بنا پر ہو لیکن قابل عبرت امر یہ ہے کہ بہرحال وہ اسباب بھی اسی کی حکومت کے نیچے ہیں جس کے نیچے یہ شمس و قمر خود ہیں- قرآن کریم نے لیل و نہار کی گردش کو بھی قدرت کا بہت بڑا نشان قرار دیا ہے کیا اس کے اسباب نہیں پس یہاں اسباب سے انکار نہیں ﷺ.....

(۶۵۹) عَنْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی هٰذِهِ النُّجُوْمَ لِثَلاثٍ جَعَلَهَا زِیْنَةً لِلسَّمَاءِ وَ رُجُوْمًا لِلشَّیَاطِیْنِ وَ عَلامَاتٍ یُهْتَدٰی بِهَا فَمَنْ تَاَوَّلَ فِیْهَا بِغَیْرِ ذٰلِکَ اَخْطَأَ وَ اَضَاعَ نَصِیْبَهٗ وَ تَکَلَّفَ مَا لَا یَعْلَمُ.
(رواہ البخاری تعلیقًا)

(۶۵۹) قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین فائدوں کے لیے بنایا ہے۔ آسمان کی خوشنمائی اور زینت کے لیے، غیب کی خبریں سننے والے شیطانوں کو مار بھگانے کے لیے، اور (شب میں مسافروں کے لیے) راستہ پانے کی علامتیں۔ اب جس شخص نے بھی ان تین فائدوں کے سوا اس میں اور فائدے تلاش کیے اس نے غلطی کھائی، اپنا وقت ضائع کیا اور خواہ مخواہ ایسی بات کے درپے ہوا جس کا اس کو علم نہیں۔ (تعلیقات بخاری)

(۶۶۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ بَابًا مِنْ عِلْمِ النُّجُوْمِ لِغَیْرِ مَا ذَکَرَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ اَلْمُنَجِّمُ کَاهِنٌ وَ الْکَاهِنُ سَاحِرٌ وَ السَّاحِرُ کَافِرٌ. (رواہ رزین)

(۶۶۰) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نجوم میں ان فائدوں کے سوا جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے کوئی اور نیا فائدہ حاصل کیا تو بے شبہ اس نے سحر کے ایک شعبہ کا استعمال کیا نجومی کاہن کی طرح غیب کی خبریں بتاتا ہے اور کاہن ایک قسم کا جادوگر ہوتا ہے اور جادوگر کافر ہے۔ (رزین)

لہ .... بلکہ اس کا انکار ہے کہ جہاں سببیت بھی نہ ہو وہاں حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھا جائے۔ یہ یاد رہے کہ آپ کی حیات میں قیامت کا اگرچہ کوئی امکان نہ تھا لیکن ایک فاعل مختار کی قدرت کا تماشہ دیکھنے والے کی نظروں میں آئین وضوابط کا استحضار نہیں رہا کرتا اس لیے اس کا خوف غیر اختیاری اور اس کا اضطراب فطری ہوتا ہے۔

(۶۶۰) * عرب میں عام طور پر غیب دانی کے یہی تین اسباب تھے یا سحر جس میں عموماً ارواحِ خبیثہ اور شیاطین سے استعانت ہوتی تھی یا نجوم یا کہانت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طور وطریق چونکہ ان تینوں سے جدا تھے اس لیے وہ مبہوت ہو ہو کر کبھی تو آپ کو کاہن کبھی ساحر اور کبھی مجنوں کہا کرتے تھے نبوت سے ان کو آشنائی نہ تھی کہ یہ احتمال بھی ان کے دماغوں میں آتا۔ قرآن کریم نے ان میں سے ایک ایک کی بڑے دلائل کے ساتھ تردید کی ہے۔

یہ معلوم رہنا چاہیے کہ غیب دانی کبھی فطری بھی ہوتی ہے قدرت نے انسان کے باطن میں کچھ قوتیں ایسی ودیعت فرمائی ہیں جن کی بنا پر اس کو عالم بالا سے ایک قسم کا اتصال میسر آجاتا ہے اور اس کی استعداد کے بقدر کچھ مادی غیوب بھی اس کے آئینۂ فطرت میں منعکس ہونے لگتے ہیں۔ محقق ابن خلدون نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

اسلام ان بیکار مشغلوں میں ڈالنا پسند نہیں کرتا کیونکہ اول تو یہ طریقے بے بنیاد اور کلماتِ کفر پر مبنی ہوتے ہیں دوم انسان کی روحانی ترقیات کے لیے انتہا درجہ مضرت رساں بھی ہیں۔ یہ مشغلہ اس میں عالم قدس کی طرف طیران کی استعداد باطل کر دیتا ہے۔ جتنا غیب انسانی ترقیات کے لیے درکار تھا اتنا انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے اس کو بتا دیا گیا ہے اور جو نہیں بتایا گیا وہ نہ تو اس کی حاجت کا تھا اور نہ اس کے دریافت کرنے کا کوئی صحیح راستہ ہے پھر اس میں پڑنا غلطی اور اضاعت وقت کے سوا اور کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے نجوم میں کچھ اور تفصیلات بھی لکھی ہیں یہ سب ظنیات اور اپنی اپنی علمی کاوشوں کے ثمرات ہیں جتنی بات پر عقیدہ رکھا جا سکتا ہے اور اس کی دعوت دی جا سکتی ہے وہ صرف وہی امور ہیں جن کی طرف احادیث بالا میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

الاهلال بحیوان لغیر اللّٰہ کفر

(٦٦١) عَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سُئِلَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ھَلْ خَصَّکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِشَیْءٍ فَقَالَ مَا خَصَّنَا بِشَیْءٍ لَمْ یَعُمَّ بِہِ النَّاسَ اِلَّامَا فِیْ قِرَابِ سَیْفِیْ ھٰذَا فَاَخْرَجَ صَحِیْفَۃً فِیْھَا. لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ وَ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْاَرْضِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ مَنْ غَیَّرَ مَنَارَ الْاَرْضِ وَ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَہٗ وَ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا.

(رواہ مسلم)

غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرنا کفر ہے

(٦٦١) ابوالطفیل روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کہئے کیا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت سے علیحدہ کچھ خاص خاص تعلیمات بھی دی ہیں؟ انہوں نے فرمایا (اس بارے میں آپؐ نے کوئی فرق نہیں کیا) ہمیں کوئی بات ایسی نہیں بتائی جو عام لوگوں کو نہ بتائی ہو بجز ان چند اُمور کے جو میری اس تلوار کی میان میں لکھے ہوئے رکھے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تحریر نکالی جن میں یہ احکام درج تھے۔ خدائے تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرے۔ خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو کسی راستہ کے نشانات چرائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کو ادھر اُدھر کر دے۔ خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو اپنے والد پر لعنت کرے اور خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو کسی مجرم کو پناہ دے۔ (مسلم)

---

(٦٦١) ٭ غیر اللہ کے نام کی قربانی کرنی اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم قبیح قدیم سے چلی آ رہی تھی۔ اسلام نے آ کر دونوں کو ختم کر دیا اور سمجھایا کہ جان صرف جان آفریں کے لیے قربان کی جاسکتی ہے یہ خاص اس کا حق ہے نہ کسی کے لیے جان آفرینی میں شرکت ہے اور نہ اس کی قربانی میں شرکت ہوسکتی ہے۔ قرآن کریم نے ایسے جانوروں کو سور کے گوشت اور مردار کی صف میں شمار کیا ہے گویا اس بے محل نامزدگی کی وجہ سے اب وہ خنزیر کی طرح بن گیا ہے جس پر ایک ہزار بار بھی بسم اللہ پڑھو تو بھی حلال نہیں ہوسکتا جانوروں کے معاملہ میں تین غلط طریقے رائج تھے ان کو بت یا اور کسی غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دینا جیسا آج کل ہندوستان میں سانڈ وغیرہ چھوڑے جاتے ہیں یا غیر اللہ کے نام پر بھینٹ چڑھانا یا ان کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینا اسلام نے ان ہر سہ طریقوں کو قابل نفرت سمجھا ہے رہا اپنے والد پر لعنت کرنا تو اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہ شخص دوسرے کے والد پر لعنت کرے اس کے جواب میں وہ اس کے والد پر لعنت کرے۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ چونکہ یہ شخص اپنی بداخلاقی کی وجہ سے اپنے والد پر لعنت کا سبب بنا ہے اس لیے یہ بھی اس جرم کا مرتکب شمار ہوگا اور اب اس دور جفاء میں تو براہ راست والد پر لعنت کرنے میں بھی کچھ تعجب نہیں رہا اسی طرح کسی مجرم کو پناہ دینی خواہ اس کا جرم قتل و غارت ہو یا بد دینی و بدعت یہ بھی لعنت کا موجب ہے نسائی میں سائل کے جواب میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر اتنا غصہ آیا کہ چہرہ سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ آپؐ پوشیدہ طور پر مجھے کوئی بات علیحدہ تعلیم فرماتے۔ ہاں صرف اتنا ہوا ہے کہ جس وقت یہ چار باتیں آپؐ نے فرمائی ہیں اس وقت اتفاق سے میں اور آپؐ ہی گھر میں موجود تھے۔ غرض ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلہ میں جو جو افسانے تیار کیے گئے ہیں یہ سب بعد کے من گھڑت ہیں۔ تعلیم و تعلم میں منصب نبوت ہرگز کسی تفریق کو برداشت نہیں کرسکتا۔

(٦٦٢) عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ يَرْفَعُهٗ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ الْجَنَّةَ فِيْ ذُبَابٍ وَ دَخَلَ رَجُلٌ النَّارَ فِيْ ذُبَابٍ قَالُوْا وَ كَيْفَ ذَالِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَرَّ رَجُلَانِ عَلٰى قَوْمٍ لَهُمْ صَنَمٌ لَا يَجُوْزُهٗ اَحَدٌ حَتّٰى يُقَرِّبَ لَهٗ شَيْئًا فَقَالُوْا لِاَحَدِهِمَا قَرِّبْ فَقَالَ لَيْسَ عِنْدِيْ شَيْءٌ قَالُوْا قَرِّبْ وَ لَوْ ذُبَابًا فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلُّوْا سَبِيْلَهٗ فَدَخَلَ النَّارَ وَ قَالُوْا لِلْاٰخَرِ قَرِّبْ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاُقَرِّبَ شَيْئًا دُوْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَضَرَبُوْا عُنُقَهٗ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواہ احمد کما فی الجواب الکافی لابن القیم ص ٤١)

(٦٦٢) طارق بن شہاب مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ صرف ایک مکھی کی بدولت ایک شخص تو جنت میں داخل ہوگیا اور دوسرا دوزخ میں' لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسے؟ فرمایا کسی قوم کا ایک بت تھا ان کا دستور یہ تھا کہ کوئی شخص اس پر بھینٹ چڑھائے بغیر ادھر سے گذر نہیں سکتا تھا اتفاق سے یہ دو شخص ادھر سے گذرے انہوں نے اپنے دستور کے مطابق ان میں سے ایک شخص سے کہا نیاز چڑھا وہ بولا اس کے لیے میرے پاس تو کچھ نہیں وہ بولے کچھ نہ کچھ تو ضرور چڑھا دے خواہ ایک مکھی ہی سہی- اس نے ایک مکھی چڑھا دی اور اس وجہ سے وہ تو دوزخ میں گیا انہوں نے اس کو تو چھوڑ دیا اب دوسرے سے کہا کہ تو بھی کچھ چڑھا وہ بولا اللہ کی ذات کے سوا میں تو کسی اور کے نام کی نیاز نہیں دے سکتا' یہ سن کر انہوں نے اس کی گردن اڑا دی اس لیے یہ جنت میں داخل ہوگیا- (رواہ احمد)

(٦٦٣) عَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا كُنَّا نَعْتِرُ عَتِيْرَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ اِذْبَحُوْا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِيْ اَيِّ شَهْرٍ كَانَ وَ بَرُّوْا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاَطْعِمُوْا. (رواہ النسائی)

(٦٦٣) نبیشہ ہذلی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم کفر کے زمانہ میں ماہ رجب میں بتوں کے نام کی قربانی کیا کرتے تھے اب اس کے متعلق آپؐ کا ارشاد کیا ہے- فرمایا بس (جب جانور ذبح کرو) تو ایک خدا کے واسطے ذبح کیا کرو خواہ وہ کسی مہینہ میں ہو اور اللہ تعالیٰ ہی کی فرمان برداری کیا کرو اور اسی کے نام پر کھانا کھلایا کرو- (نسائی)

(٦٦٤) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ

(٦٦٤) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مقام بلدح کی تحتانی سمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات

---

(٦٦٣) ٭ یعنی یہ سب مصارف خیر ہیں بشرطیکہ ان میں نیت اللہ تعالیٰ کی ہو- اگر نیت بدل جائے تو پھر یہ اچھے اچھے کام بھی نیکی نہیں رہتے- غیر اللہ کے نام پر قربانی کرنی کفر کی ایک قدیم رسم تھی اور اس کی مختلف صورتیں تھیں شریعت نے یہاں ایک قاعدہ کلیہ بتا کر ان سب کو روک دیا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا چاہیے-

(٦٦٤) ٭ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نزول وحی سے قبل بھی رسوم شرکیہ سے ہمیشہ علیحدہ رہا کرتے تھے لیکن آپؐ کے علاوہ خال خال ایسے لوگ اور بھی موجود تھے جو ملت ابراہیمی کے اثر سے افعال شرک سے محترز رہا کرتے تھے ان ہی میں سے ایک یہ زید بن عمرو بھی تھے- الخ.....

بِاَسْفَلِ بَلْدَحٍ قَبْلَ اَنْ يُنْزَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَحْيُ فَقُدِّمَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُفْرَةٌ فَاَبٰى اَنْ يَّاْكُلَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ زَيْدٌ اِنِّيْ لَسْتُ اٰكُلُ مِمَّا تَذْبَحُوْنَ عَلٰى اَنْصَابِكُمْ وَلَا اٰكُلُ اِلَّا مَا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّ زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو كَانَ يَعِيْبُ عَلٰى قُرَيْشٍ ذَبَائِحَهُمْ وَ يَقُوْلُ الشَّاةُ خَلَقَهَا اللّٰهُ وَ اَنْزَلَ لَهَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً وَ اَنْبَتَ لَهَا مِنَ الْاَرْضِ ثُمَّ تَذْبَحُوْنَهَا عَلٰى غَيْرِ اِسْمِ اللّٰهِ اِنْكَارًا لِذٰلِكَ وَ اِعْظَامًا لَهٗ. (رواه البخاری)

ہوئی اس وقت تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کا نزول شروع نہیں ہوا تھا‘ آپؐ کے سامنے کھانے کا دسترخوان پیش کیا گیا آپؐ نے اس کو کھانے سے انکار فرمادیا- اس کے بعد زید بولے جو جانور تم لوگ اپنے بتوں کے سامنے ذبح کرتے ہو میں ان کا گوشت نہیں کھاتا میں تو صرف اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو- زید قریش کے ذبیحوں پر نکتہ چینی فرمایا کرتے اور کہا کرتے تھے عجیب بات ہے کہ بکری کو پیدا تو اللہ تعالیٰ کرے‘ وہی اس کے لیے آسمان سے بارش بھیجے اور وہی اس کے لیے سبزہ اُگائے پھر یہ کس قدر ظلم ہے کہ تم اس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرو اس تقریر سے زید کا مقصد ان کے اس فعل پر انکار کرنا تھا-

(بخاری شریف)

(۶۶۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ فَرَاَيْتُ فِيْهَا اِمْرَءَةً مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ تُعَذَّبُ فِيْ هِرَّةٍ لَهَا رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَ لَمْ تَدَعْهَا تَاْكُلُ مِنْ خُشَاشِ الْاَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا وَ رَاَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهٗ فِي النَّارِ وَ كَانَ اَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ. (رواه مسلم)

(۶۶۵) جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی تو میں نے دیکھا کہ اس میں ایک عورت کو عذاب ہورہا ہے اس بنا پر کہ اس نے اپنی بلی کو باندھ رکھا تھا اور نہ تو وہ اس کو خود کچھ کھانے کو دیتی اور نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ خود چل پھر کر زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی یہاں تک کہ وہ بھوک کے مارے مرگئی اور میں نے اس میں عمرو بن عامر خزاعی کو بھی دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی آنتیں کھینچے کھینچے پھر رہا ہے یہ پہلا وہ شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا ایجاد کیے- (مسلم شریف)

الحلف بغير اللّٰه كفر من الشرك

غیر اللہ کے نام کی قسم کھانی ایک قسم کا شرک ہے

(۶۶۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلَا يَحْلِفُ

(۶۶۶) ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا سن لو جس کو قسم کھانا ہی ہو وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کے نام ہی کی قسم

ؒ..... حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا بھی ملت ابراہیمیہ کا ایک حکم تھا- (دیکھو ترجمان السنہ ج ا ص ۴۸۳)

(۶۶۶) ٭ اس روایت سے معلوم ہوا کہ قسمیں کھانے کی عادت شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے پس چاہیے کہ بے ضرورت قسمیں نہ کھائی جائیں اور اگر کسی مجبوری سے کھانا ہی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی قسم کھائی جائے‘ باپ دادے یا کسی اور کی قسم نہ کھائی جائے- امام بخاریؒ نے (مناقب مہاجرین کے باب سے قبل) ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے- كانوا يضربوننا على الشهادة و ؒ.....

اِلَّا بِاللّٰہِ فَکَانَتْ قُرَیْشٌ یَحْلِفُ بِاٰبَائِھَا فَقَالَ لَا تَحْلِفُوْا بِاٰبَاءِ کُمْ.

(رواہ البخاری وغیرہ)

کھائے ۔قریش کی عادت تھی کہ وہ اپنے باپ دادوں کی قسمیں کھایا کرتے تھے آپ نے منع فرمادیا کہ ان کے نام کی قسمیں مت کھایا کرو۔

(بخاری شریف)

(۶۶۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ. (رواہ الترمذی)

(۶۶۷) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ (ترمذی)

سباب المسلم فسوق وقتاله كفر

مسلمان کوسخت وسست کہنا فسق کی بات ہےاوراس سے جنگ کرنی کفر کی حرکت ہے

(۶۶۸) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُہٗ کُفْرٌ. (رواہ البخاری وغیرہ)

(۶۶۸) عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے لڑنا تو کفر کی بات ہے۔ (بخاری)

(۶۶۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

(۶۶۹) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میرے بعد پھر کافروں کی سی حرکتیں نہ کرنے لگنا کہ آپس ہی میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

(رواہ البخاری عن ابن عباس و ابی بکرۃ ایضًا و الحدیث متفق علیہ)

﴿ ..... السعھدو نحن صغار (لڑکپن میں ہمیں اس بات پر تنبیہ کی جاتی تھی کہ ہم باہمی گفتگو میں شہادت یا عہد وغیرہ کے الفاظ بے محابا استعمال نہ کریں تا کہ ان کی اہمیت ہمارے ذہنوں سے نہ نکل جائے۔ (ج ا ص ۵۱۵)

(۶۶۷) * امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ کو ایسا ہی شرک کہا گیا ہے جیسا دوسری حدیث میں ریاء کو شرک کہا گیا ہے۔ دونوں حدیثوں کا مطلب شرک کا حقیقۃً حکم لگا دینا نہیں ہے بلکہ ان افعال کی اہمیت ذہن نشین کرنا ہے اس لیے ان کو تغلیظاً شرک کہہ دیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جاتی ہے اس کی غیر معمولی عظمت قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اس کے قلب میں غیر اللہ کی عظمت اللہ تعالیٰ کے برابر ہے یہی شرک ہے۔

(۶۶۸) * گویا سب وشتم کی بدنمائی تو کسی حد تک قابل برداشت ہو سکتی ہے لیکن مسلمان سے قتل وقتال کرنا قابل برداشت نہیں ہوسکتا یہ کفر کی حرکت ہے اور بڑی حد تک رشتۂ اسلامی کو قطع کردیتی ہے۔

(۶۶۹) * ہم بتا چکے ہیں کہ جس طرح اسلام دراصل صرف شہادتین کا نام ہے مگر اس کے کچھ مخصوص افعال بھی ہیں جو اس کی اس شہادت باطنی کے گواہ کہلاتے ہیں۔ ان افعال کو شہادتین کے ساتھ ایسا گہرا تعلق ہے کہ گویا یہ افعال ان کا ایک قالب ہیں اس لیے ان کا اختیار کر لینا اسلام اور ان کا ترک کرنا کفر سے موسوم ہوتا ہے اسی طرح کفر اگرچہ اسلامی عقائد کے برخلاف عقائد کا نام ہے لیکن کفر کے .....

صنع صور الحیوان تشبه بخالقیة اللّٰہ تعالٰی

(۶۷۰) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ الَّذِیْنَ یُضَاھِؤُنَ بِخَلْقِ اللّٰہِ. (متفق علیہ)

(۶۷۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَھَبَ یَخْلُقُ کَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْ لِیَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْ شَعِیْرَةً. (متفق علیہ)

(۶۷۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ کُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ یُجْعَلُ لَهٗ بِکُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَھَا نَفْسًا فَیُعَذِّبُهٗ فِیْ جَھَنَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنْ کُنْتَ لَابُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَ مَا لَا رُوْحَ لَهٗ فِیْهِ. (متفق علیہ)

تصویر کشی اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت کی نقالی ہے

(۶۷۰) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی نقلیں اتارنا چاہتے ہیں (یعنی مصور)۔ (متفق علیہ)

(۶۷۱) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' بھلا اس سے بڑھ کر ظالم آدمی کون ہوگا جو (مخلوق ہوکر) میری طرح خالق بننے کا ارادہ رکھتا ہے اچھا تو ایک چیونٹی ہی بنا کر دکھا دے (یہ نہ سہی) ایک دانہ یا ایک جو ہی بنا کر دکھا دے۔ (متفق علیہ)

(۶۷۲) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے خود سنا ہے کہ جتنے مصور ہوں گے ان کی ہر تصویر کے مقابلہ میں جو انہوں نے دنیا میں بنائی ہوگی ایک ایک شخص مقرر کیا جائے گا جو ان کو دوزخ میں عذاب دیا کرے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کے بعد بھی اگر تمہیں تصویر بنانا ہی ہو تو درخت کی بنالو اور ایسی چیزوں کی بنالو جو جان دار نہ ہوں۔ (متفق علیہ)

ﷺ.... کی زندگی کے بھی کچھ لوازم ہیں جو بعض اوقات خود تو کفر نہیں ہوتے مگر انسان کے کافر ہونے کا بین ثبوت شمار ہوتے ہیں۔ حدیث میں اس قسم کے افعال کو بھی کفر کے افعال کہا گیا ہے اور مؤمن کے لیے یہ پسند نہیں کیا گیا کہ اس کی زندگی میں یہ افعالِ کفر نظر آئیں۔ اسلام کے بعد اس قسم کے افعال سے کافر تو نہیں کہا جا سکتا مگر اس کفر نما اسلام کو اسلام کہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ جس طرح وہ شرک و کفر سے بچتا ہے اسی طرح ایسے افعال سے بھی بچتا رہے جن کو کفر کی زندگی کے افعال سے بہت ہی قریبی علاقہ ہو۔

(۶۷۲) * خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور اس کی قدرتِ کاملہ کا سب سے بڑا مظہر انسان ہے اسی لیے قرآن کریم نے جابجا انسان کی پیدائش پر غور و تفکر کی دعوت دی ہے اور اس کو اپنی ہستی کا یقین دلانے کا سب سے آسان راستہ یہی بتایا ہے پھر بت پرستی کی ابتداء تصویروں سے ہی شروع ہوئی۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ پتھروں سے تراشیدہ ہوتے ہیں۔ اور تصویر قلم کی کشیدہ نیز اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں اس کا ایک اسم مبارک ''المصور'' بھی ہے قدرت کو اپنی اس صفت پر بڑا ناز ہے اس نے اپنی مصوری کے کارنامے جابجا پیش کیے ہیں اور اس کا سب سے بڑا شاہکار انسان کی صورت ہی کو قرار دیا ہے جو قدرت کے اس شاہکار کی نقل اتارنا چاہتا ہے قدرت اس کو معاف ﷺ....

(٦٧٣) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ انْطَلَقْتُ اَنَا وَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيْ اِجْلِسْ وَ صَعِدَ عَلٰى مَنْكِبَيَّ فَذَهَبْتُ لِاَ نْهَضَ بِهٖ فَرَاٰى مِنِّيْ ضُعْفًا فَنَزَلَ وَ جَلَسَ لِيْ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ لِيْ اِصْعَدْ عَلٰى مَنْكِبَيَّ فَصَعِدْتُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ قَالَ فَنَهَضَ بِيْ فَاِنَّهٗ يُخَيَّلُ اِلَيَّ اَنِّيْ لَوْشِئْتُ لَنِلْتُ اُفُقَ السَّمَاءِ حَتّٰى صَعِدْتُ عَلَى الْبَيْتِ وَ عَلَيْهِ تِمْثَالُ صُفْرٍ اَوْنُحَاسٍ اَنَا وِلُهٗ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَ عَنْ شِمَالِهٖ وَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ حَتّٰى

(٦٧٣) حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلے آپؐ نے (بیت اللہ کے اندر جا کر) مجھ سے فرمایا بیٹھ جاؤ' اور آپؐ میرے کاندھوں پر چڑھ گئے میں آپؐ کو لے کر کھڑا ہونے لگا تو آپؐ نے محسوس کیا کہ مجھے اُٹھنے میں کچھ دشواری ہو رہی ہے یہ دیکھ کر آپؐ اتر پڑے اور میرے سامنے خود بیٹھ گئے اور فرمایا اچھا تو تم میرے کاندھوں پر چڑھ جاؤ- میں آپؐ کے کاندھوں پر چڑھ گیا- یہ فرماتے ہیں- آپؐ مجھ کو لے کر کھڑے ہوئے تو مجھے اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کو ہاتھ لگا سکتا ہوں- اتنا اونچا ہوا کہ بیت اللہ پر پہنچ گیا- اس وقت بیت اللہ میں پیتل یا تانبے کے بت رکھے ہوئے تھے میں ان کو اپنے دائیں' بائیں'

ﷺ.....نہیں کرتی- نیز خالقیت اس کی ایسی صفت ہے جس میں ایک موٹے دماغ کے انسان کے نزدیک بھی شرکت کا احتمال نہیں اسی لیے قرآن کریم نے توحید فی العبادت کو معقول بنانے کے لیے جگہ جگہ اپنی خالقیت کو ہی سامنے رکھا اور یہ یہ مطالبہ کیا ہے کہ جب کسی چھوٹی بڑی مخلوق کی پیدائش میں ہمارا کوئی شریک نہیں تو پھر ہمارے خاص حق عبادت میں کوئی شریک کیوں ہو- لہٰذا تصویر کشی میں انسانی استطاعت کی حد تک خدا کی خالقیت کا ایک قسم کا مقابلہ بھی نظر آتا ہے اور اس میں خدائے تعالیٰ کے سب سے بڑے حق عبادت پر زد بھی پڑتی ہے اس لیے چاہیے تو یہ تھا کہ ہر قسم کی تصویر کشی ممنوع ہو جاتی- غالبًا اسی لیے حضرت ابن عباسؓ نے درخت وغیرہ کی تصویر بنانے کی اجازت تو دے دی مگر بادل ناخواستہ دی لیکن اسلام کی یہ فراخ حوصلگی ہے کہ اس نے کسی جگہ بھی سہولت کے دروازے بند نہیں کیے اور ہر باب میں انسانی دماغ کی ترقی اور منافع دنیا سے تمتع کی بڑی حد تک اجازت دے دی ہے دیکھیے ریشم کو صرف مردوں کے حق میں حرام فرمایا پھر ان کے لیے بھی ایک خاص مقدار تک اجازت دے دی- اسی طرح کھانے اور پینے کی بہت چیزیں حرام کیں لیکن ان سے زیادہ حلال فرمائیں- سونے چاندی کے ظروف ممنوع قرار دیئے مگر عورتوں کے حق میں ان کے زیورات پھر جائز کر دیئے اور مردوں کے کھیل تماشہ کے لیے بھی چاندی کی ایک مخصوص مقدار کی اجازت دے دی- تعظیم و تکریم میں اگر ایک سجدہ کی ممانعت کی تو اس کے سینکڑوں اور طریقے جائز رکھے اسی طرح مصوری میں اگر ایک ذی روح کی تصویر سے روکا تو اس کے علاوہ فن تصویر کی ترقی کے لیے بہت سی صورتیں مباح کر دیں مگر انسان حریص ہی نہیں بلکہ ایک بدترین قسم کا باغی ہے کہ ان مباحات کی بے شمار وسعتوں سے بھی اس کی نیت نہیں بھرتی آخر وہ ٹھیک حرام میں قدم رکھ کر ہی دم لیتا ہے- قتل الانسان ما اکفرہ - یہاں مسئلہ تصویر پر بحث کرنا مقصود نہیں صرف ان اعمال کو بتانا مقصود ہے جن سے اسلام کی مقدس اور نازک توحید کو کہیں دور کے علاقہ سے بھی صدمہ پہنچ سکتا ہے-

(٦٧٣) ؏ نبوت کے اس جبل عظیم الشان کا بار اسد اللہ بھی جتنا سنبھال گئے تعجب خیز تھا آخر اس کی تاب نہ لا سکے اور بیٹھ گئے پھر جب آپ کے کاندھوں پر جگہ مل گئی جن کی رفعت کے سامنے عرش بریں بھی نیچا تھا تو آسمانوں کی بلندیوں کو ہاتھ لگانا ایک تماشہ نظر آنے لگا اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا- معلوم رہے کہ یہ خاص خاص مناظر ہیں جو خاص خاص مواقع پر ظہور پذیر ہوتے ہیں- بیت اللہ کی دیواروں سے بتوں کے مجسمے اتارنے کے وقت ایسے ہی نظارے کی ضرورت تھی چنانچہ قدرت نے وہی نظارہ حضرت علیؓ کے سامنے کر دیا تھا- ﷺ. . .

اِسْتَمْكَنْتُ مِنْهُ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْذِفْ بِهٖ فَانْكَسَرَ كَمَا يَنْكَسِرُ الْقَوَارِيْرُ ثُمَّ نَزَلْتُ فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَبِقُ حَتّٰى تَوَارَيْنَا بِالْبُيُوْتِ خَشْيَةَ اَنْ يَلْقَانَا اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ. (رواہ احمد)

سامنے اور پیچھے سے اٹھانے لگا یہاں تک کہ میں نے سب اٹھا لیے- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ان کو پھینک دو (میں نے ان کو پھینک دیا) اور وہ گر کر شیشے کی طرح چور چور ہو گئے پھر میں اتر آیا اور میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی گھروں کی دیواروں میں چھپتے ہوئے واپس آ گئے کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار ہمیں دیکھ پائیں- (احمد)

الضرب بكتاب الله بعضه ببعض كفر

قرآن کی آیتوں میں باہم اختلاف پیدا کرنا کفر کی بات ہے

(۶۷۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا يَتَدَارَؤُنَ فِي الْقُرْاٰنِ فَقَالَ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا ضَرَبُوْا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ وَ اِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللّٰهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا فَلَا تُكَذِّبُوْا بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُوْلُوْا وَ مَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوْا اِلٰى عَالِمِهٖ. (رواہ احمد و ابن ماجہ)

(۶۷۴) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے سنا کہ کچھ لوگ قرآن کریم میں اس طرح بحث کر رہے ہیں کہ ایک شخص ایک آیت پڑھتا ہے دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں دوسری آیت پڑھتا ہے جو اس کے خیال میں اس کے مخالف مضمون پر مشتمل ہوتی ہے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا کہ اسی حرکت کی بدولت تم سے پہلی قومیں گمراہ ہوئی اور ہلاک ہوئی ہیں وہ بھی یہی کیا کرتی تھیں کہ خدا کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے سے ٹکرایا کرتیں حالانکہ اللہ کی تمام کتاب باہم ایک دوسرے کے لیے مصدق ہو کر اتری ہے اس لیے تم اس میں اختلاف پیدا کر کے اس کی تکذیب نہ کرو اس کا جو حصہ سمجھ لو وہ تو بیان کرو اور جو تم نہ سمجھو اسے اس کے حوالہ کر دو جو اس کا جاننے والا ہے- (احمد وابن ماجہ)

ﷺ .....اس سے قبل جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام خانہ کعبہ کی بنا فرما رہے تھے تو جس پتھر پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی بنا ہو رہی تھی وہ بھی جتنی ضرورت ہوتی اونچا ہو جاتا تھا- یہاں جو نظارہ نظر آیا اس کا سماں کچھ اور ہی تھا- اس جگہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کی فروتنی بھی قابل دید تھی کہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں کس طرح اپنے چھوٹوں کے سامنے اپنے نفس کو پیش کر دیا تھا-

(۶۷۴) ٭ دارمی کی ایک طویل حدیث میں ابوالدرداء سے روایت ہے کہ جو چیزیں اسلام کو فنا کر دینے والی ہیں ان میں ایک بات منافق کا قرآن میں جھگڑا ڈالنا بھی ہے- امام احمد اور ابوداؤد اور حاکم ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ المراء في القران كفر- (قرآن میں جھگڑنا کفر ہے) ان احادیث میں جدال اور مراء کا مصداق بھی یہی تدارء اور قرآنی آیات میں اختلاف پیدا کرنا ہے- سبع قراءت جو بظاہر مختلف ہیں ان کے متعلق زہری ارشاد فرماتے ہیں انما هي في الامر تكون واحدًا لا تختلف في حلال و لا حرام. (بخاری ومسلم) یہ تمام قراءتیں صرف الفاظ میں مختلف ہیں ان میں حکم ایک ہی رہتا ہے- حلال وحرام کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا پس حدیث کی ہدایت یہ ہے کہ قرآن حکیم کو دوسری معمولی کتابوں کی طرح معرکہ بحث نہ بنانا چاہیے- خدا کی کتاب کا معاملہ نازک ہوتا ہے یہاں جو بات طے شدہ اور سب سے پہلے مسلم ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف وتناقض ممکن نہیں اس کے بعد اگر کہیں بظاہر اختلاف معلوم ہو تو اسے اپنا ہی قصور علم سمجھنا چاہیے اور اسلوب بحث وہ اختیار کرنا چاہیے جس میں ان آیات کے درمیان توافق پیدا ہو- علمی زور خرچ کر کے خواہ مخواہ آیتوں میں اختلاف پیدا کرنا اپنے لیے کفر اور دوسروں کے دلوں میں تذبذب پیدا کرنے والی بات ہے اسی لیے اس کو ہادم اسلام قرار دیا ہے-

الرياء شرک خفی

(۶۷۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً اَشْرَکَ فِیْهِ مَعِیَ غَیْرِیْ تَرَکْتُهٗ وَ شِرْکَهٗ وَ فِیْ رِوَایَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِیٌٔ هُوَ لِلَّذِیْ عَمِلَهٗ.

(رواه مسلم)

(۶۷۶) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ فَضَالَةَ عَنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ نَادٰی مُنَادٍ مَنْ کَانَ اَشْرَکَ فِیْ عَمَلٍ عَمِلَهٗ لِلّٰهِ اَحَدًا فَلْیَطْلُبْ ثَوَابَهٗ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ.

(رواه احمد)

(۶۷۷) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَ مَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَ مَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ. (رواه احمد)

(۶۷۸) وَ عَنْهُ اَنَّهٗ بَکٰی فَقِیْلَ لَهٗ مَا یُبْکِیْکَ قَالَ شَیْءٌ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم یَقُوْلُ فَذَکَرْتُهٗ فَاَبْکَانِیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَتَخَوَّفُ عَلٰی اُمَّتِیَ الشِّرْکَ وَ الشَّهْوَةَ الْخَفِیَّةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُشْرِکُ اُمَّتُکَ مِنْ بَعْدِکَ قَالَ اَمَا اِنَّهُمْ لَا یَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَّلَا

ریاکاری بھی ایک قسم کا خفی شرک ہے

(۶۷۵) ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمام شرکاء میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز میں ہوں جو شخص کوئی عمل کرتا ہے اور اس میں میرے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک کر لیتا ہے تو میں اس کو اس شریک ہی کے لیے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہوں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں ایسے عمل سے بیزار ہوں بس وہ اسی کے لیے رہے جس کے لیے اس نے کیا ہے۔ (مسلم شریف)

(۶۷۶) ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ قیامت میں سب لوگوں کو جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں ہے تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک منادی یہ اعلان کرے گا جس جس نے کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کیا ہو پھر اس میں کسی اور کی بھی نیت کی ہو تو اسے چاہیے کہ (آج) اس کا ثواب اسی غیر سے جا کر مانگے کیونکہ تمام شریکوں میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز اللہ کی ذاتِ پاک ہے۔ (احمد)

(۶۷۷) شداد بن اوس کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس شخص نے نمائش کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا' جس نے نمائش کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے نمائش کے لیے صدقہ دیا اس نے بھی شرک کیا۔

(رواہ احمد)

(۶۷۸) شداد کے متعلق بیان کیا گیا کہ ایک مرتبہ ان پر گریہ طاری ہو گیا لوگوں نے سبب دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ایک بات یاد آ گئی جس کو میں نے آپ کو فرماتے خود سنا تھا اس نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے آپ کو فرماتے سنا تھا کہ مجھے اپنی امت کے متعلق شرکِ خفی اور شہوتِ خفی کا بڑا ڈر ہے وہ کہتے ہیں' میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کے بعد آپ کی امت بھی شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا سن لو نہ تو وہ آفتاب و ماہتاب کی عبادت کرے گی اور نہ کسی پتھر اور بت کی لیکن اپنے

قَمَرًا وَ لَا حَجَرًا وَ لَا وَثَنًا وَ لٰكِنْ يُرَاؤُنَ بِاَعْمَالِهِمْ وَ الشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ اَنْ يُصْبِحَ اَحَدُهُمْ صَائِمًا فَتَعْرِضُ لَهٗ شَهْوَةٌ مِنْ شَهَوَاتِهٖ فَيَتْرُكُ صَوْمَهٗ. (رواہ احمد و البیهقی فی شعب الایمان)

اعمال میں ریاء کاری کا شکار ہو جائے گی (یہ تو شرکِ خفی ہوا) اور شہوتِ خفیہ یہ ہے کہ کوئی شخص تم میں سے صبح کے وقت روزہ دار ہو پھر اس کے سامنے کوئی ایسی چیز آ جائے جو اس کی مرغوب خاطر ہو اور صرف اتنی سی بات پر وہ اپنا روزہ توڑ ڈالے۔ (احمد۔شعب الایمان)

(۶۷۹) عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِّيَاءُ رواه احمد و زاد البيهقى فى شعب الايمان يقولُ اللّٰهُ لَهُمْ يَوْمَ يُجَازِي الْعِبَادَ بِاَعْمَالِهِمْ اِذْهَبُوْا اِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاؤُنَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً وَ خَيْرًا.

(۶۷۹) محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب یاد رکھو مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ ڈر ہے تو شرکِ اصغر کا ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ شرکِ اصغر کیا چیز ہے؟ فرمایا ریاء اور نمائش۔ (مسند امام احمد) بیہقی نے اس میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا اس دن ریاء کاروں سے کہے گا جاؤ ان کے پاس جاؤ جن کی خاطر تم دنیا میں ریاء کاری کیا کرتے تھے اور دیکھو کہ کیا ان کے پاس تمہیں اس عمل کا بدلہ اور کچھ ثواب ملتا ہے؟

(۶۸۰) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَتَذَاكَرُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ اَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِيْ مِنَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الشِّرْكُ الْخَفِيُّ اَنْ يَقُوْمَ الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ فَيَزِيْدُ صَلٰوتَهٗ لِمَا يَرٰى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ. (رواه ابن ماجة)

(۶۸۰) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے اس وقت ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ شئے نہ بتاؤں جس کا مجھے تمہارے متعلق دجال سے بھی زیادہ خوف ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتایئے۔ فرمایا وہ شرکِ خفی ہے اور شرکِ خفی یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا اور اپنی نماز کو اس لیے اور لمبا کر دے کہ کوئی دوسرا شخص اس کو دیکھ رہا ہے۔ (ابن ماجہ)

---

(۶۸۰) * مسیح دجال بلاشبہ بہت بڑا فتنہ ہوگا لیکن اس کا تعلق بہت محدود زمانہ اور محدود افراد کے ساتھ ہوگا۔ بالخصوص صحابہ کرام کو تو اس فتنہ سے کوئی تعلق ہی نہیں اور شرکِ خفی کا فتنہ ہر زمانہ اور ہر فرد کے لیے ہے اس لیے جن کی زبانوں پر ایک مستقبل فتنہ کا ذکر بڑی شان کے ساتھ آ رہا تھا ان کو آپ نے تنبیہ فرما کر ایک ایسے فتنہ کی طرف متوجہ کیا جس کا اندیشہ ہر زمانہ میں ہوسکتا ہے اور ان کو بھی ہوسکتا ہے۔ وقتی طور پر متاثر قلوب کو کسی اور اہم معاملہ سے متاثر کرنے کا یہ بھی ایک فطری انداز ہے کہ جو تاثر ان میں پہلے سے موجود ہے اس کا رخ بدل کر اس کو کسی دوسرے معاملہ کے ساتھ قائم کر دیا جائے۔

النھی عن السجود لغیر اللّٰہ عزوجل

غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت

(۶۸۱) عَنْ قَیسِ بنِ سَعْدٍ قَالَ اَتَیتُ الْحِیْرَۃَ فَرَأَیْتُھُمْ یَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَھُمْ فَاَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّیْ اَتَیْتُ الْحِیْرَۃَ فَرَأَیْتُھُمْ یَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَھُمْ فَاَنْتَ اَحَقُّ بِاَنْ یُسْجَدَ لَکَ فَقَالَ لِیْ اَرَاَیْتَ

(۶۸۱) قیس بن سعد بیان کرتے ہیں کہ میں مقام حیرہ میں پہنچا تو میں نے وہاں کے باشندوں کو دیکھا کہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں- جب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا' میں مقام حیرہ گیا تھا میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں- آپؐ تو اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپؐ کو سجدہ کیا جائے- آپؐ نے مجھ سے فرمایا بتاؤ اگر

---

(۶۸۱) * اسلام سے قبل اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدۂ تعظیمی بجالانے کا عام رواج تھا- قیصر روم اور ابوسفیان کے طویل واقعہ کے آخر میں اس کی قوم کا سجدہ کرنا اسی رسم کے ماتحت تھا- اسلام نے اس رسم کا تو استیصال کیا ہی تھا لیکن اسی کے ساتھ اس نے اس کی بھی ممانعت کر دی کہ ایک انسان دوسرے انسان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہے یا اپنا سر جھکائے- ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی نظروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص بھی محبوب و محترم نہ تھا جب کبھی وہ آپ کو دیکھتے تو بے اختیار اپنی چشم و ابرو کے بل کھڑا ہونا چاہتے مگر وہ اس کے باوجود کھڑے نہ ہوتے کیونکہ جانتے تھے کہ ان کا قیام آپ کو ناپسند ہے- دوسری روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ نے پوچھا یا رسولؐ اللہ کیا ہم باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کے سامنے تو اضعاً جھک سکتے ہیں' آپؐ نے اس سے بھی منع فرما دیا' پس جہاں قیام اور عام ملاقاتوں میں جھکنا جھکانا بھی پسند نہ کیا گیا ہو وہاں تعظیمی سجدوں کی بھلا کیا اجازت مل سکتی ہے-

اسلام کا بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے ہر امر میں اعتدال ملحوظ رکھا ہے عبادات تو درکنار مسرت و غم' عداوت و محبت اور تعظیم و تکریم کی معمولی سی عادتوں میں بھی- سجدہ انسان کی اختیاری تعظیم کی آخری حد ہے اس لیے اسلام نے اس کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مخصوص کر دیا ہے وہ توحید کا سب سے بڑا علم بردار ہے اس لیے ہر ہر نقطہ پر اس نے عبد و معبود کے حقوق ممتاز کر دیئے ہیں' خالق کے حقوق مخلوق کے حقوق سے اور مخلوق کے حقوق خالق کے حقوق سے- ان حقوق میں عملی لحاظ سے خالق کا ایک واضح حق سجدہ بھی ہے اسی لیے قرآن حکیم نے اس حقیقت کا بار بار اعلان کیا ہے کہ سجدہ کرنا صرف ایک اپنے خالق کو ہی زیبا ہے- ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ﴾ (حٰمٓ السجدہ: ۳۷) نہ تو آفتاب کو سجدہ کرو اور نہ ماہتاب کو بلکہ اس کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے- پس سجدہ خالق اور صرف خالق کا حق ہے اس میں مخلوق کے لیے شرکت کی کوئی گنجائش نہیں- وہ وسعتیں جو شاید ایک کامل شریعت کے نزول سے پہلے قابل اغماض ہوں گی- اب سب ختم ہو گئیں اب دین ان تمام حقیقتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو چکا ہے جو خالق کی نظر میں پسندیدہ ٹھہر چکی ہیں اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے آپ کو سجدے کرنے کی سنت قائم کی ہو- بلکہ آنحضرتؐ کی زبان فیض ترجمان سے ان یہود و نصاریٰ پر لعنت ثابت ہے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مسجدیں بنا ڈالا تھا- مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابی صرف دوسروں کی نقالی میں آپؐ کو سجدہ کرنے کے لیے مضطرب تھا آپؐ کی قبر کو سجدہ کرنا اس کے بھی وہم و گمان میں نہ تھا یہاں آپ کے جواب سے ایک لطیف اشارہ حیاۃ النبی کے مسئلہ کی طرف بھی نکل سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ اگر ....

لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهٗ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ اٰمِرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَآءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ.

(رواه ابو داؤد و رواه احمد عن معاذ بن جبل)

تم میری قبر پر گذرتے تو کیا اس کو سجدہ کرتے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا تو پھر اب بھی مت کرو اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو یقیناً عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو کیا کریں کیونکہ شوہروں کا حق اپنی بیبیوں پر بڑا حق ہے۔

(ابوداؤد۔احمد)

(٦٨٢) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهٗ اَتَی الشَّامَ فَرَاَی النَّصَارٰی تَسْجُدُ لِبَطَارِقَتِهَا وَ اَسَاقِفَتِهَا قَالَ فَقُلْتُ لِاَیِّ شَیْءٍ تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا هٰذَا كَانَ تَحِيَّةً لِلْاَنْبِيَاءِ قَبْلَنَا فَقُلْتُ نَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَصْنَعَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُمْ كَذَبُوْا عَلٰى

(٦٨٢) معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ وہ شام تشریف لے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ نصاریٰ اپنے بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا تم لوگ یہ سجدے کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم سے پیشتر نبیوں کے سلام کرنے کا طریقہ یہی تھا۔ میں نے کہا تو پھر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح سلام کرنے کے ان سے زیادہ حق دار ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں نے اپنے نبیوں کے سر یہ

٭.....انبیاء علیہم السلام کی موت انسانوں کی موت کی طرح ہوتی تو آپ کا اس سے یہ سوال کرنا کہ اگر تو میری قبر پر گذرتا تو کیا اس کو سجدہ کرتا' چنداں موزوں نہ ہوتا کیونکہ وہ اس پر یہ عذر کر سکتا تھا کہ قبر میں تو آپ زندہ نہ ہوں گے اور اب تو زندہ موجود ہیں اس لیے اگر قبر پر سجدہ نہ کروں تو اب سجدہ کرنے سے کیا امر مانع ہے لیکن آپؐ کے سوال سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حیات و وفات کے تغیر سے ان کی حدود تعظیم و تکریم میں شاید کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا وہ وفات کے بعد بھی زمانہ حیات ہی کی طرح قائم رہتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں جب کوئی شخص مسجد نبوی میں ذرا آواز بلند کرتا تو اس کو تنبیہ کی جاتی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ سجدۂ تعظیمی آپؐ نے اپنی حیات میں بھی جائز قرار نہیں دیا۔ رہا وفات کے بعد سجدہ کرنا تو یہ تو کسی کے نزدیک قابل تصور چیز ہی نہ تھی۔ اس ممانعت کو آپؐ نے اس پیرایہ سے ذہن نشین کیا کہ سجدۂ تعظیمی جو قدیم سے کیا جا رہا ہے وہ درحقیقت حکومت کے درباروں کی ایک رسم ہے اگر اسلام اس رسم کو برداشت کرتا تو سب سے پہلے زن و شوہر کے مابین برداشت کرتا کیونکہ انسانی تعلقات میں جہاں حاکمیت و محکومیت کا رنگ سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ یہی رشتہ ہے۔ والدین اگرچہ بہت بڑا حق رکھتے ہیں مگر حاکمیت و محکومیت کا جو رنگ زن و شوہر کے درمیان ہوتا ہے وہ یہاں نہیں ہوتا۔ اسی لیے سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو شاہِ مصر سمجھ کر سجدہ کرنا مذکور ہے۔ بارگاہِ نبوت اپنی ساری عظمتوں کے باوجود بارگاہِ حکومت نہیں ہوتی بلکہ عبدیت کاملہ کا مظہر اتم ہوتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ عبد و معبود کے حقوق اور ان کے صحیح صحیح امتیازات اس طرح واضح کر دے کہ خدائی کی ساری عظمتیں معبود حقیقی کے لیے مخصوص ہو جائیں اور انسانی تعظیم و تکریم کے آداب بندوں کے لیے باقی رہ جائیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو ان کی تعلیم کردہ توحید کا نقشہ بھی صرف خیالی رہ جائے۔ عملاً اس کو شرک سے کوئی امتیاز باقی نہ رہے پس جو تعظیم سیرتِ اسلام میں نہیں اسے تو اسلام کے سرمت چپکاؤ اور جہاں تک تعظیم کی اس نے اجازت دے دی ہے اس کا انکار بھی نہ کرو یہ ہے راہِ اعتدال۔

اَنْبِیَائِهِمْ كَمَا حَرَّفُوْا كِتَابَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَبْدَلَنَا خَيْرًا مِنْ ذَالِكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ اَهْلِ الْجَنَّةِ. (رواہ احمد)

جھوٹ اسی طرح لگا دیا ہے جس طرح اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر ہم کو سلام کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے اور وہ لفظ السلام (علیکم) ہے' یہ طریقہ اہل جنت کے باہم سلام کرنے کا ہے- (احمد)

(٦٨٣) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰى عَصًا فَقُمْنَا لَهُ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا كَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا. (رواہ ابو داؤد)

(٦٨٣) ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کا سہارا لیے ہوئے باہر تشریف لائے- ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے- فرمایا اس طرح مت کھڑے ہوا کرو جس طرح عجم کے لوگ کھڑے ہو کر بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں- (ابوداؤد)

(٦٨٤) عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوْا اِذَارَأَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَةٍ لِذٰلِكَ.

(رواہ الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح)

(٦٨٤) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی نظروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب ومحترم نہ تھا' اس کے باوجود جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ناپسند ہوتی ہے- (ترمذی)

(٦٨٥) عَنْ اَبِیْ خُزَيْمَةَ اَنَّهُ يَرٰى فِيْمَا يَرٰى

(٦٨٥) ابوخزیمہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک خواب میں یہ دیکھا

---

(٦٨٣) ✻ عرب کی محبت بے تکلف اور مخلصانہ ہوتی ہے اس سے اسلام کے اخلاص میں فرق نہیں پڑتا عجم کی محبت پر تکلف ہوتی ہے اس میں اسلامی حدود کے ادھر ادھر ہٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے آپ نے ان کو تعظیم کی اسی منزل پر روک دیا جہاں تک محبت بےلوث رہتی ہے اور عبادت کے ہمرنگ ہونے نہیں پاتی کسی کے سامنے دست بستہ کھڑا رہنا کھڑے رہنے والوں کی بھی ایک نفسی تحقیر ہے اور جس کے لئے یہ تعظیم کی جائے اس کے حدود تعظیم سے بھی زیادہ بات ہے-

(٦٨٤) ✻ سبحان اللہ! صحیح محبت اسی کا نام ہے۔

ارید وصاله ويريد هجرى ☆ فاترك ما اريد لما يريد

شاعر کہتا ہے کہ میں تو اپنے دل میں اس کے وصل کی تڑپ رکھتا ہوں مگر وہ میرے فراق پر تلا ہوا ہے اب میری محبت کا فیصلہ یہ ہے کہ میں اس کی آرزو کے سامنے اپنی آرزو خاک میں ملا دوں اور شربت وصل کے بجائے تلخی فراق پر راضی ہو جاؤں- قیام فی نفسہ جائز ہے مگر جہاں جہاں جذبات محبت میں حدود سے تجاوز کرنے کا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا- وہاں آپ نے اپنے جاں نثاروں کو ان کے جائز حسرت وارمان نکال لینے کی اجازت بھی نہیں دی اور ان کو یہ تلخ گھونٹ اسی لئے پلا دیئے کہ آئندہ کہیں امت کے نادیدہ محبین اپنی فرط محبت میں تعظیم کی حدود سے نکل کر عبادت کی سرحد میں نہ کود پڑیں-

(٦٨٥) ✻ کسی کے دل کی حسرت اگر اس طرح پوری ہوتی ہے تو بھلا اس فیاض بارگاہ میں اس سے کیا بخل ہو سکتا تھا' کتنی فروتنی فرمائی کہ کھڑے سے لیٹ گئے اور اپنے جسم کو بھی اسی خاک پر لٹا دیا جس پر وہ اپنے خدا کو سجدہ کیا کرتا تھا- پھر اس سے کہا کہ اپنے خدا کو سجدہ کر لو....

النَّـائِمُ اَنَّهٗ سَجَدَ عَلٰى جَبْهَةِ النَّبِیِّ صلی الله علیہ وسلم فَـاَخْبَـرَهٗ فَـاضْطَجَعَ لَهٗ وَ قَالَ صَدِّقْ رُؤْيَاکَ فَسَجَدَ عَلٰى جَبْهَتِهٖ.

(رواہ فی شرح السنہ کما فی المشکوٰۃ)

کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کر رہے ہیں یہ خواب آپ سے بھی ذکر کیا آپ لیٹ گئے اور فرمایا لو اپنا خواب پورا کر لو اس نے آپ کی پیشانی مبارک کے اوپر سجدہ کر لیا۔

(مشکوٰۃ شریف)

(۶۸۶) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِیْ نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِيْرٌ فَسَجَدَ لَهٗ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَسْجُدُ لَکَ الْبَهَائِمُ وَ الشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَ لَکَ فَقَالَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ اَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ وَ لَوْ كُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْءَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَ لَوْ اَمَرَهَا اَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ اَصْفَرَ اِلٰى جَبَلٍ اَسْوَدَ وَ مِنْ جَبَلٍ اَسْوَدَ اِلٰى جَبَلٍ اَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِیْ لَهَا اَنْ تَفْعَلَهٗ.

(۶۸۶) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ اونٹ آیا اور اس نے آپ کو سجدہ کیا یہ دیکھ کر آپ کے صحابہ نے کہا یا رسول اللہ آپ کو جب جانور اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں تو ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں' آپ نے فرمایا اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو' اگر میں کسی کو یہ اجازت دیتا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرے تو عورت کو اجازت دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کر لے اگر اس کا شوہر اسے یہ حکم دے کہ وہ زرد پہاڑ کو سیاہ پہاڑ کی جگہ اور سیاہ کو زرد کی جگہ اٹھا کر رکھ دے تو اس کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اس کام کے لیے بھی تیار ہو جائے۔ (مسند امام احمد)

(رواہ احمد و روی الترمذی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت امر احدا الخ عن ابی ھریرۃ)

(۶۸۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ

(۶۸۷) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا

لے ..... خواہ اس زمین پر ہو یا اس جسم پر گویا سجدہ کا رخ بدلنے نہ پائے مکان سجدہ خواہ کچھ ہو سبحان اللہ وہ کیسا خوش نصیب ہوگا جسے آج اپنے بزرگ و برتر خدا کے سجدہ کے لئے وہ مکان ہاتھ آ گیا جو عرش و کرسی سے بھی افضل تھا۔ جواب میں اس طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ یہ صورت بھی صرف رؤیاء مومن کی تصدیق کی خاطر گوارا کی گئی ہے ورنہ یہ نفس سجدہ کے لئے کوئی وجہ فضیلت نہیں۔ قربان جایئے ان صحابہ پر جنھوں نے یہ سارا ماجرا دیکھا اور پھر کسی نے یہ درخواست نہ کی۔ دراصل وہ اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے کہ یہ صرف ایک امتی کی دلداری ہے شریعت نہیں۔

(۶۸۶) * اس حدیث میں آپ نے بڑے ایجاز و بلاغت کے ساتھ یہ بتا دیا کہ اخوت کا حق صرف تعظیم و تکریم ہے عبادت نہیں۔ یہ صرف ایک ہی کا حق ہے اور اسی کے لیے بلاشرکت ادا کرنا چاہیے۔ ایک غیر مکلف جانور کے سجدہ کی ایک مکلف انسان کو نقل اتارنا غلط ہے یہ اس کا سجدہ تھا جس سے شریعت کا کوئی خطاب نہیں اور یہاں بحث اس کی ہے جس کی ایک ایک جنبش کراماً کاتبین کے قلم کے نیچے ہے۔ اسوۂ صحابہ چھوڑ کر اسوۂ حیوان اختیار کرنا انسانی عقل کا کام نہیں۔

(۶۸۷) * اسلام نے مسرت و غم اور تعظیم و تکریم سب کی حدود مقرر فرمائی ہیں بندگی ان کی پابندی ہی میں ہے جو ان حدود سے جتنا باہر گیا یقین کر لو کہ اس نے اتنے ہی اپنے حدود بندگی توڑ ڈالے۔ اگر وہ اس پر خوش ہے تو یہ اس کی نادانی ہے۔

اللّٰهِ اَلرَّجُلُ مِنَّا يَلْقٰى اَخَاهُ اَوْ صَدِيْقَهٗ اَيَنْحَنِىْ لَهٗ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَلْتَزِمُهٗ وَ يُقَبِّلُهٗ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَاْخُذُهٗ بِيَدِهٖ وَ يُصَافِحُهٗ قَالَ نَعَمْ. (رواه الترمذی)

یارسول اللہ اگر ہم میں ایک شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کی تعظیم کے لیے جھک سکتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا اچھا تو کیا اس کو چپٹ کر بوسہ دے سکتا ہے؟ فرمایا اس کی بھی کیا ضرورت ہے پھر انہوں نے پوچھا کیا اس سے ہاتھ ملا کر مصافحہ کرسکتا ہے؟ فرمایا اس میں مضائقہ نہیں. (ترمذی)

النهى عن اتخاذ قبور الصالحين مساجد و ايقاد السرج عليها

بزرگوں کی قبروں کو سجدے کرنے اور ان پر چراغ جلانے کی ممانعت

(٦٨٨) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِىْ وَثَنًا يُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ. (رواه مالك مرسلًا)

(٦٨٨) عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے خدایا میری قبر کو ایک بت نہ بنا دینا کہ اس عبادت کی جائے۔ خدائے تعالیٰ کا غصہ ان لوگوں پر بھڑک اٹھا جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بناڈالا۔ (مالک)

(٦٨٩) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ بَعْضُ نِسَائِهٖ كَنِيْسَةً تُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ وَ كَانَتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَ اُمُّ حَبِيْبَةَ اَتَتَا اَرْضَ الْحَبْشَةِ فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَ تَصَاوِيْرِهَا فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ اُولٰئِكَ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰئِكَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ. (متفق عليه)

(٦٨٩) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے تو آپ کی بعض بیبیوں نے اس گرجے کا قصہ ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا۔ یہ گرجا حبشہ میں تھا اور حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہ پہلے وہاں جاچکی تھیں جب انہوں نے اس کے حسن وخوبی اور تصویروں کا حال بیان کیا تو آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان میں کسی نیک آدمی کا انتقال ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر ایک مسجد بنا دیتے اور اس میں ان کی تصویر بنا دیتے تھے یہی لوگ خدا کی مخلوق میں سب سے بدتر مخلوق ہیں۔ (متفق علیہ)

---

(٦٨٨) * غضب الٰہی کا مشہور مورد فرقہ یہود ہے' حتیٰ کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ان کا ایک لقب بن گیا ہے پھر نصاریٰ بھی ان ہی کے نقش قدم پر چل پڑے اور چونکہ انبیاء یہود ان کے نزدیک بھی قابل احترام تھے اس لیے انہوں نے بھی اس بدعملی میں ان کی نقل اتاری اور جب کبھی ان کے کسی بھلے آدمی کا انتقال ہوا تو انہوں نے بھی ان کی قبر کو مسجد بنا لینے کا وہی دستور جاری رکھا اسی لیے حدیث میں جب خاص نصاریٰ کی گمراہی کا ذکر آتا ہے تو رجل صالح کا لفظ آتا ہے اور جب خاص یہود کا ذکر آتا ہے تو صرف انبیاء کا تذکرہ آتا ہے اور جب ان کی مشترکہ گمراہی کا حال مذکور ہوتا ہے تو انبیاء اور صالحین دونوں کا ذکر ہوتا ہے جیسا کہ الفاظ ذیل سے ظاہر ہے اس کے علاوہ راوی کے توسعات ہیں۔

(٦٨٩) * حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وحضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے اپنے پہلے شوہروں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلی گئی تھیں۔ حضرت ام حبیبہؓ کے شوہر کا تو وہیں انتقال ہو گیا تھا پھر شاہ حبشہ نے ان کا عقد آپ کے ساتھ کر دیا تھا اور ان للہ ....

(۶۹۰) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذَالِكَ. (رواہ مسلم)

(۶۹۰) جندب بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے بغور سن لو کہ تم سے پیشتر امتیں اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا کرتی تھیں۔ دیکھو تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔ میں تم کو اس حرکت کی سختی سے ممانعت کیے جاتا ہوں۔

(مسلم شریف)

(۶۹۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَ الْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَ السُّرُجَ.

(رواہ ابوداؤد و الترمذی و النسائی)

(۶۹۱) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر جاتی ہیں اور جا جا کر ان کو سجدے کرتی اور چراغ جلاتی ہیں۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

النهي عن كسوة الحجارة و الطين

گارے اور پتھروں کی تعمیر پر چادریں ڈالنے کی ممانعت

(۶۹۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۶۹۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک

لہ..... کا مہر بھی اپنی جانب سے ادا کر کے ان کو آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ کے شوہر کا انتقال وہاں سے واپس آ کر ہوا ہے اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آ گئیں تھیں۔ اس تقریب سے ان دونوں نے کنیسہ ماریہ دیکھا تھا۔ مریض کی خاطرداری میں عام طور پر متفرق باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے اسی طرح آپ کی محفل میں اس کا ذکر بھی آ گیا تھا مگر خدا کے مقدس رسول کو جس بات سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی وہ خدائے تعالیٰ کے بندوں کو شرک سے نجات دلانا تھا اس لیے آپ کی زبان اپنی حیوۃ کے آخری لمحات تک جس امر کے لیے بے اختیار متحرک رہی وہ یہی خدا کی توحید تھی۔

(۶۹۰) ٭ ابتداء میں ان بزرگوں کی تصاویر گرجوں میں محض تبرکاً رکھی جاتی تھی پھر رفتہ رفتہ جاہلوں نے ان کی عبادت بھی شروع کر دی اور ان کی قبروں پر اس طرح مسجدیں بنائیں کہ جب سجدہ کرتے تو سجدہ ان کی طرف ہوتا تھا۔ پہلی امتوں کے یہ زشت کارنامے دیکھ کر آپ نے اپنی امت کو اپنی حیات کے آخری سانس تک مذکورہ بالا الفاظ میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ پھر بعد میں یہ اہتمام کیا گیا کہ آپ کی قبر مبارک کو کھلا ہوا نہیں رکھا گیا۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر جاہلوں کی مبالغہ آمیزی کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک کھول دی جاتی۔ پھر جب مسجد مبارک اور وسیع کی گئی تو یہ احتیاط مزید کی گئی کہ اس کے اردگرد معہ ازواج مطہرات کے حجروں کے ایک چہار دیواری بھی کھنچوا دی گئی تاکہ ان کی جانب سجدہ کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔ سلف نے تو اتنی احتیاطیں برتیں مگر افسوس کہ امت کے ناخلف افراد نے یہ کمال دکھایا کہ جب تک زیارت کے وقت اس عمارت ہی کی طرف سجدہ نہیں کر لیتے اپنی حاضری بیکار سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کل اس رسول عربی کو وہ کیا جواب دیں گے جس نے جیتے جی اپنے لیے کسی کا کھڑا ہونا بھی پسند نہیں فرمایا اور دنیا سے چلتے چلتے یہ ہدایت کر دی کہ دیکھنا پہلی امتوں کی طرح تم میری قبر کو سجدہ نہ کرنا۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَاتَصِفُوْنَ۔

(۶۹۲) ٭ سوچو کہ اگر اپنی حیات میں آپ کو اپنے گھر کی در و دیوار کی یہ زینت پسند نہ آئی تو کیا یہ زینت وفات کے بعد اپنی قبر کی پسند آ سکتی ہے پھر آپ نے اس کو پھاڑ ڈالنے پر ہی کفایت نہیں فرمائی بلکہ اس کی لغویت کو اس طرح واضح بھی فرما دیا کہ جو نعمت لباس لہ.....

وَسَلَّمَ خَرَجَ فِيْ غَزَاةٍ فَاَخَذْتُ نَمَطًا فَسَتَرْتُهُ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَأَى النَّمَطَ فَجَذَبَهُ حَتّٰى هَتَكَهُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَأْمُرْنَا اَنْ نَكْسُوَ الْحِجَارَةَ وَ الطِّيْنَ. (متفق علیہ)

غزوہ کے لیے تشریف لے گئے تھے- میں نے (آپؐ کے پیچھے) ایک نقشین چادر لے کر دروازہ کے اوپر ڈال دی جب آپؐ تشریف لائے اور آپؐ نے وہ چادر پڑی ہوئی دیکھی تو اس کو کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور گارے کو لباس پہنایا کریں- (متفق علیہ)

(۶۹۳) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَاطَّلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ

(۶۹۳) محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث اس شخص نے ذکر کی ہے جس نے خود حضرت علی سے سنا تھا- وہ کہتے تھے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر آ نکلے اس وقت ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی جس میں چمڑے کا پیوند لگ رہا تھا آپؐ نے جب ان

....ہمارے باپ آدمؑ کو بڑی آہ وزاری کے بعد میسر آئی تھی کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کو سب سے ذلیل مخلوق کی نذر کر دیا جائے یعنی اینٹوں اور پتھروں کے- بالخصوص جب کہ اس میں اس قوم کے ساتھ پوری پوری مشابہت بھی پیدا ہوتی ہو جو اسی طرح بتوں کو بغرض تعظیم مزین کیا کرتی تھی جہاں عمل شرک کا ہو وہاں شریعت نیتوں کا فرق نہیں کرتی- ظاہر ہے کہ یہاں حضرت عائشہ کی نیت نہ تو پتھروں کی تعظیم تھی اور نہ ان کی زینت' بلکہ آپؐ ہی کی تعظیم اور آپؐ ہی کی خوشنودی مطلوب تھی- مگر خدائے تعالیٰ کے رسول ایسی تعظیم سے کبھی خوش نہیں ہوتے جو بے معنی ہونے کے ساتھ ان کی حدود تعظیم سے متجاوز اور اعمال شرک سے ملتبس ہوں- اس کے بعد اب یہ انصاف تم ہی پر ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کے سب سے برگزیدہ نبی اپنے گھر کی دیواروں پر چادریں لٹکانا پسند نہیں فرمائیں تو کیا اس کی امت کے برگزیدہ افراد اپنی قبر پر بیش قیمت دوشالے پڑے ہوئے دیکھنا پسند کریں گے- اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے ساتھ ایسی بے جا عقیدت نہ رکھیں جو ان کے لیے موجب تکلیف وندامت ہو-

- صحیح حدیث میں موجود ہے کہ قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سفارش کرنے کے لیے عرض کیا جائے گا تو وہ ان الفاظ میں معذرت فرمائیں گے "انی عبدت من دون الله" مجھے تو ایک قوم کی قوم خدا کے سوا معبود بنائے بیٹھی ہے اس میں غلطی اگرچہ سراسر اسی کی ہے مگر چونکہ وہ ہے میری امت اس لیے ان کی غلطی سے آنکھیں میری نیچی ہیں- عیسائی اس فریب میں مبتلا ہیں کہ وہ عیسیٰ پرستی سے اپنی محبت کا حق اور ان کا تقرب حاصل کر رہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ وہ سراسر خدا کی حق تلفی اور عیسیٰ علیہ السلام کی ایذاء رسانی کے جرم کے مرتکب ہیں- افسوس اس امت پر جو آخر میں اس لیے آئی تھی کہ پہلی امتوں کی گمراہیاں سن سن کر ان سے احتراز کرے مگر وہ چھانٹ چھانٹ کر ان میں ایک ایک کو اختیار کر رہی ہے- صدق الله و رسوله لتتبعن سنن من قبلكم شبرا بشبر و ذراعا بذراع-

(۶۹۳) * اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی پوشش کا دستور آپؐ کے زمانہ میں بھی تھا اور یہ اسی کی خصوصیت سمجھی جاتی تھی جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات پاک کی تعظیم' بندوں کی تعظیم سے ممتاز تھی اسی طرح اس کے گھر کی تعظیم بھی بندوں کے گھروں کی تعظیم سے علیحدہ تھی- قبروں کے اوپر چادریں چڑھانے کا تو وہاں کوئی تخیل ہی نہ تھا آپؐ نے اپنے ہاتھوں سے اپنی محبوب ترین ہستیاں سپرد خاک کیں حتیٰ کہ حضرت حمزہؓ کے متعلق تو یہ فرمایا کہ اگر مجھے ان کی ہمشیرہ کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کی نعش کو یونہی پڑا ہوا چھوڑ دیتا تا کہ ان کا حشر درندوں کے پیٹوں سے ہوتا کہ اس بے کسی پر ان پر تو خدائے تعالیٰ کی رحمتیں اور متوجہ ہوتیں اور ان کے دشمنوں پر نگاہِ خشم اور سخت ہو جاتی ....

مَا عَلَيْهِ إِلَّا بُرْدَةٌ مَرْقُوعَةٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَآهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَى لِلَّذِيْ كَانَ فِيهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَ الَّذِيْ هُوَ فِيهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بِكُمْ إِذَا غَدَا أَحَدُكُمْ فِيْ حُلَّةٍ وَ رَاحَ فِيْ حُلَّةٍ وَ وُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَ رُفِعَتْ أُخْرٰى وَ سَتَرْتُمْ بُيُوْتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِنَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَ نُكْفَى الْمُؤْنَةَ قَالَ لَا أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ. (رواہ الترمذی)

کو دیکھا تو آپ کو بے اختیار رونا آ گیا ان کے اس حالت ناز و نعمت کو یاد کر کے جو کفر کے زمانہ میں ان کی تھی اور اس خستہ حالت کو دیکھ کر جو اسلام کے بعد بن گئی تھی پھر فرمایا بتاؤ اس زمانہ میں تمہاری دینی رفتار کیسی ہو گی جب کہ تم پر فارغ البالی کا یہ عالم ہو گا کہ صبح کو ایک لباس پہنا کرو گے اور شام کو دوسرا اور کھانے پر ایک پیالہ تمہارے سامنے سے اٹھایا جائے گا اور پھر دوسرا رکھا جائے گا- اور رہائش میں رفاہیت کا یہ حال ہو گا کہ اپنے گھروں کو لباس سے اس طرح آراستہ کیا کرو گے جیسا خانہ کعبہ کیا جاتا ہے- انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آج کی نسبت ایسے زمانہ میں تو ہمارا حال بہت ہی بہتر ہو گا- معاش کے لیے محنت' مشقت کی حاجت نہ ہو گی بس عبادت کے لیے فرصت ہی فرصت مل جائے گی- فرمایا نہیں اس دن کی نسبت تم اس عسرت ہی کے زمانہ میں بہتر ہو- (ترمذی شریف)

(۶۹۴) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ هِنْدٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ إِبِلٌ لِلشَّيَاطِيْنِ وَ بُيُوْتٌ لِلشَّيَاطِيْنِ فَأَمَّا إِبِلُ الشَّيَاطِيْنِ فَقَدْ رَأَيْتُهَا يَخْرُجُ أَحَدُكُمْ بِنَجِيْبَاتٍ مَعَهُ قَدْ أَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلُوْا بَعِيْرًا مِنْهَا وَ يَمُرُّ بِأَخِيْهِ قَدِ انْقَطَعَ بِهٖ فَلَا يَحْمِلُهُ وَ أَمَّا بُيُوْتُ الشَّيَاطِيْنِ فَلَمْ أَرَهَا كَانَ سَعِيْدٌ يَقُوْلُ لَا أُرَاهَا إِلَّا هٰذِهِ الْأَقْفَاصَ الَّتِيْ يَسْتُرُ النَّاسُ بِالدِّيْبَاجِ. (رواہ ابوداؤد)

(۶۹۴) سعید بن ابی ہند ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آئندہ شیاطین کے اونٹ اور شیاطین کے مکانات ہوں گے- شیاطین کے اونٹ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے- شیاطین کے اونٹ تو یہی ہیں کہ تم میں ایک شخص عمدہ عمدہ اونٹنیاں لے کر نکلتا ہے جن کو اس نے خوب فربہ کر رکھا ہے اور ان میں سے کسی ایک پر بھی سوار ہونے کی نوبت نہیں آتی اور اپنے ایک ایسے خستہ حال بھائی کے پاس سے گذرتا ہے جس کی سواری ہلاک ہو چکی ہے اور اس غریب کو سواری کے لیے نہیں دیتا- رہ گئے شیاطین کے مکانات وہ میں نے نہیں دیکھے- سعید (راوی حدیث) کہتے تھے میرے خیال میں ہوں نہ ہوں وہ یہی پنجرے سے کجاوہ ہیں جن کو لوگ ریشم ڈال کر مزین کرتے ہیں- (ابوداؤد)

لله...... مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ کسی کے لیے بھی آپ نے ایک چادر کے ٹکڑے کی بھی تمنا کی ہو جو اس کی قبر پر ڈالی جائے بلکہ کفن میں بھی یہی تاکید فرمائی کہ زیادہ قیمتی نہ ہو پھر جب براہ راست میت کے لباس کا قیمتی ہونا پسند نہ ہوا تو اس کی قبر پر پیش بہا چادروں کا خود ہی اندازہ کر لو-

(۶۹۴) * معلوم نہیں کہ جب سعید بن ابی ہند کی نظر میں ان اقفاص (کجاووں) کا نام بیوت شیطان تھا تو وہ ان قبور کو کیا کہتے جو ان اقفاص سے کہیں بیش بہا ریشمیں چادروں سے مزین ہوتی ہیں پھر یہاں تو بے جا زینت اور اسراف کے سوا اور کوئی جرم بھی نہیں ہے مگر وہاں رسوم شرک سے بہت کچھ مشابہت پیدا ہو رہی ہے- خوب سن لو اس کی جواب دہی ہرگز ان بزرگوں کے ذمہ نہیں ہو سکتی جنھوں نے اپنی ساری زندگی ایک پھٹی کملی میں گذار دی ہو اس کا جواب اُن کو دینا ہے جنھوں نے اِن کی وفات کے بعد حدودِ شریعت کو توڑا ہے-

(٦٩٥) عَنْ اَبِی الْهَیَّاجِ الْاَسَدِیِّ قَالَ لِیْ عَلِیٌّ اَلَا اَبْعَثُکَ عَلٰی مَا بَعَثَنِیْ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَ لَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتَهٗ. (رواہ مسلم)

(٦٩٥) ابوالہیاج اسدی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو بھی اسی خدمت پر مامور نہ کروں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مامور فرمایا تھا وہ یہ تھی کہ جس تصویر کو دیکھو اسے مٹاڈالنا اور جس قبر کو اونچا دیکھو اسے نیچا کر دینا۔ (مسلم شریف)

(٦٩٦) عَنْ اَبِیْ مَرْثَدِ الْغَنَوِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَ لَا تُصَلُّوْا اِلَیْهَا. (رواہ مسلم)

(٦٩٦) ابومرثد غنوی روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دیکھو) قبروں پر نہ تو بیٹھا کرو اور نہ ان کو سامنے کر کے نماز پڑھا کرو۔ (مسلم)

الصلوۃ حین یعبد الکفار تشبه بمن یعبد غیر اللّٰه

کفار کی عبادتوں کے اوقات میں نماز پڑھنی غیر اللہ کی عبادت کے مشابہ ہے

(٦٩٧) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ الصُّنَابِحِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَ مَعَهَا قَرْنُ الشَّیْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَاِذَا

(٦٩٧) عبداللہ صنابحی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آفتاب نکلتا ہے تو اس وقت اس کے ساتھ شیطان ہو جاتا ہے پھر جب آفتاب بلند ہو جاتا ہے تو وہ اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ جب آفتاب ٹھیک درمیان میں آ جاتا ہے تو پھر وہ اس کے ساتھ ہو جاتا ہے اور جب

---

(٦٩٦) * قبروں کے معاملہ میں متوسط تعلیم یہ ہے جو مردوں کی توہین اور ان کی حد سے متجاوز تعظیم دونوں سے خالی ہے انسان ایک اشرف نوع ہے توحید کا تقاضا نہ تو یہ ہے کہ اس کی قبر کی بلاوجہ توہین کی جائے اور نہ اس میں اتنا تخلل قابل تحمل ہے کہ بتوں کی طرح اس کو سامنے رکھ کر اس کی طرف نمازیں ادا کی جائیں۔ افسوس کہ دنیا اس متوسط تعلیم کو بھی قائم نہ رکھ سکی یا تو اس نے قبروں کو کھود کر پھینک ڈالنا اقتضاء توحید سمجھا یا پھر اس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنا بھی خلاف توحید نہ جانا بلکہ قبروں کو سجدہ کرنا اور ان پر جا جا کر چراغ جلانا فرض و واجب کے درجہ پر سمجھ لیا۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ جس کی قبر میں عمل کی روشنی نہ ہو اس کی قبر پر چراغ کی روشنی کرنے سے کیا حاصل ہے۔ رہا پہلی حدیث میں قبروں کے نیچا کرنے کا مطلب۔ تو اگر ان کو مسمار کر دینا دین کی سنت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو صحابہ کا پورا مجمع زمین سے ایک بالشت اونچا کیوں رکھتا۔ ابوداؤد کی روایت میں قاسم بن محمد اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بچشم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو جا کر دیکھا تو وہ بالکل زمین کے برابر نہ تھی۔ افراط و تفریط کے دونوں راستے غلط ہیں۔ نیز قبروں کے متعلق جو احکام بیان کیے گئے ہیں ان کی ادائیگی کی صورت کیا رہتی۔

(٦٩٧) * لغت میں قرن کے متعدد معانی مذکور ہیں۔ امام ابن قتیبہؒ اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث میں لکھتے ہیں کہ یہاں اس کے معنی جانبین رأس کے ہیں اسی محاورہ کے مطابق وہ حدیث ہے جو مشرق کی مذمت کے بارے میں آئی ہے ''من ھھنا یطلع قرن الشیطان'' یعنی اس سمت سے شیطان کا سر ظاہر ہوگا۔ (یعنی اس کے فتنہ کا آغاز ہوگا) یہاں بھی قرن کے معنی سینگ کے نہیں بلکہ ؎ ....

زَالَتْ فَارَقَهَا فَاِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا فَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ تِلْكَ السَّاعَاتِ. (رواہ مالک و احمد و النسائی)

ڈھل جاتا ہے تو پھر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے- جب غروب ہونے لگتا ہے تو پھر وہ آ جاتا ہے اور جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو پھر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز سے روک دیا ہے- (مالک-احمد-نسائی)

ﷺ..... جانب راس ہی کے ہیں اور اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے ہم کو اس حقیقت کی اطلاع دی ہے کہ آفتاب کے طلوع وغروب کے وقت چونکہ کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں اس لیے شیطان اس کے ساتھ اس طرح رہتا ہے کہ آفتاب اس کے سر کے اوپر سے گذرتا ہے اس لیے شریعت ہم کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان اوقات میں نماز نہ پڑھا کریں کیونکہ ان اوقات میں کفار آفتاب اور شیطان کی عبادت کرتے ہیں- یہ تمام حقیقت ایک غیبی حقیقت ہے اگر عقل کے نزدیک اس میں کوئی امر قابل انکار ہوتا تو ہم اس کی تاویل کر لیتے -لیکن جب عقلاً ممکن ہے اور شریعت ہمیں اس کی اطلاع دیتی ہے تو جہاں اس کے اعتماد پر اور غیبی حقائق تسلیم کی گئی ہیں یہ حقیقت بھی تسلیم کر لینی چاہیے- (ص ۱۵۵و ۱۵۶)

جس گرجا میں تصویریں ہوں اس میں نمازیں پڑھنے کی ممانعت کے ذیل میں حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: **فالمصلی فیھا مشابه لمن یعبد غیر الله و ان کانت نیته الصلوة کما ان المصلی عند طلوع الشمس و عند غروبها لما شابه من یعبد غیر الله نهی عن ذلک سدا للذریعه** - (کتاب الردعلی البکری ص ۳۰۰) جوشخص باتصویر گرجا میں نماز پڑھتا ہے وہ اس شخص کے مشابہ ہو جاتا ہے جو غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے اگر چہ اس کی نیت نماز ہی کی کیوں نہ ہو اسی طرح وہ شخص بھی جو آفتاب کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھتا ہے وہ بھی غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے مشابہ بن جاتا ہے اس لیے سد ذریعہ کے لیے ان اوقات میں بھی شریعت نے نماز ادا کرنے کی ممانعت فرما دی ہے-

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ جو قوم بھی کسی غیر اللہ کی عبادت کرتی ہے درحقیقت وہ شیطان ہی کی عبادت کرتی ہے چنانچہ مشرکین میں ایک جماعت فرشتوں کی عبادت کی قائل تھی وہ بزعم خود یہی سمجھتی تھی کہ وہ فرشتوں کی عبادت کر رہی ہے مگر درحقیقت ان کی عبادت شیطان کے لیے بن جاتی تھی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰئِكَةِ اَهٰؤُلَاءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ قَالُوْا سُبْحَانَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُوْنَ﴾ (سبا: ۴۰، ۴۱) حق تعالیٰ جس دن ان سب کو جمع کرے گا تو فرشتوں کو کہے گا کہ یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے وہ جواب دیں گے تیری ذات پاک ہے تو ہمارا ولی ہے- یہ نہیں بلکہ یہ لوگ حقیقت میں شیطانوں کی پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثر ان ہی کے معتقد تھے-

کواکب پرست بھی اسی فریب میں مبتلا ہیں کہ وہ ان کواکب کی روحانیت کی عبادت کر رہے ہیں اور ان کے عجز و نیاز کا سر شاید ان ہی کے سامنے جھک رہا ہے لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہاں بھی ان کا معبود درحقیقت شیطان ہی ہوتا ہے اسی لیے جب ان کی عبادت کا وقت آتا ہے تو شیطان آفتاب کے ساتھ ہو لیتا ہے تاکہ وہ آفتاب کو مبدأ سمجھ کر سجدہ کریں اور درحقیقت ان کا یہ سجدہ اس کے لیے ہو جائے- خلاصہ یہ ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا جو کوئی بھی دوسرا معبود بنایا گیا ہے درحقیقت وہ شیطان ہی ہوا ہے- اسی لیے فرمایا ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَا بَنِيْ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (یس: ۶۰) اے اولادِ آدم کیا ہم نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے-

اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شرک کے جملہ انواع و اصناف میں چونکہ خدائے تعالیٰ کا شریک اس کو ٹھہرایا جاتا ہے جو اس کی مخلوق میں سب سے ارذل اور سب سے بدتر ہے اس لیے شرک کا گناہ بھی سب سے بدتر گناہ ہے- (الجواب الکافی ص ۱۹۲)

(۶۹۸) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ صَلِّ صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ حَتّٰى تَرْتَفِعَ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ حِيْنَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَ حِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّ حِيْنَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ فَاِذَا اَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَاِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَ حِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَالْوُضُوْءَ حَدِّثْنِيْ عَنْهُ قَالَ مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ يَقْرُبُ وَضُوْءَهُ وَ يَسْتَنْشِقُ فَيَسْتَنْثِرُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهِ وَ فِيْهِ وَ خَيَاشِيْمِهِ ثُمَّ

(۶۹۸) عمرو بن عبسہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا مجھے نماز کے اوقات تعلیم فرمائیے آپ نے فرمایا صبح کی نماز پڑھ لو جب اس سے فارغ ہو جاؤ تو جب تک آفتاب طلوع ہو رہا ہو کوئی نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ وہ اونچا نہ ہو جائے کیونکہ جب وہ نکلتا ہے تو شیطان کے سر کی دو جانبوں کے درمیان نکلتا ہے اور اسی وقت کافر اس کی عبادت کرتے ہیں- پھر نماز پڑھ سکتے ہو اس وقت تک کہ نیزہ کا سایہ نیزہ سے آ لگے کیونکہ اس نماز میں خدائے تعالیٰ کے فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں اس کے بعد نماز نہ پڑھو کیونکہ اس وقت دوزخ دہکائی جاتی ہے جب سایہ ڈھل جائے تو پھر نماز پڑھ سکتے ہو یہاں تک کہ عصر کی نماز سے فارغ ہو جاؤ کیونکہ اس نماز میں فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں پھر جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ آفتاب غروب نہ ہو لے کیونکہ جب وہ غروب ہوتا ہے تو شیطان کے سر کی دو جانبوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اسی وقت کافر اس کی عبادت کرتے ہیں- پھر میں نے عرض کیا یا نبی اللہ اچھا وضو کے ثواب کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے- فرمایا تم میں جو شخص بھی اپنے وضو کے لیے پانی لے کر وضو کرتا اور ناک میں پانی ڈال کر ناک صاف کرتا ہے تو اس کے منہ اور اس کے نتھنوں کی ساری کوتاہیاں نکل کر گر جاتی ہیں پھر جب اس

---

(۶۹۸) * یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہاں کفار کی عبادت اور قرنِ شیطانی کے مجموعہ نے ایک حقیقت شرکیہ پیدا کر دی ہے- اس لیے ان حدیثوں میں اسی حقیقت کے پیش نظر ہم کو عبادت سے روکا گیا ہے اور اسی لیے ان اوقات کے سوا جن میں کہ کفار اس کی عبادت نہیں کرتے شیطان بھی ہمارے قبلہ کی جانب آ کر کھڑا نہیں ہوتا- اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح خاص خاص اوقات باری تعالیٰ کی رحمت کے لیے مقرر ہیں ان میں اس کی رحمت سماء دنیا پر ظاہر ہوتی ہے دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں- بندوں کے اعمالنامے آسمانوں پر اٹھائے جاتے ہیں اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اسی طرح طاغوتی مظاہروں کے بھی کچھ مخصوص اوقات مقرر ہیں شریعت نے اوقات رحمت کی اطلاع دے کر ان میں عبادات کی ترغیب دی ہے اور اوقات شیطان میں نمازوں سے روک دیا ہے اس کے برخلاف شرکیہ مذاہب میں ٹھیک ان ہی اوقات کی ترغیب دی گئی ہے جن میں شیاطینی طاقتوں کا ہجوم ہوتا ہے اس روحانی اعانت و مدد کی وجہ سے دونوں جگہ ہر دو قسم کے عبادت گذاروں کو اپنی اپنی عبادتوں میں خوب لطف حاصل ہوتا رہتا ہے اور اپنے اپنے مذاق کے موافق جدا جدا دونوں اسے آثار قبولیت سمجھتے رہتے ہیں بت کا پجاری گھنٹی بجا بجا کر اس کی آواز میں مست ہے اور ایک معبودِ حقیقی کا عبادت گذار مؤذن کی صدائے اللہ اکبر میں ...

اِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ كَمَا اَمَرَهُ اللّٰهُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ مِنْ اَطْرَافِ لِحْيَتِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَمْسَحُ رَأْسَهٗ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهٖ مِنْ اَطْرَافِ شَعْرِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رِجْلَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ فَاِنْ هُوَ قَامَ فَصَلّٰى فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ وَ مَجَّدَهٗ بِالَّذِيْ هُوَ لَهٗ اَهْلُهٗ وَ فَرَّغَ قَلْبَهٗ لِلّٰهِ اِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيْئَاتِهٖ كَهَيْئَةِ يَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ. (رواہ مسلم)

کے بعد شریعت کے حکم کے موافق منہ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ ساتھ اس کے چہرہ کی کوتاہیاں بھی اس کی ڈاڑھی کے کناروں سے ٹپک جاتی ہیں' اس کے بعد جب وہ کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کی انگلیوں کے پوروں سے اس کے ہاتھوں کی کوتاہیاں بھی نکل جاتی ہیں' پھر جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر کی کوتاہیاں بھی پانی کے ساتھ اس کے بالوں کے کناروں سے نکل جاتی ہیں' پھر جب وہ اپنے دونوں پیر ٹخنوں تک دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے پیروں کی کوتاہیاں اس کے پیر کی انگلیوں کے پوروں سے نکل جاتی ہیں اب اگر کہیں وہ کھڑا ہو گیا اور نماز بھی پڑھ لی اور سبحانک اللھم پڑھ کر خدا کی حمد و ثنا کی' ایسی حمد و ثنا جس کا وہ مستحق ہے اور اپنا دل اللہ کے واسطے خالی کر لیا تو جب وہ نماز سے فارغ ہوگا تو گناہوں سے ایسا پاک صاف ہوگا جیسا اپنی ماں سے پیدائش کے دن پاک صاف تھا۔ (مسلم)

النهی عن الصلوٰة الی السترة

نماز کی حالت میں سترہ ٹھیک سامنے رکھنے کی ممانعت

(۶۹۹) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ مَارَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اِلٰى عُوْدٍ اَوْ عَمُوْدٍ وَ لَا شَجَرَةٍ اِلَّا جَعَلَهٗ عَلٰى حَاجِبِهِ الْاَيْمَنِ اَوِ الْاَيْسَرِ وَ لَا يَصْمُدُ لَهٗ صَمْدًا. (رواہ ابو داؤد)

(۶۹۹) مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو ہمیشہ یہی دیکھا کہ آپؐ اس کو اپنے دائیں یا بائیں جانب کر لیا کرتے تھے اور اس کو ٹھیک اپنے سامنے نہ رکھتے۔ (ابوداؤد)

لجھ ....سرشار ہے۔ انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر اس التباس کو دور کر دیتے ہیں اور توحید حقیقی کا ایسا نشہ پلا دیتے ہیں کہ پھر سوائے احد احد کے نہ دل میں کسی کی سمائی رہتی ہے نہ زبان پر کسی کی گنجائش۔ اکثر مقامات پر شریعت نے صرف امر و نہی پر کفایت کی ہے لیکن انسانی معرفت اور اس کی علمی ترقی کے لیے جہاں کسی باطنی علت پر تنبیہ فرمائی ہے وہاں ہی نادان انسان اور الجھ گیا ہے۔ اب سوچو کہ اگر تمہارے خیال کے موافق شریعت ہر جگہ اسباب و علل کو واضح کر جاتی تو تمہاری ضدی طبیعت اعتماد و تسلیم کے بجائے جنگ و جدل کے کتنے راستے تلاش کر لیتی۔

(۶۹۹) ٭ کسی چیز کو سترہ بنا کر سامنے رکھ لینا بھی شرعی مصلحت کی بنا پر ضروری تھا مگر اس سے پہلے یہ ضروری تھا کہ غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنے کی عادی قوم اسلام میں بھی اس نقشہ کو کہیں دیکھنے نہ پائے اس لیے اس مصلحت کے قائم رکھنے اور اس مفسدہ سے بچنے کے لیے یہ صورت تجویز کی گئی کہ سترہ تو رہے مگر اس کو دائیں بائیں کر لیا جائے تا کہ جس جگہ معبود حقیقی کے لیے سجدہ ادا کیا جا رہا ہے وہاں اسی کا تصور ہو اور کوئی نہ ہو۔

النهی عن عتق بعض العبد لئلا یکون فیه شریکا للّٰه عزوجل

ناتمام غلام آزاد کرنے کی ممانعت کیونکہ اس میں غلام کی مالکیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت کا شبہ پڑتا ہے

(۷۰۰) عَنْ اَبِی الْمَلِیْحِ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ شِقْصًا مِنْ غُلَامٍ فَذَکَرَ ذَالِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَیْسَ لِلّٰهِ شَرِیْکٌ فَاَجَازَ عِتْقَهٗ. (رواہ ابوداؤد)

(۷۰۰) ابوالملیح اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کیا اور اس کا تذکرہ آپ کی خدمت میں کیا آپ نے فرمایا اللہ کا شریک کوئی نہیں یہ کہہ کر اس کے پورے غلام کی آزادی کا حکم دے دیا۔ (ابوداؤد)

ترک الصلوٰۃ من غیر عذر کفر

کسی عذر کے بغیر نماز قضا کر دینا کفر ہے

(۷۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الْعَبْدِ وَ بَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ. (رواہ مسلم)

(۷۰۱) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اور کفر کے درمیان واسطہ صرف نماز چھوڑ بیٹھنا ہے۔ (یعنی اُدھر نماز چھوڑی اِدھر کفر کی سرحد میں داخل ہوا) (مسلم)

(۷۰۲) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ اَنْ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَ اِنْ قُطِّعْتَ وَ حُرِّقْتَ وَ لَا تَتْرُکْ صَلٰوۃً مَکْتُوْبَۃً

(۷۰۲) ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہستی نے مجھے یہ وصیت فرمائی ہے کہ دیکھ خدائے تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تیری بوٹی بوٹی اُڑا دی جائے یا تجھے جلا کر خاک بھی کر دیا جائے اور کوئی فرض

---

(۷۰۰) ٭ توحید کی منزل جتنی قطع ہوتی جاتی ہے۔ شامہ مسلم کفر و شرک کی بدبو سونگھنے میں اتنا ہی زیادہ نازک ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک حتیٰ کہ اس کی طبعی نفرت کا عالم یہ ہو جاتا ہے کہ کسی امر سے نفرت پھیلانے کے لیے اس کے سامنے شرک کا نام آ جانا ہی کافی ہوتا ہے اس مرحلہ پر پہنچ کر اس کے حق میں کسی امر کی نفرت یا رغبت دلانے کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو یہ بتا دیا جائے کہ فلاں بات میں شرک کی بو ہے اور فلاں میں نہیں۔ دیکھئے یہاں حدیث مذکور میں بھلا شرک کی کیا بات تھی لیکن شریعت کو منظور یہ تھا کہ اس کے ہاتھوں سے اس کا بقیہ مملوک غلام بھی آزاد کرا دیا جائے مگر اس طرح آزاد کرایا جائے کہ اس کی طبیعت میں ذرا میل نہ آنے پائے بلکہ وہ خود ہی اس کے آزاد کرنے کے لیے مضطر ہو جائے اس لیے جو تعبیر اس کے سامنے اختیار کی گئی وہ یہ تھی کہ تیرے اس عمل خیر میں بڑا عیب یہ ہے کہ اب اس کی ملکیت میں تو اور خدا دونوں شریک بن گئے۔ آدھا تیرا اور آدھا اس کا۔ کیا تیری غیرت توحید اپنے لیے یہ شرکت برداشت کرے گی کہ اس تعبیر کا لطف آپ اس وقت تک ہرگز نہیں اٹھا سکتے جب تک آپ کی نظر میں محظوراتِ شرعیہ مکروہاتِ طبعیہ کی جگہ نہ آ جائیں۔

ع ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشی

(۷۰۲) ٭ اس حدیث میں شربِ خمر اور ترکِ صلوٰۃ کو ایک ہی جگہ ذکر کیا گیا ہے شراب تمام برائیوں کی کنجی ہے اور نماز تمام برائیوں پر قفل ہے۔ جس نے نماز پابندی کے ساتھ شروع کر دی اس نے گویا برائیوں کے دروازوں پر قفل ڈال دیا۔ آیت ذیل میں نماز کی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ﴾ (البقرہ) اس کے برخلاف شراب کی خاصیت ہے۔ اس بیان سے ان دونوں کے درمیان مناسبت بھی ظاہر ہوگئی۔

مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَ لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ. (رواه ابن ماجة)

نماز، جان بوجھ کر ترک نہ کرنا کیونکہ جو قصداً نماز قضا کرے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور (ایک بات یہ نہ بھولنا) کہ شراب ہرگز نہ پینا کیونکہ وہ تمام گناہوں کی کنجی ہے- (ابن ماجہ)

(۷۰۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلٰوةِ. (رواه الترمذی)

(۷۰۳) عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بجز نماز کے کسی اور چیز کو ایسا نہیں سمجھتے تھے جس کا چھوڑ دینا کفر ہو-

(ترمذی شریف)

(۷۰۴) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ. (رواه احمد و الترمذی و النسائی و ابن ماجة)

(۷۰۴) بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے درمیان جس چیز کی بنا پر عہد ہے وہ نماز ہے تو جس نے نماز چھوڑ دی (اس سے عہد باقی نہیں رہا) وہ کافر ہو گیا-

(احمد و ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

النهى عن اطراء النبى صلى الله عليه وسلم كا طراء النصارى ابن مريم عليه الصلٰوة و السلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں ایسی مبالغہ آمیزیاں کرنے کی ممانعت جیسی نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کیں

(۷۰۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۷۰۵) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

(۷۰۴) * بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں ضمیر کا مرجع منافقین ہیں چونکہ یہ جماعت دراصل کافر تھی مگر مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں شریک بھی رہتی تھی اس لیے اس روشِ عمل کے بعد ان کو کھلا کافر کہنا آئینِ اسلام کے تحت نہ آ سکتا تھا، جب ان سے یہ عمل چھوٹ جائے تو اب ان کے کافر کہنے میں کوئی امر مانع نہیں رہتا- عقیدہ کے لحاظ سے تو وہ پہلے بھی کافر تھے اب عمل کے لحاظ سے بھی کافر ہو گئے لہٰذا اب ان کے جان و مال کے احترام کا جو عہد تھا وہ ختم ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے جو ایک کافر کے ساتھ ہونا چاہیے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کا جو نقشہ ہے اس کے مطابق تو ان حدیثوں میں کوئی اشکال ہی نہیں اس میں دو ہی قسم کی جماعتیں نظر آتی ہیں یا نمازی مؤمن یا کافر- کافر کو تو نماز سے تعلق ہی کیا ہو سکتا ہے- اس نقشے کے مطابق کافر کی سب سے کھلی ہوئی علامت ترکِ صلوٰۃ ہی تھی دور انقلاب و انحطاط نے اب درمیان میں ایک طبقہ ایسا پیدا کر دیا ہے جو مؤمن ہونے کے ساتھ تارکِ صلوٰۃ بھی ہے اس نے ان حدیثوں میں اشکال پیدا کر دیا اور اتنا اشکال پیدا کر دیا- کہ بعض علماء کے نزدیک صلوٰۃ اسلام کا ایک ایسا لازمی جزء بن گیا ہے کہ اس کے ترک سے کفر کا اطلاق کسی تاویل کے بغیر بھی جائز سمجھا گیا ہے اگرچہ اکثر کا رجحان اس کی تاویل ہی کی طرف ہے- بہرحال نماز کو شریعت میں اتنی اہمیت حاصل ہے جتنی کسی دوسرے عمل کو نہیں کفر کی تاویل اور عدمِ تاویل کی بحث سے علیحدہ ہو کر مؤمن کا یہ تو بہرحال فرض ہونا چاہیے- کہ وہ ایسے عمل سے دور ہی رہے جس پر حدیثوں میں کفر کا اطلاق آ چکا ہو-

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی اِبْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰہِ وَ رَسُوْلُہٗ. (متفق علیہ)

میری اتنی زیادہ مبالغہ آمیز تعریفیں نہ کیا کرو جتنی نصاریٰ نے ابن مریم کی شان میں کیں' میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا ایک رسول ہوں لہٰذا مجھ کو عبداللہ اور رسول اللہ کہا کرو- (متفق علیہ)

(۷۰۶) عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الشِّخِّیْرِ قَالَ اِنْطَلَقْتُ فِیْ وَفْدِ بَنِیْ عَامِرٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَنْتَ سَیِّدُنَا فَقَالَ السَّیِّدُ اللّٰہُ فَقُلْنَا وَ اَفْضَلُنَا فَضْلًا وَ اَعْظَمُنَا طَوْلًا فَقَالَ قُوْلُوْا قَوْلَکُمْ اَوْ بَعْضَ قَوْلِکُمْ وَ لَا یَسْتَجْرِئَنَّکُمُ الشَّیْطَانُ.

(رواہ احمد و ابوداؤد)

(۷۰۶) مطرف بن عبداللہ بن شخیر روایت کرتے ہیں کہ میں وفد بنی عامر کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم نے آپؐ سے عرض کیا کہ آپؐ ہمارے سید و آقا ہیں آپ نے فرمایا درا صل سید و آقا تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ہم نے عرض کیا اچھا تو سب میں افضل اور سب سے برتر ہیں اس پر آپ نے فرمایا ہاں یہ کلمہ کہہ سکتے ہو' یا اس سے بھی کچھ اور مختصر اور دیکھو کہیں شیطان تمہیں زیادہ جری اور بہادر نہ بنا دے-

(مسند احمد- ابوداؤد)

(۷۰۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاکَ اِبْرَاھِیْمُ. (رواہ مسلم)

(۷۰۷) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپؐ کو یوں خطاب کیا' اے مخلوق میں سب سے بہتر ہستی آپؐ نے (ازراہِ کسرِ نفسی) فرمایا یہ کلمہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہی کے شایان شان ہے- (مسلم)

(۷۰۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ تَلَقّٰی عِیْسٰی حُجَّتَہٗ وَ لَقَّاہُ اللّٰہُ فِیْ قَوْلِہٖ یَا عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَقَّاہُ سُبْحَانَکَ مَایَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ الآیہ. (رواہ الترمذی)

(۷۰۸) ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب محشر میں سوال ہوگا کہ ءَاَنْتَ قُلْتَ' الخ کیا لوگوں سے تم نے کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود ٹھہرا لو- تو اس کا جواب ان کو حق تعالیٰ ہی کی جانب سے یہ تعلیم ہوگا کہ تیری ذات پاک ہے میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی بات زبان سے نکال سکتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا- (ترمذی شریف)

---

(۷۰۸) * دیکھئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان عقیدتمندوں نے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی آخر یوم حساب میں جب ان جاہلوں نے ادعاء الوہیت کی تہمت اس معصوم رسولؑ کے سر رکھ ہی دی تو انصاف الٰہی کا تقاضا ہوا کہ مدعی علیہ سے کم از کم اس کی صفائی تو طلب کر ہی لی جائے پھر جواب دہی کا معاملہ دنیوی عدالتوں میں بھی کیسا کٹھن ہو جاتا ہے یہ تو احکم الحاکمین کی بارگاہ تھی کس کے منہ میں زبان تھی کہ جواب دیتا- آخر جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو کلمات توبہ کی تلقین فرمائی اور حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم میں تسبیح کی تلقین فرمائی تھی- اسی نے آج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی راہنمائی فرمائی اور انہوں نے بڑے ادب و نیاز کے ساتھ سب سے پہلے خدائے تعالیٰ کی تمام عیوب سے پاکی بیان فرما کر عرض کیا کہ ایسی بات میں بھلا کب منہ سے نکال سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہیں پہنچتا- الخ.....

(۷۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ يَطْعَنُ الشَّيْطَانُ فِیْ جَنْبَيْهِ بِاِصْبَعَيْهِ حِيْنَ يُوْلَدُ غَيْرَ عِيْسَی بْنِ مَرْيَمَ ذَهَبَ يَطْعَنُ فَطَعَنَ فِی الْحِجَابِ.

(متفق علیه)

(۷۰۹) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جتنی اولاد ہے پیدائش کے ساتھ ہر ایک کے پہلوؤں میں شیطان اپنی انگلیاں مارتا ہے بجز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کے کہ اس نے یہاں بھی اس کا ارادہ کیا تھا تو اس کے اور ان کے درمیان قدرت نے ایک حجاب ڈال دیا جس کی وجہ سے اس کی انگلیاں اس حجاب میں رہ گئیں اور ان کا اثر ان کی ذات تک نہ پہنچ سکا۔ (متفق علیہ)

(۷۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِسْتَبَّ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ رَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ

(۷۱۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں باہم کچھ تیز تیز باتیں ہوگئیں مسلمان نے کہا اس ذات کی قسم جس

ؔ..... اس کے بعد اپنے جواب میں بڑی تفصیل فرمائی جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور اس میں اس عجیب انداز میں اپنی براءت کے ساتھ اپنی اس نااہل امت کی سفارش کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ یہ کلمات خاتم الانبیاء علیہم السلام کو ایسے پیارے معلوم ہوئے کہ ایک مرتبہ آپ نے ساری شب ان ہی کلمات کے تکرار میں گذار دی اور اتنا مبالغہ فرمایا کہ رکوع میں جاتے تو وہی کلمات زبان پر ہوتے اور جب سجدے میں جاتے تو بھی وہی زبان پر ہوتے۔

یہ معلوم رہے کہ محشر میں حق تعالیٰ نے اپنے علم ازلی پر فیصلے صادر فرمانے کا وعدہ نہیں فرمایا بلکہ اس دن کے لیے ثبوت اور جواب دہی کا آئین مقرر فرمایا ہے اور اپنا لقب احکم الحاکمین رکھا ہے۔ اس لیے اس دن رسولوں کو بھی جواب دہی کرنی ہوگی خواہ دنیا ان کو خدا کے برابر یا اس کی ابنیت کا کوئی لقب بھی دیا کرے۔ (العیاذ باللہ)

(۷۰۹) * عام انسانوں کی پیدائش کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خصوصیت کا اس لیے خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کے حق میں حسب ذیل دعا پوری ہوگئی اور اس طرح پوری ہوئی۔

﴿اِنِّیْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ (آل عمران: ۳٦)

''میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان پھٹکارے ہوئے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں''۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں نہ تو کمال یہ ہے کہ سرے سے ان کی خصوصی امتیازات ہی کا انکار کر دیا جائے اور نہ یہ کہ جو کمال ان کی ذات کے لیے کوئی کمال نہ ہو اس کو محض اپنی خوش عقیدگی کی راہ سے زبردستی ان کے سر تھوپ دیا جائے۔ دیکھئے جن حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بندگی کا اقرار ایمان کی شرط اول قرار دیا گیا ہے ان ہی میں ان کے اس خاص کمال کا بھی برملا اظہار کیا گیا ہے؛ انبیاء علیہم السلام کے شانوں میں ذرا سا مبالغہ اور ذرا سی گستاخی دونوں بڑی خطرناک غلطیاں ہیں یہ وہ پل صراط ہے جس کی دونوں ہی طرف آتش دوزخ ہے۔

(۷۱۰) * انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس ساری جماعت میں اول سے لے کر آخر تک ایک فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کی تعلیم میں اصولاً کوئی ادنیٰ اختلاف ہو اور نہ ان میں کوئی ایسا ملتا ہے جو ایک دوسرے کے احترام کے خلاف ادنیٰ کلمہ بھی برداشت کر سکتا ہو؛ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب ایک ہی صداقت کی کڑیاں ہیں ورنہ جن کے مابین ہزاروں سال کی مدت ؔ.....

21

وَ الَّذِیْ اِصْطَفٰی مُحَمَّدًا عَلَی الْعَالَمِیْنَ فَقَالَ الْیَهُوْدِیُّ وَ الَّذِیْ اِصْطَفٰی مُوْسٰی عَلَی الْعَالَمِیْنَ فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ یَدَهٗ عِنْدَ ذَالِکَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْیَهُوْدِیِّ فَذَهَبَ الْیَهُوْدِیُّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ بِمَا کَانَ مِنْ اَمْرِهٖ وَ اَمْرِ الْمُسْلِمِ فَدَعَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمَ فَسَأَلَهٗ عَنْ ذٰلِکَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی فَاِنَّ النَّاسَ یُصْعَقُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَاَصْعَقُ مَعَهُمْ فَاَکُوْنُ اَوَّلُ مَنْ یُفِیْقُ فَاِذَا مُوْسٰی بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا اَدْرِیْ کَانَ فِیْمَنْ صَعِقَ فَاَفَاقَ قَبْلِیْ اَوْ کَانَ فِیْمَنْ اسْتَثْنَی اللّٰهُ۔ (متفق علیه)

نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساری مخلوق پر فضیلت بخشی اور یہودی بولا اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساری مخلوق پر فضیلت بخشی۔ یہ سننا تھا کہ مسلمان نے فوراً ایک تھپڑ اٹھا کر اس کے منہ پر رسید کر دیا یہودی چلا اور اس نے آ کر اپنا اور اس کا سارا قصہ آپؐ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کو بلایا اور اس معاملہ کی تحقیق کی' اس نے جو بات تھی صاف کہہ دی۔ آپ نے سن کر فرمایا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام پر تم مجھے اس طرح فضیلت مت دو' کیونکہ قیامت میں ایک وقت آئے گا کہ تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے میں بھی ان میں ہوں گا پھر سب سے پہلے ہوش مجھے آئے گا کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام عرشِ عظیم کا پایہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہیں اب میں نہیں جانتا کہ وہ بیہوش ہوئے تھے' یا مجھ سے پہلے ہوشیار ہو چکے تھے' یا ان میں داخل تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس بے ہوشی سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا۔ (متفق علیہ)

(۱۱۷) عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۱۷) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

؎ ....حائل ہو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے اصول میں سرمو بھی کوئی اختلاف نہ ہو سکے یا ان میں کا افضل سے افضل تعصب سے اتنا خالی ہو کہ اپنے کسی فرد کے متعلق کوئی ادنیٰ کلمہ سننا بھی برداشت نہ کر سکے۔ ان کے علاوہ آپ جس جماعت کو دیکھیں گے ان میں آپ کو یہ یک رنگی نظر نہ آئیگی۔ حتیٰ کہ صوفیاء کرام کی جماعت جن کی پوری زندگی مجاہدہ و ایثار کا مجسم مرقع ہوتی ہے ان کی تعلیمات میں بھی بڑا اختلاف نظر آتا ہے بلکہ تعلیم سے آگے چل کر ان کے مابین خود ان کی شخصیات کی مقبولیت اور نامقبولیت کے بارے میں بھی بڑا اختلاف ظاہر ہوتا ہے۔ ان جماعتوں سے علیحدہ ہو کر یہی حال ان فلاسفروں کا ہے جو دنیوی علوم کی ریسرچ میں عمریں کھپا گئے ہیں۔ یہ ایک اور صرف ایک ہی جماعت ہے جس کا پہلا انسان اور آخری انسان نہ اپنی تعلیم میں کوئی اختلاف رکھتا ہے اور نہ اپنی جماعت میں کسی کے احترام کے خلاف کوئی ادنیٰ کلمہ برداشت کر سکتا ہے۔ دیکھئے خاتم الانبیاء علیہم السلام کو اس کلی فضیلت کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائی تھی یہ برداشت نہ ہو سکا کہ آپ کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت اس درجہ پامال کی جائے کہ ان کی شان میں کوئی مبالغہ کرنے والا معتقد مار کھانے کا مستحق سمجھا جائے۔

بلاشبہ یہاں آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک بڑی فضیلت بیان فرمائی مگر فضیلت کلیہ تو اسی کے لیے لکھی جا چکی ہے جو عرش پر یمین رحمان میں جلوہ افروز ہو گا۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ان سارے فضائل کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ میں آپ کو اپنی لاعلمی کے اظہار کرنے میں ذرا تامل نہیں ہوا۔ کیونکہ آپ خوب جانتے تھے کہ جن علوم کا احاطہ خالق کے لیے کمال ہو۔ اگر وہ کسی افضل سے افضل مخلوق کے دامن میں نہ ہوں تو یہ اس کے لیے کسی ادنیٰ نقصان کا بھی موجب نہیں ہو سکتا۔

21

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَائِشَۃُ لَوْشِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیْ جِبَالُ الذَّھَبِ جَاءَ نِیْ مَلَکٌ وَ اِنَّ حُجْزَتَہُ لَتُسَاوِیْ الْکَعْبَۃَ فَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَقْرَأُ عَلَیْکَ السَّلَامَ وَ یَقُوْلُ اِنْ شِئْتَ نَبِیًّا عَبْدًا وَ اِنْ شِئْتَ نَبِیًّا مَلِکًا فَنَظَرْتُ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَاَشَارَ اِلَیَّ اَنْ ضَعْ نَفْسَکَ وَ فِی روایۃ ابن عباس فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ کَالْمُسْتَشِیْرِ لَہٗ فَاَشَارَ جِبْرَئِیْلُ بِیَدِہٖ اَنْ تَوَاضَعْ فَقُلْتُ نَبِیًّا عَبْدًا قَالَتْ فَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِکَ لَا یَأْکُلُ مُتَّکِئًا یَقُوْلُ اٰکُلُ کَمَا یَأْکُلُ الْعَبْدُ وَاَجْلِسُ کَمَا یَجْلِسُ الْعَبْدُ.

(رواہ فی شرح السنہ)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلا کرتے میرے پاس ایک فرشتہ آیا تھا اس کے تہ بند باندھنے کی جگہ کعبہ کی برابر بلند تھی' اس نے کہا آپؐ کا پروردگار آپؐ کو سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کیا پسند کرتے ہو؟ نبوت کے ساتھ بندگی یا نبوت کے ساتھ بادشاہی (جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام) میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کیجئے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف اس طرح دیکھا جیسا کوئی مشورہ لینے والا دیکھا کرتا ہے انہوں نے اپنے ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا کہ تواضع اختیار کیجئے- میں نے جواب میں عرض کر دیا کہ میں نبوت کے ساتھ بندگی چاہتا ہوں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی سہارا لگا کر نہ کھاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اسی طرح کھاتا ہوں جیسے ایک بندہ کھایا کرتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح ایک بندہ بیٹھا کرتا ہے- (شرح السنہ)

(۷۱۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَنْبَغِیْ لِعَبْدٍ اَنْ یَقُوْلَ اِنِّیْ خَیْرٌ مِنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی. (متفق علیہ)

(۷۱۲) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں- (متفق علیہ)

(۷۱۲) * حضرت یونس علیہ السلام کے بشری ضعف اور اس پر عتاب الٰہی کا ذکر خود قرآن کریم میں موجود ہے لیکن یہ بارگاہ نبوت کی شان کے مناسب خالق السمٰوات و الارضین کے مؤاخذہ کی باتیں ہیں- افضل الرسل نے اپنی امت کو یہ ادب سکھلایا کہ ان مواخذوں کو دیکھ کر کسی امتی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے ذہن میں ان کے متعلق کمتری کا کوئی ادنیٰ تصور بھی لا سکے- یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت میں اس کے والہانہ جذبات اس کو کسی تعصب کی طرف لے جائیں یہ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی جتنی جماعت بھی ہے اس میں افضل و مفضول تو ضرور ہیں مگر کمتر کوئی نہیں اور ان میں باہم تعصب پیدا کرنے والے کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں- یہ سب ایک ہی صداقت کے منظم ہوتے ہیں- جن میں بڑا چھوٹا تو ضرور ہے مگر گھٹیا کوئی بھی نہیں- پس اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے اجماعی عقیدے سے کوئی تعارض نہیں ہے- اس قسم کی جتنی حدیثیں ہیں ان سب کا تعلق ایسی افضلیت اور تخییر سے ہے جس سے دوسری جانب میں کسی نقصان کا شبہ گذرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے سیاق سے آپ کو اس خیال کی مزید تصدیق ہو گئی ہو گی- بہر حال نبی کا ذہن ہمیشہ افراط و تفریط سے خالی رہتا ہے وہ نہ کسی نبی کے متعلق اطراء کا کوئی کلمہ سن سکتا ہے اور نہ اپنے نفس کے....

(۷۱۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَکْرَمُ قَالَ اَکْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُکَ قَالَ فَاَکْرَمُ النَّاسِ یُوْسُفُ نَبِیُّ اللّٰهِ ابْنُ نَبِیِّ اللّٰهِ بْنِ نَبِیِّ اللّٰهِ بْنِ خَلِیْلِ اللّٰهِ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُکَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُوْنِیْ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَخِیَارُکُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقُهُوْا. (متفق علیہ)

(۷۱۳) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں بزرگ تر ہستی کس کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بزرگ تر وہ ہے جو سب میں زیادہ متقی ہو انہوں نے عرض کیا اس سوال سے ہمارا یہ منشا نہیں آپ نے فرمایا تو پھر بزرگ تر ہستی حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے جو خود نبی اور ان کی چار پشتیں نبی اور ان کی چوتھی پشت خلیل اللہ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے آپ نے فرمایا اچھا تو قبائل عرب کے متعلق پوچھتے ہو انہوں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا جو تم میں کفر کے زمانہ میں بہتر تھا وہی اسلام میں بہتر ہے بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔ (متفق علیہ)

﴿﴾ ... کے متعلق کوئی ادنیٰ مبالغہ آمیزی برداشت کرسکتا ہے اتنی احتیاطوں کے باوجود انصاف سے دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ امت کے بہت سے افراد ہیں جنہوں نے رسولؐ کے صحیح مقام کو نہیں پہچانا یا ان کو خالق کی جانب میں اتنا بلند کیا کہ پھر دوئی کا تصور بھی ان کے نزدیک کلمہ کفر بن گیا اور یا عوام بشر میں ان کو اتنا ملایا کہ مقام رسالت بھی معنی سے خالی ہو کر رہ گیا و اللّٰہ یہدی الحق وھو یہدی السبیل۔

(۷۱۳) * اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ نبی کا ذہن خاص اپنے ماحول سے بھی اتنا لاعلم ہوتا ہے کہ اس کو اپنے مخاطب سے اس کے سوال کی بھی تشخیص کرانی پڑتی ہے۔ ہمیشہ اور ہر ہر جزئی کا علم حاصل ہونا تو علیحدہ بات ہے' یہاں یہ بات بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انسانی شرف کے متعلق نبی کا تخیل کتنا بلند ہوتا ہے کہ وہ صرف شخصی شرف کو شرف ہی نہیں گنتا اس کے نزدیک کسی انسان کی شرافت کا معیار اس کے کمالات اور اس کی ذاتی صفات ہوتی ہیں اور ان ہی کی بناء پر اس کی نظر میں انسانوں کی تقسیم ہوتی ہے۔ جب یہاں مخاطبین نے آپ پر اور زور دیا تب بھی ان کے جواب میں آپ نے اپنے نفس نفیس کو پیش نہیں کیا جو بلحاظ جملہ کمالات سب سے زیادہ جامع تھا بلکہ خدائے تعالیٰ کے ایک اور رسول کا ذکر فرمادیا جن میں انسان کے اور ظاہری کمالات کے سوا یہ خصوصیت بھی تھی کہ اس کی چار پشتوں میں خدا کے مقدس رسول گذرے تھے اس پر بھی جب مخاطبین کا سوال حل نہ ہوا تو پھر آپ نے قبائل عرب کے متعلق جواب دیا مگر یہاں بھی اسی معیار کو سامنے رکھا جو انبیاء علیہم السلام کا معیار ہونا چاہیے۔ یعنی وہی فقہ فی الدین اور تقویٰ اس کے بعد آپ نے ان کے فطری جذبات کو بھی پامال نہیں فرمایا اور انہیں مطمئن کیا کہ تمہارا قدیم شرف بھی ضرور ملحوظ ہے مگر وہ اسی شرط کے ساتھ ہے جب کہ شرافتوں کا اصلی مرکز باقی رہے۔ انصاف کیجئے کہ سارے انسانی کمالات و فضائل کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس کتنا مقدس ہوگا جس کو تین مرتبہ میں اپنی بزرگی بیان کرنے کا ایک بار بھی خیال نہ آیا۔ ہاں خدائے تعالیٰ کی اس بخشی ہوئی نعمت کو تحدیث بالنعمۃ کے طریق پر ضرور ذکر فرمایا ہے مگر وہ بھی صرف بیان واقعہ کی حد تک اپنی مدح سرائی کی غرض سے نہیں۔ کیا اس مقدس رسول کی بزرگی اور صداقت جانچنے کے لیے اس کی یہی ایک صفت کافی نہیں ہے۔

(۷۱۴) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا لَيْلًا قَالَتْ فَغِرْتُ عَلَيْهِ فَجَاءَ فَرَأَى مَا اَصْنَعُ فَقَالَ مَالَكِ يَا عَائِشَةُ أَغِرْتِ فَقُلْتُ وَ مَالِيَ لَا يَغَارُ مِثْلِيَ عَلٰى مِثْلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَاءَ كِ شَيْطَانُكِ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمَعِيَ شَيْطَانٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَ مَعَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ نَعَمْ وَ لٰكِنْ اَعَانَنِي اللّٰهُ عَلَيْهِ حَتّٰى اَسْلَمَ. (رواہ مسلم)

(۷۱۴) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے کہیں تشریف لے گئے مجھے آپ پر غیرت آئی (اور اس خیال میں پڑ گئی کہ آپؐ کہیں کسی دوسری بی بی کے یہاں تشریف نہ لے گئے ہوں) اتنے میں آپؐ تشریف لے آئے اور آپؐ نے میری پریشانی کا حال دیکھا تو فرمایا اے عائشہ! ایسی پریشان کیوں ہو کیا تم کو مجھ پر غیرت آ گئی- میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ جیسی بی بی آپ جیسے شوہر پر بھلا غیرت کیسے نہ کرتی آپؐ نے فرمایا تمہارے دل میں یہ وسوسہ اس شیطان نے ڈال دیا ہے جو تمہارے (اور ہر انسان کے ساتھ ایک ایک) رہتا ہے- میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا میرے ساتھ کوئی شیطان ہے آپؐ نے فرمایا جی ہاں- پھر میں نے پوچھا یا رسول کیا آپؐ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا میرے ساتھ بھی ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے مقابلہ میں ہمیشہ میری مدد فرماتا ہے تو میں اس کے مکر وفریب سے ہمیشہ محفوظ رہتا ہوں- (مسلم شریف)

(۷۱۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا

(۷۱۵) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قیدی

---

(۷۱۴) ٭ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اور انسانوں کی پیدائش کے ساتھ ساتھ خیر و شر کا جذبہ ابھارنے والی دو خارجی قوتیں پیدا کی جاتی ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عام انسانوں سے اپنی خلقت میں جدا نہیں ہوتے البتہ عصمت میں جدا ہوتے ہیں- خدائی مدد اس طرح ان کے شامل حال ہوتی ہے کہ گمراہی کی قوتیں ان پر کبھی غالب نہیں آ سکتیں- دیکھئے انبیاء علیہم السلام میں سب سے مقدس ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر یہاں بھی بار بار شق صدر کا ثبوت ملتا ہے اور اس طرح شر کی طرف رجحان سے بعید سے بعید رکھنے اور خیر کی طرف میلان کی قریب سے قریب استعداد پیدا کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کی ذات ہمیشہ سے ربانی تربیت کے تحت رہی ہے- پس ان کا کمال یہ نہیں کہ وہ انسان نہیں ہوتے یہ اگر کمال ہوتا تو خدا کے وہ فرشتے جو خلیفہ کے وجود سے پہلے موجود تھے اس کمال کے لیے کافی تھے وہ شر سے اتنے بعید تھے کہ ان کے خمیر ہی میں شر کی کوئی استعداد موجود نہیں- ﴿ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾ (تحریم : ٦)

لیکن اگر وہ شر کی استعداد نہ رکھتے ہوئے شر کی طرف کوئی رجحان نہیں رکھتے تو یہ کمال کیا ہے وہ اگر خدائے تعالیٰ کی معصیت کرنی بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ چاہ بھی نہیں سکتے -کمال اس ضعیف انسان کا ہے جو ساری استعدادوں کا مالک ہو کر شر کی طرف اقدام سے اپنے نفس کو روکتا ہے پھر ان کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ کچھ ایسے نفوس بھی پیدا فرما دیتا ہے جو انسانوں کی طرح مخلوق ہو کر خدائی تزکیہ کے ماتحت اس طرح تربیت پاتے ہیں کہ ملائکۃ اللہ بھی ان کی صحبت سے تقدیس کے منازل طے کرنے لگتے ہیں- پس نبیوں کی انسانیت اور بشریت کا انکار درحقیقت آنکھوں سے نظر آنے والی حقیقت کا انکار ہی نہیں بلکہ ان کے اصل کمال کا بھی انکار ہے-

(۷۱۵) ٭ دیکھئے فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان بد عائیہ کلمات کی معذرت میں خدائے تعالیٰ کے سامنے اپنی بشریت کا تذکرہ فرماتے ہوئے صرف نادانستہ طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں ہی دعا نہیں فرماتے بلکہ فرط محبت میں اپنی ساری امت کو یاد دلایا.....

قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَسِيْرٍ فَلَهَوْتُ عَنْهُ مَعَ النِّسْوَةِ فَذَهَبَ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فَعَلَ الْاَسِيْرُ قَالَ لَهَوْتُ عَنْهُ مَعَ النِّسْوَةِ فَخَرَجَ فَقَالَ مَالَكِ قَطَعَ اللّٰهُ يَدَكِ اَوْ يَدَيْكِ فَخَرَجَ فَاٰذَنَ بِهِ النَّاسَ فَطَلَبُوْهُ فَجِيْءَ بِهِ قَالَتْ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَ اَنَا اُقَلِّبُ يَدِيْ فَقَالَ اَجُنِنْتِ قُلْتُ دَعَوْتَ وَ اَنَا اُقَلِّبُ يَدِيْ اَنْظُرُ اَيُّهُمَا تُقْطَعَانِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا وَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ بَشَرٌ اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ فَاَيُّمَا مُؤْمِنٌ اَوْ مُؤْمِنَةٌ دَعَوْتُ عَلَيْهِ فَاجْعَلْهُ لَهٗ زَكٰوةً وَ طَهُوْرًا.

(رواہ احمد)

لے کر میرے گھر تشریف لائے- میں عورتوں کے ساتھ بات چیت میں اس قیدی کی طرف سے ذرا غافل ہوگئی تو وہ چل دیا' آپ تشریف لائے تو آپؐ نے پوچھا وہ قیدی کدھر گیا- میں نے صاف عرض کر دیا کہ عورتوں کے ساتھ بات چیت میں مجھ سے غفلت ہوگئی اور وہ نکل بھاگا آپؐ نے فرمایا تم نے یہ غفلت کیوں کی' اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں کو قطع کرے- یہ کہہ کر آپ باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو اطلاع دی وہ تلاش کر کے اس کو پکڑ لائے- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس کے بعد آپؐ اندر تشریف لائے تو میں اپنے ہاتھوں کو لوٹ پلٹ رہی تھی- آپ نے فرمایا یہ کیا بے عقلی کی حرکت کر رہی ہو- میں نے عرض کیا جب سے کہ آپ کی زبان سے بددعا کے کلمات نکلے ہیں' میں اپنے ہاتھوں کو اسی طرح کر رہی ہوں' دیکھتی ہوں کہ ان دونوں میں کون سا قطع ہوتا ہے- یہ سن کر آپ نے خدائے تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لیے پھیلا دیئے اور فرمایا اے اللہ میں ایک آدمی ہی ہوں اور جس طرح آدمی کو غصہ آتا ہے مجھے بھی غصہ آجاتا ہے تو جس کسی مومن مرد یا عورت کے متعلق میری زبان سے بددعا کے کلمات نکل گئے ہوں اس کے حق میں ان کو پاکی اور صفائی کا موجب بنا دے- (احمد)

لاعبرة لمشية العبد بجنب مشية اللّٰه تعالٰى

اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے بندہ کی مشیت کچھ نہیں

(۷۱۶) عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۷۱۶) حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں

٭..... فرمالیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اگر ان مقبول ہونٹوں سے کسی اور کے حق میں بھی کوئی کلمہ نکل گیا ہو تو آج جس برکت میں آپ کی یہ اہل بیت شریک ہوں وہ بھی شریک ہو جائے یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ دعا میں استجابت دعائیہ کلمات کے تابع رہتی ہے خواہ ان میں نیت کچھ رہے- ظاہر ہے کہ یہاں "قطع اللہ یدک" سے آپ کا منشاء مبارک یہ تو ہو نہیں سکتا کہ درحقیقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کوئی گزند پہنچ جائے مگر رسول کی مقبول زبان سے جو کلمات نکل گئے تھے وہ اپنا اثر دکھائے بغیر یہاں بھی نہیں رہے- پس اس بارے میں بڑی احتیاط لازم ہے کہ کبھی کسی کے حق میں خراب کلمات منہ سے نہ نکالے جائیں ممکن ہے کہ اگر کوئی زبان زیادہ مقدس نہ ہو تو وہ وقت استجابت دعا کا آ گیا ہو اور ان کا اثر ظاہر ہو جائے اسی بنا پر قدیم دستور تھا کہ بچوں کو غصہ میں بھی کوسا نہیں جاتا تھا اب بھی اس طریق کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے-

(۷۱۶) ٭ یعنی ایک مومن کی زبان کو شرک کے موہم کلمات سے بھی احتراز کرنا چاہیے اور اس کے قلب و زبان پر صرف ایک اللہ کی فاعلیت کا نقش ہونا چاہیے- خطابی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسلامی آداب سے متعلق ہے عقائد سے نہیں چونکہ واو عربی زبان میں جمع اور ٭.....

وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُولُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ فُلَانٌ قُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ. (رواه احمد ج ۵ ص ۳۸٤ و ج ۵ ص ۳۹٤ و ج ۵ ص ۳۹۸) و فی شرح السنة منقطعا كما فی المشكوة فی باب الاسامی. لا تقولوا ما شاء الله وشاء محمد و قولوا ما شاء الله وحده)

مت کہا کرو کہ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور فلاں نے (یعنی مثلاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم) چاہا بلکہ یوں کہو کہ پہلے جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کے بعد جو فلاں نے چاہا (یعنی ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے برابر کسی کا ذکر بھی نہ آئے - پہلے ہر چیز کی نسبت اس کے نام کی طرف ہو پھر کسی اور کی طرف ہو-) (مسند احمد)

(۷۱۷) عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ سَرِيْعٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ مَدَحْتُ اللّٰهَ بِمِدْحَةٍ وَ مَدَحْتُكَ بِاُخْرٰى فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَاتِ وَ ابْدَأْ بِمِدْحَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى. (رواه احمد كما فی الرحمة المهداة)

(۷۱۷) اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک مدحیہ قصیدہ تو اللہ تعالیٰ کی شان میں لکھا ہے اور دوسرا آپ کی شان میں- آپؐ نے فرمایا اچھا لاؤ (سناؤ) لیکن پہلے وہ قصیدہ شروع کرو جو اللہ تعالیٰ کی شان میں ہے- (مسند احمد)

(۷۱۸) عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ سَرِيْعٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِاَسِيْرٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَتُوْبُ اِلَيْكَ وَ لَا اَتُوْبُ اِلٰى مُحَمَّدٍ

(۷۱۸) اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قیدی حاضر کیا گیا- اس نے کہا اے اللہ میں تیرے سامنے تو بہ کرتا ہوں- محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے نہیں

لہ ....شرکت کے لیے آتا ہے اور ثم ترتیب کے لیے- اس لیے آپؐ نے بتایا کہ اللہ کی مشیت کے ساتھ کسی اور کی مشیت کو حرف واو کے ساتھ جمع نہ کرنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت جیسا کہ تمام مشیتوں پر مقدم ہے اسی طرح اس کی تقدیم ثم حرف ترتیب کے ساتھ ظاہر بھی کرنا چاہیے- (کتاب الاذکار ص ۱۵۷) حافظ ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کا ایک محل اور بھی بیان کیا ہے- دیکھو کتاب الرد علی البکری ص ۱۹۵- یہاں ترجمان السنہ ج ۱ ص ۲۷۹ کا نوٹ بھی ملاحظہ کیا جائے-

(۷۱۷) * اگر چہ رسول کی تعریف میں بھی اصل تعریف خدائے تعالیٰ ہی کی ذات کی نکلتی ہے مگر جہاں دونوں تعریفیں جمع ہو جائیں وہاں آپ نے خدائے تعالیٰ کی بلا واسطہ تعریف کو مقدم کرنا طریقہ ادب سمجھا- اب بھی دعا کا ادب یہ ہے کہ پہلے خدائے تعالیٰ کی ثنا کی جائے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجی جائے اس کے بعد اپنی حاجت کے لیے دعا کیجئے-

(۷۱۸) * حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ توبہ- حلف و نذر و سجود و طواف بیت کی طرح خاص اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے اس میں کسی غیر اللہ کے شرکت کی گنجائش نہیں- اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے اس توحید بھرے کلمہ کی داد دی- (دیکھو الجواب الکافی ص ۱۸۱)

حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اسی کے قریب قریب وہ کلمات ہیں جو حضرت عائشہ کی زبان مبارک سے قصہ افک میں نکلے تھے جب کہ قرآن کریم میں ان کی براءت نازل ہوگئی اور ان کی والدہ ماجدہ نے فرط مسرت میں آکر فرمایا قومی الی رسول الله صلی الله علیه و سلم عائشہ! لو اس خوشی میں کھڑی ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرو تو انہوں نے ناگواری و ناز کے مابین عالم میں یہ جواب دیا و الله لا اقوم اليه و لا احمده و لا اياكم لقد سمعتم فلا انكرتم و لا غيرتم و لا احمد الا الله الذی انزل براء تی . میں آپؐ کی یا اپنے والدین کی اس معاملہ میں کیا تعریف کروں آپ لوگوں نے تو جو سنا اس پر نہ تو کچھ انکار کیا نہ اس کے ازالہ لہ ....

فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَرَفَ الْحَقَّ لِاَھْلِہٖ.

کرتا - آپ نے فرمایا اس شخص نے تو بہ جس کا حق تھا اس کو پہچان لیا - (مسند احمد)

(رواہ احمد کما فی الرحمۃ المھداۃ و رواہ ابو عبید فی الاموال عن عبدالرحمٰن بن مھدی عن سلام)

لٰہ ...کی کوئی فکر کی - میں تو اپنے اس خداعزوجل کی تعریف کروں گی جس نے آسمان سے میری براءت نازل فرمائی - (بخاری شریف)

امام بیہقیؒ نے حضرت عائشہؓ کے ان کلماتِ ناز کے متعلق جو جواب حضرت عبداللہ بن المبارک سے باسناد نقل کیا ہے وہ ٹھیک یہی ہے جو اس وقت آپ کے سامنے لسانِ نبوت سے موجود ہے یعنی تعریف دراصل ایک حق سبحانہ تعالیٰ کا ہی حق ہے اس بیرون از قیاس و گمان انعام پر حضرت عائشہ کی زبان سے تعریف کا کلمہ بے ساختہ اسی ذات کے لیے نکلا جو درحقیقت تعریف کی مستحق تھی اور اس وقت انہیں اس میں کسی کے لیے شرکت کی گنجائش نظر نہ آئی - (کتاب الرد علی البکری)

اس سلسلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک بلیغ تحقیق ذکر فرمائی ہے اس کا ملحوظِ خاطر رکھنا ایمان و کفر میں امتیاز کا ایک اہم ترین نکتہ ہے - رسول کی تعظیم اور خدا کی توحید دونوں اسلامی رکن ہیں مگر یہاں بھی نافہموں نے ایک عبارتی کشمکش پیدا کر دی ہے بعض موحدین تو یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک رسول کی شان رفیع میں گستاخانہ کلمات منہ سے نہ نکالے جائیں اس وقت تک گویا خدائے تعالیٰ کی توحید کا حق ادا ہی نہیں ہوتا اور محبت رسول کے مقام کے دم بھرنے والے بعض جاہل یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ توحید خداوندی کی زیادہ توضیح کرنے سے بھی رسول کی عظمت شان کو گویا ٹھیس لگتی ہے وہ اگر اپنی زبان سے ایک مرتبہ یا اللہ کہہ دیتے ہیں تو جب تک سو مرتبہ یا رسول اللہ نہیں کہہ لیتے ان کو چین نہیں پڑتا - حتیٰ کہ بعض مزارات پر جا کر دیکھو تو تم کو محسوس ہوگا کہ اس فضاء میں جہاں کبھی صرف ایک اللہ ہی کا نام پاک گونجا کرتا تھا آج یا اللہ کہنا سب سے بڑا کفر بنا ہوا ہے - یہ دونوں راہیں افراط و تفریط کی راہیں ہیں -

حافظ ابن تیمیہؒ نے یہاں بہت بسیط بحث کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ تعظیم کے مواضع کیا ہیں اور تنقیص کے مواضع کیا اور اس کی بڑی تفصیل کی ہے - بعض مرتبہ نیت کے بدل جانے سے کلمہ تنقیص تنقیص نہیں رہتا جیسے ''رَاعِنَا'' یہود جب اس کلمہ کو اپنی زبان سے ادا کرتے تو چونکہ ان کی نیت فاسد ہوتی تھی اس لیے ان کی زبان سے یہ کلمہ تنقیص تھا لیکن چونکہ مسلمانوں کی یہ نیت نہ تھی اس لیے ان کی زبان سے یہی کلمہ ادنیٰ تنقیص کا موجب بھی نہ تھا - یہ دوسری بات تھی کہ یہود چونکہ اس کو غلط طور پر استعمال کرتے تھے اس لیے مسلمانوں کو بھی اس کے استعمال سے روک دیا گیا تھا -

اسی طرح جب کہ گفتگو سیاقِ توحید میں ہو تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی خصوصیات کو خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے سلب کرنا موجب کسر شان شمار نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ بلند بارگاہ ہے کہ جہاں وہ ہے وہاں کوئی نہیں اس لیے اس کی ذاتی خصوصیات سلب کرنے میں کسی کی کوئی کسر شان نہیں ہوتی - مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ رسول گناہوں کی مغفرت نہیں کرتا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گناہوں کی مغفرت کر سکتی ہے - (ہاں رسول مغفرت کی سفارش کر سکتا ہے اور حق تعالیٰ کی بلند بارگاہ میں رسول کی سفارش کبھی خالی نہیں جاتی) تو اس میں رسول کی کوئی کسر شان نہ ہو گی - کیونکہ یہاں جس صفت کو رسول کی ذات سے سلب کیا گیا ہے درحقیقت وہ اس کے لیے ثابت ہی نہیں تھی وہ خاص خدائے تعالیٰ کی صفت ہے -

ہاں بے حاجت ان صفات کی نفی کا مشغلہ لگائے رکھنا بھی سوء ادب گستاخی اور انتہا درجہ خطرناک ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کو نصاریٰ نے خدا بنایا تو ان کی ذات سے خدائی صفات کی نفی کرنی عین حکمت ہے - لیکن جن انبیاء علیہم السلام کے حق میں نہ کسی کا اس قسم کا عقیدہ ہو نہ اس کا اندیشہ تو ان کے حق میں اس قسم کی عبارتیں توہین کی حد میں بھی داخل ہو سکتی ہیں - یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس سلسلہ میں جو اسلوب بیان حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں اختیار کیا ہے وہ اور رسولوں کے لیے اختیار نہیں کیا حالانکہ لٰہ ....

(۷۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ثَلَاثَةً مِّنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَبْرَصَ وَ اَقْرَعَ وَ اَعْمٰی فَاَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّبْتَلِیَهُمْ فَبَعَثَ اِلَیْهِمْ مَلَکًا فَاَتَی الْاَبْرَصَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَ جِلْدٌ حَسَنٌ وَ یَذْهَبُ عَنِّی الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِیَ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهٗ وَ اُعْطِیَ لَوْنًا حَسَنًا وَ جِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ الْاِبِلُ اَوِ الْبَقَرُ شَکَّ اِسْحٰقُ اِلَّا اَنَّ الْاَبْرَصَ وَ الْاَقْرَعَ قَالَ اَحَدُهُمَا الْاِبِلَ وَ قَالَ الْاٰخَرُ الْبَقَرَ قَالَ فَاُعْطِیَ نَاقَةً عُشَرَاءَ فَقَالَ بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ فِیْهَا قَالَ فَاَتَی الْاَقْرَعَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَ یَذْهَبُ عَنِّیْ هٰذَا الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِیَ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَالَ وَ اُعْطِیَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ الْبَقَرَ فَاُعْطِیَ بَقَرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ فِیْهَا قَالَ فَاَتَی الْاَعْمٰی فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ اَنْ یَّرُدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ بَصَرِیْ فَاُبْصِرَ بِهِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَیْهِ بَصَرَهٗ قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ الْغَنَمَ فَاُعْطِیَ شَاةً وَ الِدًا

(۷۱۹) ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ایک مبروص[1]، ایک گنجا اور ایک اندھا- اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کا ارادہ فرمایا تو ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا- پہلے وہ مبروص کے پاس گیا اور اس نے پوچھا کہئے! آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے؟ اس نے کہا خوب صورت رنگت اور خوب صورت کھال اور یہ بات کہ جس بدنما رنگ کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں یہ جاتا رہے- فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بدنمائی ختم ہوگئی اس کا رنگ اور کھال دونوں خوشنما ہو گئے- اس کے بعد پوچھا کہئے آپ کو مال کون سا پسند ہے؟ اس نے اونٹ بتائے یا گائے- راوی حدیث اسحٰق کو اس بارے میں شک ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ ابرص اور گنجے میں ایک نے اونٹ بتائے تھے تو دوسرے نے گائے- غرض اس کو ایک ایسی اونٹنی مل گئی جس کے حمل کی دس ماہ کی مدت پوری ہوگئی تھی اور وہ بیانے والی تھی اس کے بعد اس فرشتے نے یہ دعا دی- جایئے اللہ تعالیٰ آپ کی اونٹنی میں برکت دے- اس کے بعد وہ گنجے کے پاس گیا اور اس سے پوچھا آپ کو کیا چیز سب سے زیادہ پیاری ہے؟ اس نے کہا خوب صورت بال اور یہ بات کہ جس بیماری کی وجہ سے لوگ مجھے گندہ سمجھتے ہیں یہ بیماری جاتی رہے- اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بیماری جاتی رہی اور اس کے بال نہایت خوب صورت ہو گئے- اس کے بعد پوچھا کہئے آپ کو مال کون سا پسند ہے؟ اس نے کہا گائے' اسے بھی ایک حاملہ گائے مل گئی- فرشتے نے اس کو بھی دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی گائے میں برکت دے- اس کے بعد نابینا کے پاس آیا اور اس سے بھی پوچھا' کہئے صاحب آپ کو سب سے زیادہ کیا بات پسند ہے؟ اس نے کہا' یہ کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی پھر سے لوٹا دے اور میں لوگوں کو دیکھنے لگوں' فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بینائی لوٹ آئی اس کے بعد

؎ .... جب متکلم خود اللہ تعالیٰ ہو اور معاملہ رسولوں کا آجائے تو وہاں تو ہین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پس بے وجہ رسولوں کی ذات سے خدائی صفات کی نفی کا مشغلہ بھی توحید کا اقتضا نہیں اور نہ توحید کو گندہ کرنا رسول کی کوئی عظمت کی بات ہے- (کتاب الرد علی البکری)

(۷۱۹) ٭ اس حدیث میں فرشتے کی زبان سے وہی عظمت وادب سے بھرا ہوا کلمہ نکلا ہے جو پہلی حدیثوں میں آپ کو بتایا گیا تھا؎ ....

[1] برص بیماری والا- جس میں جلد پر بدنما نشان پڑ جاتے ہیں-

فَانْتَجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْاِبِلِ وَ لِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْبَقَرِ وَ لِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ اِنَّهُ أَتَى الْاَبْرَصَ فِيْ صُوْرَتِهٖ وَ هَيْئَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْئَلُكَ بِالَّذِيْ اَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَ الْجِلْدَ الْحَسَنَ وَ الْمَالَ بَعِيْرًا اَتَبَلَّغُ بِهٖ فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ الْحُقُوْقُ كَثِيْرَةٌ فَقَالَ اِنَّهٗ كَاَنِّيْ اَعْرِفُكَ اَلَمْ تَكُنْ اَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فَقِيْرًا فَاَعْطَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَقَالَ اِنَّمَا وُرِّثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰى مَا كُنْتَ. قَالَ فَاَتَى الْاَقْرَعَ فِيْ صُوْرَتِهٖ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ مَاقَالَ لِهٰذَا وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَارَدَّ عَلٰى هٰذَا فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰى مَا كُنْتَ. قَالَ وَ اَتَى الْاَعْمٰى فِيْ صُوْرَتِهٖ وَ هَيْئَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ وَ ابْنُ سَبِيْلٍ اِنْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْاَلُكَ بِالَّذِيْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً اَتَبَلَّغُ بِهَا فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ قَدْ كُنْتُ اَعْمٰى فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ بَصَرِيْ فَخُذْ مَا شِئْتَ وَ دَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللّٰهِ لَا اَجْهَدُكَ الْيَوْمَ

پوچھا آپ کوکون سا مال مرغوب ہے؟ وہ بولا بکریاں اسے بھی ایک جننے والی تیار بکری مل گئی کچھ دنوں بعد ہی وہ اونٹنی اور گائے بیا گئیں اور اس بکری کے بھی بچہ پیدا ہو گیا (اور ایسی برکت ہوئی) کہ ابرص کے پاس ایک وادی بھر کے اونٹ ہو گئے اور گنجے کہ پاس ایک وادی بھر کر گائیں اور اس نابینا کے پاس بھی ایک وادی بھر کر بکریاں ہو گئیں- اس کے بعد وہی فرشتہ اپنی اسی شکل میں مبروص کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین ہوں سفر کی حالت میں جتنے اسباب و ذرائع تھے سب ختم ہو چکے ہیں اب منزل مقصود تک رسائی کا ذریعہ کوئی نہیں رہا' سوائے اللہ تعالیٰ کے یا پھر بظاہر اسباب آپ کی ذات کے- میں آپ سے اس خدا کا واسطہ دے کر ایک اونٹ مانگتا ہوں جس نے آپ کو یہ خوش نما رنگ اور یہ خوش نما کھال مرحمت فرمائی- اس نے کہا میری ذمہ داریاں بہت ہیں اس نے کہا مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کو پہچانتا بھی ہوں- کہئے کیا آپ مبروص نہ تھے لوگ آپ سے نفرت کرتے تھے محتاج تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سارا مال و دولت بخشا اس نے کہا یہ مال تو میرے باپ دادے سے مجھے وراثت میں پہنچا ہے- اس نے کہا بہت اچھا اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو پھر ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا- اس کے بعد وہ اپنی پہلی ہی شکل میں گنجے کے پاس پہنچے اور وہی سوال اس سے بھی کیا اس نے بھی وہی جواب دیا اس پر فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو ایسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا اس کے بعد وہ اپنی اسی صورت میں نابینا کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین مسافر ہوں سفر کی حالت میں میرا کوئی وسیلہ باقی نہیں رہا- اب بجز اللہ تعالیٰ کے منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا یا بظاہر اسباب پھر آپ کی ذات ہے- میں اس خدا کا واسطہ دے کر جس نے آپ کو بینائی عطا کی ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے اس سفر کی ضروریات پوری کر لوں اس نے کہا بے شک میں نابینا تھا اور بے شک اللہ ہی نے مجھے پھر سے بینائی بخشی جا تو ان بکریوں میں سے جتنی چاہے لے لے اور جتنی چاہے چھوڑ دے آج جتنی

؎ .... یعنی اس نے بے انتہاء خوشامد کے موقعہ پر بھی اللہ کے نام کے ساتھ کسی کی اسی مساوات برداشت نہ کی اور یہی کہا کہ میری اصل مشکل کشا تو اس کی ذات ہے ہاں ظاہری اسباب میں آپ کا سہارا بھی ہے-

بِشَيْءٍ اَخَذْتَهُ لِلّٰهِ فَقَالَ اَمْسِكْ مَالَكَ فَاِنَّمَا اُبْتُلِيْتُمْ فَقَدْ رَضِيَ عَنْكَ وَ سَخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ. (متفق عليه)

بکریاں تو اللہ کے نام کی لے لے گا میں تجھے بلا کسی مشقت کے بڑی خوشی سے دے دوں گا۔ فرشتے نے کہا جا اپنی بکریاں اپنے پاس رکھ اصل واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف تمہارا امتحان منظور تھا تجھ سے تو خدائے تعالیٰ راضی ہو گیا اور تیرے ساتھ دو شخص اور تھے ان سے ناراض ہو گیا۔ (متفق علیہ)

(۷۲۰) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ رَأٰى فِي النَّوْمِ اَنَّهُ لَقِيَ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَقَالَ نِعْمَ الْقَوْمُ اَنْتُمْ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تُشْرِكُوْنَ تَقُوْلُوْنَ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَ ذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَمَا وَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَاَعْرِفُهَا لَكُمْ قُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ. (رواه ابن ماجه ص ١٥٤ ورواه احمد الطيالسي بتغير يسير كما في ترجمان السنة ص ٣٠١ ج ١)

(۷۲۰) حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مسلمانوں میں سے خواب میں دیکھا کہ کسی اہل کتاب سے اس کی ملاقات ہوئی اس نے کہا تم لوگ بہت اچھے تھے اگر کہیں تم شرک نہ کرتے تم یوں کہتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا (وہ ہوا) اس خواب کا ذکر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا آپ نے فرمایا بخدا تمہاری اس فروگذاشت کو میں بھی محسوس کر رہا تھا لہٰذا آئندہ اب میرا تذکرہ (ایسی عبارت کے ساتھ کیا کرو جس میں لفظی شرکت کا بھی ابہام نہ رہے) اور وشاء محمد کی بجائے ثم شاء محمد کہا کرو۔

(ابن ماجہ)

(۷۲۱) عَنْ قُتَيْلَةَ اِمْرَاَةٍ مِنْ جُهَيْنَةَ اَنَّ يَهُوْدِيًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّكُمْ تُنَدِّدُوْنَ وَ اِنَّكُمْ تُشْرِكُوْنَ تَقُوْلُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ وَ تَقُوْلُوْنَ وَ الْكَعْبَةِ فَاَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادُوْا اَنْ يَّحْلِفُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْنَ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ وَ يَقُوْلُ اَحَدٌ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ. (رواه النسائي ص ٥٩١ و اخرجه ابن سعد ابسط من هذا كما في الدر المنثور ج ١ ص ٣٥ تحت قوله تعالى فلا تجعلو لله اندادا)

(۷۲۱) قبیلہ جہینہ کی ایک بی بی مسماۃ قتیلہ بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا تم خدائے تعالیٰ کا ہمسر تجویز کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو ایک تو تم یوں کہتے ہو مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت اور اللہ کی مشیت کو برابر برابر ذکر کرتے ہو) اور دوسرے کعبہ کی قسم کھاتے ہو (حالانکہ کعبہ مخلوق ہے) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دے دیا کہ آئندہ جب قسم کھانے کا ارادہ کریں تو رب کعبہ کی قسم کھایا کریں اور آپ کی مشیت کا تذکرہ خدا کی مشیت کے ساتھ ہرگز ہرگز نہ کیا کریں بلکہ خدا کی مشیت کے بعد اس کا ذکر دوم نمبر میں کریں۔ (نسائی شریف)

(۷۲۲) عَنْ طُفَيْلِ بْنِ سَنْجَرَةَ اَنَّهُ رَأٰى فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ كَاَنَّهُ مَرَّ بِرَهْطٍ مِنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ اَنْتُمْ نِعْمَ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تَزْعُمُوْنَ اَنَّ عُزَيْرَ ابْنُ اللّٰهِ فَقَالُوْا وَ اَنْتُمْ نِعْمَ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ

(۷۲۲) طفیل بن سنجرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک خواب میں دیکھا کہ ان کا ایک یہودی کی جماعت کے پاس سے گذر ہوا انہوں نے اس سے کہا اگر تم لوگ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہ سمجھتے تو کیا اچھے لوگ ہوتے وہ بولے اگر تم مسلمان بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مشیت کا

مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شَاءَ مُحَمَّدٌ ثُمَّ مَرَّ بِرَهْطٍ مِنَ النَّصَارٰى فَقَالَ اَنْتُمْ نِعْمَ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ قَالُوْا وَ اَنْتُمْ نِعْمَ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ شَاءَ مُحَمَّدٌ فَلَمَّا اَصْبَحَ اَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَقَالَ اِنَّ طُفَيْلًا رَاٰى رُؤْيَا وَ اِنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ كَلِمَةً كَانَ يَمْنَعُنِي الْحَيَاءُ مِنْكُمْ فَلَا تَقُوْلُوْهَا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. (اخرجه احمد و ابن ماجة و البيهقي كما في الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵) (احمد-ابن ماجہ-بیہقی)

ایک ساتھ ذکر نہ کیا کرتے تو تم بھی بہت اچھے لوگ ہوتے - جب صبح ہوئی تو انہوں نے اس خواب کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا - اس پر آپ نے خطبہ دے کر فرمایا کہ طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے تم ایک ناموزوں کلمہ کہا کرتے ہو مجھے تم کو اس سے روکنے میں ذرا لحاظ مانع آتا رہا' اب آئندہ یہ کلمہ نہ کہا کرو بلکہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر کیا کرو' جس کا کوئی شریک نہیں -

الجمع بين الله و رسوله في ضمير و احد يخالف الادب الاسلامي

خدا اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا اسلامی ادب کے خلاف ہے

(۷۲۳) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ اَنَّ خَطِيْبًا خَطَبَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَ مَنْ يَعْصِهِمَا فَقَالَ قُمْ اَوْ قَالَ اِذْهَبْ فَبِئْسَ الْخَطِيْبُ اَنْتَ.

(رواہ ابوداؤد (كتاب الادب و كتاب الجمعه)

و في رواية المسلم و من يعصهما فقد غوىٰ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بئس الخطيب انت قل و من يعص الله و رسوله)

(۷۲۳) عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خطیب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خطبہ دیا اور اثناء خطبہ میں یوں کہا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ راہ راست پر رہا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی اس پر آپ نے فرمایا کھڑا ہو جا' یا چلا جا (راوی کو اصلی لفظ میں شک ہے) تو نالائق خطیب ہے - (ابوداؤد)

مسلم کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ خطیب نے یوں کہا کہ جو ان دونوں کی نافرمانی کرے وہ یقیناً گمراہ ہو گیا - اس پر آپ نے فرمایا تو نالائق خطیب ہے تجھے یوں کہنا چاہیے تھا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے -

---

(۷۲۳) * یعنی لائق خطیب وہ ہے کہ جب وہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت اور معصیت کا ذکر کرے تو دونوں کے ناموں کو بھی علیحدہ علیحدہ ذکر کرے صرف ایک ضمیر میں جمع نہ کر دے - یہاں اس خطیب نے اطاعت کے ذیل میں تو خدا اور رسول کا نام علیحدہ علیحدہ ذکر کیا تھا لیکن جب ان کی نافرمانی کے ذکر پر پہنچا تو اس نے ان کو ایک ہی ضمیر میں جوڑ دیا اس میں ایک قسم کی مساوات کی بو آتی ہے - اسلام کی توحید اتنی سی مساوات کی بھی روادار نہیں - کبھی قائل اور کبھی مخاطبین کے حالات کے لحاظ سے ذرا سی فروگذاشت اہمیت اختیار کر لیتی ہے جب تک کسی نو آموز قوم کے قلب و زبان میں خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی عظمت کا امتیاز پورے طور پر قائم نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی معمولی فروگذاشت پر بھی تحت الفاظ میں ٹوکنا ضروری ہوتا ہے ہاں جب توحید کا نقش اپنی اصل صورت پر قائم ہو جائے تو اب ضمیر کی شرکت قابل اغماض ہو سکتی ہے - ہمارے نزدیک یہاں امام طحاوی کا جواب بہت لطیف تھا مگر وہ ابوداؤد کے الفاظ میں تو چل سکتا ہے صحیح مسلم کے ایک لفظ میں اس کی گنجائش نہیں ہے اس لیے ہم نے اس کو اختیار نہیں کیا -

نهي المولٰى عن قوله في غلامه عبدي

آقا کو اپنے غلام کو عبد کہنے کی ممانعت

(۲۴ ۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِیْ وَ اَمَتِیْ كُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللّٰهِ وَ كُلُّ نِسَاءِ كُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِیْ وَ جَارِيَتِیْ وَ فَتَایَ وَ فَتَاتِیْ وَ لَا يَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّیْ وَ لٰكِنْ لِيَقُلْ سَيِّدِیْ وَ فِی رِوَايَةٍ وَ لَا يَقُلِ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهٖ مَوْلَایَ فَاِنَّ مَوْلَاكُمُ اللّٰهُ. (رواه مسلم و هو عند البخاری و ابی داؤد و غيرهما ايضاً)

(۲۴ ۷) ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص یوں نہ بولا کرے ''میرا بندہ'' ''میری باندی'' کیونکہ تم میں جتنے مرد ہیں درحقیقت وہ سب عبد خدا کے ہیں اسی طرح جتنی عورتیں ہیں۔ وہ باندیاں اسی کی ہیں ہاں اس کے بجائے ''میرا غلام'' اور ''میری لونڈی'' کا لفظ بول سکتے ہو اسی طرح کسی غلام کو اپنے آقا کے حق میں رب کا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیے ہاں سردار اور آقا کہہ سکتا ہے۔ ایک روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ غلام کو اپنے آقا کو میرا مولیٰ نہ کہنا چاہیے کیونکہ تم سب کا مولیٰ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (مسلم شریف)

(۲۵ ۷) عَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَبِیْ فَرَاٰی الَّتِیْ بِظَهْرِهٖ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اُعَالِجُهَا فَاِنِّیْ طَبِيْبٌ قَالَ اَنْتَ رَفِيْقٌ وَ اللّٰهُ الطَّبِيْبُ وَ فِی

(۲۵ ۷) ابو رمثہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے آپ کی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھی تو عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے تو میں اس کا علاج کر دوں کیونکہ میں طبیب ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو رفیق ہو طبیب حقیقی تو دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات

(۲۴ ۷) * یہ حدیث بھی عقائد کے باب کی حدیث نہیں صرف ادب وتہذیب کے باب کی حدیث ہے یہاں بھی مقصود یہ ہے کہ عبدیت کی جو نسبت بڑی پر معنی ہے اس کو محل و بے محل استعمال کر کر کے بے معنی نہ بنا دینا چاہیے وہ حقیقی طور پر ایک ہی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس لیے اس کا استعمال بھی اسی کے ساتھ قائم رہنا چاہیے گو مجازی طور پر اس میں شرکت کی گنجائش سہی مگر چونکہ اس میں اصل حقیقت سے غفلت کا اندیشہ ہو سکتا ہے اس لیے اس مجاز و استعارہ سے بھی احتراز کرنا مناسب ہے۔ فیض الباری شرح صحیح بخاری میں ہم نے اس حدیث کی اور زیادہ تشریح کی ہے۔

(۲۵ ۷) * مہر نبوت پر مرض کے اس گمان کرنے والے کے جواب میں کسی ادنیٰ ناگواری کے بجائے آپ نے اس سے ایسے بصیرت افروز کلمات فرمائے کہ خود اس طبیب کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ سمجھ گیا کہ انسانی بہی خواہی کی حد بہت سے بہت ظاہری ہمدردی اور رفاقت تک ہو سکتی ہے اس لیے اس کی حیثیت بھی ایک رفیق کی حیثیت سے زیادہ نہیں ہو سکتی شفاء و مرض کا اصل رشتہ خدائے تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے اس لیے طبیب کا اصل لقب پانے کے لیے اسی کی ذات پاک موزوں ہے وہ بھلا طبیب ہونے کا کیا دعویٰ کر سکتا ہے جس کو مرض اور منبع شفاء کے درمیان بھی تمیز نہ ہو۔

عرفی نظر میں گو کسی انسان کو طبیب کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن آپ نے تنبیہ فرمائی کہ ایک مؤمن کے قلب میں توحید کا نقش ایسا گہرا ہونا چاہیے کہ اس کی نظر میں ایک قابل سے قابل طبیب کی حیثیت بھی ایک ضعیف رفیق کی رہ جائے اور طبیب کا لقب صرف اس ذات کے ساتھ مخصوص نظر آئے جو شفاء و مرض کا سررشتہ ہے۔

طبیب و رفیق کا یہ فرق صرف وقتی اور لفظی نہ تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص صحابہ کی رگ و پے میں اس طرح بقیہ ....

روایتہ رَأَیۡتُ عَلٰی کَتِفِہٖ مِثۡلَ التُّفَاحَۃِ قَالَ اَبِیۡ اِنِّیۡ طَبِیۡبٌ اَلَا اُطِبُّھَا لَکَ فَقَالَ طَبِیۡبُھَا الَّذِیۡ خَلَقَھَا. (رواہ احمد و اخرجہ صاحب المشکاۃ فی باب القصاص)

ہے- دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ میں نے آپ ؐ کے بازو مبارک کی جانب سیب کی طرح اُبھری ہوئی ایک چیز دیکھی (یعنی مُہر نبوت) تو میرے والد نے عرض کیا میں طبیب ہوں ارشاد ہوتو میں اس کا علاج کردوں آپ نے فرمایا اس کا طبیب تو وہی ہے جس نے اس کو پیدا فرمایا ہے- (احمد)

.....سرایت کرگیا تھا کہ جب ان میں کسی کسی سے بیماری میں طبیب کی طرف مراجعت کے لیے کہا جاتا تو تمام طبیبوں سے بے نیاز ہوکر وہ صرف ایک طبیب حقیقی ہی کو یاد کرتا- چنانچہ شمس الائمہ کردی امام اعظمؒ کے مناقب میں لکھتے ہیں کہ جب صدیق اکبر کی علالت میں کسی طبیب کے بلانے کے لیے ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہ فرما کر روک دیا کہ الطبیب امرضنی (مناقب الامام الاعظم ج ص ۷) طبیب (حقیقی ہی نے تو مجھے بیمار ڈالا ہے حافظ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اس واقعہ کو حسب ذیل تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے-

و اخرج ابن سعد و ابن ابی الدنیا عن ابی السفر قال دخلوا علی ابی بکر فی مرضہ فقالوا یا خلیفۃ رسول اللّٰہ الا ندعولک طبیبا ینظر الیک قال لا قد نظر الی فقالوا ما قال لک قال انی فعال لما یرید. (تاریخ الخلفاء ص ۶۰)

''ابن سعد اور ابن ابی الدنیا نے ابوالسفر سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی دورانِ علالت میں صحابہ کرام ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کیا اے خدا کے رسول کے خلیفہ! ارشاد ہوتو ہم کسی طبیب کو بلا کر آپؐ کو دکھادیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں' طبیب (حقیقی) مجھے دیکھ چکا ہے انہوں نے پوچھا تو پھر اس نے دیکھ کر کیا کہا- فرمایا یہ کہا ہے کہ جوارادہ ہم کر لیتے ہیں پھر وہی کر کے رہتے ہیں''-

حافظ ابن کثیرؒ نے اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت ابن مسعودؓ کا نقل کیا ہے-

و قد شھد ابن مسعود بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مواقف کثیرۃ منھا الیرموک و غیرھا و کان قدم من العراق حاجا فمر بالربذۃ فشھد و فاۃ ابی ذر و دفنہ ثم قدم الی المدینۃ فمرض بھا فجاءہ عثمان عائدا فیروی انہ قال لہ ماتشتکی قال ذنوبی قال فما تشتھی قال رحمۃ ربی قال الا امرلک بطبیب فقال الطبیب امرضنی فقال الا امرک بعطائک و کان قدترکہ سنتین فقال لا حاجۃ لی فیہ فقال یکون لبناتک بعدک قال اتخشی علی نباتی الفقرانی امرت بناتی ان یقرأن کل لیلۃ سورۃ الواقعہ و انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من قرأ الواقعۃ کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابدا. (البدایہ و النہایہ ج ۷ ص ۱۶۳)

''حضرت ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی بہت سے غزوات میں شریک ہوئے ہیں ان میں سے ایک غزوۂ یرموک بھی تھا- یہ حج کر کے عراق سے واپس آرہے تھے جب مقام ربذہ پر گذرے تو (ان کو معلوم ہوا کہ ابوذرؓ اس جہانِ فانی سے گذر رہے ہیں) یہ ان کی وفات میں شریک ہوئے اور ان کو دفن کر کے پھر مدینہ طیبہ آئے اور یہاں آ کر بیمار پڑ گئے- حضرت عثمان غنیؓ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے- بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ان سے پوچھا آپ کو کیا تکلیف ہے فرمایا اپنے گناہوں کی- حضرت عثمانؓ نے فرمایا تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا اپنے پروردگار کی رحمت- حضرت عثمانؓ نے فرمایا آپ کے لیے کسی طبیب کو نہ بلائیں انہوں نے جواب دیا کہ طبیب ہی نے تو مجھے بیمار ڈالا ہے پھر حضرت .....

النهي عن التسمية بملك الاملاك

شہنشاہ نام رکھنے کی ممانعت

(۷۲۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْنَى الْاَسْمَاءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ يُسَمّٰى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ. (رواه البخاری و فی روایة مسلم قَالَ اَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اَخْبَثُهٗ رَجُلٌ كَانَ يُسَمّٰى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ لَا مَلِكَ اِلَّا اللّٰهُ)

(۷۲۶) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل شرم وہ شخص ہوگا جس کا نام ملک الاملاک ہو (شہنشاہ) - (بخاری شریف) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں آتا ہے قیامت میں جس شخص پر اللہ تعالیٰ کو سخت غصہ آئے گا اور وہ سب سے بدتر ہوگا وہ شخص جس کا نام شاہان شاہ رکھا جائے- حالانکہ دراصل شاہی صرف خدائے تعالیٰ کے لیے ہے-

النهي عن التكني بابي الحكم

ابوالحکم کنیت رکھنے کی ممانعت

(۷۲۷) عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِیءٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ

(۷۲۷) شریح بن ہانی اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ جب

☆ ....عثمانؓ نے فرمایا آپ کا وظیفہ نہ جاری کردوں یہ دو سال سے سرکاری وظیفہ چھوڑ چکے تھے فرمایا مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے حضرت عثمانؓ نے فرمایا تو آپ کی لڑکیوں کے کام آجائے گا- فرمایا کیا آپ کو میری لڑکیوں کے متعلق احتیاج کا خطرہ ہے (سن لیجئے!) میں ان سے تاکید کر چکا ہوں کہ وہ ہر شب سورۂ الواقعہ پڑھ لیا کریں اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو ہر شب سورۃ الواقعہ پڑھتا رہے گا اس کو کبھی فاقہ نہ ہوگا- (البدایہ والنہایہ)

ان اولوالعزم اور مقدس ہستیوں کے بعد جب امت کے دوسرے جانفروشوں کا دور شروع ہوا تو انہوں نے بھی اپنے اپنے زمانہ میں دنیا کے تمام طبیبوں سے بے نیاز ہو کر طبیب حقیقی ہی کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے ؎

اے طبیب جملہ علت ہائے ما　　　اے تو افلاطون و جالینوس ما

یہ تمام تاثرات جواب تک آپ نے ملاحظہ فرمائے قرآن کی اس ایک آیت کی تفسیر ہیں:

﴿وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴾ (الشعراء: ۸۰) (جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے-)

(۷۲۶) ☆ ہمارے دور میں اسماء میں کوئی تاثیر ہی نہیں سمجھی جاتی مگر شریعت یہ کہتی ہے کہ ان کو بھی نفس کی اصلاح و تخریب میں بہت بڑا دخل ہے انسان کو ایسے نام رکھنے چاہئیں جو اس کے ضعف و نقصان پر شاہد رہیں- ان کے ہمہ وقت استعمال سے ہر وقت آپ کے نفس پر نقص در نقص ہونے کا اثر پڑتا رہے اس کے برخلاف ایسے اسماء جو کمالات میں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ کمال کے معنی پر مشتمل ہوں اس کے لیے موزوں نہیں کیونکہ پہلے تو وہ اس کی ناقص ہستی کا صحیح تعارف نہیں بن سکتے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ خالق کے اسماء مبارکہ کے ساتھ ٹکرا جاتے ہیں ایک ذلیل مخلوق کے لیے یہ کتنا نامناسب ہے کہ وہ اس عزیز و جبار ہستی کے ناموں میں اپنا حصہ جالڑائے جو اس کی خالق ہے- خلاصہ یہ کہ جو اسماء خالق کے لیے معروف ہو چکے ہیں ان کا استعمال مخلوقات کے دائرہ میں ممنوع ہے اور اسی طرح جو اسماء مخلوق کے دائرہ میں معروف ہو چکے ہیں ان کا اطلاق بارگاہ بے نیاز میں ممنوع ہے- یہاں صرف لفظی صلاحیت کافی نہیں کچھ ادب بھی ملحوظ رہنا چاہیے اور اس طرح مخلوق و خالق کے مابین جہاں ذاتی اور صفاتی شرکت نہیں وہاں اسمی شرکت بھی ختم ہو جانی چاہیے-

لَـمَّا وَفَـدَ اِلَـى رَسُـوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ قَوْمِهٖ سَمِعَهُمْ يَكْنُوْنَهٗ بِاَبِي الْحَكَمِ فَـدَعَاهُ رَسُـوْلُ الـلّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَـقَـالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَكَمُ وَ اِلَيْهِ الْحُكْمُ فَلِمَ تُـكَـنّٰـى اَبَا الْحَكَمِ قَالَ اِنَّ قَوْمِيْ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِيْ شَيْءٍ اَتَوْنِيْ فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ فَرَضِيَ كِلَا الْـفَـرِيْـقَيْنِ بِحُكْمِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحْسَنَ هٰذَا فَمَالَكَ مِنَ الْوَلَدِ قَالَ لِيْ شُرَيْحٌ وَ مُسْلِمٌ وَ عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ فَـمَنْ اَكْبَرُهُـمْ قَالَ قُلْتُ شُرَيْحٌ قَالَ فَاَنْتَ اَبُوْ شُرَيْحٍ.

(رواه ابو داؤد و النسائی)

وہ اپنی قوم کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سنا کہ وہ لوگ ان کو ابوالحکم کی کنیت سے بلاتے تھے آپ نے ان کو بلایا اور فرمایا (دیکھو) الحکم تو اللہ کا نام ہے اور اس لیے ہے کہ تمام جہان کا مقدمہ فیصلہ کرنے والا وہی ہوگا ۔تم کہو تمہاری کنیت ابوالحکم کیسے پڑی انہوں نے عرض کیا کہ قصہ یہ ہے کہ میری قوم کے لوگ جب کبھی کسی معاملہ میں اپنا جھگڑا لے کر میرے پاس آجاتے تو میں ان کے باہم ایسا فیصلہ کر دیتا کہ دونوں فریق اس سے خوش ہو جاتے اس لیے میری کنیت ابوالحکم پڑ گئی) آپ نے فرمایا یہ بات تو بہت اچھی ہے (مگر اس پر بھی مخلوق کو اپنے خالق کے نام کی کنیت رکھنا بڑی نازیبا حرکت ہے) یہ بتاؤ کہ تمہارے کتنے بچے ہیں، یہ بولے تین ہیں۔ شریح، مسلم، عبداللہ۔ آپ نے پوچھا ان میں سب سے بڑا کون ہے یہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا شریح ۔فرمایا اچھا جاؤ تو تمہاری کنیت ابوشریح ہے۔ (کہ یہ درست بھی ہے اور عرب کے دستور کے مطابق بھی) (ابوداؤد، نسائی)

ينبغي للمؤمن ان يجتنب رسوم الجاهلية و ان لم تكن كفرا

مؤمن کو چاہیے کہ وہ زمانہ کفر کی عادتوں سے دُور رہے اگرچہ وہ کفر کی حد تک نہ ہوں۔

(۷۲۸) عَنِ الْـمَـعْـرُوْرِ قَالَ لَقِيْتُ اَبَا ذَرٍّ رَضِـيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بِالرَّبْذَةِ وَ عَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلٰى غُلَامِهٖ حُلَّةٌ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ

(۷۲۸) معرورؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوذرؓ سے مقام ربذہ میں ملاقات کی۔ وہ ان کا غلام ایک ہی قسم کا حلّہ پہنے ہوئے تھے (حلّہ ایسی چادر اور لنگی کو کہتے ہیں جو ایک ہی قسم کی ہوں) میں نے ان سے اس یک رنگی کا سبب پوچھا اس پر انہوں نے یہ

---

(۷۲۸) * ابوذرؓ کے اس واقعہ کو امام بخاریؒ نے کتاب الادب میں ذرا تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں اتنا اور مذکور ہے کان بيني و بين رجل كلام و كانت امه اعجمية فنلت منها یعنی میرے اور ایک شخص کے درمیان کچھ تیز تیز باتیں ہوگئیں اس کی والدہ عجمی عورت تھی میں نے عرب کے خیال کے موافق اس کی نسبت کو ازراہِ تحقیر ادا کیا اس پر آپ نے فرمایا انک امرؤ فیک جاهلية ابوذرؓ تجھ میں ابھی تک وہی زمانہ جاہلیت کی خو بو چلی جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا علی ساعتی هذه من كبر السن "قال نعم ۔کیا اب تک جب کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا جی ہاں ابھی تک۔

ماں کی عار دلانا اگرچہ کفر تو نہیں مگر اسلامی اخلاق کی بات بھی نہیں۔ اسلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ ایک مسلمان کو کفر تو کفر عادات کفر سے بھی علیحدہ رہنا چاہیے۔ اسلام و کفر صرف چند اچھے یا برے عقائد ہی کا نام نہیں بلکہ ان عقائد کے ساتھ کچھ مخصوص افعال و شعائر کا نام بھی ہے جو ان عقائد کے لازمی اثرات ہوتے ہیں مثلاً جس کے قلب و دماغ میں توحید کا نقش قائم ہو چکا ہے ضروری ہے کہ اس کے افعال میں بھی اس نقش کے اثرات نمایاں ہوں وہ اپنی عبادات میں ایک ہی خدا کا تصور رکھے مصیبتوں میں اسی کو پکارے اور اسی کے سامنے ←.....

اِنِّیْ سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِاُمِّهٖ فَقَالَ لِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ عَيَّرْتَهُ بِاُمِّهٖ اِنَّکَ امْرَءٌ فِيْکَ جَاهِلِيَّةٌ اِخْوَانُکُمْ خَوَلُکُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْکُمْ فَمَنْ کَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَاْکُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَ لَا تُکَلِّفُوْهُمْ مِمَّا يَغْلِبُهُمْ فَاِنْ کَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِيْنُوْهُمْ.

(رواه البخاری)

واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے غلام کو کچھ سخت وسست کہا اور اس سلسلہ میں اس کو ماں کی عار دلائی (یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی) تو آپ نے فرمایا ابوذر! کیا تم نے اس کو اس کی ماں کی عار دلائی ہے ابھی تک تم میں جاہلیت کی خوبو باقی ہے تمہارے غلام دراصل تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے (صرف کفر کی پاداش میں) انہیں تمہارا زیردست بنا دیا ہے تو جس شخص کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو اسے چاہیے کہ جو خود کھائے اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے (اس لیے میں نے وہی حلہ اس کو پہنایا ہے جو خود پہنا ہے) اور دیکھو اپنے غلاموں سے وہ کام نہ لو جو (ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور) انہیں عاجز کر دے اور اگر کوئی ایسا کام لو تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ (بخاری شریف)

(۴۷۹) عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاکِ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْحَرَ اِبِلًا بِبُوَانَةَ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ هَلْ کَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ کَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ قَالُوْا لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْفِ بِنَذْرِکَ فَاِنَّهٗ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِیْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَ لَا فِيْمَا لَا يَمْلِکُ ابْنُ اٰدَمَ.

(رواه ابو داؤد و روی رزین نحوه قصة امرءة)

(۴۷۹) ثابت بن ضحاک روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ نذر کی تھی کہ وہ مقام بوانہ میں ایک اونٹ کی قربانی کرے گا۔ وہ آپ کے پاس آیا اور اپنی نذر کا قصہ بیان کیا آپ نے پوچھا کیا اس مقام پر زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت رکھا تھا جس کی پوجا کی جاتی ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا اچھا وہاں کا فر کوئی عید منایا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو (جاؤ) اپنی نذر ادا کر دو کیونکہ جو نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے ہو وہ پوری نہیں کرنی چاہیے اور نہ وہ جس کا ابن آدم خود مالک نہ ہو۔ (ابوداؤد)

لـه ...... عجز و انکسار کا سر جھکائے۔ اس کے برخلاف جس کا نفس نجاست کفر و شرک سے آلودہ ہو چکا ہے اس کے افعال میں بھی اس آلودگی کے نشانات پائے جانے ضروری ہیں۔ حدیث مذکور کہتی ہے کہ وہ اسلام کچھ خوش نما اسلام نہیں جس کے ساتھ رسوم جاہلیت اور زمانہ کفر کی بدعادات بدستور قائم رہیں اب اسے چاہیے کہ ان تمام رسوم کو کلیۃً ترک کر دے اور کفر کا کوئی تسمہ لگا نہ رکھے۔ آپ نے یہاں ابوذر کو یہ تنبیہ فرمائی کہ اب زیبائش اسلام کے بعد کفر کے دور کی خامیاں تم پر زیب نہیں دیتیں۔

(۴۷۹) * اس شخص نے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے قربانی کی نذر کی تھی مگر صرف اس لیے کہ عہد جاہلیت ابھی بہت قریب گذرا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ نذر اسلامی کی ادائیگی میں زمانہ جاہلیت کے ساتھ کوئی مشابہت پیدا ہو جائے اس لیے آپ نے تحقیق کے بغیر اس جگہ نذر اسلامی ادا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اوقات مکروہہ میں نماز کی ممانعت بھی اسی مشابہت سے اجتناب پر مبنی ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہ کفار کی عبادت کا وقت ہوتا ہے لہٰذا تم اس وقت عبادت مت کرو۔ ایام حج میں کفار کا یہ دستور تھا کہ مزدلفہ سے طلوع آفتاب کے بعد روانہ ہوتے لـه ......

(۷۳۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ اِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا لَا يُفِيْضُوْنَ مِنْ جَمْعٍ حَتّٰى تَشْرُقَ عَلٰى ثَبِيْرَ فَخَالَفَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَفَاضَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ. (رواہ البخاری وغیرہ)

(۷۳۰) عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مشرکین مزدلفہ سے اس وقت تک واپس نہیں ہوتے تھے جب تک کہ آفتاب ثبیر پہاڑ پر چمکنے نہ لگتا تھا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طریقے کی مخالفت کی اور آپ آفتاب طلوع ہونے سے قبل مزدلفہ سے روانہ ہو گئے - (بخاری شریف)

(۷۳۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ عُكَاظُ وَ مَجِنَّةُ وَ ذُوالْمَجَازِ اَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ تَاَثَّمُوْا مِنَ التِّجَارَةِ فِيْهَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْ مَوَاسِمِ الْحَجِّ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَذَا. (رواہ البخاری)

(۷۳۱) حضرت ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں عکاظ مجنۃ اور ذوالمجاز میں بازار لگا کرتے تھے جب اسلام کا زمانہ آیا تو صحابہؓ نے ان بازاروں میں تجارت کرنا گناہ سمجھا - اس پر یہ آیت نازل ہوگئی - (اگر تم ان بازاروں میں تجارت کرو) تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے یعنی حج کے ایام میں - ابن عباسؓ اس لفظ کو (بطور تفسیر) پڑھ دیا کرتے تھے - (بخاری شریف)

(۷۳۲) عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ دَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ عَلٰى امْرَءَةٍ مِنْ اَحْمَسَ يُقَالُ لَهَا زَيْنَبُ فَرَاٰهَا لَا تَكَلَّمُ قَالُوْا حَجَّتْ مُصْمِتَةً

(۷۳۲) قیس بن ابی حازم روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر قبیلہ احمس کی ایک عورت کی طرف گذرے اس کو زینب کہتے تھے دیکھا تو اس نے بات چیت کرنا بند کر رکھا تھا لوگوں نے کہا کہ اس نے خاموش رہ کر حج کرنے کا

لله ..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی مخالفت کرو اور طلوع آفتاب سے قبل ہی روانہ ہو جایا کرو لیکن اس مخالفت کی حدود کہاں تک ہیں یہ بہت اہم مسئلہ ہے مخالفت' محرف اور نامعقول امور میں کی جائے گی نہ کہ مشروع اور معقول باتوں میں بھی -

(۷۳۱) ٭ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ حج کے موسم میں مقام عکاظ میں ایک بازار یکم ذیقعدہ کو لگتا بیس دن کے بعد پھر یکم ذی الحجہ تک وہ بازار مقام مجنہ میں لگتا اس کے بعد ۸ ذی الحجہ تک ذوالمجاز میں لگتا اس کے بعد لوگ منیٰ جایا کرتے تھے - ان بازاروں میں عرب اپنے آباء واجداد کے مفاخر بیان کیا کرتے تھے اس لیے یہ بازار زمانہ کفر کی ایک یادگار بن گئے تھے -

قسطلانی لکھتے ہیں کہ یہ بازار خوارج کے زمانہ تک لگتے رہے - ۱۲۹ھ میں سب سے پہلے عکاظ کا بازار اُکھڑا پھر مجنہ کا بازار اُکھڑا اور آخر میں ذوالمجاز کا بازار بھی اُکھڑ گیا -

جب اسلام کا دور آیا تو ایام حج میں پھر ان ہی بازاروں میں تجارت کرنا صحابہ کو تشبہ بالکفار معلوم ہونے لگا - قرآن کریم نے یہ فیصلہ کیا کہ تجارت ایک معاشی چیز ہے عبادات سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لیے یہاں اپنے معاش کا سامان کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں اور نہ تشبہ کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق ہے -

(۷۳۲) ٭ اس عورت کی یہ جرأت آمیز گفتگو دیکھئے اور حضرت ابوبکرؓ کا عاجزانہ جواب ملاحظہ فرمایئے تو یہ بخوبی واضح ہو جائے گا کہ ملوکیت اور اسلامی خلافت میں کتنا تفاوت ہے - یہاں خلیفہ اول کو اپنے متعلق یہ وسوسہ بھی نہیں گذرتا کہ وہ عام انسانوں سے کوئی علیحدہ امتیازی شان بھی رکھتا ہے وہ ایک عورت کے سوال کرنے پر اپنا تعارف عام سے عام صورت میں پیش کرتا ہے اور جب بہت مجبور لله .....

22

فَقَالَ لَهَا تَكَلَّمِيُ فَاِنَّ هٰذَا لَا يَحِلُّ. هٰذَا مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ فَتَكَلَّمَتُ فَقَالَتُ مَنُ اَنْتَ قَالَ اِمْرَأٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ قَالَتْ اَيُّ الْمُهَاجِرِيْنَ قَالَ مِنْ قُرَيْشٍ قَالَتْ مِنْ اَيِّ قُرَيْشٍ اَنْتَ قَالَ اِنَّكِ لَسَئُوْلٌ اَنَا اَبُوْبَكْرٍ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) قَالَتْ مَا بَقَاؤُنَا عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ الصَّالِحِ الَّذِيْ جَاءَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْدَ الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ بَقَاءُ كُمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِكُمْ اَئِمَّتُكُمْ قَالَتْ وَ مَا الْاَئِمَّةُ قَالَ اَمَا كَانَ لِقَوْمِكِ رُؤُسٌ وَ اَشْرَافٌ يَأْمُرُوْنَهُمْ فَيُطِيْعُوْنَهُمْ قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَهُمْ اُولٰئِكَ عَلَى النَّاسِ. (رواہ البخاری)

ارادہ کیا ہے آپ نے اس سے کہابی بی بولو یہ خاموشی ناجائز خاموشی ہے یہ جاہلیت کی حرکت ہے اس نے بولنا شروع کر دیا اور ابوبکر سے پوچھا آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا ایک مہاجر آدمی ہوں وہ بولی مہاجرین میں کس قبیلہ کے ہیں فرمایا قبیلہ قریش کا اس نے کہا آخر قریش میں آپ کون ہیں؟ فرمایا تو تو بڑی سوال کرنے والی عورت معلوم ہوتی ہے (سن) میں ہوں ابوبکرؓ اس کے بعد اس نے پوچھا فرمایئے ہم لوگ اس عمدہ دین پر جو جاہلیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرحمت فرمایا ہے کب تک قائم رہیں گے فرمایا جب تک تمہارے امام تمہیں سیدھے سیدھے لیے چلے جائیں گے اس نے پوچھا اماموں سے آپ کی کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا کیا تیری قوم میں پہلے ایسے سردار نہ ہوتے تھے جو لوگوں کو حکم دیتے ہوں اور لوگ ان کے احکام مانتے ہوں‘ اس نے کہا بے شک ہوتے تھے فرمایا تو پھر اماموں سے یہی حاکم لوگ مراد ہیں۔ (بخاری شریف)

(۷۳۳) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَ اَبِيْ بَرْزَةَ قَالَا خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰى قَوْمًا قَدْ طَرَحُوْا اَرْدِيَتَهُمْ يَمْشُوْنَ فِيْ قُمُصٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِفِعْلِ الْجَاهِلِيَّةِ تَأْخُذُوْنَ اَوْ

(۷۳۳) عمران بن حصینؓ اور ابو برزہؓ روایت فرماتے ہیں کہ وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جنازہ میں شرکت کے لیے نکلے تو آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے اپنی چادریں اتار کر پھینک دی ہیں اور صرف قمیصوں میں ننگے (جنازہ کے ساتھ ساتھ) جا رہے ہیں آپ نے فرمایا اچھا کیا یہ جاہلیت کے طریقے سیکھ رہے ہو یا جاہلیت کے رنگ ڈھنگ

ؒ ……ہو جاتا ہے تو صرف اپنا نام بتا کر خاموش ہو جاتا ہے۔ ملوکیت کا دماغ ان عاجزانہ کلمات سے آشنا نہیں ہوتا۔ پھر ابوبکر کی تقریر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کی نظر قوموں کے اسبابِ عروج و زوال پر کتنی گہری تھی انہوں نے اسلام کے عروج و نزول کے متعلق چند جملوں میں وہ سب کچھ کہہ دیا جو زمانہ ماضی کی تاریخ کے مفصل مطالعہ کے بعد کہا جا سکتا تھا۔ انہوں نے اجتماعی اور انفرادی زندگی کی خصوصیات کو بھی خوب سمجھا اور فرمایا کہ مسلمانوں کی حیات اجتماعی کی ترقی ان کے امام کے دم سے وابستہ ہے جب اماموں کی رفتار بگڑ جائے تو اسلام کے اجتماعی نظام کا بھی خاتمہ سمجھ لینا چاہیے اس کے بعد اگر کوئی خیر باقی رہے گی تو وہ صرف انفرادی خیر ہوگی۔ انفرادی خیر صرف اس شخص کی ذات تک محدود ہوتی ہے‘ قومی حیات سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام کے بغیر مسلمانوں میں اجتماعی حیات پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(۷۳۳) * عرب فطرۃً درشت خصلت تھے نوحہ کی رسوم ان کی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے تھیں۔ نباضِ فطرت رسول نے چاہا کہ ان کے مزاج کے مناسب ان کو تنبیہ کرے اور ایسی تنبیہ کرے کہ یہ رسوم جاہلیت ان کی سرشت سے ہمیشہ کے لیے نکل جائیں۔

بِضَيعِ الْجَاهِلِيَّةِ تَشَبَّهُوْنَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَدْعُوَ عَلَيْكُمْ دَعْوَةً تَرْجِعُوْنَ فِيْ غَيْرِ صُوَرِكُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا اَرْدِيَتَهُمْ وَ لَمْ يَعُوْدُوْا لِذَالِكَ. (رواه ابن ماجه)

سے مشابہت مقصود ہے- میرے دل میں آیا تھا کہ میں تمہیں ایسی بد دعا دوں کہ تمہاری صورتیں بگڑ جائیں- راوی بیان کرتا ہے کہ (یہ سن کر) انہوں نے (چپکے سے) اپنی اپنی چادریں سنبھال لیں اور پھر کبھی ایسی حرکت کی جرأت نہ کی- (ابن ماجہ)

(۷۳۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعٰى بَدْعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ. (متفق عليه)

(۷۳۴) عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اپنے رخساروں کو پیٹے اور گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے زمانہ کی طرح چیخ و پکار کی آوازیں نکالے اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں- (متفق علیہ)

(۷۳۵) عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ عَاشُوْرَاءَ يَوْمٌ تَصُوْمُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ صَامَهُ وَ اَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَهُ وَ مَنْ شَاءَ لَا يَصُوْمُهُ. (رواه البخاری وغيره)

(۷۳۵) حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش دسویں محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود اس دن روزہ رکھتے تھے- جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے خود اس دن کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا لیکن جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہو گئے تو پھر جس نے چاہا یہ روزہ رکھا اور جس نے چاہا نہ رکھا- (بخاری شریف)

(۷۳۶) عَنْ اَبِيْ وَاقِدِ اللَّيْثِيِّ اَنَّهُمْ خَرَجُوْا مِنْ مَكَّةَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى حُنَيْنٍ قَالَ وَ كَانَ لِلْكُفَّارِ سِدْرَةٌ يَعْكُفُوْنَ عِنْدَهَا وَيُعَلِّقُوْنَ بِهَا اَسْلِحَتَهُمْ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ اَنْوَاطٍ قَالَ فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةٍ خَضْرَاءَ عَظِيْمَةٍ قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَقَالَ قُلْتُمْ وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى

(۷۳۶) ابو واقد لیثی بیان کرتے ہیں کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حنین کی جانب روانہ ہوئے- راوی کہتا ہے کہ کفار نے ایک بیری کا درخت مقرر کر رکھا تھا یہاں آ کر وہ ٹھہرا کرتے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے- اسی مناسبت سے اس کو ''ذاتِ انواط'' (یعنی ہتھیاروں کے لٹکانے کا درخت) کہا جاتا تھا- راوی کہتا ہے کہ جب صحابہ ایک کیکر کے درخت کے پاس سے گذرے جو بہت بڑا اور سرسبز و شاداب تھا تو بولے یا رسول اللہ ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک ''ذاتِ انواط'' مقرر کر دیجئے جیسا مشرکوں کے لیے ہے- آپؐ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے

---

(۷۳۵) * یہ روزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از خود رکھا کرتے تھے اگر کفار کسی اچھے کام میں شریک رہیں تو ان کی مخالفت میں اچھا کام ترک نہیں کیا جائے گا- اسی لیے مخالفت اور موافقت کے حدود پہچاننے کے لیے بڑا علم درکار ہے۔

نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

لِمُوْسٰی اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَا هُمْ فِيْهِ وَ بَاطِلٌ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (رواہ ابن کثیر ج ٤ ص ۲۳۸ و ابن جریر و احمد و ابن ابی حاتم)

قبضہ میں میری جان ہے یہ بات تو تم نے ایسی ہی کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (ایک قوم کو بت پرستی کرتا دیکھ کر) کہی تھی کہ اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دے جیسا ان کا ہے- موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ بڑے ہی جاہل ہو- (ابن کثیر)

(۷۳۷) عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ السَّبْتِ وَ يَوْمَ الْاَحَدِ اَكْثَرَ مَا يَصُوْمُ مِنَ الْاَيَّامِ وَ يَقُوْلُ اِنَّهَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اُخَالِفَهُمْ. (رواہ احمد)

(۷۳۷) ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ روزے شنبہ اور یک شنبہ کے دن رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دو دن مشرکین کے عید منانے کے ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کیا کروں- (احمد)

(۷۳۸) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ يَتَسَرْوَلُوْنَ وَ لَا يَاْتَزِرُوْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَرْوَلُوْا وَ اْتَزِرُوْا وَ خَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ. (رواہ احمد)

(۷۳۸) ابو امامہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب پاجامہ پہنتے ہیں اور ازار نہیں پہنتے (ہم کیا کریں) آپ نے فرمایا تم پاجامہ اور ازار دونوں پہنا کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو- (احمد)

---

(۷۳۷) * ایک دور تھا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت کرنا پسند فرمایا کرتے کہ شاید یہ بدبخت رسول عربی کے ان اخلاق سے کچھ فائدہ اٹھائیں اور اسلام کو اپنے قریب تر دیکھ کر اس کو قبول کرلیں لیکن جب آپ کی ملاطفت نے ان پر کوئی اثر نہ کیا تو پھر آپ نے اس طریقہ کو چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا جس سے امتیاز بین الشرائع کا دوسرا اصل فائدہ پورا ہو جہاں تک یاد ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس تغیر کی تاریخ فتح مکہ تحریر فرمائی ہے اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے کس حد تک سلسلہ ملاطفت جاری رکھا اور آخر تنگ آکر بالکل آخر دور میں دوسری راہ اختیار فرمائی حدیثوں میں تصریح ہے کہ آپ کی موافقت کا دائرہ صرف ان امور تک محدود تھا جن میں آپ کی مخصوص شریعت نازل نہ ہوتی اور جہاں نازل ہو جاتی پھر کسی کی موافقت و عدم موافقت کا کوئی سوال ہی نہ ہوتا-

(۷۳۸) * یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہیے کہ شریعت نے کسی موقعہ پر بھی کسی قوم کی نفس مخالفت کرنی اپنا نصب العین نہیں بتایا بلکہ ہمیشہ اس نے ایک نہایت معتدل اور خوب صورت عمل کی تعلیم دی ہے جس کو اس قوم نے ناحق چھوڑ رکھا تھا' اسی عمل کی اس نے تاکید فرمائی ہاں اس کا عنوان ضرور مخالف رکھا ہے- اسی مذکورہ بالا چھوٹی سی جزئی کو لے لیجئے اگر شریعت کا نصب العین صرف مخالفت ہوتا تو یہاں آپؐ پاجامہ پہننے کی بھی ممانعت فرما دیتے مگر آپؐ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اہل کتاب کا پاجامہ پہننے سے بے وجہ احتراز کرنا چونکہ خود ایک نامعقول حرکت تھی اس لیے آپؐ نے ازار و پاجامہ ہر دو پہننے کی اجازت دے دی اور اسی کا عنوان مخالفت رکھا- اسی طرح اس سے پہلی حدیث میں شنبہ اور یکشنبہ کے دن روزہ رکھنے میں دراصل صرف مخالفت مطلوب نہ تھی بلکہ اس پر تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ یہود و نصاریٰ نے یوم عید کے انتخاب میں ایک اصولی اور قومی غلطی کھائی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوم عید کے انتخاب کرنے میں قوموں کا امتحان لیا گیا تھا سب لله.....

(۷۳۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ اَوْفِرُوا اللُّحٰى وَ احْفُوا الشَّوَارِبَ. (متفق علیه)

(۷۳۹) ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی معاشرت اور طور طریق میں مشرکین سے جدا رہو' اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں ترشواؤ۔ (متفق علیہ)

(۷۴۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَجُوْسَ فَقَالَ اِنَّهُمْ يُوَفِّرُوْنَ سِبَالَهُمْ وَ يَحْلِقُوْنَ لُحَاهُمْ وَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْتَقْرِضُ سَبْلَتَهٗ فَيَجُزُّهَا كَمَا تُجَزُّ الشَّاةُ. (رواه فی الحلیه کما فی الرحمة المهداة)

(۷۴۰) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ اپنی مونچھوں کے دو طرفہ بال لمبے لمبے رکھتے ہیں اور اپنی ڈاڑھیاں منڈاتے ہیں اسی لیے ابن عمر اپنی مونچھیں اس طرح باریک کر دیتے تھے جیسے بکری کے بال باریک کرا دیئے جاتے ہیں۔ (الرحمۃ المہداۃ)

(۷۴۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى لاَ يَصْبِغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ. (متفق علیه)

(۷۴۱) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود اور نصاریٰ خضاب نہیں کرتے اس لیے تم اپنی ہیئت ان سے جدا رکھو اور خضاب کیا کرو۔ (متفق علیہ)

ﷺ .... نے غلطی کھائی صرف امت محمدیہ کامیاب رہی۔ درحقیقت وہ دن جمعہ کا دن تھا پھر کسی نے اس کو شنبہ اور کسی نے یکشنبہ بنا لیا۔ اب سوچئے کہ اس مقصد کے پیش نظر روزہ رکھ کر مخالفت کس درجہ اہم ہو گئی۔ اسی طرح اس باب کی جملہ حدیثوں کو قیاس کر لیجئے ہر جگہ کسی نہ کسی اہم غلطی کی اصلاح مدنظر رہی ہے مگر اس کا عنوان مخالفت اس لیے رکھا گیا کہ یہ بات پوری وضاحت سے ثابت ہو جائے کہ اب وہ کتاب آ چکی ہے جو جملہ ادیان کی ناسخ ہے اگر اصول میں وہ پہلی کتابوں کی مصدق ہے تو فروع میں ان کے لیے ناسخ ہونے کا بھی حق رکھتی ہے اور اس کے ان ہر دو پہلوؤں میں اس کے کمال ہی کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ حکم ہے کہیں موافقت اور کہیں مخالفت۔ یہ دونوں اس کے حق ہیں۔ بہر حال مخالفت صرف عنوان میں ہے ورنہ دراصل مخالفت کے مرتکب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک معقول طریقہ کو چھوڑ کر غیر معقول طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں کی تکمیل شریعت کے لیے لازم ہے اسی طرح حق کی موافقت اور ناحق کی مخالفت کرنی دونوں احقاق کے لیے ضروری ہیں مخالفت کے صرف عنوان سے بدکنا نہیں چاہیے بلکہ اس پر غور کرنا چاہیے کہ جہاں مخالفت کا امر آیا ہے وہ مقام درحقیقت مخالفت کا محل ہے بھی یا نہیں پھر جہاں مخالفت کی حکمت آپ کی فہم میں نہ آ سکے اس کو اہل علم سے دریافت کر لیجئے صرف اپنی عقل نارسا اور علم ناتمام پر فیصلہ کر ڈالنا بھی انصاف نہیں وفوق کل ذی علم علیم۔

(۷۴۰) ٭ اس ہیئت کا حکم بھی صرف مخالفت کی بنا پر نہیں تھا بلکہ دراصل یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک سنت تھی تمام عرب ان ہی کا متبع تھا اور دین محمدی کی زمین بھی یہی ملت ابراہیمی ہے۔ یہ پہلے گذر چکا ہے کہ ملت ابراہیمی کو دین فطرت کہا گیا ہے اس لیے ان امور کا اختیار کرنا فطرت کے مطابق اور ان کا ترک فطرت کی مخالفت پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ اگر فرنچ کٹ ڈاڑھی اور کرزن فیشن مونچھوں میں کوئی عظمت پنہاں ہے تو ملت ساویہ کے ماننے والوں میں اسوۂ ابراہیمی کی اتباع میں اس سے زیادہ عظمت پنہاں ہے اب جس کو جس کی طرف انتساب کا شوق ہو وہ جائے۔ اگر کسی بدنصیب مسلمان کو کسی وحشی انگریز کی اتباع ہی میں اپنی شان نظر آتی ہو تو اس کا علاج مناظرہ نہیں دعا ہے۔ دوسری قوموں کی نقالی کون سی فلسفیانہ بات ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور فلسفہ بیان کیا جائے۔

(۷۴۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غَیِّرُوا الشَّیْبَ وَ لَا تَشَبَّهُوْا بِالْیَهُوْدِ. (رواہ الترمذی و رواہ النسائی عن ابن عمرو الزبیر)

(۷۴۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کے ساتھ مشابہت پیدا نہ کرو اور بڑھاپے کی سفیدی ذرا خضاب لگا کر بدل لیا کرو۔

(ترمذی-نسائی)

(۷۴۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْکِتَابِ فِیْمَالَمْ یُؤْمَرْ فِیْهِ وَ کَانَ اَهْلُ الْکِتَابِ یَسْدِلُوْنَ اَشْعَارَهُمْ وَ کَانَ الْمُشْرِکُوْنَ یُفَرِّقُوْنَ رُءُوْسَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَاصِیَتَهُ ثُمَّ فَرَّقَ بَعْدُ. (متفق علیه)

(۷۴۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جن باتوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نازل نہ ہوتی اس میں آپؐ مشرکین کی بہ نسبت اہل کتاب کی موافقت کرنی زیادہ پسند فرماتے تھے-اہل کتاب کا دستور یہ تھا کہ وہ پیشانی کے بال سامنے لٹکاتے اور مشرکین بیچ سے مانگ نکالتے-آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول کے ماتحت پہلے اپنے بال پیشانی پر لٹکائے پھر بعد میں مانگ نکالنا شروع کردی-(متفق علیہ)

(۷۴۴) عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانَ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰی اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ فَحَدَّثَتْنِیْ الْمُغِیْرَةُ قَالَتْ وَ اَنْتَ یَوْمَئِذٍ غُلَامٌ وَ لَکَ قَرْنَانِ اَوْ قُصَّتَانِ فَمَسَحَ رَأْسَکَ وَ بَرَّکَ عَلَیْکَ وَ قَالَ احْلِقُوْا هٰذَیْنِ اَوْ قُصُّوْهُمَا فَاِنَّ هٰذَا زِیُّ الْیَهُوْدِ. (رواہ ابو داؤد)

(۷۴۴) حجاج بن حسان کہتے ہیں کہ ہم انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اس وقت میری ہمشیرہ مغیرہ نے فرمایا کہ تم اس وقت بچہ تھے اور تمہارے سر پر بالوں کے دو گچھے تھے-انہوں نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعاء برکت فرمائی اور فرمایا یا تو ان دونوں کو منڈوا دو یا کٹوا دو کیونکہ یہ طریقہ تو یہود کا ہے-

(ابوداؤد)

(۷۴۵) عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّمْ یَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهٖ فَلَیْسَ مِنَّا. (رواہ احمد و الترمذی)

(۷۴۵) زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنی مونچھوں کے بال نہ ترشوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے-

(احمد-ترمذی)

(۷۴۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُصُّ اَوْ یَأْخُذُ مِنْ شَارِبِهٖ وَ کَانَ اِبْرَاهِیْمُ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ (صلوات الرحمٰن علیه) یفعله (رواہ الترمذی)

(۷۴۶) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھوں کے بال ترشوایا کرتے تھے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ایسا ہی کرتے تھے-

(ترمذی)

---

(۷۴۲) * اگر شریعت کسی مکروہ شکل کے بدلنے اور کسی معقول صورت کے اختیار کرنے کا نام مخالفت رکھتی ہے تو کیا صرف لفظ مخالفت کی وجہ سے اس پر آپ کو کوئی اعتراض ہونا چاہیے یا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نامعقول امور کی مخالفت ہی حقانیت مذہب کی سب سے بڑی دلیل ہے-

(۷۴۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَاى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَىَّ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهُمَا وَ فِى رِوَايَةٍ اِغْسِلْهُمَا قَالَ بَلْ اِحْرِقْهُمَا. (رواه مسلم)

(۷۴۷) عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم پر دو زرد رنگ کے معصفر میں رنگے ہوئے کپڑے دیکھے تو فرمایا یہ کفار کا لباس ہے ان کو مت پہنو- ایک روایت میں ہے میں نے عرض کیا ان کو دھلوالوں؟ فرمایا بلکہ جلا دو-

(مسلم شریف)

(۷۴۸) عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا رَفَعَ الْحَدِيْثَ اَنَّهٗ كَانَ يَأْمُرُ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ وَ قَالَ مَنْ تَرَكَهُنَّ خَشْيَةَ ثَائِرٍ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه فى شرح السنه)

(۷۴۸) عکرمہؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں جہاں تک میرا گمان ہے انہوں نے یہ مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہی نقل کیا تھا کہ آپؐ سانپوں کے مارنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو ان کے انتقام کے ڈر سے انہیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں- (شرح السنہ)

(۷۴۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَالَمْنَاهُمْ مُنْذُ حَارَبْنَاهُمْ وَ مَنْ تَرَكَ شَيْئًا مِنْهُمْ خِيْفَةً فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه ابو داؤد)

(۷۴۹) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (سانپوں سے ہماری جنگ فطری ہے- جنگ کے بعد سے کبھی ہم نے صلح نہیں کی جو ڈر کے مارے انہیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں-)

(ابوداؤد)

(۷۵۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوا الْحَيَّاتِ كُلَّهُنَّ فَمَنْ خَافَ ثَارَهُنَّ فَلَيْسَ مِنِّىْ.

(رواه ابو داؤد و النسائى)

(۷۵۰) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قسم کے سانپوں کو مار دیا کرو جو ان کے بدلہ کے خوف سے ڈر جائے وہ ہمارے مشرب کا آدمی نہیں-

(ابوداؤد و نسائی)

(۷۵۱) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه مسلم)

(۷۵۱) سلمہ بن اکوع روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمانوں پر تلوار نکال لے وہ ہم میں سے نہیں ہے-

(مسلم شریف)

(۷۵۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ

(۷۵۲) ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان

---

(۷۵۰) ٭ جس طرح کسی کی حد سے زیادہ تعظیم اس کی عبادت کا ذریعہ بن جاتی ہے اسی طرح حد سے زیادہ خوف بھی عبادت کا ذریعہ ہو جاتا ہے- چنانچہ اہل ہنود کی جماعت سانپوں کو بھی دیوتا کہتی ہے- اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں خدا کی محبت اور اس کا خوف اتنا غالب ہو جانا چاہیے کہ اس کے سامنے ساری محبتیں اور سارے خوف دل سے نکل جائیں- شرک صرف یہ نہیں کہ ذات و صفات ہی میں شرکت کا اعتقاد رکھا جائے بلکہ حقوق الوہیت میں شرکت بھی شرک ہے-

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواہ البخاری و زاد مسلم من غشنا فلیس منا)

کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو مسلمانوں پر تلوار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں (بخاری شریف) مسلم شریف میں اس پر اتنا اضافہ اور ہے کہ جو ہمیں دھوکہ دے وہ بھی ہم میں سے نہیں۔

(۷۵۳) عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ اِمْرَاَةً عَلٰى زَوْجِهَا اَوْ عَبْدًا عَلٰى سَيِّدِهٖ. (رواہ ابو داؤد)

(۷۵۳) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے شوہر یا کسی غلام کو اس کے آقا کی طرف سے بھڑکائے۔ (ابوداؤد)

(۷۵۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُنْتَهِبِ قَطْعٌ وَ مَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً مَشْهُوْرَةً فَلَيْسَ مِنَّا. (رواہ ابو داؤد)

(۷۵۴) جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ مار کرنے والے کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں اور جو دن دہاڑے یہ جرم کرے گا وہ ہم میں سے نہیں (اگر چہ اس پر سارق کا اطلاق نہ ہونے کی وجہ سے حد سرقہ قائم نہ ہو سکے) (ابوداؤد)

(۷۵۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ لَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً. (رواہ ابوداؤد)

(۷۵۵) جبیر بن مطعم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صرف قومی عصبیت کی دعوت دے اور صرف عصبیت کی بنا پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

(۷۵۶) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْعَصَبِيَّةُ قَالَ اَنْ تُعِيْنَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ. (رواہ ابوداؤد)

(۷۵۶) واثلہ بن اسقع بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عصبیت کی کیا تعریف ہے فرمایا یہ کہ تو ظلم پر بھی اپنی قوم کی مدد پر اڑا رہے۔ (ابوداؤد)

(۷۵۷) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَصَرَ قَوْمَهٗ عَلٰى غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ كَالْبَعِيْرِ الَّذِيْ اَرْدٰى فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنَبِهٖ. (رواہ ابوداؤد)

(۷۵۷) ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے جو شخص حق کے خلاف میں بھی اپنی قوم کی مدد پر اڑا رہے اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو کہیں اوندھا گر جائے پھر اس کو دُم پکڑ کر نکالنا چاہیں (اور وہ نکل نہ سکے)۔ (ابوداؤد)

(۷۵۸) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ كَثِيْرَةَ الشَّامِيِّ مِنْ اَهْلِ فَلَسْطِيْنَ عَنْ اِمْرَءَةٍ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهَا فُسَيْلَةُ اَنَّهَا

(۷۵۸) عبادہ بن کثیر شامی فلسطین کے باشندے اپنے ہی قبیلہ کی ایک عورت سے روایت کرتے ہیں جس کا نام فسیلہ تھا وہ بیان کرتی ہے کہ میں

---

(۷۵۳) * یعنی جو شخص معاشرتی زندگی کو گندہ کرنے کے درپے ہے وہ اسلام کے لیے ایک بدنما داغ ہے اسلام میں تمدنی اور معاشرتی زندگی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اسی لیے وہ شخص جو اسلام کی اجتماعی وحدت میں خلل انداز ہو مسلمانوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہوتا۔

قَالَتْ سَمِعْتُ اَبِيْ يَقُوْلُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمِنَ الْعَصَبِيَّةِ اَنْ يُحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهُ قَالَ لَا وَ لٰكِنْ مِنَ الْعَصَبِيَّةِ اَنْ يَنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ عَلَى الظُّلْمِ. (رواہ احمد و ابن ماجه)

نے خود اپنے باپ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا اپنی قوم سے محبت کرنی بھی عصبیت میں داخل ہے فرمایا قطعاً نہیں۔ عصبیت یہ ہے کہ اپنی قوم کی ظلم پر بھی مدد کرے۔

(احمد۔ابن ماجہ)

(۷۵۹) عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشَمٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمُ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيْرَتِهِ مَالَمْ يَأْثَمْ. (رواہ ابوداؤد)

(۷۵۹) سراقہ بن مالک بن جعشم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم میں وہ شخص سب سے اچھا ہے جو اپنے قبیلہ کی طرف سے جواب دہی کرے جب تک کہ اس میں گناہ نہ ہو۔ (ابوداؤد)

(۷۶۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ يَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَائِهِمُ الَّذِيْنَ مَاتُوْا اِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ جَهَنَّمَ اَوْ لَيَكُوْنَنَّ اَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِيْ يُدَهْدِهُ الْخَرَاءَ بِاَنْفِهِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ فَخْرَهَا بِالْاٰبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ اَوْ فَاجِرٌ شَقِيٌّ النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ.

(رواہ الترمذی و ابوداؤد)

(۷۶۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ یا تو لوگ اپنے ان باپ دادوں پر فخر کرنے سے باز آ جائیں جو مر چکے ہیں اور دوزخ میں جل کر کوئلہ بن چکے ہیں نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کیڑے سے بڑھ کر ذلیل ہو کر رہیں گے جو اپنی ناک سے پاخانہ ہٹا ہٹا کر چلتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کے باپ دادوں پر فخر کرنے سے روک دیا ہے۔ اب (قومیت کی تقسیم نہیں ہے) صرف دو قسمیں ہیں یا متقی مومن' یا شقی فاجر۔ سب لوگ ایک آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان کی حقیقت یہ تھی کہ وہ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ (پھر یہ نقصان سب ہی میں ہے اب باہم فخر کرنے کی بات کیا رہی)۔ (ترمذی۔ابوداؤد)

(۷۶۱) عَنْ اَبِيْ عُقْبَةَ وَ كَانَ مَوْلًى مِنْ اَهْلِ فَارِسَ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحُدًا فَضَرَبْتُ رَجُلًا مِنَ

(۷۶۱) ابوعقبہ فارس کے غلام تھے یہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ اُحد میں شریک ہوا ہوں۔ میں نے ایک مشرک کے تلوار ماری اور یہ کہا کہ میں فارسی بچہ ہوں' یہ ضرب میری جانب سے لیتا

---

(۷۶۱) * مذکورہ بالا حدیثوں میں جہاں جہاں لیس منا (ہم میں سے نہیں) کا کلمہ آ گیا ہے علماء نے اس کی مختلف مرادیں تحریر فرمائی ہیں یہاں سب سے اچھی شرح امام طحاویؒ کی معلوم ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہی کلمہ قرآن کریم میں دو جگہ استعمال ہوا ہے۔

(۱). ﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ﴾ (البقرة : ۱۴۹)

''جس نے اس نہر کا پانی پیا وہ ہمارا نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بے شک ہمارا ہے''۔

(۲). ﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (ابراھیم : ۳۶)

''جس نے میرا اتباع کیا وہ ہمارا ہے اور جس نے نافرمانی کی تو بے شک تو بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے''۔ ....

الْمُشْرِكِيْنَ فَقُلْتُ خُذْهَا مِنِّیْ وَ اَنَا الْغُلَامُ الْفَارِسِیُّ فَالْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ هَلَّا قُلْتَ خُذْهَا مِنِّیْ وَ اَنَا الْغُلَامُ الْاَنْصَارِیُّ. (رواه ابو داؤد)

جا- آپ فوراً میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا تو نے اس کے بجائے یہ کیوں نہ کہا کہ میں انصاری بچہ ہوں یہ ضرب میری جانب سے لیتا جا- (ابوداؤد)

(۷۶۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَیْرِنَا لَا تَشَبَّهُوْا

(۷۶۲) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دوسروں کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے اس لیے تم سلام کرنے میں نہ تو یہود کی

لل ..... ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص نبی کے حکم اور اس کی شریعت کا متبع ہوتا ہے وہ اس کا اور اس کی جماعت کا فرد شمار ہوتا ہے اور جو اس کا متبع نہیں ہوتا وہ اس کا جماعتی آدمی نہیں سمجھا جاتا- پس بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو اسلامی شریعت سے کسی ایسے نہج کا علاقہ ہوتا ہے کہ اس سے علیحدگی گویا اسلامی معاشرت سے علیحدگی تصور کی جاتی ہے ایسے موقعہ پر حدیث اس کلمہ کا اطلاق کر دیتی ہے- اگر یہ علیحدگی اور بڑھ جائے تو کفر کی حد تک بھی پہنچ سکتی ہے اور اسی معنی سے حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کے متعلق ارشاد ہوا-

﴿اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ (ھود: ۴۶) ''وہ تمہارے گھر کا آدمی نہیں''-

لہٰذا اس تعبیر سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ وہ صرف کسی بے عنوانی تک جا کر نہیں ٹھہرتی- بلکہ بعض مرتبہ اس سے آگے بھی تجاوز کر سکتی ہے-

(۷۶۲) ٭ حافظ ابن تیمیہؒ کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم سے معلوم ہوتا ہے کہ تشبہ بالکفار کا تعلق اضطراری یا ان اختیاری افعال کے ساتھ نہیں ہے جو انسان کے فطری تقاضہ سے سرزد ہوتے ہیں بلکہ یا تو صرف عبادات کے ساتھ ہے یا اگر وہ عادات اور معاشرت سے متعلق ہیں تو پھر ان کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ افعال ایسے ہیں جو خود قبیح ہیں جیسے ٹخنوں سے نیچا یا ریشمیں کپڑا پہننا یا کوئی اور ایسی حرکت جس سے باطل معبودوں کی کوئی عظمت ظاہر ہوتی ہو اس قسم کے امور تو فی نفسہٖ بھی ممنوع ہوں گے اور ان میں شبہ بالکفار ان کے لیے دوسری وجہ ممانعت رہے گی- اور اگر وہ امور ایسے ہیں جن میں فی نفسہٖ کوئی قباحت نہ ہو تو اگر وہ کسی قوم کا شعار بن چکے ہوں یعنی کسی قوم کے ساتھ اس طرح مخصوص ہو چکے ہوں کہ ان کا اختیار کرنے والا بظاہر اسی قوم کا فرد معلوم ہوتا ہو تو ان میں بھی تشبہ ممنوع ہو گا اور اگر وہ امور مباح ہیں اور کسی کا شعار نہیں تو پھر اگر ہمارے پاس ان کا بدل موجود ہے تو پھر بھی ان کا ترک کر دینا اولیٰ وانسب ہو گا کہ یہی اسلامی غیرت کا تقاضا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کے ہاتھ میں ایک فارسی طرز کی کمان دیکھی تو فرمایا اپنے ہاتھ میں یہ کیا لیے ہوئے ہے ایسی عربی طرز کی کمان رکھ جیسی میرے ہاتھ میں ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں فتوحات نصیب فرمائی ہیں اور اگر وہ اشیاء ایسی ہیں- جن کا ہمارے پاس کوئی بدل نہیں جیسا جدید مصنوعات تو ان کے استعمال میں کوئی مضایقہ نہیں بشرطیکہ ان میں تشبہ کی نیت نہ ہو اور اگر ان کے استعمال میں کفار کے ساتھ تشبہ ہی کی نیت ہو تو وہ بھی ممنوع ہوں گے- قال فی البحر اعلم ان التشبه باهل الكتاب لایكره فی كل شیء فانا ناكل و تشرب كما یفعلون انما الحرام التشبه فیما كان مذموما و فیما یقصد به التشبه. اھ اس باب کی اصل روح یہ ہے کہ قوموں کی معاشرہ اور ان کا تمدن جب مشترک ہو جاتا ہے تو پھر اس کی سرحدیں بہت جلد مذہب اور دین سے بھی ٹکرانے لگتی ہیں کیونکہ اسلام کا دائرہ ایسا وسیع ہے جس سے ہمارا تمدن بھی خارج نہیں ہے اس لیے معاشرت کے عام شعبوں میں تشبہ بالکفار سے بھی اسلامی معاشرت کے ساتھ ٹکراؤ پیدا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ یہ ٹکر عبادات کی حدود میں بھی ہونے لگتی ہے اور شدہ شدہ دین لل .....

بِالْيَهُوْدِ وَ لَا بِالنَّصَارٰى فَاِنَّ تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ الْاِشَارَةُ بِالْاَصَابِعِ وَ تَسْلِيْمَ النَّصَارٰى الْاِشَارَةُ بِالْاَكُفِّ.

مشابہت اختیار کرو نہ نصاریٰ کی- یہود تو سلام کے لیے انگلی کا اشارہ کرتے ہیں اور نصاریٰ اپنی ہتھیلی کا- (تم صرف لفظ السلام علیکم پر کفایت کیا کرو- ضرورت ہو تو دوسری بات ہے)- (ترمذی شریف)

(رواه الترمذی و قال اسناده ضعيف قال علی القاری فی المرقاة و لعل وجهه انه من عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده و فيه خلاف و قد اسنده السيوطی فی الجامع الصغير الی ابن عمر فارتفع النزاع)

(۷۶۳) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا فِى الْجَاهِلِيَّةِ نَقُوْلُ اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا وَ اَنْعِمْ صَبَاحًا فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ نُهِيْنَا عَنْ ذَالِكَ. (رواه ابوداؤد)

(۷۶۳) عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہم سلام کے موقعہ پر یوں کہا کرتے کہ خدائے تعالیٰ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور اطمینان و آرام کے ساتھ تمہیں صبح نصیب ہو- جب اسلام کا دور آیا تو اس نے ہم کو اس طریقہ سے روک دیا- (اور اس کے بجائے السلام علیکم کا لفظ تعلیم کیا)- (ابوداؤد)

(۷۶۴) عَنْ عَقِيْلِ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ قَالَ اَنَّهٗ

(۷۶۴) عقیل بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انہوں نے قبیلہ بنی جشم کی

لـــه ..... اسلام کی صورت ہی مسخ ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے- یہی حکمت ہے کہ شریعت نے ان امور سے بھی احتراز کرنا لازمی قرار دیا ہے جو کسی پہلو سے مشتبہ الحکم ہوں خواہ ان میں کفار کے ساتھ کوئی تشبہ بھی نہ پایا جائے- پس مسئلہ تشبہ کی بنیاد صرف کفار کے ساتھ مخالفت پر نہیں بلکہ دراصل دین کی حدود کے تحفظ پر ہے یہی وجہ ہے کہ ایک عورت کو مرد کے ساتھ اور ایک مرد کو عورت کے ساتھ تشبہ کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے اگر چہ وہ دونوں مسلمان ہوں اسی طرح اس کی بنیاد کسی تنگ نظری پر بھی نہیں ہے بلکہ اگر کوئی حقیقت اپنی کوئی صورت فی نفسہا رکھتی ہے تو جب تک اس کے حدود ممتاز و متمیز نہ ہوں وہ دوسری حقیقت سے ممتاز ہو ہی نہیں سکتی- چنانچہ خارجی اشیاء کا باہم امتیاز بھی ان کے حدود کے تحفظ ہی پر موقوف ہے- ایک ملک دوسرے ملک سے ایک دریا دوسرے دریا سے' ایک درخت دوسرے درخت سے اور ایک حیوان دوسرے حیوان سے اپنی الگ الگ شکل و صورت کی بدولت ہی ممتاز نظر آتے ہیں پس جس طرح ان کے یہ امتیازات کسی تعصب یا مخالفت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنی اپنی حقیقت کے تحفظ کی بنیاد پر ہیں- اسی طرح دین و مذہب کی حدود کا تحفظ بھی کسی تعصب پر مبنی نہیں بلکہ صرف اپنی حقیقی شکل و صورت کے تحفظ پر مبنی ہے اور اگر بالفرض اسلام کے لیے کفر کے ساتھ تشبہ کی کوئی وجہ جواز پیدا کر لی جائے تو پھر ان دو دینوں کو ایک دین کہنے کے لیے کوئی وجہ ممانعت نہیں نکل سکتی- الحاصل مسئلہ تشبہ کی مخالفت نہ تو کسی دلیل پر مبنی ہے اور نہ کسی عمیق سیاست پر بلکہ صرف اس حقیقت کے عمق سے ناواقفی پر مبنی ہے جس سے ادیان کا امتیاز قائم رہ سکتا ہے جہاں تک مجھے خیال آتا ہے محقق ابن خلدون نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جب کسی قوم سے قومی تعصب نکل جاتا ہے تو وہ بہت جلد فنا ہو جاتی ہے لیکن اسلام نے عصبیت سے تو روکا ہے- مگر تشبہ بالکفار کی بھی اجازت نہیں دی عصبیت اور تشبہ کا فرق آپ اس باب کی احادیث کے ضمن میں معلوم کر لیں گے- واللہ اعلم بالصواب.

(۷۶۳) * عرب کا طریقہ تھا کہ جب وہ کہیں غارت گری کرتے تو صبح ہی کے وقت کرتے اس لیے ان کے مذاق کے مطابق یہ لفظ دعا عافیت کے مرادف تھے اسلام نے ان الفاظ سے روکا کیونکہ اس میں ایک بری رسم کی یاد تازہ ہوتی ہے- آج کل انگریزی زبان میں سلام کے موقعہ پر جو الفاظ مستعمل ہوتے ہیں وہ بھی اسی کے ہم معنی ہیں- اب اس کا فیصلہ خود آپ ہی فرمالیجئے کہ جب یہ مضمون عربی زبان میں پسندیدہ نہیں تو کیا انگریزی زبان میں پسندیدہ ہوگا-

تَزَوَّجَ امْرَءَةً مِنْ بَنِیْ جُشَمٍ فَقَالُوْا بِالرَّفَاءِ وَ الْبَنِیْنَ فَقَالُوْا لَا تَقُوْلُوْا هٰكَذَا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْا كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ وَ بَارِكْ عَلَیْهِمْ. (رواه النسائی و ابن ماجه و احمد بمعناه)

ایک عورت سے نکاح کیا تو لوگوں نے ان کو مبارکبادی دینے کے لیے وہی الفاظ کہے جو اس موقعہ پر زمانہ جاہلیت میں کہے جاتے تھے یعنی نکاح مبارک ہو اور باہم انس و محبت اور اولاد نرینہ نصیب ہو۔ اس پر دوسرے لوگوں نے کہا یوں مت کہو بلکہ وہ کلمات کہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں- اے اللہ ان کے نکاح میں برکت دے۔ اور خود ان کے اوپر بھی برکت نازل فرما- (نسائی - ابن ماجہ - احمد)

(۷۶۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ وَ لَهُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْیَوْمَانِ قَالَ كُنَّا نَلْعَبُ فِیْهِمَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَ لَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَیْرًا مِنْهُمَا یَوْمُ الْاَضْحٰی وَ یَوْمُ الْفِطْرِ. (ابوداؤد)

(۷۶۵) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت ان کے یہاں (سال میں) دو دن مقرر تھے جن میں وہ خوشی منایا کرتے تھے آپؐ نے پوچھا یہ دو دن کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ہم ان میں زمانہ جاہلیت سے خوشی مناتے آئے ہیں- آپؐ نے فرمایا اب اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں تمہاری خوشی منانے کے لیے اس سے بہتر دو دن مقرر فرما دیئے ہیں ایک عید قربان کا دوم عید فطر کا- (ابوداؤد)

(۷۶۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعَ وَ لَا عَتِیْرَةَ قَالَ وَ الْفَرَعُ اَوَّلُ كَانَ یُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوْا یَذْبَحُوْنَهٗ لِطَوَاغِیْتِهِمْ وَ الْعَتِیْرَةُ فِیْ رَجَبَ. (متفق علیه)

(۷۶۶) ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ فرع اور عتیرہ اسلام میں کوئی چیز نہیں (فرع) جانور کے اس پہلے بچہ کو کہتے ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جاتا تھا اور عتیرہ وہ ہوتا تھا جو رجب میں بتوں کے نام پر ذبح ہوتا تھا- (متفق علیہ)

(۷۶۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۷۶۷) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

---

(۷۶۵) * اہل اسلام کے ایام عید ان کی خاص خاص عبادتوں کی یادگاریں ہیں ان میں مسرت اور خوشی منانا صرف ایک پیرایہ ہے ان کی اصل حقیقت عبادت ہے- پس کفار کے ایام عید کو ان ایام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے ان کی حقیقت آخرت سے غفلت اور لہو و لعب ہے اور ان ایام کی حقیقت تکبیرات اور ذکر اللہ- سوچو کہ جس قوم کی مسرت و خوشی میں بھی عبادت کی حقیقت پنہاں ہو اس کی عبادت کی حقیقت کیا ہوگی۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

یہ بہت بڑی غفلت اور جہالت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے ایام عید کو بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک تہوار سمجھ لیا ہے- تمہارے ان ایام میں خوشی منانے کی اصل روح یہ ہے کہ تم نے ان ایام میں ایک بڑے شرعی پروگرام کی تکمیل کی ہے اس لیے اس خوشی میں بھی ذکر و عبادت کی شان غالب ہونی چاہیے نہ کہ لہو و لعب کی-

(۷۶۷) * اسلام میں حفاظت حدود کی بڑی تاکید کی گئی ہے خواہ وہ ایام ہوں یا ایام میں ساعات کیونکہ جب قوم میں کسی اجنبی تمدن اجنبی معاشرت یا مذہبی اثرات کا شکار ہوتی ہیں تو سب سے پہلے اس کا اثر ان حدود ہی کے اندر ظاہر ہوتا ہے پہلے یہ حدود ہی مٹتی ہیں اور پھر.....

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ الدِّیْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْیَهُوْدَ وَ النَّصَارٰی یُؤَخِّرُوْنَ. (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں دیر نہ کریں گے' دین اسلام برابر غالب رہے گا کیونکہ یہود ونصاریٰ دیر سے افطار کرتے تھے۔

(ابوداؤد- ابن ماجہ)

(۷۶۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِثْنَتَانِ فِی النَّاسِ هُمَا بِهِمْ کُفْرٌ الطَّعْنُ فِی النَّسَبِ وَ النِّیَاحَةُ عَلَی الْمَیِّتِ. (رواہ مسلم)

(۷۶۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں دو باتیں کفر کی ہیں نسب میں طعن کرنا اور مُردوں پر نوحہ کرنا۔

(مسلم شریف)

الرغبة عن الاباء و اباق العبد عن موالیه کفر

اپنے والد کے باپ ہونے سے انکار کرنا اور غلام کا اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جانا کفر کے ہم پلّہ ہے

(۷۶۹) عَنْ عِرَاکِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُرَیْرَةَ یَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِکُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِیْهِ فَهُوَ کُفْرٌ. (رواہ مسلم)

(۷۶۹) عراک بن مالکؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہؓ کو بیان کرتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے والد کی طرف انتساب سے نفرت نہ کیا کرو جس شخص نے (صرف فخر ومباہات کے لیے) اپنے والد سے رشتہ توڑا (اور کسی مشہور شخصیت سے جوڑا) تو یہ بھی ایک کفر کی بات ہے۔ (مسلم شریف)

(۷۷۰) عَنْ جَرِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةٌ و فی روایة عنه قَالَ اَیُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ

(۷۷۰) جریر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی کا غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جائے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے

..... جب یہ درمیانی حدود مٹنے لگتی ہیں تو پھر قوموں کے جملہ طور وطریق اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ ان میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا جس قوم کی یہ حدود پہلے مٹیں سمجھ لو کہ اس کی مغلوبیت کا آغاز ہو گیا ہے تعجیل فطر بھی ان حدود کی ایک کڑی ہے۔ جن گوشوں سے نصرانیت اسلام میں داخل ہو سکتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ عبادات میں روزہ ایک اہم عبادت ہے اس لیے اس میں بھی اپنی حدود سے تغافل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دوسرے گوشوں میں بھی خاصا خلل پیدا ہو چکا ہے۔

(۷۶۸) * اس قسم کی احادیث کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان عادات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ عرب کے مفاخر میں چونکہ نسب بھی شامل تھا اس لیے دوسروں کے نسبوں پر طعن کرنا بھی ان کی مغرورانہ شان کا ایک جزء بن گیا تھا نوحہ بھی ان کے نزدیک انسانی شرف و بزرگی کی نمائش کا ایک خاص طریق تھا یہ عارضی نمائشیں اسلامی مزاج کے موافق نہیں آتیں۔

(۷۶۹) * سب سے بڑا کفر یہ ہے کہ انسان اپنا رشتہ مخلوقیت خالق سے توڑ کر غیر خالق سے جوڑ لے اور دوسرے نمبر کا کفر یہ ہے کہ (محض بڑائی کی نیت سے) رشتہ دابنیت اپنی والد کے بجائے غیر والد کے ساتھ قائم کرے اسی کے قریب وہ غلام ہے جو اپنے آقا و مالک کو چھوڑ کر بھاگ جائے یا رشتہ مولات اپنے مالک کے سوا غیر مالک کے ساتھ قائم کرے۔

فَـقَـدْ بَـرِئَـتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ و في رواية عنه قَالَ اَيُّـمَـا عَبْـدٍ اَبَـقَ مِـنْ مَـوَالِيْـهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْهِمْ. (رواه مسلم)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے جب تک کہ اس کے پاس پھر واپس نہ آ جائے۔

(مسلم شریف)

لا ينبغي للمؤمن ان يقول انا برىء من الاسلام

یوں کہنا مؤمن کی شان کے خلاف ہے کہ اگر فلاں کام نہ کروں تو میں مسلمان نہیں

(۱۷۷) عَنْ بُـرَيْدَةَ قَـالَ قَـالَ رَسُـوْلُ اللّٰـهِ صَـلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ اَنَا بَرِیْءٌ مِنَ الْاِسْلَامِ فَـاِنْ كَـانَ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَ اِنْ كَانَ صَادِقًا فَلَنْ يَرْجِعَ اِلَى الْاِسْلَامِ سَالِمًا.

(رواه النسائي و ابوداؤد و ابن ماجه)

(۱۷۷) بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص یوں کہے کہ میں اسلام سے بیزار ہوں تو اگر اس نے یہ جھوٹ کہا تھا جب تو وہ درحقیقت مسلمان نہیں رہا اور اگر سچ کہا تھا جب بھی اس کا اسلام صحیح و سالم نہیں بچتا (کچھ نہ کچھ زخمی ہو جاتا ہے)۔

(ابوداؤد-نسائی-ابن ماجہ)

من رمى اخاه المسلم بالفسوق او الكفرار تد عليه

جو مسلمان بھائی پر بے بات فسق و کفر کی تہمت لگاتا ہے وہ لوٹ کر اسی پر آ پڑتی ہے

(۱۷۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْمِیْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوْقِ وَ لَا يَـرْمِيْـهِ بِـالْـكُـفْرِ اِلَّا ارْتَدَّ عَلَيْهِ اِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهٗ كَذَالِكَ. (رواه البخاري وغيره)

(۱۷۲) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کوئی شخص کسی پر فسق یا کفر کی تہمت نہیں لگاتا مگر وہ لوٹ کر اسی کے اوپر آ پڑتی ہے اگر وہ شخص جس کے سر یہ تہمت رکھی گئی ہے اس کا اہل نہیں ہوتا۔ (بخاری)

---

(۱۷۷) * مذکورۂ بالا مسئلہ کی صورت یوں بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص نے زید سے بات کی پھر یہ کہا کہ اگر میں نے زید سے بات کی ہو تو میں مسلمان نہیں تو اگر اس نے یہ جھوٹ دانستہ بولا ہے تو اس قسم کا مطلب یہی ہے کہ اس کے نزدیک اپنے اسلام کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور اگر وہ سچا تھا اور درحقیقت اس نے زید سے بات نہ کی تھی پھر بھی اس سے کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور برآمد ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک اسلام کسی نہ کسی صورت میں قابل ترک فرض کیا جا سکتا ہے۔ ایمان کی نزاکت بے تعلقی کی اتنی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتی۔ اسی طرح یوں قسم کھانا کہ اگر میں نے ایسا کیا ہو یا ایسا کروں تو مجھے مرتے دم ایمان نصیب نہ ہو بہت بے جا سخاوت ہے اسلام سے محرومی کسی صورت میں بھی قابل برداشت نہ ہونی چاہیے کامل مسلمان وہ ہے جو اپنی زندگی میں ہر بات کا تصور کر سکتا ہے مگر ترکِ ایمان کا تصور کبھی نہیں کر سکتا۔ وَ لَا تَـمُـوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُـم مُّسْلِمُوْنَ میں اسی عزیمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ورنہ اسلام پر موت کس کے بس کی بات ہے۔ اسلام انقیاد و اطاعت کے صرف چند کلمات کا نام ہے اسی لیے وہ اس کے خلاف چند کلمات کہنے سے مجروح بھی ہو جاتا ہے۔

(٧٧٣) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاَخِیْهِ یَا کَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهٖ اَحَدُهُمَا.

(رواہ البخاری وغیرہ)

(٧٧٣) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو او کافر! کہتا ہے تو دونوں میں سے ایک نہ ایک پر یہ کلمہ چسپاں ہو کر رہتا ہے۔

(بخاری شریف)

من کفر متا و لا او جا هلا لم یکفر

تاویل یا ناواقفی سے کسی کو کافر کہنا کفر نہیں

(٧٧٤) حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ کَانَ یُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ یَاْتِیْ قَوْمَهٗ فَیُصَلِّیْ بِهِمُ صَلٰوةً فَقَرَأَ بِهِمِ الْبَقَرَةَ قَالَ فَتَجَوَّزَ رَجُلٌ فَصَلّٰی صَلٰوةً خَفِیْفَةً فَبَلَغَ ذٰلِکَ مُعَاذًا فَقَالَ اِنَّهٗ مُنَافِقٌ فَبَلَغَ ذٰلِکَ الرَّجُلَ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا قَوْمٌ نَعْمَلُ بِاَیْدِیْنَا

(٧٧٤) جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ معاذ بن جبل کی یہ عادت تھی کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھتے اس کے بعد واپس آ کر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے ایک دن انہوں نے سورہ بقرہ پڑھی (ان کی اس لمبی قراءت کی وجہ سے) ایک شخص نے علیحدہ ہو کر ہلکی سی نماز پڑھ لی۔ معاذ کو بھی یہ خبر لگی تو فرمایا وہ منافق ہے یہ بات اس شخص کو معلوم ہوگئی یہ آپ کی خدمت میں جا پہنچا اور عرض کی یا رسول اللہ ہم کاروباری لوگ ہیں اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتے ہیں اور اونٹوں کے ذریعہ سے پانی بھرتے ہیں۔ آج شب معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

---

(٧٧٣) * احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کلمہ منہ سے نکلتا ہے وہ کبھی فناء نہیں ہوتا۔ ظاہر بین سمجھتا ہے کہ وہ صرف ایک سیال صورت تھی جو منہ سے نکلی اور فضاء عالم میں معدوم ہوگئی۔ لیکن حدیث یہ کہتی ہے کہ ایک ایک کلمہ جو کسی کے منہ سے نکلتا ہے وہ سب بدستور محفوظ رہتا ہے صرف کراماً کاتبین کے رجسٹروں میں نہیں بلکہ فضاء عالم میں بھی۔ ابوداؤد میں حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے تو یہ کلمہ سب سے پہلے آسمان کی طرف جاتا ہے جب اسے رحمت کی سمت جگہ نہیں ملتی تو زمین کی طرف آتا ہے پھر دائیں بائیں گھومتا ہے جب یہاں بھی جگہ نہیں ملتی تو اب خاص اس شخص کی طرف بڑھتا ہے جس پر یہ لعنت کی گئی تھی اگر وہ بھی اس کا اہل نہیں ہوتا تو آخر لوٹ کر خود لعنت کرنے والے کی طرف آ جاتا ہے۔

آدمی خیال کرتا ہے کہ اس کے اقوال و افعال حیوانات کی طرح کسی حساب میں نہیں حدیث سمجھاتی ہے کہ وہ سب سے اشرف نوع ہے اس کو اپنے ایک ایک حرف کا حساب دینا ہوگا۔ فقہاء نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے اور اسی لیے وہ کسی عاقل بالغ شخص کے کسی کلام کو تاامکان بیکار جانے نہیں دیتے کوئی نہ کوئی توجیہ نکال کر اس پر کوئی نہ کوئی حکم لگا ہی دیتے ہیں۔ کسی کو کافر کہنا کچھ ہنسی مذاق نہیں بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ یہ کلمہ معمولی بول چال میں بھی زبان پر لانے کے قابل نہیں ''یا کافر'' صرف ایک ندائیہ کلمہ ہے کوئی فتویٰ نہیں ہے لیکن بے محل اس کلمہ کا استعمال بھی اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا۔

(٧٧٤) * عہد نبوت میں جماعت میں شریک نہ ہونا نفاق کی کھلی علامت تھی یہاں اس شخص نے ایک معقول عذر کی بنا پر جماعت میں شرکت نہ کی مگر قوت عمل کے زمانہ میں معذوریوں کی طرف کس کا خیال جاتا اس لیے معاذ نے حسب ضابطہ اس کو بھی منافق کہہ دیا۔ لله ....

وَ نَسْقِيْ بِنَوا ضِحِنَا وَ اِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى بِنَا الْبَارِحَةَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ فَتَجَوَّزْتُ فَزَعَمَ اَنِّيْ مُنَافِقٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ ثَلاثًا اِقْرَأْ وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا وَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى.(رواه البخاري وغيره)

ہمیں نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرہ شروع کر دی اس لیے میں نے اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی اس پر معاذ خیال کرتے ہیں کہ میں منافق ہوں' آپؐ نے فرمایا معاذ کیا فتنہ برپا کرو گے۔ تین بار فرمایا۔ صرف وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى جیسی سورتیں پڑھ لیا کرو۔

(بخاری شریف)

ادمان الخمر يشبه عبادة الوثن

شراب نوشی کی عادت بت پرستی کے برابر ہے

(۷۷۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ اِنْ مَاتَ لَقِيَ اللّٰهَ كَعَابِدِ وَثَنٍ.

(۷۷۵) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرابی آدمی اگر مرے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک بت پرست کی طرح حاضر ہوگا۔ (احمد)

(رواه احمد و روى ابن ماجة عن ابى هريرة و البيهقى فى شعب الايمان عن محمد بن عبيد الله عن ابيه و قال ذكر البخارى فى التاريخ عن محمد بن عبدالله عن ابيه)

(۷۷۶) عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى (الْاَشْعَرِيِّ) اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ مَا اُبَالِيْ شَرِبْتُ الْخَمْرَ اَوْ عَبَدْتُ هٰذِهِ السَّارِيَةَ دُوْنَ اللّٰهِ. (رواه النسائى)

(۷۷۶) ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ شراب پی لوں یا خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر اس ستون کی عبادت کرلوں میں تو ان دونوں میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ (نسائی)

لايغفر لمشرك و لا لقاتل المؤمن عمدًا

مشرک اور مسلمان کے ناحق قاتل کی مغفرت نہ ہوگی

(۷۷۷) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّغْفِرَهُ اِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا اَوْ مَنْ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا.

(رواه ابو داؤد و روى النسائى عن معاوية)

(۷۷۷) ابوالدرداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید ہر گناہ کو بخش دے مگر جو شرک کی حالت میں مرجائے یا جان بوجھ کر کسی مسلمان کو ناحق قتل کر دے اس کی مغفرت کی کوئی توقع نہیں۔

(ابوداؤد - نسائی)

لله ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر تطویل قراءت پر تو خاص طور پر تنبیہ کی مگر منافق کہنے پر اتنی تنبیہ نہیں کی جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ میں بھی ان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منافق فرمانے پر بھی کوئی تنبیہ نہیں فرمائی کیونکہ ان مقامات پر منافق کہنا گو غلط تھا تاہم کچھ تاویل کی بنا پر تھا۔ اگر تاویل قابل نفاذ ہو تو قائل پر سخت گیری نہیں کی جاتی۔

23

نهي المؤمن عن تكثير سواد المشركين

مؤمن کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ مشرکین کی جماعت میں شامل رہ کر ان کی کثرت اور تقویت کا باعث بنے

(۷۷۸) عَنْ اَبِی الْاَسْوَدِ قَالَ قُطِعَ عَلٰی اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ بَعْثٌ فَاکْتُتِبْتُ فِیْهِ فَلَقِیْتُ عِکْرِمَةَ مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا فَاَخْبَرْتُهٗ فَنَهَانِیْ عَنْ ذٰلِکَ اَشَدَّ النَّهْیِ ثُمَّ قَالَ اَخْبَرَنِیْ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کَانُوْا مَعَ الْمُشْرِکِیْنَ یُکَثِّرُوْنَ سَوَادَ الْمُشْرِکِیْنَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْتِی السَّهْمُ فَیُرْمٰی بِهٖ فَیُصِیْبُ اَحَدَهُمْ فَیَقْتُلُهٗ اَوْ یُضْرَبُ فَیُقْتَلُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰئِکَةُ ظَالِمِیْ اَنْفُسِهِمْ الآیة.

(رواه البخاری)

(۷۷۸) عبدالرحمٰن ابوالاسود نے بیان کیا کہ اہل مدینہ نے اہل شام سے جنگ کے لیے ایک لشکر تیار کیا اس میں میرا نام بھی لکھا گیا میں نے حضرت ابن عباسؓ کے غلام عکرمہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے شدت سے منع فرما دیا اور یہ قصہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ مسلمان مشرکوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور ان کی وجہ سے جنگ کے موقعہ پر مشرکین کی جماعت کی تعداد میں اضافہ ہوتا تھا (اگر چہ ان کی دلی منشاء لڑنے کی نہیں تھی) ان میں ایک شخص کے تیر آ کر لگتا اور وہ ختم ہو جاتا یا تلوار سے زخمی ہوتا اور مر جاتا ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوگئی ان الذین توفا هم الملائکة' الخ وہ لوگ جن کی روحیں فرشتوں نے قبض کیں اس حالت میں کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے (کہ بوجہ ضعف ایمانی کے اپنے گھروں سے ہجرت نہ کرتے تھے جب وہ مرنے لگے) تو فرشتوں نے ان سے پوچھا تم کس حال میں تھے انہوں نے جواب دیا ہم اس ملک کے ضعیف اور بے بس باشندوں میں تھے (خوف کی وجہ سے اظہار اسلام بھی نہ کر سکتے تھے) فرشتوں نے کہا کیا تمہارے واسطے کہیں زمین ماری گئی تھی کہ تم وہاں ہجرت کر جاتے۔ (بخاری شریف)

(۷۷۹) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِکِیْنَ وَسَکَنَ مَعَهٗ فَهُوَ مِثْلُهٗ. (رواه ابو داؤد)

(۷۷۹) سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا رہنا سہنا مشرکوں کے ساتھ رہے وہ ان ہی کی مثل ہے۔ (ابوداؤد)

---

(۷۷۸) * اس واقعہ کے نقل کرنے سے عکرمہ کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کے لیے یہ پسند ہی نہیں فرمایا کہ وہ کسی باطل جماعت کے ساتھ شریک رہیں تو میں بھی موجودہ جنگ میں تمہاری شرکت پسند نہیں کرتا کیونکہ میرے نزدیک یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے اگر تم ان کے ساتھ رہو گے تو تمہاری وجہ سے کم از کم ان کو جماعتی شوکت تو حاصل ہوگی یہ بھی باطل کی اعانت میں شامل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے اختیار سے اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دی کہ مسلمان کفر کے زیر اقتدار رہنا بخوشی برداشت کرے اس کے یہ صرف دو راستے ہیں یا ہجرت کر جائے اور یا بدرجہ مجبوری کفر کے اقتدار سے آزادی کے لیے ہمہ وقت جدو جہد کرتا رہے۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ (مصحح)

23

(۷۸۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبَابَكْرٍ وَ عُمَرَ كَانُوْا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ لِاَنَّهُمْ هَجَرُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَكَانَ مِنَ الْاَنْصَارِ مُهَاجِرُوْنَ لِاَنَّ الْمَدِيْنَةَ كَانَتْ دَارَ شِرْكٍ فَجَاءُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ.

(رواه النسائی)

(۷۸۰) حضرت جابر بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر وعمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تو اس لیے مہاجر کہلائے کیونکہ انہوں نے مشرکین کو چھوڑ دیا تھا لیکن انصار میں بھی کچھ لوگ مہاجر تھے کیونکہ ابتداء میں مدینہ بھی دار شرک تھا- جب کچھ لوگ ان مشرکین کو چھوڑ کر لیلۃ العقبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے (تو اس لحاظ سے وہ بھی مہاجر کہلائے)-

(نسائی شریف)

(۷۸۱) عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَ النُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ وَ عَلٰى فِرَاقِ الْمُشْرِكِ وَ فِيْ لَفْظٍ عَلٰى اَنْ تُفَارِقَ الْمُشْرِكِيْنَ. (رواه النسائی)

(۷۸۱) جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امور ذیل پر بیعت کی تھی- نماز قائم کرنا' زکوۃ ادا کرنا ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا اور مشرکوں سے علیحدہ رہنا-

(نسائی شریف)

---

(۷۸۰) * ہجرت بظاہر ترکِ وطن کا نام ہے مگر ترکِ وطن کوئی مطلوب چیز نہیں- مکہ مکرمہ جیسا وطن ایسا وطن نہ تھا جس کو بخوشی کوئی ترک کر سکتا- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت مڑ مڑ کر مکہ مکرمہ کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے جاتے اور فرماتے جاتے اے شہر مکہ اگر میری قوم ہی مجھ کو تجھ سے زبردستی نہ نکالتی تو میں ہرگز اپنے اختیار سے تیرے سوا کہیں اور رہنا پسند نہ کرتا اس لیے ہجرت کی روح ترکِ وطن نہیں بلکہ شرک اور مشرک سے علیحدہ رہنا ہے جہاں شرک کا اقتدار ہو وہاں اسلامی حیات ہرگز نشو ونما نہیں پا سکتی اس حالت میں اسلام کی حفاظت صرف ہجرت سے ہوسکتی ہے- (فتح مکہ کے بعد مسئلہ ہجرت کا فیصلہ اس قدر تشنہ بیان سے نہیں ہو سکتا)- (مصحح)

(۷۸۱) * اسلام کے ابتدائی دور میں جب کہ تمام اقتدار کفر کے ہاتھ میں تھا مشرکوں سے علیحدہ رہنا بھی بیعت کا ایک اہم جزء قرار دے دیا گیا تھا- حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء یہود نے جب اپنی قوم کے زشت افعال کے باوجود ان سے متارکت اختیار نہ کی اور ان ہی کے ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ بنے رہے تو اس مداہنت کی وجہ سے بے دینی کے جراثیم ان میں بھی سرائیت کر گئے اور آخر کار وہ بھی لعنت کے تحت آ گئے- دوسروں نے اسی فلسفہ کے تحت چھوت کا مسئلہ ایجاد کیا تھا افسوس کہ انہوں نے تو ایک غلط قدم کو دین سمجھ لیا اور ہم نے دین کی ایک ضروری دفعہ کو تعصب سمجھ کر ترک کر دیا- یہاں ترجمان السنہ ج ۲ ص ۱۵۲ و ۱۵۳ بھی ملاحظہ کر لینا چاہیے-

التطير و تصديق الكاهن و نحوهما نوع من الشرك

بدفالی کا عقیدہ رکھنا اور کاہن کی تصدیق کرنا ایک قسم کا شرک ہے

(۷۸۲) عَنْ اُمِّ كُرْزٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَقِرُّوا الطَّيْرَ عَلٰى مَكِنَاتِهَا. (رواه ابو داؤد و الترمذی)

(۷۸۲) ام کرز روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ پرندوں کو اپنے گھونسلوں میں بیٹھا رہنے دو (اور انہیں اُڑا کر اچھی یا بری فال نہ لیا کرو)۔ (ابوداؤد۔ترمذی)

(۷۸۳) عَنْ قَبِيْصَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعِيَافَةُ وَ الطَّرْقُ وَ الطِّيَرَةُ مِنَ الْجِبْتِ. (رواه ابو داؤد)

(۷۸۳) قبیصہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کو اڑا کر عرب کے طریقے پر نیک فال لینا یا رمل کا عمل کرنا یا بدفالی یہ سب شرک کے عمل ہیں۔ (ابوداؤد)

(۷۸۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ قَالَ لَهٗ ثَلاَثًا. (رواه ابوداؤد و الترمذی)

(۷۸۴) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدفالی ایک قسم کا شرک ہے۔ تاکیداً تین بار یہی فرمایا۔ (ابوداؤد۔ترمذی)

(۷۸۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ اَوْ اَتٰى اِمْرَءَتَهٗ حَائِضًا اَوْ اَتٰى اِمْرَءَتَهٗ فِيْ دُبُرِهَا فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ(صلی الله علیه وسلم).

(رواه احمد و ابوداؤد)

(۷۸۵) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن کے (غیب کی خبریں بتانے والا) پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے یا ایام حیض میں اپنی بی بی سے صحبت کرے یا اس محل میں صحبت کرے جس میں صحبت کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو منع کیا ہے تو جو قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم پر) نازل ہوا تھا وہ اس سے علیحدہ ہو چکا۔ (احمد۔ابوداؤد)

(۷۸۶) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ. كُنَّا نَاْتِي الْكُهَّانَ قَالَ فَلاَتَاْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ ذَالِكَ شَيْءٌ يَجِدُهٗ اَحَدُكُمْ فِيْ نَفْسِهٖ فَلاَ يَصُدَّنَّكُمْ قَالَ قُلْتُ وَ مِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ خَطًّا قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهٗ فَذَاكَ.

(۷۸۶) معاویہ بن حکم بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کچھ باتیں ہم کفر کے زمانہ میں کیا کرتے تھے (اب ان کا کیا حکم ہے) ہم کاہنوں کے پاس جا کر (غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے تھے) فرمایا اب ان کے پاس مت جاؤ' انہوں نے عرض کیا کہ دوسری بات یہ ہے کہ ہم پرندے اڑا کر نیک و بدفال کے بھی قائل تھے فرمایا بدفالی ایک ایسی چیز ہے جس کے تم سدا سے عادی چلے آتے ہو اس لیے تمہارے دلوں میں اس کا اثر تو ہوگا لیکن تم کو چاہیے کہ اس کی وجہ سے اپنے کام سے نہ رکو۔ میں نے عرض کیا ہمارے کچھ لوگ خطوط کھینچ کر غیب کی خبریں معلوم کرلیا کرتے تھے فرمایا خدا کے نبیوں میں ایک نبی ضرور اس علم کے مالک تھے۔ اب اگر کسی کا خط ان

(رواه مسلم)

کے ساتھ مطابقت کر جاتا ہوگا تو وہ بھی درست ہو جاتا ہوگا (مگر یہ خبر کیسے ہو) (مسلم)

(٧٨٧) عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا هَامَةَ وَ لَا عَدْوٰى وَ لَا طِيَرَةَ وَ اِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِيْ شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَ الْفَرَسِ وَ الْمَرْأَةِ. (رواه ابوداؤد)

(٧٨٧) سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہامہ اور عدوی اور نحوست یہ سب باتیں بے حقیقت ہیں اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو تین چیزوں میں ہوتی - گھر' گھوڑا' عورت - (ابوداؤد)

(٧٨٨) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى وَ لَا هَامَةَ وَ لَا نَوْءَ وَ لَا صَفَرَ. (رواه مسلم)

(٧٨٨) ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مرض کا لگ جانا' الو' پچھتر' صفر' یہ سب وہم پرستی کی باتیں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں - (مسلم شریف)

---

(٧٨٧) * انسانی معیشت کا بڑا تعلق یا اپنے گھر سے ہوتا ہے یا اپنے گھوڑے سے یا اپنی بی بی سے آج دوسری قسم کی سواریاں ایجاد ہو جانے کی وجہ سے اگر چہ گھوڑے کا تعلق ہماری سمجھ میں نہیں آتا مگر کل تک عرب میں گھوڑا ضروریات زندگی کا سب سے اہم جزء سمجھا جاتا تھا نحوست کا اگر کوئی وجود ہوتا تو ان چکروں میں اس کا قائل ہونا فی الجملہ ایک معقول بات تھی کیونکہ انسان کو ان سے ہر وقت کا واسطہ پڑتا ہے لیکن ہر معاملہ میں پرندوں کو اڑا اڑا کر نحوست یا سعادت کے تصورات جمانا یہ کسی طرح بھی معقول بات نہیں - کسی جانور کا تجربہ سے اچھا برا ثابت ہو جانا کسی مکان کا حسب منشاء آرام دہ نہ ہونا یا اس کی آب و ہوا نا درست ہونا اسی طرح کسی عورت کا بدمزاج یا غیر منتظم ہونا یہ سب اپنی اپنی جگہ حقائق ہیں - ان کو نحوست کے غلط نظریہ سے کیوں تعبیر کیا جائے خود حدیثوں میں بہت سے گھوڑے قابل پسند سمجھے گئے ہیں اور بہت سے ہٹی اور خراب قرار دیئے گئے ہیں - لیکن کسی حیوان کے داغ دھبہ یا کسی عورت کے صرف شکل وشمائل یا کسی مکان کی ساخت سے ڈر کر اس کو منحوس سمجھ لینا مسلمان تو مسلمان ایک ادنیٰ ہوشمند انسان کا بھی کام نہیں لیکن کیا کیا جائے کہ جب انسان غلط یا صحیح طریقہ پر کسی عقیدہ کا شکار ہو جاتا ہے تو اس کی نظر میں دنیا بھر کے تمام حوادث اسی کے زاویہ خیال کے مطابق ڈھلتے چلے جاتے ہیں اور وہ ہر ہر بات کو اپنے وہم کی ایک ایک دلیل سمجھتا چلا جاتا ہے - عربی میں ایک مقولہ مشہور ہے - ان الوهم خلاق - درحقیقت یہ تمام کارفرمائی اس کے وہم کی عنایت کردہ ہوتی ہے اور بس غیر اللہ سے اتنا خوف اور اللہ تعالیٰ کے حقیقی تصرف سے اتنا ذہول یہ شرک ہے ورنہ اس کا پیش خیمہ تو ضرور ہے -

(٧٨٨) * مرض اڑ کر نہیں لگتا جیسا اکثر اہل ہنود کا عقیدہ ہے جہاں سببیت قطعی طور پر دریافت ہو جائے وہ علیحدہ بات ہے - اصل یہ ہے کہ جب انسان کی قوت ایمانی یا آپ کی زبان میں قوت ارادی اور قوت عزم کمزور پڑ جاتی ہے تو اس کے دل میں عدوی کا عقیدہ جم جاتا ہے اور جہاں مرض نہیں لگتا اس کے لیے وہ عذر تراشنے لگتا ہے -

ابن قتیبہ تصریح فرماتے ہیں کہ مریض کے ساتھ ہر وقت کی مخالطت ومجالست اس کے ساتھ خورد ونوش میں بے احتیاطی اور اس کے جسمانی رطوبات سے احتراز نہ کرنے کی وجہ سے دوسرا شخص بیمار پڑ سکتا ہے مگر یہاں اس کے اسباب بھی موجود ہیں - یہ عدوی جاہلیت نہیں - عدوی جاہلیت یہ ہے کہ ایک شہر میں طاعون آئے اور آدمی اس شہر ہی کو چھوڑ کر بھاگ جائے - نہ اتنی بے احتیاطی شریعت کی تعلیم ہے نہ اتنی احتیاط - ہندوستان کے قدیم ہندو اسی دوسری قسم کے عدوے کے قائل ہیں - (تاویل مختلف الحدیث ص ١٢٠ - وزاد المعاد) ....

(۷۸۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا عَدْوٰى وَلَا صَفَرَ وَ لَا غُوْلَ. (رواہ مسلم)

(۷۸۹) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ مرض لگ جانا' صفر اور غول بیابانی سب خیالات ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مسلم شریف)

(۷۹۰) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنُهَا الْفَالُ وَ لَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَاِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ لَا يَاْتِيْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَ لَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. (رواہ ابو داؤد مرسلاً)

(۷۹۰) عروہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بدفالی کا ذکر آ گیا آپؐ نے فرمایا کہ یہ اس حد تک تو درست ہے کہ کسی کا نام اچھا سننا اور اس سے خوش ہو جانا لیکن فال کسی مسلمان کو اپنے کام سے روکتی نہیں۔ (کیونکہ فال کا مقدرات پر کوئی اثر نہیں پڑتا) لہٰذا اگر تم میں کوئی شخص ایسی بات دیکھے جس کی وجہ سے اس کے دل میں بدفالی پیدا ہو تو اسے چاہیے کہ یہ کلمات پڑھے: اَللّٰهُمَّ لَا يَاْتِيْ' الخ اے اللہ تو ہی بھلائی پہنچاتا ہے اور تو ہی بلاؤں سے حفاظت کرتا ہے اور بھلائی کے حاصل کرنے اور برائی سے بچنے کی طاقت بھی تو ہی عنایت فرماتا ہے۔ (ابوداؤد)

....ہامہ اور صفر کے متعلق اختلاف ہے ان کی حقیقت کیا تھی کوئی کہتا تھا کہ جس مقتول کا قصاص نہ لیا جاتا اس کی روح بوم کی شکل میں پکارتی پھرتی کہ میرا قصاص لیا جائے میں پیاسی ہوں۔ اور صفر ایک جانور ہے جس کے کاٹنے سے انسان کو بھوک محسوس ہوتی ہے۔ اس کے سوا اور بھی اسی قسم کے غلط تصورات ہیں۔ شریعت ان سب کو بے اصل قرار دیتی ہے اور انسانی شرافت اور اس کے اعتقادات کے لائق نہیں سمجھتی۔

(۷۸۹) * غول صرف وہ انسانی خیالات ہیں جو حالت خوف میں متشکل ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ ایک جماعت تو ان کے وجود کو حقیقی وجود تسلیم کرتی ہے اور دوسری جماعت جنات کے حقیقی وجود سے بھی انکار کرتی ہے اس عالم میں جہاں دیکھو افراط و تفریط ہی کا تماشہ دیکھو گے۔

(۷۹۰) * امام ابن قتیبہ عکرمہ سے ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ابن عباسؓ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اس طرف سے کہیں ایک پرندہ چیختا ہوا نکلا حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا چلو خیر ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا نہ خیر ہے نہ شر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو صرف اتنی بات ثابت ہے کہ آپ اچھا نام اور نیک فال پسند فرماتے تھے۔ اصمعی سے منقول ہے کہ انہوں نے ابن عون سے فال کے معنی پوچھے انہوں نے فرمایا کہ نیک فال یہ ہے کہ کوئی مریض ''یا سالم'' کی آواز سنے اور اپنی تندرستی کی بشارت پر محمول کرے یا کسی کا مال گم ہو گیا ہو اور وہ ''یا واجد'' کا لفظ سنے اور اسے اپنے مال کے ملنے کی خوش خبری سمجھے۔ امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ صرف اتنی بات کو عرب کی فال اور بدفالی سے کوئی علاقہ نہیں یہ انسان کی فطرت ہے کہ اسے اچھی بات اچھی اور بری بات بری لگتی ہے۔ مثلاً بیمار کے پاس جا کر صحت کے کلمات اور پریشان شخص کے سامنے بشارت کے کلمات کہنا ہر شخص کو پسند ہوتا ہے حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ یہاں کہنے والے اور سننے والے دونوں کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ اس کے ان کلمات سے تقدیراتِ الٰہیہ بدلتی ہیں اسی طرح اچھی صورت سے مسرت اور بری صورت سے انقباض بھی انسان کی فطرت ہے۔ پھولوں سے مہکتا ہوا چمن اور بہتا ہوا پانی ہر شخص کو پیارا معلوم ہوتا ہے اور اس کے برخلاف صورتیں ہر شخص کو فطرتاً ناپسند ہیں۔ ....

رقی الجاھلیۃ من عمل الشیطان

کافروں کی جھو منتر بھی شیطانی کام ہیں

(۷۹۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّشْرَةِ فَقَالَ هُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (رواہ ابو داؤد)

(۷۹۱) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ کے متعلق پوچھا گیا آپ نے فرمایا کہ یہ ایک شیطانی کام ہے۔ (ابوداؤد)

(۷۹۲) عَنْ عِيْسَى بْنِ حَمْزَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَكِيْمٍ وَ بِهٖ حُمْرَةٌ فَقُلْتُ اَلاَ تُعَلِّقُ تَمِيْمَةً فَقَالَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ

(۷۹۲) عیسیٰ بن حمزہ فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیم کے پاس گیا انہیں سرخ بادہ کی تکلیف تھی میں نے کہا کہ اس کے لیے آپ گلے میں منکے کیوں نہیں لٹکا لیتے انہوں نے فرمایا کہ میں ان باتوں سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں۔

لہ ..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اچھے نام سے خوش ہونا اور بدنما نام سے ناخوش ہونا اسی فطرت کے ماتحت تھا۔ (تاویل مختلف الحدیث ص۱۳۰ و ۱۳۱) عرب جو قدیم سے بدفالی کا خوگر رہتا چلا آیا تھا۔ جب اس نے اسلامی دور میں قدم رکھا تو پہلے ہی قدم پر اس کو ان سب خیالات کو چھوڑنا پڑا۔ یہ بہت ممکن تھا کہ اپنی قدیم عادت کی وجہ سے کسی بدفالی کے موقعہ پر اس کے دل میں غیر اختیاری تاثرات پیدا ہوتے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت کے لیے چند مقدس کلمات تعلیم فرما دیئے جن کی برکت سے یہ تمام باطل تاثرات اعتماد باللہ اور توکل سے بدل جائیں گے۔ "اللّٰهم لایأتی بالحسنات" الخ.....

اسلامی توحید کا یہ وہ بلند تصور ہے کہ جس کے دل میں یہ تصور قائم ہو گیا پھر اس کے قلب میں غیر اللہ کا کوئی خوف و ہراس باقی نہیں رہتا اور اس کا قبلہ توجہ ایک ہی ذات پاک رہ جاتی ہے' درحقیقت یہی توحید کی اصل روح ہے۔ جب عقیدۂ توحید میں یہ روح باقی نہیں رہتی تو پھر اس میں شرک کے وہ تمام شعبے پھوٹنے لگتے ہیں جو آپ عرب کے نقشہ زندگی میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔

(۷۹۱) * نہایہ میں ہے کہ جس شخص کو یہ وہم ہو جاتا تھا کہ اس پر جن کا اثر ہو گیا ہے' وہ اس منتر سے اپنا علاج کر لیا کرتا تھا۔ عرب کا گمان تھا کہ اس منتر کی جنات کے اثرات کے ازالہ میں بالذات تاثیر ہے۔

(۷۹۲) * نہایہ میں ہے کہ عرب چند منکے لے کر اپنے بچوں کے گلوں میں نظر گذر کے خیال سے ڈال دیا کرتے تھے ان کا گمان تھا کہ اس عمل سے نظر نہیں لگتی۔ اسلام چونکہ وہم پرستی کی بیخ و بنیاد اکھاڑنے آیا تھا اس لیے اس نے اس خیال کی بھی تردید کی اور بتایا کہ ایک مخلوق کو دوسری مخلوق میں بالذات کوئی تاثیر نہیں۔ تمام کائنات میں حقیقی مؤثر صرف خالق کا ارادہ ہے چند منکے اور خرزات گلے میں لٹکا کر یہ عقیدہ قائم کر لینا کہ یہ خوب صورت پتھر کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں صرف ایک جاہلانہ وہم پرستی ہے۔ تولہ بھی اسی کی دوسری شکل تھی وہ اس جادو کو تولہ کہا کرتے تھے جس کے ذریعہ زن و شوہر کے مابین محبت پیدا ہو جاتی تھی ان کا خیال تھا کہ اس عمل سے تقدیر الٰہی تک پلٹ جاتی ہے۔ جس طرح ان بے بنیاد جھاڑ پھونک کا قائل ہونا وہم پرستی ہے۔ اسی طرح اسماء الٰہیہ اور کلام الٰہی کی برکات کا انکار بھی حقائق کا انکار ہے۔ خدا کے کلام پاک اور اس کے اسماء کے محیر العقول اثرات و برکات سے احادیث نبویہ بھری پڑی ہیں لیکن انسان کی فطرت میں توازن مفقود ہے اسی لیے قرآن نے اس کا لقب "ھلوع" اور "منوع" رکھا ہے۔ ﴿ان الانسان خلق ھلوعا اذا مسه الشر جزوعا و اذا مسه الخیر منوعا﴾ (معارج: ۱۹' ۲۱) انسان کی خصلت یہ ہے کہ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو بے صبرا ہو جاتا ہے اور جب اس پر فراغت کا دور آتا ہے تو بے توفیقا لہ .....

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِّلَ اِلَيْهِ. (ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اپنے گلے میں اس قسم کی چیزیں لٹکائے اس کی جان کی حفاظت خود اسی کے حوالہ کردی جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

(۷۹۳) عَنْ زَيْنَبَ امْرَءَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ رَاٰى فِيْ عُنُقِيْ خَيْطًا فَقَالَ مَا هٰذَا فَقُلْتُ خَيْطٌ رُقِيَ لِيْ فِيْهِ قَالَتْ فَاَخَذَهٗ فَقَطَعَهٗ ثُمَّ قَالَ اَنْتُمْ اٰلُ عَبْدِاللّٰهِ لَاَغْنِيَاءُ عَنِ الشِّرْكِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

(۷۹۳) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بی بی بیان کرتی ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے میری گردن میں ایک دھاگا بندھا ہوا دیکھا پوچھا یہ دھاگا کیسا ہے۔ میں نے کہا پڑھا ہوا گنڈا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ابن مسعودؓ نے اسے لے کر توڑ پھینکا اور فرمایا ابن مسعودؓ کے گھر والو! تمہیں تو شرک کی باتوں سے بے نیاز رہنا چاہیے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود

ﷺ.... ثابت ہوتا ہے۔ وہ اگر گرتا ہے تو وہم پرستی پر اتر آتا ہے اور ابھرتا ہے تو انکار حقائق سے بھی باک نہیں کرتا۔ خدا کے کلام اس کے اسماء اس کے رسول کے کلمات، بلکہ اس کے رسول کے مستعمل پانی اور اس کے مستعمل کپڑوں میں بڑی برکتیں ہیں مگر یہ سب برکتیں خدا ہی کے نام کی ہیں۔ سمندر موں سون پیدا کرتا ہے سورج ضوء افشانی میں مشغول ہے۔ ابر و باد بارش لاتے ہیں مگر نہ ان میں حقیقۃً کوئی تاثیر و فاعلیت ہے اور نہ مقدرات الٰہیہ کے خلاف حرکت کرنے کی تاب و طاقت ہے۔ ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ﴾ (یٰس: ۴۰) نہ آفتاب اپنی لیل و نہار کے دوڑ میں کبھی چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن کے خاتمہ سے پہلے آسکتی ہے یہ سب ایک ارادۂ الٰہی کے سامنے سرنگوں ہیں اسی طرح تمام برکتیں اور تمام تبرکات نہ مؤثر حقیقی ہیں اور نہ مقدرات کو پلٹ سکتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دونوں عقیدے موجود تھے اور جن چیزوں کے متعلق ان کا گمان تھا کہ ان کو قلب حقائق یا قلب مقدرات میں تاثیر ہے۔ ان سب میں معمولی سببیت بھی موجود نہ تھی اس لیے اسلام نے اس کو صرف ایک وہم پرستی قرار دیا اور اس کی بجائے اس کو صحیح عقائد کے ساتھ تبرک باالاسماء اور تبرک بآثار الصالحین کا صحیح راستہ بتا دیا ہے اس تبرک کی بھی حدود ہیں ان حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہیے ورنہ پھر وہ بھی رسوم جاہلیت میں داخل ہو جائے گا۔

(۷۹۳) ﷺ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسانی اجسام میں اس قسم کے تصرفات بھی کرسکتا ہے۔ آخر جب انسان کی نظر لگ سکتی ہے اور اس کے دست و پا سے دوسرے انسانوں کو ایذا پہنچ سکتی ہے تو شیاطین کی ایذا رسانی سے انکار کی کیا وجہ ہے وہ تو اس سے کہیں زیادہ قوی مخلوق ہے۔ احادیث سے شیاطین کے بہت سے تصرفات ثابت ہیں۔ استحاضہ کو شیاطین کا اثر کہا گیا ہے' برے خوابوں میں ان کا دخل تسلیم کیا گیا ہے۔ نماز اور وضوء میں وساوس ڈالنا' مال چرا کر لے جانا حتیٰ کہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کی طرف ایک آگ کا شعلہ لے کر بڑھنا اور بچہ کی پیدائش کے وقت اس کا چھیڑنا یہ سب کچھ حدیثوں میں آچکا ہے گو علماء نے کہیں کہیں اس کی تاویلات بھی کی ہیں مگر پھر بھی ان میں قدر مشترک شیطانی تصرف ایک ناقابل انکار حقیقت ثابت ہوتی ہے اور اسی حقیقت کی بنا پر شریعت نے اس کی مضرتوں سے حفاظت کے معنوی طریقے تعلیم فرما دیئے ہیں۔ مادی نظریں نہ ان کی مضرتوں سے آشنا ہیں اور نہ ان سے حفاظت کے طریقے جانتی ہیں اس لیے وہ ان کلمات اور تعویذات کا تمسخر اڑا دیتی ہیں جو اس سلسلہ میں شریعت نے تعلیم کیے ہیں جب ان کے نزدیک شیطان اور اس کے تصرفات کی کوئی حقیقت ہی نہیں تو پھر کلمات تعوذ اور ادعیہ کا سارا باب بھی محض ایک وہم پرستی نہ ہو تو اور کیا ہو لیکن جن کے نزدیک ان کی ہستی پھر انسانی معیشت میں ان کی طرح طرح خلل اندازی اور دست درازی دونوں پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں ان کے نزدیک ان کلمات تعوذ کی اہمیت بھی اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ﷺ....

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الرُّقِيَ وَ التَّمَائِمَ وَ التِّوَلَةَ شِرْكٌ فَقُلْتُ لِمَ تَقُوْلُ هٰكَذَا لَقَدْ كَانَتْ عَيْنِيْ تَقْذِفُ وَ كُنْتُ اَخْتَلِفُ اِلٰى فُلَانِ الْيَهُوْدِيِّ فَاِذَا رَقَاهَا سَكَنَتْ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ اِنَّمَا ذٰلِكَ عَمَلُ

سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جھاڑ پھونک' نظر کے لیے منکے اور زوجین کے لیے محبت کے جادو یہ سب باتیں شرک ہیں میں نے کہا آپ ایسی بات کیسے فرماتے ہیں- اس سے پیشتر جب کبھی میری آنکھ دکھتی تو میں فلاں یہودی کے پاس چلی جایا کرتی تھی وہ اس کو جھاڑ دیا کرتا تھا اور فوراً آرام ہوجایا کرتا تھا- عبداللہ نے فرمایا یہ شیطان کی حرکت تھی وہ آنکھوں کو اپنے ہاتھ سے

ﷲ..... اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اسباب ظاہری کے تعطل کے قائل ہیں اور ہر بیماری و اختلال مزاجی کا سبب ان معنوی اسباب ہی میں منحصر سمجھتے ہیں یہ تو بداہت کا انکار ہوگا بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ جس طرح علوم کی دقت نظر یوماً فیوماً اسباب ظاہری میں بھی دقیق تر اسباب کی طرف راہنمائی کرتی جارہی ہے حتی کہ موجودہ زمانہ میں اکثر بیماریوں کا سبب ایسے جراثیم ثابت ہو گئے ہیں جو ان آنکھوں سے نظر بھی نہیں آسکتے تو اگر شرعی تحقیق سے کچھ ایسے اسباب بھی دریافت ہو جائیں جو ہماری اس خوردبین کے دسترس سے باہر ہوں تو اس کے انکار کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے- حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ شریعت اسباب ظاہری کی منکر نہیں بلکہ اس کے ساتھ کچھ اور اسباب باطنی کی بھی اطلاع دیتی ہے جو ان اسباب ظاہری کے پس پردہ مستور ہوتے ہیں اور اس حقیقت کو بہت مشرح بیان فرمایا ہے- جو قابل دید ہے (دیکھو تفسیر مذکور ص ۱۱۵)......اس حدیث سے ایک اور اہم بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ گمراہی کا سبب جس طرح شیطانی وساوس ہوتے ہیں اسی طرح بعض مرتبہ اس قسم کے شیطانی تصرفات بھی ہو جاتے ہیں- دیکھئے حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی یہاں یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ ان کی آنکھ کو کاہن کی شرک آمیز جھاڑ پھونک سے شفا ہو جاتی ہے اور معلوم یہ ہوا کہ اس میں شیطان کا تصرف شامل تھا- اس نے ایسی صورت پیدا کر رکھی تھی کہ ان کے دماغ میں خود بخود یہ گمراہی پیدا ہو جائے- بعض ضعیف الاعتقاد مسلمان آج بھی اسی قسم کی گمراہی میں مبتلا نظر آتے ہیں جب ان کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ یہی کہہ دیتے ہیں کہ اس مہینہ میں ہم نے فلاں بزرگ کی نذر و نیاز نہیں کی تھی اس لیے ہم کو یہ نقصان پہنچ گیا اور اتنا نہیں سوچتے کہ جن بزرگوں نے اپنی تمام عمریں مخلوق کی ایذائیں برداشت کرنے میں صرف کی ہوں اور اسی کو اپنا معیار بزرگی سمجھا ہو وہ کسی غریب کے نیاز نہ دلانے پر اس کو کب کوئی ایذاء دے سکتے ہیں- حضرت خواجہ محبوب الٰہی کے حسب ذیل شعر سے ذرا اندازہ کیجئے کہ جو لوگ ان کے در پے آزار تھے ان کے حق میں ان کا جذبہ کیا تھا۔

ہر کہ مارا رنج سازد یار او را یار باد   ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ جس آئین کے تحت ساری دنیا کو نفع و نقصان پہنچتے ہیں اسی آئین کے ماتحت اس کو بھی یہ نقصان پہنچا ہو اور کیا یہ ممکن نہیں کہ جس طرح شیاطین انسانوں کے عقائد فاسد کرنے کے لیے اس قسم کے کچھ تماشے دکھایا کرتے ہیں یہ تماشہ بھی اسی قسم کا ایک تصرف ہو' بزرگوں کی طرف اس کی نسبت کرنے کی ضرورت کیا ہے کفار بھی اپنے معبودوں کے متعلق اسی قسم کی گمراہیوں میں مبتلا تھے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا کہ تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو پاگل بنا دیں (معاذ اللہ) تو انہوں نے جو جواب دیا وہ یہ تھا- و لا اخاف ما تشركون به الا أن يشاء ربی یعنی میں ان سے بھلا کیا ڈرتا جن کے قبضہ میں خود اپنا نفع و نقصان بھی نہ ہو- تکلیف و راحت سب اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے وہ جس کو چاہے اس کا سبب بنا دے یہاں حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے فوائد قابل مراجعت ہیں- ﷲ.....

الشَّيطَانِ كَانَ يَنْخَسُهَا بِيَدِهٖ فَإِذَا رُقِيَ كَفَّ عَنْهَا إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَقُولِيَ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ

کریدا کرتا تھا جب وہ جھاڑی جاتی تھی تو کریدنا بند کر دیتا تھا (تم کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ سکون جھاڑ کا اثر ہے) تمہیں یہ بات کافی ہے جو کلمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے وہی تم پڑھ لیا کرو اذھب الباس الخ اے لوگوں کے پروردگار بیماری دور کر دے اور شفاء بخش دے

ﷲ .... حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی ان کو یہی دھمکی دی تھی ﴿ان نقول الا اعتراک بعض الھتنا بسوء﴾ (ھود: ۵۴) ہمارے خیال میں تو ہمارے کسی معبود نے تجھے ستا رکھا ہے- ان کے جواب میں انہوں نے فرمایا ﴿انی توکلت علی الله ربی و ربکم ما من دابة الا ھو اخذ بنا صیتھا﴾ (ھود: ۵۶) میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے جو چیز بھی زمین پر چلتی ہے سب اسی کے تصرف میں ہے-

حافظ ابن تیمیہؒ شیطانی تصرفات کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: فکثیر من ھو لاء الذین یعظمون القبور و المشائخ و یستغیثون بھم و یطلبون حوائجھم منھم یطیعھم الشیاطین بسبب ذلک فی بعض الا مور و ذلک من جنس السحر و الشرک....... و انما تقترن به الشیاطین و تخدمه لما فیه من الکفر و الزندقة و من الفسوق و العصیان....... و انا اعرف من ھو لاء عددا کثیر ابا لشام و مصر و الحجاز و الیمن و اما الجزیرة و العراق و خراسان و الروم ففیھا من ھذا الجنس اکثر مما بالشام و غیرھا. (الردعلی البکری ص ۴۹ و ۵۰) جو لوگ قبور اور مشائخ کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے ہیں' ان سے فریادیں کرتے ہیں اور اپنی ضروریات میں عقدہ کشائی طلب کرتے ہیں کبھی کبھی شیطان اس اعتقاد کو پختہ کرنے کے لیے ان کے مسخر ہو جاتے ہیں درحقیقت یہ ایک قسم کا سحر اور شرک ہوتا ہے اسی کفر' زندقہ اور فسق کی وجہ سے شیطان ان کے مددگار بن جاتے ہیں- میں نے اس قسم کے لوگ شام و مصر اور حجاز و یمن میں بہت دیکھے ہیں اور جزیرہ' عراق' خراسان اور روم میں تو اس قسم کے لوگ اور بھی زیادہ موجود ہیں-

ایک اور جگہ فرماتے ہیں- والذین یسجدون للشمس و القمر و الکواکب و یدعونھا تتنزل علیھم ارواح من الجن و تقضی لھم کثیر امن حوائجھم و یسمونھا روحانیة ذلک الکوکب و ھو شیطان. و من الشیاطین من یطیر بصاحبه من الانس فی الھواء و یضعه علی رأس الجبل و یدخل به النار فیمنعه حرھا. (الردعلی البکری ص ۷۳) یعنی جو لوگ آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو سجدہ کرتے اور مصیبتوں میں ان کو پکارتے ہیں ان کی امداد کے لیے جنات کی ارواح آتی ہیں اور ان کی بہت سی ضروریات پوری کر دیتی ہیں یہ لوگ حقیقت سے تو آشنا نہیں ہوتے اور ان کو ان کی روحانیات سمجھتے ہیں حالانکہ یہاں ان ستاروں کی روحانیت کچھ نہیں ہوتی یہ صرف شیطان ہوتے ہیں پھر بعض شیطان ایسے تصرفات بھی کرتے ہیں کہ ایک انسان کو اڑا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر رکھ دیتے ہیں اور کبھی اس کو آگ میں لے جاتے ہیں اور آگ اس پر اثر نہیں کرتی-

حافظ نے اس قسم کے بہت سے واقعات اپنے ہی زمانہ کے تحریر فرمائے ہیں اور تصنیف مذکور میں بہت سے مقامات پر اس قسم کے جناتی تصرفات کا ذکر کیا ہے- اس حدیث سے بھی ان کی تصدیق ہوتی ہے-

غرض اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو نفع و نقصان انسان کو اسباب کے ساتھ پہنچتا ہے اس میں بھی اصل مؤثر خدائے تعالیٰ ہی کی قدرت کو سمجھنا چاہیے اسباب ظاہری محض اس کے ارادہ کے مظاہر ہیں خود ان میں کوئی تاثیر نہیں- اگر فرض کر لو کہ کوئی خبیث روح یا سرکش جن ہماری توحید کو گندہ کرنے کے لیے کوئی صورت اختیار کرتا ہے تو ہم کو چاہیے کہ ان کلمات سے اس کا مقابلہ کریں جو اس کے لیے شریعت ﷲ ....

الشَّافِيْ لَاشِفَاءُ اِلَّا شِفَاءُ کَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا. (رواہ ابو داؤد) — کیونکہ شافی صرف تو ہے۔ درحقیقت شفا تیری ہی طرف سے ہے، ایسی شفا دے کہ پھر بیماری کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ (ابوداؤد)

ﷺ... نے ہم کو بتائے ہیں اگر اس کو ایذاء کی قدرت دی گئی ہے تو ہم کو اس سے حفاظت کی تدبیر بھی بتا دی گئی ہے ہم کو چاہیے کہ ہم جنگ میں اپنے دشمن پر غالب آنے کی کوشش کریں نہ یہ کہ اسی کو خدا بنا بیٹھیں والعیاذ باللہ اگر مؤمن کی قوتِ ایمانی پورے طور پر مستحکم ہو جائے تو بہت سے نقصانات جو اس کی قوتِ واہمہ کی بدولت اس کو پہنچتے ہیں صرف اس کی قوتِ عزم سے ٹل سکتے ہیں۔ عرب کی قوم تو ضعف اعتقاد میں یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ اس کی معیشت کی تمام بنیاد فال اور بدفالی پر قائم تھی یہ سب خدائے تعالیٰ کی ذات پر بے اعتادی اور اپنے اوہام پر اعتماد کرنے کے نتائج تھے۔ کسی بچہ کی اتفاقاً حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی انہوں نے اس بچہ سے خوش ہو کر فرمایا بیٹا مانگ کیا مانگتا ہے وہ بچہ خاموش رہا جب ان کا اصرار بہت بڑھا تو اس نے کہا اچھا مجھے وہ دے دیجئے جو میری تقدیر میں نہ ہو کیونکہ جو مقدر ہو چکا ہے وہ تو مجھے مل کر ہی رہے گا خواہ کسی ذریعہ اور واسطہ سے ہو۔ سبحان اللہ یہ بچہ بھی کیسا مستحکم العقیدہ بچہ تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام اس کا یہ جواب سن کر بہت مسرور ہوئے اور اس کو بڑی دعائیں دیں۔

اس مقام پر حافظ ابن تیمیہؒ کی ایک اور اہم تحقیق بھی قابل یادداشت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جن اسباب کے ارتکاب کی شریعت نے ممانعت فرمائی ہے ان کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ وہمی یا غیر مؤثر ہی ہوں بلکہ جن اسباب کی تاثیر واقعی ثابت ہو جائے اگر ان میں کوئی اسلامی مضرت موجود ہو تو بھی ان سے ممانعت کی جائے گی۔ مثلاً جادو (جس کی حقیقت شرک اور شیطان کے ساتھ تلبیس ہے) اگر اس کی تاثیر حتمی طریقہ پر ثابت بھی ہو جائے تو بھی ممنوع رہے گا خواہ اس کا مقصد کسی کافر اور دشمن اسلام کا ہلاک کرنا ہی کیوں نہ ہو۔ (کتاب الرد علی البکری ص ۱۷۲) جو لوگ سحر کو بے حقیقت سمجھتے یا اس کی تاثیر کے منکر ہیں اس وقت ہمارا ان سے خطاب نہیں ہے بلکہ جن کے نزدیک سحر کی تاثیر ثابت ہے ان کو اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ تولہٗ عدوی اور طیرہ وغیرہ کی ممانعت دیکھ کر ان کے ذہن میں یہ کلیہ نہ بیٹھ جانا چاہیے کہ شریعت کے نزدیک اسباب کے ارتکاب کی اصل بنیاد صرف ان کا وہمی اور بے حقیقت ہونا ہے اس لیے جہاں اسباب کی تاثیر میں واقعیتاً یہ ثابت ہو جائے، وہاں شریعت علی الاطلاق اجازت دے دے گی بلکہ ان کی واقعیت کے بعد بھی یہ دیکھنا لازم ہوگا کہ ان میں فی نفسہٖ کوئی شرعی محظور تو نہیں ہے۔ پس اگر شرعی محظور موجود ہے تو بھی وہ ممانعت ہی کے تحت رہیں گے۔ اس بنا پر اگر حضرت عبد اللہ بن مسعود کی بی بی کی آنکھ کی شفاء میں شیطانی تصرف کو تسلیم نہ بھی کیا جائے جب بھی کاہن کے پاس جا کر کلماتِ شرکیہ کے ذریعہ سے استشفاء ممنوع رہے گا۔ بلکہ در اصل یہی ممانعت کی اصل وجہ ہے۔

اس مقام پر ایک اور اہم نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے وہ یہ کہ شریعت بعض اوقات امر و نہی کے سلسلہ میں ایسے اسباب کا ذکر بھی کر دیتی ہے جو محض غیبی ہوتے ہیں اس کی وجہ مؤمنین متقین کے سامنے اس غیبی حقیقت کا واشگاف کرنا اور اس امر و نہی کے مقتضی پر پورے جذبات کے ساتھ عمل کرنے کی اسپرٹ پیدا کرنی ہوتی ہے۔ ایسے اسباب کو شرعی حکمت تو کہا جا سکتا ہے فقہی علت نہیں کہا جا سکتا جب ان اسباب کا وجود ہی ہمارے ادراک سے بالاتر ہے تو ہم کو ان پر احکام دائر کرنے کا مکلف کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً سنت یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ پیادہ پا جانا چاہیے اس کی فقہی علت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس عمل ہے لیکن اس عمل کی حکمت یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ سوار ہو اور خدا کے فرشتے پیادہ پا جا رہے ہیں۔ یہ تعلیل اس کے لیے تو مناسب ہو سکتی ہے جن کی نظروں نے یہ مشاہدہ کر لیا ہو مگر ﷺ...

(۷۹۴) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا نَرْقِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَالَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ. (رواہ مسلم)

(۷۹۴) عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں منتر پڑھ کر جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے اب ان منتروں کے متعلق آپؐ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: ان کو میرے سامنے پیش کرو- اگر ان میں شرک کی کوئی بات نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں- (مسلم)

(۷۹۵) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ اِذَا وُلِدُوْا فَتَدْعُوْا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فَاُتِيَتْ بِصَبِيٍّ فَذَهَبَتْ وِ سَادَتَهُ فَاِذَا تَحْتَ وِسَادَتِهِ مُوْسٰى فَسَاَلَتْهُمْ عَنِ الْمُوْسٰى فَقَالُوْا نَجْعَلُهَا مِنَ الْجِنِّ فَاَخَذَتِ الْمُوْسٰى فَرَمَتْ بِهَا وَ نَهَتْهُمْ عَنْهَا وَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْرَهُ الطِّيَرَةَ وَ يُبْغِضُهَا وَ كَانَتْ عَائِشَةُ تَنْهٰى عَنْهَا. (رواہ البخاری فی الادب المفرد ص ۱۳۱)

(۷۹۵) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ یہ دستور تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور وہ اس کے لیے برکت کی دعا فرما دیتیں- ایک مرتبہ ان کے سامنے ایک بچہ پیش کیا گیا وہ اس کا تکیہ رکھنے لگیں کیا دیکھتی ہیں کہ اس کے نیچے ایک استرا رکھا ہوا ہے- حضرت عائشہؓ نے ان لوگوں سے اس استرے کا سبب دریافت کیا- انہوں نے کہا ہم یہ جنات کے خیال سے رکھ دیتے ہیں- انہوں نے استرا اٹھا کر پھینک دیا اور اس حرکت سے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ٹوٹکوں کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور ان سے نہایت نفرت رکھتے تھے- راوی کہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ بھی اس قسم کے ٹوٹکوں کی ممانعت فرماتی تھیں- (الادب المفرد)

لـ..... ہمارے نزدیک پیادہ جانے کی اصل علت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہی ہوگا- ہاں حکمت کے درجہ میں ہم یہ بات بھی کہہ سکتے ہیں- اسی طرح مسجد میں قصداً حدث کرنا' گھروں میں تصویریں لٹکانا اور کتے پالنا وغیرہ ان تمام مقامات پر ممانعت کی اصل علت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوگا اس کے بعد جو کچھ اس جگہ حدیثوں میں مذکور ہے ہمارے حق میں وہ حکمتیں کہلائیں گی' دیکھو خدائے تعالیٰ کی تعظیم کرنا ہمہ وقت فرض ہے' تلاوت قرآن ہمہ وقت عبادت ہے اور روزہ بھی اسلام کی محبوب ترین خصلت ہے مگر ان کی عام حکمتوں کے پیش نظر کیا ان کو علی الاطلاق ادا کیا جا سکتا ہے یا طلوع و غروب کے وقت نماز ممنوع رہے گی' رکوع و سجود میں تلاوت قرآن اور ایام تشریق میں روزہ ممنوع رہے گا- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت درود شریف عبادت ہوگی اور قیام بے معنی ہوگا اور یہ تخیل تو آپ کی شانِ مبارک میں ایک بڑی گستاخی ہوگی کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ہر بدعقیدہ شخص جب چاہے جہاں چاہے آپ کی ذات کو حاضر کر سکتا ہے- یہاں شریعت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو یا رسول کا اس وقت ہم کو وہ کرنا ہے جس کا ہم کو حکم ملا ہے اور بس-

(۷۹۴) * معلوم ہوا کہ رقیہ اور تعویذات ایک حد تک جائز ہیں جب اپنی حد سے تجاوز کر جائیں اور حدود شرک میں داخل ہو جائیں تو پھر ناجائز ہیں- اسلام' حدود میں رہ کر رقیہ وغیرہ کی اجازت دیتا ہے اور جب شرک یا وہم پرستی کی حدود میں داخل ہو جائیں تو اس کی ممانعت کرتا ہے- یہاں اگرچہ تقاضائے مصلحت تو یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت کے ہر قسم کے جھاڑ پھونک سے ممانعت کر دی جاتی مگر قانونِ یسر کا تقاضا یہ ہوا کہ جس چیز کا نفع تجربہ میں آ چکا ہو اور قوم میں اس کی عام عادت بھی ہو اس سے اغماض کر لیا جائے- بشرطیکہ اس میں شریعت کے لـ.....

(۷۹۶) عَنْ اَبِیْ بَشِیْرِ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّهٗ کَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فَاَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا لَا تُبْقَیَنَّ فِیْ رَقَبَةِ بَعِیْرٍ قَلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ اَوْ قَلَادَةٌ اِلَّا قُطِعَتْ. (متفق علیہ)

(۷۹۶) ابو بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپؐ نے ایک قاصد یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا قلادہ یا کوئی قلادہ (راوی کو شک ہے) ایسا باقی نہ رہے جو کاٹ نہ ڈالا جائے۔

(متفق علیہ)

(۷۹۷) عَنْ اَبِیْ وَهْبِ الْجُشَمِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِرْتَبِطُوا الْخَیْلَ وَ امْسَحُوْا بِنَوَاصِیْهَا وَ اَعْجَازِهَا اَوْ قَالَ اَکْفَالِهَا وَ قَلِّدُوْهَا وَ لَا تُقَلِّدُوْهَا الْاَوْتَارَ. (رواہ ابو داؤد و النسائی)

(۷۹۷) ابو وہب جشمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے پالا کرو (کہ یہ آلہ جہاد ہے) اور ان کی پیشانیوں اور پٹھوں پر ہاتھ پھیرا کرو اور ان کے گلوں میں کوئی پٹہ ڈال دیا کرو مگر تانت کا پٹہ نہ ڈالا کرو (کہ یہ دورِ جاہلیت کا طریقہ ہے)۔

(ابوداؤد-نسائی)

لامقدار لعلم النبی بجنب علم اللہ تعالٰی

نبی کے علم کو خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علم سے کوئی نسبت نہیں ہوتی

(۷۹۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قِصَّةِ الْخَضِرِ وَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّ الْخَضِرَ قَالَ یَا مُوْسٰی اِنِّیْ عَلٰی عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِیْهِ

(۷۹۸) حضرت خضر اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ جو علم اللہ نے مجھے دیا ہے وہ تم نہیں جانتے اور جو تمہیں دیا ہے وہ میں نہیں جانتا (اس لیے تم

بقیہ..... خلاف کوئی بات موجود نہ ہو۔ شریعت حنفیہ کی تمام تر بنیاد یسر پر قائم ہے۔ الدین یسر کی شرح کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ اس پر بحث گذر چکی ہے۔ ترجمان السنہ جلد اول میں ملاحظہ کر لیجئے۔

(۷۹۶) ٭ آپ کے اس حکم کے مختلف اسباب بیان کیے گئے ہیں مگر امام مالکؒ کی جو رائے ان کی کتاب مؤطا سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عرب نظر گذر کے خیال سے حیوانات کی گردنوں میں تانت وغیرہ کا گنڈا ڈال دیا کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس عمل سے نظر لگنے سے حفاظت رہتی ہے۔ شریعت نے اس قسم کے تمام اوہام کو باطل قرار دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو ایک خدا سے نہیں ڈرتا اس کو ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق سے ڈرنا پڑتا ہے اور جس کا عقیدہ یہ ہو گیا کہ نفع و نقصان سوائے ایک خالق کے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں وہ تمام مخلوق کے ڈر سے آزاد ہو گیا۔

(۷۹۸) ٭ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بالاتفاق ایک اولوالعزم رسول ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت گو زیر اختلاف ہے مگر پھر بھی بڑی ہستی ہیں۔ ان دونوں میں تکوینی جزئیات کا علم شاید حضرت خضر علیہ السلام کو زیادہ مرحمت ہوا تھا اور تشریعی جزئیات کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زیادہ۔ مگر ان دونوں کے علوم کو بقول ان کے خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علوم کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہ تھی جو قطرہ کو دریا سے ہوتی ہے۔ علم الٰہی کے متعلق ان دو حضرات کا عقیدہ تو یہ تھا آخر میں سب سے بزرگ و برتر رسول یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بقیہ....

لَا تَعْلَمُهُ اَنْتَ. وَ اَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهُ قَالَ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَا اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِيْنَةٌ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِيْنَةٌ فَكَلَّمَاهُمْ اَنْ يَّحْمِلُوْهُمَا فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوْهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عُصْفُوْرٌ فَوَقَعَ عَلٰى حَرْفِ السَّفِيْنَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً اَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ يَا مُوْسٰى مَا نَقَصَ عِلْمِيْ وَ عِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذِهِ الْعُصْفُوْرِ فِي الْبَحْرِ ثم سرد قصتهما و فی اخرها قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتّٰى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ اَمْرِهِمَا.

(رواه البخاری فی کتاب العلم)

میرے ساتھ چل نہیں سکو گے) انہوں نے فرمایا آپ مجھے ان شاء اللہ تعالیٰ نہایت صابر پائیں گے- میں کسی معاملہ میں بھی آپ کے حکم سے باہر نہیں جاؤں گا- اس عہد و معاہدہ کے بعد دونوں نے سفر شروع کیا چلتے چلتے سمندر کے کنارہ پر پہنچے تو وہاں کوئی کشتی موجود نہ تھی- اتفاقاً ایک کشتی ادھر سے گذری تو انہوں نے کشتی والوں سے بات چیت شروع کی کہ انہیں سوار کر کے دریا پار اتار دیں تو کیا لیں گے؟ اس درمیان میں حضرت خضر علیہ السلام کو کسی نے پہچان لیا اور کرایہ لیے بغیر ان کو کشتی میں بٹھا لیا (راستہ میں) ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر آ بیٹھی- اس نے سمندر میں ایک دو چونچیں ماریں تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ ہمارے اور تمہارے دونوں کے علموں نے مل کر بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں اتنی کمی نہیں کی جتنی سمندر کے پانی میں اس چڑیا کی ایک دو چونچوں نے- اس کے بعد راوی نے ان کے سفر کا تمام واقعہ نقل کر کے آخر میں بیان کیا کہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدائے تعالیٰ حضرت موسیٰؑ کو مراتب علیا عطا فرمائے ہمیں تمنا تھی کہ موسیٰؑ اگر کچھ صبر فرما لیتے تو ان دونوں کے کچھ اور واقعات بھی ہمارے سامنے بیان میں آ جاتے- (بخاری شریف)

ﷺ..... ارشاد بھی سن لیجئے آپ فرماتے ہیں کاش موسیٰ علیہ السلام کچھ اور صبر کر لیتے تو ہمیں کائنات کے عجائبات کا علم کچھ اور حاصل ہو جاتا- معلوم ہوا کہ کائنات ہستی کے تمام واقعات کا علم تو درکنار آپ کو ان چند واقعات کے علوم پر بھی پورا احاطہ حاصل نہ تھا جو ان دو بزرگوں کے مابین بہت ہی محدود زمانہ میں پیش آئے- علم الٰہی کے متعلق ان تین مقدس ہستیوں کا عقیدہ تو یہ ہے اب جو عقیدہ آپ کا ہو وہ آپ جانیں بندہ کا کمال یہ نہیں کہ وہ اپنے حدودِ بندگی سے باہر ہو جائے بلکہ کمالِ بندگی بندگی کامل میں ہے کسی مخلوق کی صفات کا موازنہ مخلوقات ہی کے دائرہ میں کرنا چاہیے نہ کہ خالق کے دائرہ میں مخلوق کی کوئی صفت خالق کی ہمسری نہیں کر سکتی ان دونوں میں اگر کوئی شرکت ہو سکتی ہے تو صرف اسم کی شرکت ہو سکتی ہے- بندہ کو خدائے تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں-

صحیح بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سارا سانحہ سفر صرف ان کے اس کلمہ کا نتیجہ تھا جو ایک سائل کے جواب میں ان کی زبان سے اپنے اوپر اعلم اطلاق کر کے نکل گیا تھا- کوئی شبہ نہیں کہ نبی وقت اپنی امت میں سب سے زیادہ عالم ہوتا ہے اور اس لحاظ سے ان کا یہ قول یقیناً صحیح اور واقع کے مطابق تھا مگر صفت علم کے بارے میں علیم مطلق کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اطلاق بھی ناپسند ہوا اور آخر ان کو ایک ایسے بندے کی ملاقات کی طرف دعوت دی گئی جس کے علم کی جزئیات میں سے ان کو ایک جزئی کا بھی علم حاصل نہ تھا بلکہ اس کی نوعیت علم ہی ایسی تھی جس کے ایک سبق کو بھی ان کو صبر کے ساتھ پڑھنا مشکل تھا- ﷺ.....

النھی عن اسناد علم الغیب الی احد

(٧٩٩) عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلٰى فِرَاشِيْ كَمَجْلِسِكَ مِنِّيْ وَجُوَيْرِيَاتٌ يَضْرِبْنَ بِالدَّفِّ يَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ اٰبَائِيْ يَوْمَ بَدْرٍ حَتّٰى قَالَتْ جَارِيَةٌ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْلِيْ هٰكَذَا وَ قُوْلِيْ مَا كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ. (رواہ البخاری)

کسی کی طرف غیب دانی کی نسبت نہیں کرنی چاہیے

(٧٩٩) ربیع دختر معوذ بیان کرتی ہیں کہ شب زفاف کی صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جیسے تم بیٹھے ہو- کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر میرے ان باپ دادوں کا مرثیہ پڑھ رہی تھیں جو بدر میں مقتول ہو چکے تھے- یہاں تک کہ جب ان میں ایک لڑکی نے یہ کہا ہم میں ایسے نبی موجود ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں- تو آپ نے فوراً منع فرما دیا اور کہا یوں مت کہو بس وہی کہے جاؤ جو پہلے کہہ رہی تھیں-

(بخاری شریف)

تحـ.... یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی جو خاص خاص صفات ہیں جیسے احیاء وامانت یا غیب کا علم وغیرہ یا ان میں عموم واطلاق کا دعویٰ کرنا بڑی بے احتیاطی ہے یہاں صحیح اور معتدل راہ یہ ہے کہ ان صفات کو علی الاطلاق تو صرف صانع حقیقی کے لیے تسلیم کیا جائے اور مخلوق کے دائرہ میں جتنا جس کے حق میں قطعی طور پر ثابت ہو جائے صرف اس کا اقرار کر لیا جائے- یہاں مبہم الفاظ یا محض ظنی دلائل یا جذبات محبت کی بنا پر کلی اور قطعی حکم لگا دینا قطعاً مناسب نہیں- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ان کا تذکرہ آپ کے جاں نثاروں کی زبانی حرف بحرف منقول ہے اگر صحیح حقیقت کا پتہ چلانا ہے تو ان سادہ کلمات کو خالی الذہن ہو کر پڑھتے چلے جائیے اور آخر میں جس نتیجہ پر آپ کا ذہن پہنچے اسی کو منزلِ مقصود سمجھئے اسی مقصد کے پیش نظر ہم بہت محدود اور بہت محدود واقعات آپ کے سامنے رکھتے ہیں جن کو صرف مشتے نمونہ از خروارے کہا جا سکتا ہے آپ ان کو اپنے دماغ کو پورے طور پر صاف کر کے پڑھ جائیے پھر آپ کا ضمیر جو فیصلہ دے وہی اپنا عقیدہ رکھیے-

(٧٩٩) * نبی کا غصہ اور مسرت بلکہ انداز غصہ و مسرت بھی بڑا پر اسرار اور معنی خیز ہوتا ہے- یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت تو فرمائی مگر زیادہ شدت سے نہیں- اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ ایک محفل مسرت تھی' نہ کہ مجلس تعلیم و تعلم (جہاں مقصود ہی تعلیم عقائد ہوا کرتی ہے) پھر یہ ایک شاعرانہ نظم تھی نہ کہ ایک متین عبارت' پڑھنے والی بھی کچھ نوعمر لڑکیاں تھیں نہ کہ فہیم اور سن رسیدہ عورتیں اور جو کلمہ اپنی زبانوں سے کہہ رہی تھیں وہ بھی ایک حد تک صحیح تھا اگرچہ اس کی کلیت میں کلام ہو لیکن صاحب نبوت اپنی موجودگی میں ایسی موہم عبارت بھی برداشت نہ فرما سکے جو قرآن کریم کی ظاہر آیت سے ذرا بھی ٹکرائے- سورۂ لقمان میں ہے کہ پانچ باتیں مفاتیح غیب میں داخل ہیں انہیں کوئی نہیں جانتا منجملہ ان کے ایک کل کی بات کا علم ہے-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کی بہت سی خبریں دیں مگر غیب دانی کے دعوے کی بنا پر نہیں بلکہ علم الٰہی کے سامنے اپنی بے مائیگی کے اعتراف کا سر جھکا کر- اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیر متناہی خزانہ غیب سے کچھ عطا فرما دیتا ہے اس سے وہ غیب داں نہیں کہلاتے بلکہ غیب داں کے پیغمبر کہلانے لگتے ہیں- دنیا اس صداقت کے بجائے خود انہیں ہی غیب داں کہنے لگتی ہے- حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھروں کے معاملات بتا دیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود عالم الغیب نہیں بنے مگر عیسائی نہ مانے آخر انہیں غیب داں خدا یا کم از کم اس کا بیٹا ٹھہرا کر ہی چھوڑا- (نعوذ باللّٰہ من ذلک)

(۸۰۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ. اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. (انفرد باخراجه البخاري)

(۸۰۰) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفاتیح غیب پانچ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کب آئے گی اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور وہی مینہ برساتا ہے (اس کا صحیح علم بھی کسی کو نہیں) اور یہ بات بھی وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے اور یہ بھی کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور نہ یہ جانتا ہے کہ کس جگہ مرے گا بے شک اللہ ہی ان سب باتوں کا جاننے والا اور ان سے باخبر ہے۔ (بخاری شریف)

(۸۰۱) عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ اُمَّ الْعَلَاءِ امْرَءَةً مِنَ الْاَنْصَارِ بَايَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهُمُ اقْتَسَمُوا الْمُهَاجِرِيْنَ قُرْعَةً قَالَتْ فَطَارَلَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ وَ اَنْزَلْنَاهُ فِيْ اَبْيَاتِنَا فَوَجِعَ وَجْعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَلَمَّا تُوُفِّيَ غُسِلَ وَ كُفِّنَ فِيْ اَثْوَابِهٖ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَقُلْتُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْكَ اَبَا

(۸۰۱) خارجہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ ام علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک انصاری بی بی تھیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی وہ کہتی ہیں کہ انصار نے مہاجرین کی تقسیم قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کی تو ہمارے حصہ میں عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے ہم نے انہیں اپنے گھروں میں بطور مہمان ٹھہرالیا۔ اتفاقاً وہ ایسے بیمار پڑے کہ اس سے جانبر نہ ہو سکے۔ وفات کے بعد جب انہیں غسل دے دیا گیا اور ان کے کپڑوں میں انہیں کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ام علاء کہتی ہیں میں نے کہا ابوالسائب (ان کی کنیت ہے) تم پر خدا کی رحمت میں

---

(۸۰۰) * قرآن کی اصطلاح میں علم وہ ہے جو خود واقعہ سے حاصل ہو اور کسی واقعہ کے متعلق جو اپنی جانب سے تخمینہ کیا جائے وہ ظن کہلاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں علامات کے ذریعہ بعض ان باتوں کا علم بھی ہو جاتا ہے جو حدیث میں مذکور ہیں لیکن ان کا براہ راست علم اب تک بھی کسی کو نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف استدلال اور علامات کی بنا پر ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت خود بتائیں مگر اس کے باوجود قیامت کے معاملہ میں ہمیشہ اپنی لاعلمی ہی کا اظہار کیا۔ اطباء نے حمل کے مذکر و مؤنث ہونے کی شناختیں لکھی ہیں اسی طرح ہمارے دور میں فضائی اثرات سے موسم کا اندازہ بھی کر لیا جاتا ہے مگر یہ سب ظن کے مرتبہ سے متجاوز نہیں۔ یہ علم استدلالی تو ہے لیکن براہ راست واقعہ کا علم نہیں۔ واقعات کا براہ راست علم اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے۔ ہم حوادث سے غائب رہ کر بذریعہ استدلال ان کو معلوم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ خود حاضر و ناظر ہو کر ان کا علم رکھتی ہے۔ واللہ علیٰ کل شئی شہید کا یہی مطلب ہے۔ اس حدیث کے متعلق حدیث جبرئیل علیہ السلام کا تفصیلی نوٹ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ اور اسی کے ساتھ حدیث ربعی بن حراش مذکورہ ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۴۹۲ بھی ضرور ملاحظہ کیجئے۔

(۸۰۱) * حدیث مذکور میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَ مَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ﴾ (الاحقاف: ۹)

السَّـائِبِ فَشَهَـادَتِيْ عَلَيْکَ لَقَدْ اَکْرَمَکَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُدْرِيْکَ اِنَّ اللّٰهَ اَکْرَمَهٗ فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَنْ يُّکْرِمُهُ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا هُوَ فَوَ اللّٰهِ لَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِيْنُ وَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْلَهُ الْخَيْرَ وَ وَاللّٰهِ مَا اَدْرِیْ وَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَاذَا يُفْعَلُ بِیْ فَقَالَتْ وَ اللّٰهِ لَا اُزَکِّیْ بَعْدَهٗ اَحَدًا اَبَدًا.

(رواه البخاری فی ص ۱۰۳۷)

تمہارے حق میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور تمہیں اپنی رحمت سے نوازا ہوگا آپ نے فرمایا بھلا تمہیں یہ پتہ کیسے چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رحمت سے ضرور نواز دیا ہوگا - میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو بھی رحمت سے نہ نوازے تو اور کس کو نوازے گا - آپ نے فرمایا خدا کی قسم ان کی تو وفات ہوگئی اور مجھے بھی ان کے حق میں مغفرت کی بڑی امید ہے مگر تفصیلی طور پر تو میں اپنے متعلق بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا - یہ سن کر ام علاء نے کہا خدا کی قسم آج کے بعد آئندہ میں کسی کی اس طرح حتمی طور پر تعریف نہ کروں گی - (بخاری شریف)

(۸۰۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ دُعِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جَنَازَةِ صَبِیٍّ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طُوْبٰى لِهٰذَا عُصْفُوْرٌ مِنْ عَصَا فِيْرِ

(۸۰۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک انصاری بچہ کے جنازہ کی نماز کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا - اس بچہ کے متعلق میری زبان سے کہیں یہ نکل گیا کہ یہ بچہ کیسا خوش نصیب تھا یہ تو جنت کی چڑیوں میں ایک چڑیا تھی نہ اس نے کوئی گناہ کیا نہ اتنی عمر پائی کہ گناہ کرتا

---

(۸۰۲) * خلاصہ یہ کہ بخشش و مواخذہ کا معاملہ تمام تر عالم غیب سے متعلق ہے اس میں کسی انسان کو رائے زنی کرنے کا کوئی حق نہیں - مغفرت و عدم مغفرت کے مختلف آئین ہیں کسی کو کیا معلوم کہ قادر مطلق نے کہاں کس آئین کے نافذ کرنے کا ارادہ فرمایا ہے - پس اس حدیث میں بھی کسی مقامی غلطی کی اصلاح منظور نہیں - بلکہ ایک قاعدہ کلیہ کی اصلاح منظور ہے خواہ مقامی اعتبار سے وہ کتنا ہی صحیح ہو - مثل مشہور ہے کہ خطا اگر راست آید تاہم خطا است - قرآن کریم نے علم غیب کو جابجا خدائی خصوصیات میں شمار کیا ہے اور کسی استثناء کے بغیر عالم الغیب کا لقب صرف اپنی ذات کے لیے مخصوص قرار دیا ہے - اس لیے حدیثوں میں بھی اس معاملہ میں احتیاط برتنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ غیب کے امور میں جزم و وثوق کے ساتھ کوئی ادنیٰ دخل اندازی کر سکے حتیٰ کہ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے نفس نفیس کو شامل کر کے ارشاد فرمایا کہ جس کی آنکھوں سے شب و روز میں نہ معلوم کتنے غیوب سے پردے اٹھائے جاتے ہیں اپنی مغفرت کی تفصیلات کے بارے میں پورے پورے علم کا وہ بھی مدعی نہیں بنتا -

قرآن کریم کی کھلی کھلی آیات احادیث رسولؐ کے بے شمار ذخائر اور صحابہ کرام کے عشق نبوی سے لبریز کلمات کے انبار آپ کے سامنے ہیں - ان سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ رسولوں کو عالم الغیب کہنا کبھی اسلامی عقیدہ سمجھا گیا ہو - مذہب اسلام کی سب سے واضح خصوصیت یہ ہے کہ اس میں خدائے تعالیٰ اور بندوں کی صفات اتنی واضح بتائی گئی ہیں کہ ان میں کسی موقعہ پر بھی التباس پیدا نہیں ہوتا - صفت علم جو حق تعالیٰ کی ایک نمایاں ترین صفت ہے اس کے مظاہرے کے لیے ازل میں ملائکۃ اللّٰہ کا وہ معرکۃ آراء واقعہ پیش آیا تھا جس میں انہیں اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کا عتاب آمیز فقرہ سننا پڑا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک کلمہ ''انا اعلم'' کی بدولت کتنا حیران و پریشان ہونا.....

الْجَنَّةِ لَمْ يَعْمَلِ السُّوْءَ وَ لَمْ يُدْرِكْهُ فَقَالَ اَوَ غَيْرَ ذَالِكَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ اَهْلاً خَلَقَهُمْ لَهَا وَ هُمْ فِيْ اَصْلَاب	یہ سن کر آپ نے فوراً فرمایا تم تو یقین کے ساتھ حکم لگا رہی ہو کیا خبر ہے کہیں معاملہ کچھ اور ہو۔ اے عائشہ (جنت و دوزخ کا فیصلہ کچھ ظاہری اعمال پر ہی منحصر نہیں) اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق جنت کے لئے بنائی ہے اور

24

لہ ..... ہونا پڑا اور سب سے آخر میں وہ رسول بھی آ گیا جس کو علم الاولین و الآخرین کا مجموعہ بنا کر بھیجا گیا تھا مگر خالق السمٰوات والارضین کے علم کے سامنے وہ بھی ہمیشہ اپنے عجز و نیاز کا سر جھکائے رہا۔ اور ''رب زدنی علما'' کی ہی دعائیں مانگا کیا اور کسی نے کبھی شاعرانہ رنگ میں بھی اگر اس کے متعلق عموم و اطلاق کے ساتھ علم غیب کی نسبت کر دی تو اس نے وہیں اس کو روک دیا۔ یہاں بالذات اور بالواسطہ کا فرق پیدا کرنا ایک مضحکہ خیز تخیل ہے۔ بندے میں خدائے تعالیٰ کی کوئی صفت نہ بالذات سا سکتی ہے نہ بالعرض خدائے تعالیٰ ایسا یکتا و یگانہ ہے کہ نہ اس کی ذات میں اور نہ اس کی صفات میں سے کسی صفت میں کوئی شریک ہے نہ اس کا احتمال ہو سکتا ہے۔

بس جس جگہ تک میری رسائی ہے ۔۔۔ اس کے بس اس طرف تیری خدائی ہے

اسی طرح کائنات ہستی کے جمیع ما کان اور ما یکون کا علم بھی کسی کے حق میں تسلیم کرنا اسلامی عقیدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے ماوراء اگرچہ بے شمار علوم اور بھی ہیں مگر وہ انسانی دماغ کے تصور سے باہر ہیں انسانی دماغ صرف ان ہی علوم کا تصور کرتا ہے جو کائنات میں اس کو نظر آتے ہیں پس اگر ان علوم میں خالق اور مخلوق مساوی ہوں تو پھر صفت علم کے بارے میں وہ خالق کی برتری کا کوئی تصور کر ہی نہیں سکتا حالانکہ اسلام میں خالق کی برتری کا تصور اتنا اعلیٰ سکھایا گیا ہے کہ اس کے نام کے برابر بھی کسی مخلوق کا نام لینا اس کی برتری کے خلاف سمجھا گیا ہے پھر ذرا یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ کائنات ہستی میں ایسی اشیاء بھی بے شمار موجود ہیں جن کا علم خالق کے لیے تو ضرور موجب کمال ہے مگر انسان کے لیے کوئی کمال نہیں۔ مثلاً کسی میدان کے ریت کے ذرات یا کسی درخت کی شاخوں کے پتے یا اسی قسم کے اور علوم جو انسانیت کی تکمیل کے لیے غیر ضروری بلکہ اور مخل ہیں یہ سب جب عام انسانوں کے حق میں کوئی کمال نہیں سمجھے جاتے تو ان میں جو سب سے بزرگ تر ہستیاں ہوں ان کے لیے کیا موجب کمال ہو سکتے ہیں۔ یہ محض جاہلانہ خوش عقیدگی ہے جس کو شرف انسانی سے کوئی تعلق نہیں۔ چہ جائے کہ ان کو اسلامی عقیدہ کہا جائے۔ خدا کے مقدس رسولوں کے علم کے متعلق اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ اس کے پورے پورے وزن کرنے کی کوشش کی جائے کیا اتنا کہنا کافی نہیں ہو سکتا کہ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ان مباحث میں پڑ کر بے وجہ اپنے ایمان کو زخمی نہ کیجئے رسولوں کی پوری عظمت سے دل معمور رکھئے اور ان میں خاتم الرسل کی امتیازی شان کو اپنا دین و ایمان سمجھئے بس یہی راہ سیدھی ہے فاتبعوہ۔

یہ یاد رہے کہ اسلامی عقائد اور اس کے مذاق کا اندازہ صرف قرآن حکیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات قدسیہ سے لگانا چاہیے۔ عشاق کے پر از جذبات کلمات یا شاعروں کے مبالغہ آمیز بیانوں سے نہیں۔ علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ جو الفاظ مقام مذمت یا مقام مدح کے ذیل میں آ جاتے ہیں ان سے کسی مسئلہ کا استنباط کرنا صحیح نہیں وہ صرف متکلم کے جذبات احترام یا اس کے جذبات توہین کے ترجمان ہوتے ہیں ان کا مقصد مخاطب کے ذہن میں کسی کی محبت یا کسی سے نفرت قائم کرنا ہوتا ہے کسی عقیدہ کی تعلیم دینا نہیں ہوتا۔
دیکھو قرآن حکیم نے بلقیس کے شاہی ساز و سامان کی فراوانی کے متعلق و اوتیت من کل شیء (اس کو تمام چیزیں عطا ہوئی تھیں) لہ .....

24

اٰبَائِهِمْ وَ خَلَقَ لِلنَّارِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَ هُمْ فِیْ اَصْلَابِ اٰبَائِهِمْ. (رواہ مسلم)

اس کو اسی وقت جنتی بنا دیا تھا جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت ہی میں تھی اور اسی طرح ایک مخلوق دوزخ کے لیے بنائی ہے اور ان کو بھی اسی وقت دوزخی بنا دیا تھا جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں موجود تھی۔ (مسلم شریف)

(۸۰۳) عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْتَ مَیْمُوْنَةَ فَاُتِیَ بِضَبٍّ مَحْنُوْذٍ فَاَهْوٰی اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِهٖ فَقَالَ بَعْضُ النِّسْوَةِ اَخْبِرُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَا یُرِیْدُ اَنْ یَاْکُلَ فَقَالَ هُوَ ضَبٌّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَرَفَعَ یَدَهٗ فَقُلْتُ اَحَرَامٌ

(۸۰۳) خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بھنی ہوئی گوہ پیش کی گئی۔ آپ نے اس کی طرف اپنا دست مبارک بڑھایا۔ اس پر آپ کی بیبیوں میں سے کسی نے کہا جس چیز کے تناول فرمانے کا آپ ارادہ فرما رہے ہیں آپ کو اس کی اطلاع دے دو۔ اس پر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ گوہ ہے یہ سن کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ میں نے پوچھا یا رسول

﴿..... کا کتنا عام لفظ استعمال فرمایا مگر کیا اس فصیح و بلیغ انداز بیان سے کوئی شخص یہ عقیدہ رکھنے کا مجاز ہوسکتا ہے کہ اس کو حقیقۃً تمام اشیاء عطا کر دی گئی تھیں حتیٰ کہ تمام غیوب کا علم بھی۔ یا یہ صرف اس کی شان ملوکیت کی عظمت کا ایک بلیغ انداز بیان تھا۔ یاد رکھو کہ صفات الٰہیہ میں صفت علم ایک بڑی ممتاز صفت ہے اس میں کسی بندہ کو اس طرح شریک کر دینا کہ خدا اور بندہ کے درمیان اس میں کوئی التباس پڑنے لگے یہ ٹھیک مشرکانہ رسم ہے۔ مشرکین عرب بھی اپنے بتوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں شریک ٹھہراتے اور جب ان پر مساوات اور شرک کا اعتراض کیا جاتا تو اسی طرح مختلف قسم کے حیلے بہانے بنا دیتے۔ کبھی یہ کہہ دیتے کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم کو ذرا قریب کر دیں اور کبھی ان کی شفاعت کا بہانہ کر دیتے ان تمام تاویلوں کے باوجود ان کا سر نیاز اگر جھکتا تو ان بتوں ہی کے سامنے جھکتا اور جب کبھی ان کے سامنے خدائے وحدہ لاشریک لہ کا ذکر آ جاتا تو وہ ہمیشہ اکڑ جاتے۔ خوب سن لیجئے کہ مذہب اسلام میں نہ کسی ایسے عقیدہ کے لیے کوئی گنجائش ہے اور نہ کسی مشرکانہ عمل کے لیے وہ ذہنی اور عملی ہر لحاظ سے کفر سے اتنا ممتاز ہے جتنا دن رات سے۔ واللّٰہ ولی الامور۔ اب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مشتے نمونہ از خروارے چند روزمرہ کے وہ واقعات ملاحظہ فرمائیے جن سے آپ کو صحیح صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ جس کے سینہ میں علوم ہدایت کے سمندر بہا دیئے گئے تھے دنیا کے غیر ضروری امور میں اس کا حال کیا تھا۔

(۸۰۳) * یہ روزمرہ کا ایک سادہ واقعہ ہے دیکھئے یہاں حاضرین مجلس حتیٰ کہ امہات المؤمنین جیسی خاص ہستیوں میں سے کسی ایک کے ذہن میں بھی یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب کا اس طرح احاطہ حاصل تھا کہ عالم کا کوئی ذرہ آپ کے علم سے باہر نہ تھا وہ کس صفائی سے ایک معمولی سی کھانے کی چیز کے متعلق آپ کو ٹوک دیتی ہیں اور آپ بھی فوراً متنبہ ہو کر اس کے تناول فرمانے سے دست کش ہو جاتے ہیں اور یہ نہیں فرماتے کہ یہ تو میں خود بھی جانتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ حضرت میمونہؓ سے عقد کے بعد کا واقعہ ہے۔ جو آپ کی بہت آخر عمر کا ہے۔

هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَ لٰكِنْ لَّمْ يَكُنْ بِاَرْضِ قَوْمِيْ فَاَجِدُنِيْ اَعَافُهٗ قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهٗ فَاَكَلْتُهٗ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ. (رواه البخاری)

اللہ کیا یہ جانور حرام ہے؟ فرمایا نہیں تو لیکن ہمارے ملک میں نہیں ہوتا اس لیے مجھے اس سے نفرت ہے خالد کہتے ہیں میں نے اس کو کھینچ کر اپنی طرف بڑھالیا اور آپ کے سامنے اس کو کھاتا رہا۔

(بخاری شریف)

(۸۰۴) عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَ اِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَ لَعَلَّ

(۸۰۴) حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک انسان ہی ہوں اور تم لوگ اپنے جھگڑے لے لے کر میرے پاس آتے رہتے ہو، ہوسکتا ہے کہ تم میں ایک آدمی اپنے دلائل بنا سنوار کر بیان کرنے

---

(۸۰۴) * شرح معانی الآثار میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح منقول ہیں انما انا بشر و لا ادری باطن ماتتحاکمون فیه عندی و تختصمون فیه لدی و انما اقضی بینکم علی ظاهر ما تقولون - یعنی میں ایک انسان ہوں اور جن معاملات کے فیصلے تم میرے پاس لے کر آتے ہو ان کی حقیقت تو میں جانتا نہیں - میں تو جیسا تم مجھ سے بیان کر دیتے ہو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہوں - امام بخاریؒ نے باب اثم من خاصم فی باطله و هو یعلمه. (ص۳۳۲) میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس میں یہ لفظ روایت کیے ہیں فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انه قد صدق. یہ ہوسکتا ہے کہ تم میں کوئی دوسرے سے زیادہ دلسان ہو، اور اس بنا پر میں یہ خیال کر لوں کہ جو بات اس نے کہی ہے وہ سچ ہی کہی ہے - علامہ قسطلانی انما انا بشر کی وجہ حصر میں لکھتے ہیں - لا نه حصر خاص ای باعتبار علم البواطن و یسمی عند علماء البیان قصر القلب لا نه اتی به علی الرد علی من زعم ان من کان رسولا یعلم الغیب فیطلع علی البواطن و لا یخفی علیه المظلوم و نحو ذلک فاشار الی ان الوضع البشری یقتضی ان لا یدرک من الا مور و الا ظواهر ها فانه خلق خلقا لا یسلم من قضایا تحجبه عن حقائق الا شیاء فاذا ترک علی ماجبل علیه من القضایا البشریة و لم یؤید بالوحی السماوی طرأ علیه مایطرأ علی سائر البشر - (ج۴ص۲۶۲) یعنی یہاں آپ نے اپنی بشریت کو بصیغہ حصر اس لیے ذکر کیا ہے حالانکہ آپ بہت سے اوصاف میں عام بشریت سے کہیں بالا و برتر تھے تاکہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ جب رسول کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں تو اس پر ہر معاملہ کی حقیقت بھی ٹھیک ٹھیک طور پر روشن ہو جاتی ہوگی اور وہ یہ بھی جان لیتا ہوگا کہ فریقین میں مظلوم کون ہے اور ظالم کون - اس خیال کی تردید کے لیے آپؐ نے فرمایا کہ بشری ساخت ہی اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ بشر صرف ظاہری حالت ہی کا ادراک کر سکتا ہے اور اس کو ایسے حالات پیش آئے بغیر چارہ نہیں ہوتا جو اس کے لیے اشیاء کی حقیقت کے ادراک سے مانع آ جائیں پس جب تک قدرت اس کو اپنی فطرت کے خلاف نہ چلائے اور آسمانی وحی سے اس کی تائید نہ فرمائے اس پر وہی حالات طاری ہوتے ہیں جو دوسرے انسانوں پر طاری ہوا کرتے ہیں -

علامہ قسطلانی کے بیان سے یہ حقیقت خوب واضح ہوگئی کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب کیوں نہیں ہوتے اور وہ یہ کہ انسان کی بشری ساخت ہی میں اس کی صلاحیت نہیں - اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے حالات و اوصاف کے ساتھ پیدا فرمایا ہے جن کی وجہ سے اس کو غائبات کا بلاواسطہ علم ہو ہی نہیں سکتا اور جن باتوں کا اس کو علم ہوتا ہے یہ ان کی فطرت کا تقاضہ نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی وقتی اطلاع سے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس میں اطلاق و عموم کہاں اس کے بعد علامہ موصوف اس کی حکمت بھی لکھتے ہیں کہ رسول کو اپنے مقدمات کے متعلق غیب کا علم للہ ....

بَعْضُكُمْ اَنْ يَكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيَ لَهٗ عَلٰي نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَلَا يَاْخُذَنَّهٗ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ. (متفق علیه)

میں دوسرے شخص سے زیادہ ماہر ہو اور میں (اس کے بیان سے متاثر ہوکر) جیسا اس کا بیان سنوں اسی کے مطابق فیصلہ صادر کردوں تو اگر میں کسی کے بھائی کے حق کا فیصلہ اس کے حق میں اس طرح دے دوں تو اسے چاہیے کہ وہ میرے اس طرح کے فیصلہ پر اعتماد کر کے اس کا مال دبا نہ لے اور یہ سمجھے کہ جو مال اس کو اس فیصلہ سے ملا ہے وہ حقیقت میں آگ کا ایک انگارہ ہے۔ (متفق علیہ)

لله ....کیوں نہیں دیا۔ تا کہ شاہد و یمین کا قصہ ہی ختم ہو جاتا اور رسول اپنے یقین کی بنا پر جس طرح اور احکام شریعت بیان کیا کرتا ہے اسی طرح مقدمات کے فیصلے بھی صادر کر دیا کرتا۔ و لم يطلعه الله تعالى على حقيقة الامر في ذلك حتى لا يحتاج الى بينة و يمين تعليما لتقتدى به امته فانه لو حكم في القضايا بيقينه الحاصل من الغيب لما امكن الحكم لامته من بعده . (ج ا ص ۲۳۰)
اور نوویؒ لکھتے ہیں لكن لما امر الله امته باتباعه...... اجرى له حكمهم في عدم الاطلاع على باطن الامور ليكون حكم الامة في ذلك حكمه فاجرى الله تعالى احكامه على الظاهر الذى يستوى فيه هو و غيره ليصح الاقتداء به و تطيب نفوس العباد للانقياد للاحكام الظاهرة من غير نظر الى الباطن و الله تعالى اعلم۔ (ج ۲ ص ۷۴)

علامہ قسطلانی اور امام نووی کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو تمام مقدمات میں صحیح صحیح حالات کی اطلاع دے دیا کرتا تا کہ وہ صرف اپنے علم کی بنا پر مقدمات کے فیصلے صادر کر دیا کرتے تو ان کی امت اس بارے میں کیسے ان کی اتباع کر سکتی۔ اس لیے اس نے واقعات اور معاملات کی اطلاع دینے کی بجائے تفتیش و اجتہاد کرنا اور مدعی سے ثبوت اور مدعی علیہ سے قسم لینا ان کے لیے آئین مقرر کیا اور تمام امت کو یہ حکم دیا کہ وہ بھی اسی طرح معاملات کے فیصلے کیا کریں۔ البتہ مدعی کو یہ اخلاقی فہمائش بھی کر دی کہ وہ اس شرعی آئین سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اور یقین رکھے کہ اگر وہ اپنی چرب زبانی کی بدولت ظاہری آئین سے فائدہ اٹھا لے گا تو باطنی آئین کی گرفت سے باہر نہیں جا سکتا اگر کوئی مال اس نے ناجائز شہادت سے حاصل کر لیا ہے تو قیامت میں وہ اس کے لیے آتش دوزخ کی شکل میں نظر آئے گا۔ مدعی علیہ اگر یہاں کسی آئینی مجبوری سے ناکام رہ گیا ہو تو وہ احکم الحاکمین کی عدالت میں ناکام نہیں ہوگا۔ کچھ اسی جگہ نہیں بلکہ اسلام میں ظاہری آئین کی روح ہر جگہ یہی تعلیم کی گئی ہے اگر ظاہری آئین کی پشت پر عالم باطن کی گرفت کا خوف نہ ہو تو پھر صرف ظاہری آئین نظم و نسق کے بجائے مزید شر و فساد کا موجب بھی ہو سکتا ہے۔ رہا واقعات کی پوری اطلاع کے بعد پھر نبی کو واقعات کے خلاف فیصلے دینے کا حکم تو یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ یہاں صرف یہی دو راہیں تھیں ایک یہ کہ اگر ظاہری آئین پر فیصلے دینے کا آئین مقرر کیا جائے تو تمام واقعات کی صحیح صحیح اطلاع دینا آئین نہ ہو اور اگر صحیح صحیح واقعات کی اطلاع دینا آئین مقرر ہو تو پھر شہادت اور قسم پر فیصلہ کرنا آئین مقرر نہ ہو۔ یہی سبق ہم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصے سے ملتا ہے دیکھیے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر شریعت کا مکلف بنایا گیا تھا تو حقائق کے چہروں سے نقاب کشائی کا ان سے کوئی وعدہ نہیں کیا گیا اور اگر حضرت خضر علیہ السلام پر اسرار کائنات کھولے گئے تھے تو پھر انہیں ظاہر شریعت کا مکلف بھی نہیں بنایا گیا تا کہ انکشاف حقائق جگہ جگہ ظاہری آئین کے خلاف کا تقاضا نہ کرے اور اسی طرح ظاہری آئین حوادث عالم کے تسلسل میں خلل انداز بھی نہ ہوں وہ نظر قدرت میں جس طرح یکے بعد دیگرے بچھے ہوئے ہیں اسی طرح ظہور پذیر ہوتے چلے جائیں اور آئین شریعت جس طرح اپنا نفاذ چاہتا ہے وہ بھی اسی طرح نافذ ہوتا چلا جائے لله ...

(۸۰۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَلَمَّا کَبَّرَ اِنْصَرَفَ وَ اَوْمٰی اِلَیْهِمْ اَنْ کَمَا اَنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَ رَأْسُهٗ یَقْطُرُ فَصَلّٰی بِهِمْ فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ اِنِّیْ کُنْتُ جُنُبًا فَنَسِیْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ. (رواه احمد و روی مالک عن عطا بن یسار مرسلاً)

(۸۰۵) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لائے - قریب تھا کہ تکبیر کہتے کہ فوراً آپؐ واپس تشریف لے گئے اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ جس طرح تم اب ہو اسی طرح رہنا غسل کر کے پھر باہر تشریف لائے اور آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا' آپ نے نماز پڑھائی اور فارغ ہو کر فرمایا میں جنابت کی حالت میں تھا اور غسل کرنا بھول گیا تھا - (احمد - مالک)

(۸۰۶) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّیْتُ وَرَاءَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ اِلٰی بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَیْهِمْ فَرَاٰی اَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ قَالَ ذَکَرْتُ شَیْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَکَرِهْتُ اَنْ یَحْبِسَنِیْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ. (رواه البخاری)

(۸۰۶) عقبہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی - آپ سلام پھیر کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے جلدی جلدی کسی بی بی صاحبہ کے گھر تشریف لے گئے - لوگ آپؐ کی یہ عجلت دیکھ کر گھبرا گئے - جب آپؐ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ آپؐ کی اس عجلت پر حیران ہیں - آپؐ نے فرمایا مجھے اپنے گھر میں سونے کی ایک ڈلی رکھی ہوئی یاد آ گئی تھی - مجھے یہ بات ناپسند ہوئی کہ مبادا وہ میرے تعلق خاطر کا باعث بنے - اس لیے میں اس کو تقسیم کرنے کے لیے کہہ آیا ہوں - (بخاری شریف)

لا ... خواہ واقعات کے حقائق کا اقتضاء کچھ بھی ہو' اگر ایسا نہ کیا جاتا تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم رسول حضرت خضر علیہ السلام کی اتباع صبر و سکون کے ساتھ نہ کر سکا تو یہ بے صبر امت اپنے رسول کی اتباع بھلا کیا کر سکتی - بایں ہمہ یہ اعتراف ہے کہ بیسیوں مقامات پر نبی کو حقیقت حال پر متنبہ بھی کر دیا جاتا ہے مگر یہ اعجاز کے طور پر نہ کہ آئین کے طور پر -

(۸۰۶) ٭ سچ کہا ہے علامہ قسطلانی نے کہ قدرت نے انسان کو پیدا ہی ایسی وضع پر کیا ہے کہ غیب کے علوم کا احاطہ تو درکنار اس کو حاصل شدہ علوم کا دائمی استحضار رہنا بھی مشکل ہے - ایک وقت انسان کی ملکی قوت عروج کرتی ہے تو وہ عرش کی خبریں دینے لگتا ہے اور ایک وقت اس پر بشریت کا دباؤ پڑتا ہے تو وہ خود اپنی معلومات بھی فراموش کر بیٹھتا ہے اسی مد و جزر میں انسانی ترقی کا راز مضمر ہے - خطاء و نسیان انسان کے لیے عیب نہیں - غیر محدود اختیار اور جزئیات و کلیات غیب کا احاطہ اس کی نوع کا کمال نہیں - قدرت نے اس کی فطرت ایسے ہی ضعف و ناتوانی کے اندر بنائی ہے کہ وہ خطا بھی کرے گا اور بھولے گا بھی مگر اس کا یہ فطری ضعف اس کے لیے موجب نقصان نہ ہوگا بلکہ اور موجب کمال ہوگا - ایک روایت میں ہے انما انسی لاسن یعنی لوگ تو خود بھولتے ہیں مگر مجھ پر قدرۃً نسیان ڈالا جاتا ہے تا کہ بنی آدم نسیان کے احکام سیکھیں - پس جس طرح نبی کے نسیان سے مقصد نسیان کی سنت بتانی ہے اسی طرح واقعات و حوادث کی حقیقت سے بے خبر رکھ کر صرف ان کی سطح پر نبی کو فیصلہ صادر فرمانے کے حکم سے مقصد مقدمات میں فیصلہ کرنے کا آئین سکھانا ہے -

(۸۰۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُهٗ.

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۸۰۷) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوشخص میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے تو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ (شعب الایمان)

(۸۰۸) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ اِنَّ حِبْرًا مِنَ الْیَهُوْدِ سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْبِقَاعِ خَیْرٌ فَسَکَتَ عَنْهُ وَ قَالَ اَسْکُتُ حَتّٰی یَجِیْءَ جِبْرَئِیْلُ فَسَکَتَ وَ جَاءَ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَسَأَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَ لٰکِنْ اَسْأَلُ رَبِّیْ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی ثُمَّ قَالَ جِبْرَئِیْلُ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ دَنَوْتُ مِنَ اللّٰهِ دُنُوًّا مَادَنَوْتُ مِنْهُ قَطُّ قَالَ وَ کَیْفَ کَانَ یَا جِبْرَئِیْلُ قَالَ کَانَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُهَا وَ خَیْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا.

(۸۰۸) ابوامامہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمایئے سب سے بہتر جگہ کون سی ہے۔ آپ یہ کہہ کر خاموش ہو رہے کہ میں ذرا جبرئیل کے آنے تک خاموش رہتا ہوں۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام آ گئے' آپؐ نے ان سے یہ سوال کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ جس سے آپؐ پوچھ رہے ہیں اس کو بھی سائل سے زیادہ اس کا علم نہیں۔ لیکن دیکھیے میں اپنے پروردگار سے جا کر پوچھتا ہوں اس کے بعد انہوں نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج مجھے اللہ تعالیٰ سے اتنا قرب نصیب ہوا کہ اس سے قبل کبھی نصیب نہیں ہوا تھا آپؐ نے پوچھا اے جبرئیل آخر کتنا قرب نصیب ہو گیا؟ عرض کیا کہ میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر ہزار حجاب قائم تھے (ان حجابات کے اندر سے ارشاد فرمایا) کہ سب سے بدتر مقامات بازار ہیں اور سب سے بہتر مسجدیں ہیں۔ (ابن حبان)

(رواه ابن حبان في صحيحه عن ابن عمر و حديث ابغض البقاع و احب البقاع مروى عن ابى هريرة عند مسلم و لكن بدون تلك القصة)

---

(۸۰۷) * یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتی وہ جس طرح اپنے بعض حیات کے احکام میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح بعض وفات کے احکام میں بھی ممتاز ہوتے ہیں۔ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی' ان کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہوتا ہے البتہ قریب و بعید باتوں کے سننے اور جاننے کا جو آئین ان کی زندگی میں تھا وہی آئین ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہتا ہے یعنی جس طرح اپنی حیات میں وہ قریب کی بات خود سنا کرتے تھے اسی طرح وفات کے بعد قریب کی درود شریف بنفس نفیس خود ہی سنتے ہیں اور جس طرح پہلے دور کی باتوں کا علم ان کو کسی قاصد یا خطوط کی معرفت ہوا کرتا تھا اسی طرح درود شریف کے حق میں بھی وہی نظم و نسق قائم رہتا ہے بقیہ معاملات کا نظم کس طرح ہے اس کا ذکر اس حدیث میں نہیں۔ پس جس نے یہ دعویٰ کیا کہ حیات یا وفات ہمہ وقت رسول کو ہر ہر جزئی و کلی کا علم ہوتا ہے یہ بھی بے دلیل دعویٰ ہے اور جس نے رسول کے متعلق عام انسانوں جیسا عقیدہ رکھا وہ بھی مقام رسالت سے قطعاً ناآشنا و نابلد ہے۔

(۸۰۹) عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ فِیْہِمْ فَذَکَرَ لَھُمْ اَنَّ الْجِھَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ الْاِیْمَانَ بِاللّٰہِ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُکَفِّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ اِنْ قُتِلْتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ قُلْتَ فَقَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَیُکَفِّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ اَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ اِلَّا الدَّیْنَ فَاِنَّ جِبْرَئِیْلَ قَالَ لِیْ ذَالِکَ۔ (رواہ مسلم)

(۸۰۹) ابوقتادہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تقریر فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے' اس میں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کے لئے جہاد کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا بہت بہتر عمل ہیں اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا یارسول اللہ فرمایئے اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری خطائیں بخش دی جائیں گی؟ آپؐ نے فرمایا جی ہاں بشرطیکہ تو صبر اور نیک نیتی کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹے- اس کے بعد آپؐ نے فرمایا' اچھا پھر پوچھ کیا پوچھتا تھا اس نے پھر پوچھا کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری سب خطائیں بخش دی جائیں گی- آپ نے فرمایا بے شک بشرطیکہ تو نیک نیتی اور صبر کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹنے پائے -مگر ایک حق کی معافی پھر بھی نہ ہوگی اور وہ قرض ہے- جبرئیل علیہ السلام نے ابھی ابھی آکر مجھ سے کہا ہے-

(مسلم شریف)

(۸۱۰) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِمَّا اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِنْ بَعْدِیْ مَا یُفْتَحُ عَلَیْکُمْ مِنْ زَھْرَۃِ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتِھَا فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوَ یَاْتِی الْخَیْرُ بِالشَّرِّ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ یُنْزَلُ عَلَیْہِ قَالَ فَمَسَحَ عَنْہُ الرُّحَضَاءَ وَ قَالَ اَیْنَ

(۸۱۰) ابوسعید خدریؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن باتوں کا مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے ان میں سے دنیا کی وہ رونق اور اس کی وہ فتوحات ہیں جو میرے بعد تم کو نصیب ہوں گی- اس پر ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ (یہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہوگی) بھلا کیا نعمت بھی کسی خطرہ کا سبب بن سکتی ہے اس پر آپؐ اس طرح خاموش ہو گئے جس سے ہم یہ سمجھے کہ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی ہے- راوی کہتا ہے کہ حسب دستور آپ نے اپنے روئے انور سے پسینہ پونچھا (جو بوقت نزول وحی آجایا کرتا تھا) اور فرمایا وہ سوال کرنے والا کدھر گیا

(۸۱۰) * حدیثوں میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن باتوں کا علم نہ ہوتا ان کے جواب کے لیے کبھی تو جبرئیل علیہ السلام از خود تشریف لے آتے اور کبھی آپؐ ان کی آمد کا انتظار فرماتے اور آپ کے جواب میں اگر کوئی اجمال رہ جاتا تو جبرئیل علیہ السلام فوراً اس کی ضروری تفصیل کر دیتے درحقیقت یہ نبی کا بہت بڑا کمال ہے اور اس کی صداقت کی سب سے واضح دلیل ہے کہ وہ دین کے بارے میں ایک حرف بھی اپنی جانب سے نہیں کہتا- جس طرح نبی کی فتح وشکست اس کی صداقت کی دلیلیں ہوتی ہیں اسی طرح اس کا نطق وسکوت بھی اس کی صداقت کا ایک محکم ثبوت ہوتا ہے- یہاں بے علم برعکس اس کو نقصان کا موجب ہے ....

السَّائِلُ وَ كَأَنَّهُ حَمِدَهُ فَقَالَ اِنَّهُ لَايَأتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ وَ اِنَّ مِمَّا يُنْبِتُ الرَّبِيْعُ مَا يَقْتُلُ حَبْطًا اَوْيُلِمُّ اِلَّا اٰكِلَةَ الْخَضِرِ اَكَلَتْ حَتّٰى اِمْتَدَّتْ خَاصِرَ تَاهَا اِسْتَقْبَلَتْ عَيْنَ الشَّمْسِ فَثَلَطَتْ وَ بَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَاَكَلَتْ وَ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ اَخَذَهُ بِحَقِّهٖ وَوَضَعَهُ فِيْ حَقِّهٖ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَةُ هُوَ وَ مَنْ اَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهٖ كَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَ لَا يَشْبَعُ وَ يَكُوْنُ شَهِيْدًا عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(متفق علیہ)

(آپ نے اس طرح پوچھا) گویا اس کے سوال کی تعریف کی اور فرمایا بھئی نعمت تو کسی نقصان کا موجب نہیں بنتی (البتہ اس کا بے جا استعمال نقصان کا موجب بن جاتا ہے) آخر موسم بہار سبزا اگاتا ہے اور وہی سبزا کبھی جانور کی موت کا باعث بھی بن جاتا ہے یا اس کو موت کے قریب پہنچا دیتا ہے- ہاں ایک وہ جانور جس نے خوب کھایا اور جب اس کی دونوں کوکھیں تن گئیں تو دھوپ میں جا بیٹھا پھر چھیرا اور پیشاب کیا' اس کے بعد پھر گیا اور پھر سبزہ کھایا- اسی طرح مال و دولت کی حالت ہے وہ بھی دیکھنے میں خوش نما اور ذائقہ میں شیریں چیز ہے جو شخص اسے جائز طور پر حاصل کرتا ہے اور اس کو برمحل صرف کرتا ہے اس کا تو کیا کہنا وہ تو انسان کے لیے ایک عمدہ سہارا ہے لیکن جو اس کو ناجائز طور پر حاصل کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھائے چلا جائے مگر اس کا پیٹ نہ بھرے (کاسہ چشم حریصاں پر نہ شد) اور یہ قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا- (متفق علیہ)

(۸۱۱) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِاَصْحَابِهٖ اِذْ خَلَعَ نَعْلَيْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ يَسَارِهٖ فَلَمَّا رَاٰى ذَالِكَ الْقَوْمُ اَلْقَوْا نِعَالَهُمْ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَهُ قَالَ مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى اِلْقَاءِ نِعَالِكُمْ قَالُوْا رَاَيْنَاكَ اَلْقَيْتَ نَعْلَيْكَ فَاَلْقَيْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ اَتَانِيْ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ فِيْهِمَا قَذَرًا اِذَا

(۸۱۱) ابو سعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے کہ دفعۃً آپؐ نے نعلین مبارک اتار کر اپنی بائیں جانب رکھ لیے- یہ دیکھنا تھا کہ صحابہ کرام نے بھی اپنے اپنے چپل اتار ڈالے- جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز پوری فرما چکے تو ان سے پوچھا تم لوگوں نے اپنے چپل کیوں اتار دیئے- انہوں نے عرض کیا ہم نے آپؐ کو چپل اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتار ڈالے- آپؐ نے فرمایا میرے پاس تو جبرئیل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ (آپؐ کے) چپلوں میں کچھ گندگی لگی ہوئی ہے- تم جب مسجد میں آیا کرو تو پہلے اپنے چپل دیکھ لیا کرو- اگر ان میں کوئی گندگی نظر آئے تو اس کو صاف کر کے پھر

.... گردان لیتا ہے- مذکورہ بالا سوال ہی کو دیکھئے اگر یہ ہم سے کہا جاتا تو ہم اپنی عقل سے بھی اس کا کوئی نہ کوئی جواب تراش دیتے مگر نبی اجتہاد کے لیے بھی پہلے وحی کا انتظار کرتا ہے اسی لیے اس کا نطق و سکوت دونوں وحی سمجھے جاتے ہیں- الحاصل یہ تیئس سال تک جو کچھ بھی آپؐ سے کہا جاتا تھا سارا کا سارا غیب ہی کا علم تو تھا پس کیا اس میں کسی مسلمان کو کلام ہو سکتا ہے کہ قدرت نے آپؐ کے سینے میں بے شمار غیوب کے سمندر بہا دیئے تھے مگر بحث تو صرف اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح کیا عالم کی ہر ہر جزئی کا ہمہ وقت بھی آپؐ کو علم حاصل تھا؟ اس طرح کے علم کا ثبوت حدیثوں سے ہم کو تو نہیں مل سکا- اگر کسی ایک حدیث میں کوئی لفظ مبہم ملا بھی تو بیسیوں حدیثوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس کی تشریح بھی مل گئی- پھر کیا صاف صاف تشریحات کو چھوڑ کر مبہم الفاظ کو عقیدہ بنا لینا کوئی دین کی بات ہو گی-

جَاءَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ فَاِنْ رَاٰى قَذَرًا فَلْيَمْسَحْهُ وَ لْيُصَلِّ فِيْهِمَا. (رواہ ابو داؤد)

ان سے نماز پڑھ لیا کرو۔ (ابوداؤد)

(۸۱۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَرْبَعٍ مَضَيْنَ مِنْ ذِى الْحِجَّةِ اَوْ خَمْسٍ فَدَخَلَ عَلَىَّ وَ هُوَ غَضْبَانُ فَقُلْتُ مَنْ اَغْضَبَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ قَالَ اَوَ مَا شَعُرْتِ اَنِّىْ اَمَرْتُ النَّاسَ بِاَمْرٍ فَاِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُوْنَ وَ لَوْ اِنِّىْ اِسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِىْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْىَ مَعِىْ حَتّٰى اَشْتَرِيَهُ ثُمَّ اَحِلَّ كَمَا حَلُّوْا. (رواہ مسلم)

(۸۱۲) حضرت عائشہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے قصہ میں نقل کرتی ہیں) کہ آپؐ چوتھی پانچویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے جب میرے پاس تشریف لائے تو اس وقت آپ پر غصہ کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے عرض کیا آپؐ کو کس نے خفا کیا' خدائے تعالیٰ اس کا برا کرے۔ آپؐ نے فرمایا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ میں لوگوں کو ایک بات کا حکم دیتا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ اس پر عمل کرنے کے بجائے اس میں اور پس و پیش کرتے ہیں۔ کاش اگر میں اس کو پہلے سے جانتا تو میں بھی اپنے ہمراہ ہدی کا جانور نہ لاتا اور یہاں سے ہی خرید لیتا اور اپنا احرام بھی اسی طرح کھول ڈالتا جس طرح اور لوگوں نے کھولا۔ (مسلم شریف)

(۸۱۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّىْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَىَّ شَرِبَ وَ مَنْ شَرِبَ لَمْ

(۸۱۳) سہل بن سعد روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں' تمہارے لیے پانی پینے کا بندوبست کروں گا جو شخص میرے حوض پر آئے گا وہ اس کا پانی پیئے گا اور جو اس کا پانی

---

(۸۱۲) ٭ مکہ مکرمہ میں پہنچ کر آپؐ نے ایک دینی مصلحت کی وجہ سے لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سب اپنے اپنے احرام کھول ڈالیں اور حج کے بجائے عمرہ ادا کرلیں۔ پھر جب حج کا وقت آئے تو حج کا احرام باندھ کر حج کرلیں یہ تمتع کی شکل ہو جائے گی لیکن جو لوگ حج کا احرام باندھ چکے تھے ان کو حج کی ادائیگی سے پہلے اپنا احرام کھول دینا بہت شاق گذرا بالخصوص جب کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپؐ نے بھی اپنا احرام نہ کھولا تھا۔ آپؐ چونکہ اپنے ہمراہ ہدی لائے تھے اس لیے ہدی کی موجودگی میں احرام کھول دینا آپ کے لیے درست نہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے پہلے یہ خبر ہوتی کہ اس بنا پر لوگ اپنے احراموں کے کھولنے میں تردد کریں گے تو میں بھی اپنے ہمراہ ہدی نہ لاتا اور ان کے ساتھ ہی احرام کھول دیتا۔ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اب بے لطفی کا باعث کل یہ ہوا کہ رسول کو ہمیشہ ہر بات کا علم نہیں ہوا کرتا۔ ورنہ آپؐ اپنے ہمراہ ہدی ہی نہ لاتے۔ اب اس جہان سے گذر کر کچھ محشر کا حال سنئے۔

(۸۱۳) ٭ بعض روایات میں اصیحابی اصیحابی کا لفظ بصیغہ تصغیر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ جماعت بہت مختصر سی جماعت ہوگی۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ وہ منافقین کی جماعت ہوگی جو جہادوں میں بمجبوری آپؐ کے ساتھ لگی رہا کرتی تھی اور دراصل کافر تھی دیکھو کتاب تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۲۹۶۔ قرآن کریم میں ہے۔ ﴿وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ (توبۃ : ۱۰۱) ٭....

یَظْمَأُ اَبَدًا لَیَرِدَنَّ عَلَیَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَ یَعْرِفُوْنَنِیْ ثُمَّ یُحَالُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّیْ فَیُقَالُ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ. و فی کتاب الحوض فیقال انک لا علم لک بما احدثوا بعدک. (متفق علیہ)

پی لے گا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا - میرے حوض پر کچھ لوگ میرے شناسا بھی آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے پھر ان کے اور میرے درمیان ایک حجاب ڈال دیا جائے گا - میں کہوں گا کہ یہ تو میرے متبعین ہیں مجھے جواب ملے گا آپ کو یہ علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی نئی باتیں پیدا کر ڈالی تھیں اس وقت میں کہوں گا جس نے میرے بعد میرے دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کیں وہ مجھ سے دور ہی دور رہے - (متفق علیہ)

(۸۱۴) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ یُؤْذَنُ لَهٗ بِالسُّجُوْدِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ یُؤْذَنُ لَهٗ اَنْ یَرْفَعَ رَأْسَهٗ فَاَنْظُرُ اِلٰی مَابَیْنَ یَدَیَّ فَاَعْرِفُ اُمَّتِیْ مِنْ بَیْنَ الْاُمَمِ وَ مِنْ خَلْفِیْ مِثْلَ ذَالِکَ وَ عَنْ یَمِیْنِیْ مِثْلَ ذٰلِکَ وَ عَنْ شِمَالِیْ مِثْلَ ذٰلِکَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) کَیْفَ تَعْرِفُ اُمَّتَکَ مِنْ بَیْنَ الْاُمَمِ فِیْمَا بَیْنَ نُوْحٍ اِلٰی اُمَّتِکَ قَالَ هُمْ غُرٌّ مُحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ لَیْسَ اَحَدٌ کَذَالِکَ غَیْرُهُمْ وَ اَعْرِفُهُمْ اَنَّهُمْ یُؤْتَوْنَ کُتُبَهُمْ بِاَیْمَانِهِمْ وَ اَعْرِفُهُمْ

(۸۱۴) ابو الدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جس کو قیامت میں سجدہ کرنے اور سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی میں اپنے سامنے دیکھوں تو اور تمام امتوں میں اپنی امت کو پہچان لوں گا میری امت اتنی ہی کثرت کے ساتھ میری پچھلی جانب ہوگی اور اتنی ہی دائیں اور بائیں جانب ہوگی - ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ اتنی امتوں میں جو نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک ہوں گی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کو کس طرح شناخت کریں گے آپ نے فرمایا وضوء کے پانی کے نشانوں سے ان کے چہرہ روشن اور ہاتھ پیر چمکدار ہوں گے ان کے سوا اور کوئی امت ایسی نہ ہوگی اور میں اس بات سے بھی ان کو شناخت کر دوں گا کہ ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں ہوں گے اور اس بات سے کہ

لہ ..... کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ وہ مختصر سا فرقہ ہے جو عہد صدیقؓ میں مرتد ہو گیا تھا - بہر حال محشر میں ملائکۃ اللہ کی شہادت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اس جماعت کے ارتداد کا آپ کو کچھ علم نہ ہوگا اسی طرح آئندہ حدیث بھی محشر کی ہے اس میں بھی سامعین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز خطاب سے یہی واضح ہو رہا ہے کہ کسی کے ذہن میں بھی آپؐ کے متعلق عالم الغیب ہونے کا عقیدہ نہیں تھا بلکہ جس طرح کسی انبوہ کثیر میں کسی مختصر جماعت کی معرفت عام طور پر مشکل ہوتی ہے اسی طرح آپؐ کے حق میں بھی مشکل سمجھی گئی پھر جو جواب آپ نے دیا وہ یہ نہیں تھا کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اس بنا پر مجھے اپنی امت کی معرفت ہمہ وقت حاصل ہے بلکہ ایک ایسی کھلی علامت بیان فرمائی جس کے بعد اس کے امتیاز میں کسی کے لیے بھی دشواری کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا -

(۸۱۴) * اس قسم کی حدیثوں کو بڑے غور سے پڑھنا چاہیے جن میں ضمنی طور سے یہ امر بہت نمایاں ہوتا ہے کہ یہاں متکلم و مخاطب کے ذہنوں میں علم محیط کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے وہ بڑی سادگی سے سوال و جواب کرتے ہیں اور نہ تو سائلین آپ کے متعلق کسی علم کی نسبت قطع کرنے میں جھجکتے اور نہ آپ اس غلطی پر ان کو تنبیہ کرتے نظر آتے ہیں بلکہ جو جواب دیتے ہیں اس سے اور ان کے عقیدہ کی تائید ہی ہوتی ہے -

تَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ذُرِّیَّتُهُمْ.
(رواه احمد و عند مسلم عن ابی هریره نحوه)

ان کی اولاد ان کے آگے آگے دوڑ رہی ہوگی۔
(احمد)

(۸۱۵) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا وَ اَنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُهَا مَازُوِیَ لِیْ مِنْهَا وَ اُعْطِیْتُ الْکَنْزَیْنِ الْاَحْمَرَ وَ الْاَبْیَضَ وَ اِنِّیْ سَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ اَنْ لَا یُهْلِکَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَ اَنْ لَا یُسَلِّطَهَا عَلَیْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوٰی اَنْفُسِهِمْ فَیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَهُمْ وَ اَنَّ رَبِّیْ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اِذَا قَضَیْتُ قَضَاءً فَاِنَّهٗ لَا یُرَدُّ وَ اِنِّیْ اَعْطَیْتُکَ لِاُمَّتِکَ اَنْ لَا اُهْلِکَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَ اَنْ لَا اُسَلِّطَ عَلَیْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوٰی اَنْفُسِهِمْ فَیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَهُمْ وَ لَوِ اجْتَمَعَ عَلَیْهِمْ مَنْ بِاَقْطَارِهَا حَتّٰی یَکُوْنَ بَعْضُهُمْ یُهْلِکُ بَعْضًا وَ یَسْبِیْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا. (رواه مسلم)

(۸۱۵) ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو سکیڑ دیا تو میں نے مشرق و مغرب سب دیکھا اور یقیناً میری امت کا ملک ان گوشوں تک پہنچ کر رہے گا جو حصہ زمین میرے سامنے سکیڑ کر دکھا دیا گیا ہے۔ مجھے دو خزانے بھی مرحمت کیے گئے ایک سرخ اور ایک سفید (یعنی سونا اور چاندی) اور میں نے اپنی امت کے لیے یہ دعا کی کہ اس کو عام قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کیا جائے اور یہ بھی کہ کسی غیر دشمن کو ان پر اس طرح مسلط نہ کیا جائے کہ وہ ان کے انڈے بچے تک سب تباہ کر ڈالے میرے پروردگار نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا اے محمدؐ جب میں کسی بات کا فیصلہ کر چکتا ہوں تو وہ اٹل ہوتا ہے تمہاری امت کے بارے میں یہ بات تو میں نے منظور کی کہ ان کو عام قحط سے ہلاک نہ کروں گا اور ان پر کسی غیر دشمن کو اس طرح مسلط نہیں کروں گا کہ وہ ان کا تخم مٹا ڈالے اس وقت تک کہ وہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کرنے اور قید کرنے کے درپے نہ ہو جائیں۔
(مسلم شریف)

---

(۸۱۵) ٭ بارگاہ رب العزت نے اپنے حبیب کو نہ معلوم کن کن خصوصیتوں سے نوازا ہوگا ان کی تفصیل تو وہی جانے لیکن یہاں ایک عجیب نظارہ کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے کبھی کبھی آپ کو جنت و جہنم جیسی وسیع مخلوق کا نقشہ کسی دیوار پر دکھا دیا گیا ہے ایسے ہی ایک بار سارا کرۂ زمین اس طرح سمیٹ کر آپ کو دکھلا دیا گیا۔ جیسا کسی بڑی چیز کے فوٹو کو چھوٹا کر کے دکھایا جاتا ہے اسی قسم کا ایک نظارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں بھی دکھایا گیا تھا ﴿وَ کَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الانعام: ۷۵) لیکن غور کرنا تو یہ ہے کہ کیا اس نظارہ کو علم سے تعبیر کر سکتے ہیں ایک انسان پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر سطح زمین کی بڑی سے بڑی آبادی کا مشاہدہ کر لیتا ہے بڑے بڑے دریا اس کو تاگے کی طرح بہتے ہوئے نظر آجاتے ہیں اور بڑی بڑی عمارات اس کی آنکھوں کے سامنے نقطوں کی شکلوں میں نمایاں ہوتی ہیں مگر کیا اس کو اپنے اس وسیع مشاہدہ میں ہر ہر ذرہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ذرا انصاف کیجئے کہ اگر وہ اپنے اس غیر معمولی نظارہ کو بیان کرے تو کن الفاظ سے بیان کرے گا۔ اس کے الفاظ میں کتنا عموم ہوگا لیکن پھر بھی اس مشاہدہ میں اس کو علم کتنے حصہ کا ہوگا اگر آپ ان حسی واقعات سے اس غیبی حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بسہولت یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

(۸۱۶) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَمَّا كَذَّ بَنِيْ قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ وَ عِنْدَ مُسْلِمٍ فَسَاَ لَتْنِيْ عَنْ اَشْيَاءَ لَمْ اُثْبِتْهَا فَكُرِبْتُ كُرْبًا مَا كُرِبْتُ مِثْلَهٗ فَجَلَّى اللّٰهُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ اٰيَاتِهٖ وَ اَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ و عند مسلم فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ مَا يَسْأَ لُوْنِّيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْبَاْتُهُمْ.

(۸۱۶) جابر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں اس وقت حجر میں کھڑا ہوا تھا اور مسلم میں ہے کہ قریش نے مجھ سے (بیت مقدس کے متعلق) ایسے ایسے سوالات کرنے شروع کئے جن کا مجھے اچھی طرح دھیان بھی نہ رہا تھا اس وقت مجھے ایسی سخت کوفت ہوئی کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت بیت مقدس میری آنکھوں کے سامنے کر دیا اور میں دیکھ دیکھ کر ان تمام باتوں کے جوابات ان کو دیتا رہا اور صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے اس طرح اٹھا کر رکھ دیا کہ میں اس کو دیکھنے لگا اور جس بات کو وہ مجھ سے دریافت کرتے فوراً دیکھ کر ان کو بتا دیتا۔

(۸۱۷) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ غَضْبَانُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَسْأَلُوْنِّيْ عَنْ شَيْءٍ الْيَوْمَ اِلَّا اَخْبَرْتُكُمْ بِهٖ وَ نَحْنُ نَرٰى اَنَّ جِبْرَئِيْلَ مَعَهٗ. قلت فذكر الحديث الى ان قال فَقَالَ عُمَرُ

(۸۱۷) انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور اس وقت آپؐ پر غصہ کے آثار تھے آپؐ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دے کر فرمایا آج تم مجھ سے جو جو سوالات کرو گے میں تم کو جوابات دوں گا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آپؐ کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اس کے بعد راوی نے پورا

---

(۸۱۶) * صحیح مسلم کی اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کو بحالت بیداری ان آنکھوں سے دیکھا تھا۔ (۲) اس کی بہت سی چشم دید باتیں آپ کے حافظہ سے نکل گئی تھیں بلکہ اس وقت آپ نے شاید ان کو بغور دیکھا بھی نہیں تھا۔ (۳) کسی چیز کے مشاہدہ سے اس کا پورا پورا علم حاصل ہونا ضروری نہیں۔ (۴) مشاہدہ سے جتنا علم حاصل ہوتا ہے اس کا بقاء و دوام بھی ضروری نہیں۔ (۵) تجلی علم تفصیلی کو مستلزم نہیں جیسا کسی چیز کا عینی مشاہدہ اس کے تفصیلی علم کو مستلزم نہیں۔ ان امور سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غیبی مشاہدات کی نوعیت اگر چہ وہی تھی جو عالم بیداری کے مشاہدات کی ہوتی ہے لیکن جس طرح کسی چیز کے خود دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے ہر ہر گوشہ کا علم حاصل ہو جائے اسی طرح اس کی تجلی سے بھی اس کا تفصیلی علم حاصل ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ جو اجمالی انکشاف یہاں ہو جاتا ہے اس مشاہدہ کے بعد اس کا بقاء بھی ضروری نہیں ہوتا۔ اس قسم کے علم کے افاضہ کا مقصد نفس انسانی میں کمال کی استعداد پیدا کرنی یا صرف ایک اکرام اور تشریف ہوتی ہے جس طرح علوم رسمیہ کی تعلیم کا مقصد بھی صرف ایک ملکہ پیدا کرنا ہوتا ہے خود ان علوم کا استحضار نہیں۔

(۸۱۷) * یہ روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے اور ''علم النبی'' کے زیر عنوان ترجمان السنہ جلد اول میں بھی گذر چکی ہے مگر یہاں مسند ابو یعلی کی روایت میں صحابہؓ کے ان الفاظ کی زیادتی اور ہے و نحن نری الخ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہؓ کے نزدیک آپؐ کے فرمان ''تم مجھ سے جو سوال کرو گے میں اس کا جواب دوں گا'' کی بنیاد یہ نہ تھی کہ نبی کو ہر وقت ہر بات کا علم حاصل ہوتا ہے بلکہ اس قسم کے لئے .....

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا حَدِيْثِيْ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ فَلَا تُبْدِ عَلَيْنَا سَوْاٰتِنَا فَاعْفُ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ. (رواہ ابو یعلی قال الهیثمی و رجاله رجال الصحیح)

واقعہ بیان کیا یہاں تک کہ آخر میں حضرت عمرؓ کا یہ قول ذکر کیا یا رسول اللہؐ ہم لوگ ایسے ہیں کہ ہمارا کفر کا دورا بھی قریب ہی گذرا ہے آپ ہماری غلطیوں اور عیوب پر سخت گیری نہ فرمائیں اور ان سے درگذر فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کے درجے بلند فرمائے۔ (ابویعلی)

(۸۱۸) عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَ نَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ قَدْ عَلِمَهٗ اَصْحَابِيْ هٰؤُلَاءِ وَ اَنَّهٗ لَيَكُوْنُ مِنْهُ الشَّيْءُ قَدْ نَسِيْتُهٗ فَاَرَاهُ فَاَذْكُرُهٗ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ اِذَا رَاٰهُ عَرَفَهٗ. (متفق علیه)

(۸۱۸) حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو جو واقعات بھی رونما ہونے والے تھے آپ نے سب ہی بیان کرڈالے۔ جس نے یاد رکھے یاد رکھے اور جس نے بھلا دیئے بھلا دیئے۔ یہ بات میرے یہ سب رفقاء بھی جانتے ہیں اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ مجھے کوئی بات فراموش ہو جاتی ہے لیکن جب وہ میری آنکھوں کے سامنے آتی ہے تو پھر مجھ کو اسی طرح یاد آجاتی ہے جیسا ایک آدمی کہیں غائب ہو جائے پھر وہ اس کا چہرہ سوچتا رہے اور جب اس کو دیکھ پائے تو فوراً پہچان لے۔ (متفق علیہ)

و عند ابی داؤد عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُوْنُ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا ذَكَرَهٗ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَ نَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ. (الحدیث)

ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار عصر کے بعد خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور جو جو حوادث قیامت تک ظہور میں آنے والے تھے وہ سب آپ نے ذکر کر دیئے جس نے یاد رکھے یاد رکھے اور جس نے بھلا دیئے بھلا دیئے الخ۔

(۸۱۹) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ وَ اللّٰهِ مَا اَدْرِيْ اَنَسِيَ اَصْحَابِيْ اَمْ تَنَاسَوْا وَ اللّٰهِ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ

(۸۱۹) حذیفہؓ بیان فرماتے ہیں خدا کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ میرے رفقاء فی الواقع بھول چکے ہیں یا وہ تجاہل عارفانہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے خاتمہ تک فتنوں کا کوئی ایسا سرغنہ نہیں چھوڑا جس کی جماعت

لله .... اوقات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپؐ کے ساتھ ہوتے ہیں اور بذریعہ وحی اسی وقت آپؐ کو سائلین کے سوالات کے جوابات کی اطلاع دے دی جاتی ہے۔

(۸۱۹) * پہلی حدیث میں ماترک شیئا کے لفظ میں اگر چہ بہت عموم ہے لیکن یہ عموم ایسا ہی ہے جیسا و اوتیت من کل شی میں کسی کلام کے معنی سمجھنے کے لیے متکلم و مخاطب کے مفروضات اور ماحول کے اقتضاء سے قطع نظر نہ کرنی چاہیے سوچو کہ اگر یہاں آپؐ نے تمام واقعات پورے استیعاب کے ساتھ بیان کرڈالے تھے حتیٰ کہ ریت کے ذرّات اور بارش کے قطرات بھی تو اول تو صحابہؓ کے سامنے اس قسم کے علوم بیان کرنے سے نبوت کے کس باب کی تکمیل ہوتی تھی؟ پھر کیا اس کے بعد تمام صحابہ کو بھی عالم الغیب کہنا صحیح تھا۔ اور اگر نسیان کے لله ....

فِتْنَةٍ اِلٰی اَنْ تَنْقَضِی الدُّنْيَا يَبْلُغُ مَنْ مَعَهٗ ثَلٰثَمِاْةٍ فَصَاعِدًا اِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاسْمِهٖ وَ اِسْمِ اَبِيْهِ وَ اِسْمِ قَبِيْلَتِهٖ. (رواہ ابو داؤد)

تین سو یا اس سے اوپر تک پہنچی ہو مگر اس کا اور اس کے باپ اور قبیلہ کا نام لے لے کر ہم کو بتا دیا ہے۔ (ابوداؤد)

؂…. بعد وہ عالم الغیب نہیں رہے تھے تو کچھ مدت کے لیے ان کو عالم الغیب بنانے سے کیا فائدہ متصور تھا پھر کیا اس کا کوئی قطعی ثبوت دیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی نسیان طاری ہی نہیں ہوا تھا۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ اس مجلس میں آپ نے فتن اور قائدین فتن کے متعلق کوئی بسیط بیان فرمایا تھا اور اس سلسلہ میں اس درجہ تفصیل فرمائی تھی کہ سننے والوں کا تخمینہ یہ تھا کہ آپ نے اب کوئی اہم فتنہ اٹھا نہیں رکھا جس کو اس وقت ذکر نہ کر دیا ہو۔ اسی ابہام کو حذیفہ کی دوسری حدیث میں کھول دیا گیا ہے جس امت میں فتنوں کی کثرت مقدر تھی اس کے نبی کے لیے یہ باب کتنا اہم تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں پوری پوری توضیح و تشریح سے کام لیا ہے اس علم کے سب سے زیادہ صحیح مخاطب حضرت رسالتؐ کی نگاہ میں غالباً حذیفہ ہوں گے اسی لیے اس نوع کی اکثر حدیثیں انہیں سے مروی ہیں ان کے تتبع سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں الفاظ حدیث کا تمام رخ اسی ہی قسم کے واقعات کی طرف ہے۔ دنیا کے غیر متعلق حوادث سے ان کا کوئی تعلق نہیں یہ کتنا مضحکہ خیز تخیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مجلس میں مکھیوں اور حشرات الارض تک کے اعداد و شمار پیش کیے ہوں اور اسی قسم کے ایسے غیر متناہی امور کا تذکرہ فرمایا ہو جن سے امت کی ہدایت کا ذرہ برابر بھی تعلق نہ ہو۔ اس قسم کی خوش عقیدگی سے مقام رسالت کی بزرگی صرف اپنے ہی ذہن میں ثابت ہو تو ہو مگر کوئی دانش مند انسان اس کو اہمیت نہیں دے سکتا۔ فالی اللّٰہ المشتکی۔

اس جگہ ایک اہم نکتہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ علم حصولی کی جو قسم بھی ہے اس پر نسیان طاری ہو سکتا ہے یہاں جب اس شیٔ کی صورت مدرکہ انسانی سے غائب ہو جاتی ہے تو اس کا علم بھی غائب ہو جاتا ہے۔ علم کی دوسری قسم جس کو علم حضوری کہا جاتا ہے صورت کے واسطہ سے نہیں ہوتا بلکہ یا تو خود وہ شیٔ عالم کا عین ہوتی ہے یا اس کا معلول ہوتی ہے یا اس کی صفت ہوتی ہے۔ اس لیے یہاں ذہول ممکن نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو غیب کا جتنا علم بھی ہوتا ہے وہ سب علم حصولی کی صورت میں ہوتا ہے یعنی حق تعالیٰ ان پر ان علوم کا اس طرح افاضہ فرما دیتا ہے کہ ان کی صورت ان کے ذہنوں میں منقش ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نبی کے ذہن میں یہ القاء فرما دیتا ہے کہ فلاں شخص کے باپ کا نام یہ ہے یا فلاں واقعہ اس طرح ہوگا گویا تعلیم کی جو صورت عام انسانوں میں معلم و متعلم کے درمیان معروف ہے اسی نوع کی کوئی صورت حق تعالیٰ اپنے اور رسولوں کے درمیان پیدا فرما دیتا ہے۔ اب وہ خواہ ملک کے ذریعہ سے ہو یا بلا واسطہ ملک ہو لیکن خود حق تعالیٰ کے علم کی نوعیت اس طرح نہیں اس کے سامنے سارا عالم خود حاضر ہے اسی لیے اس کی جناب میں غیب و شہود کی کوئی تقسیم نہیں یہ تقسیم صرف ہمارے لحاظ سے ہے۔ اسی لیے جن لوگوں نے رسولوں کے متعلق کلی علم غیب کا دعویٰ کیا ہے ان کو انبیاء علیہم السلام کے متعلق حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ بھی کرنا پڑا ہے گویا کائنات کے ایک ایک ذرہ کے ساتھ جس نوعیت سے پروردگار عالم کی معیت ہے۔ اسی نوعیت کی معیت انبیاء علیہم السلام کی بھی تسلیم کی ہے پس یہاں صرف یہ غور کرنا نہیں ہے کہ عالم کی تمام جزئیات کا علم انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے یا نہیں بلکہ ان کے حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ بھی اسی کے ساتھ لپٹا ہوا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قرآن کریم سے ان کے علوم کی یہی نوعیت ثابت ہوتی ہے اور کیا تمام جہان میں حق تعالیٰ کی طرح ان کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (والعیاذ باللہ)

یہ واضح رہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی کائنات کا علم علم حضوری ہے تو پھر یہی کہنا پڑے گا کہ تمام کائنات ؂….

الطاعة فيما خالف الشرع من الشرک

خلافِ شرع امور میں غیر اللہ کی اطاعت کرنی بھی شرک کی ایک قسم ہے

(٨٢٠) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ فِيْ عُنُقِيْ صَلِيْبٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ يَا عَدِيُّ اِطْرَحْ عَنْكَ هٰذَا الْوَثَنَ وَ سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فِيْ سُوْرَةِ بَرَاءَةٍ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ اَمَا اِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ وَ لٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا اَحَلُّوْا لَهُمْ شَيْئًا اِسْتَحَلُّوْهُ وَ اِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوْهُ.

(٨٢٠) عدی بن حاتم روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹکی ہوئی تھی آپ نے فرمایا اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال پھینک- اس وقت میں نے آپ سے سورۂ براءت کی یہ آیت بھی سنی- اتخذوا احبارهم' الخ...... اس کی تفسیر میں آپ نے فرمایا خوب سن لو کہ وہ لوگ ان احبار و رہبان کی صریح عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن جس چیز کو وہ حلال بتا دیتے اس کو وہ حلال سمجھ لیتے اور جس کو حرام کر دیتے تھے اس کو حرام سمجھ لیتے (اسی کو قرآن کریم نے رب ٹھہرانے سے تعبیر کیا ہے)- (ترمذی شریف)

(رواه الترمذي و قال هذا حديث غريب لا نعرفه الا من حديث عبدالسلام بن حرب. و اخرجه السيوطي في الدر المنثور في طرق ج ٢ ص ٢٣٠)

(٨٢١) عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سِمْعَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ. (رواه في شرح السنه)

(٨٢١) نواس بن سمعان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- خدائے تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے- (شرح السنہ)

لله .... ان کی معلول ہیں اور وہ ان کی علت ہیں اس لیے جس جماعت نے رسولوں کے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس نے گو صاف لفظوں میں آپؐ کو عالم کی علت تو نہیں کہا مگر متصرف اور کارساز ہونا تسلیم کر لیا ہے یہاں تک کہ دبے لفظوں میں یہ بھی اقرار کر لیا ہے کہ احمد و احد میں صرف ایک حرف میم ہی کا پردہ تھا جو شب معراج میں اٹھ گیا تھا کیا اس تعلیم کو نصاریٰ کے عقائد سے کوئی ادنیٰ امتیاز حاصل ہے-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتی اور گھروں کے واقعات کی خبریں بتانے سے ان کی قوم کو یہ مغالطہ لگا کہ یہ خدائی اوصاف ہیں لہٰذا ہوں نہ ہوں یا تو وہ خدا ہیں' نہیں تو پھر اس سے کوئی ایسی نسبت ضرور رکھتے ہیں جس میں اثنینیت کے ساتھ اتحاد کی بھی گنجائش ہے' اگر اسلام کی توحید بھی یہی ہے تو سوچو کہ اس کو انجیل کی توحید سے کیا امتیاز ہوگا اس قسم کے عقائد سے شان رسالت کی عظمت تو ثابت نہیں ہو سکتی ہاں شان ربوبیت کی توہین ضرور ہوتی ہے انصاف شرط ہے-

اللهم ارنا الحق حقاً و الباطل باطلاً

(٨٢٠) * شرک کے اقسام کے عنوان کے تحت اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے خلاف شرع امور میں کسی کی اطاعت کرنا بھی شرک کی ایک قسم قرار دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے اس طرح غیر اللہ کی ناواجب اطاعت بھی شرک ہے-

(۸۲۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً وَ اسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ وَ اَمَرَهُمْ اَنْ يَسْمَعُوْا لَهُ وَ يُطِيْعُوْهُ فَاَغْضَبُوْهُ فِيْ شَيْءٍ فَقَالَ اجْمَعُوْا اِلَيَّ حَطَبًا فَجَمَعُوْا لَهُ ثُمَّ قَالَ اَوْقِدُوْا نَارًا فَاَوْقَدُوْا ثُمَّ قَالَ اَلَمْ يَاْمُرْكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَسْمَعُوْا لِيْ وَ تُطِيْعُوْا قَالُوْا بَلٰى قَالَ فَادْخُلُوْهَا فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَ قَالُوْا اِنَّمَا فَرَرْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّارِ فَكَانُوْا كَذٰلِكَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهُ فَطَفِئَتِ النَّارُ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ دَخَلُوْهَا مَاخَرَجُوْا مِنْهَا اَبَدًا وَ قَالَ لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ. (متفق علیه)

(۸۲۲) حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر مرتب فرمایا اور اس پر ایک انصاری شخص کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اس کی بات سنیں اور اس کا حکم مانیں۔ ان لوگوں نے کسی معاملہ میں اس کو خفا کر دیا اس نے غصہ میں آ کر حکم دے دیا کہ آگ جلانے کی لکڑیاں جمع کرو انہوں نے جمع کر دیں اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ان کو دہکا کر ان کے انگارے بنا دو انہوں نے بنا دیئے۔ پھر کہا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو اس کا حکم نہیں دیا تھا کہ جو میں تم کو حکم دوں اس کو سننا اور ماننا۔ انہوں نے جواب دیا جی ہاں حکم تو دیا ہے۔ اس نے کہا تو پھر اس آگ میں داخل ہو جاؤ یہ سن کر وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور بولے کہ آگ سے بچنے کی خاطر تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھاگ کر آئے تھے (اب اسی میں پھر کیسے داخل ہو جائیں) وہ اسی بحث میں تھے کہ اتنی دیر میں اس کا غصہ فرو ہو گیا ادھر آگ بھی گل ہو گئی۔ جب یہ لوگ واپس ہوئے تو انہوں نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا آپ نے فرمایا اگر کہیں یہ لوگ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر اس سے کبھی نہ نکلتے۔ پھر فرمایا اطاعت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہیں ہوا کرتی۔ اطاعت جائز باتوں میں ہوا کرتی ہے۔ (متفق علیہ)

عناية السلف بسدّ مداخل الشرك

استیصالِ شرک کے متعلق سلف کا اہتمام

(۸۲۳) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عُمَرَ بَلَغَهُ اَنَّ قَوْمًا يَاْتُوْنَ الشَّجَرَةَ فَيُصَلُّوْنَ عِنْدَهَا فَتَوَعَّدَهُمْ ثُمَّ اَمَرَ بِقَطْعِهَا.

(رواه ابن سعد كما في القسطلاني)

(۸۲۳) نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو یہ خبر ملی کہ لوگ اس درخت کے پاس آ آ کر نمازیں پڑھتے ہیں جس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہؓ سے بیعت لی تھی اس پر انہوں نے ان کو ڈانٹا اور درخت کے کاٹنے کا حکم دے دیا چنانچہ حسب الحکم وہ کاٹ دیا گیا۔ (ابن سعد)

---

(۸۲۳) * صحیح بخاری میں تصریح موجود ہے کہ یہ اصل درخت کچھ دنوں بعد ہی اکثر صحابہ کے ذہنوں سے فراموش ہو چکا تھا مگر اس کے باوجود لوگ یونہی تخمینی طور پر کسی درخت کے پاس آ کر تبرکاً نمازیں پڑھنے لگے تھے۔ حضرت عمرؓ کی شانِ حزم و احتیاط نے بر وقت اس طرف توجہ کی وہ جانتے تھے کہ بعض مرتبہ تبرکات کی حد سے زیادہ تعظیم آئندہ چل کر ان کی عبادت کا پیش خیمہ ہو جاتی ہے ان حالات میں ایک مشکوک تبرک کے قائم رکھنے سے یہ بدرجہا بہتر تھا کہ اس مظنہ شرک کو جڑ سے ختم ہی کر دیا جاتا۔ اس حدیث سے تبرک بآثار الصالحین کے خلاف تمسک کرنا بھی زیادتی ہے۔ مستند تبرکات اگر اپنی حد پر رکھے جائیں تو بلاشبہ برکات کا موجب ہیں ان کا استیصال بھی بے اعتدالی ہے اور فرضی تبرکات کو عوام کے سامنے ایک تماشہ بنائے رکھنا بھی ایک فتنہ کا دروازہ کھولنا ہے۔

(۸۲۴) عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَ يَقُوْلُ اِنِّىْ اَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَّا تَنْفَعُ وَ لَا تَضُرُّ وَ لَوْلَا اَنِّىْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ مَا قَبَّلْتُكَ. (متفق علیه)

(۸۲۴) عابس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حجر اسود کو بوسہ دیتے دیکھا وہ بوسہ دیتے جاتے اور یہ فرماتے جاتے میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو ہرگز تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ (متفق علیہ)

---

(۸۲۴) ٭ یہ پتھر کتنا ہی متبرک پتھر سہی‘ جنت سے آیا‘ زمین میں یمین اللہ کہلایا‘ نہ معلوم کتنے انبیاء علیہم السلام اور علماء کرام نے اس کو بوسے دیئے‘ اور نہ معلوم کیسے کیسے خواص کا وہ حامل بھی ہے۔ مگر ان سب اوصاف کے باوجود وہ نبی عربی (فداہ ابی و امی) کے ایک زیر تربیت صحابی کی نظر میں ایک پتھر ہی رہا۔ دیکھو یہ وہی حضرت عمرؓ ہیں جو غیر مستند تبرک کی تو جڑ کاٹ دیتے ہیں اور اس کے ساتھ کوئی ایسا نیا معاملہ کرنا پسند نہیں فرماتے جو بڑھ کر آئندہ کسی ادنیٰ فتنہ کا موجب ہو سکے اور پھر یہی وہ ہیں جو ایک مستند پتھر کے سب سے بڑے محافظ بنے ہوئے ہیں‘ یہ اس کو بوسہ تو دیتے ہیں مگر اس کی بے جا تعظیم کے جذبہ میں نہیں بلکہ رسول عربی کے والہانہ اتباع کے جذبہ میں اور اپنے اسی مجاہدانہ انداز میں اپنی زبان سے ایسے توحید الٰہی سے لبریز کلمات بھی ادا فرماتے جاتے ہیں جن کے بعد امت کے کسی بوسہ دینے والے کی نظر میں اس پتھر میں اتباع رسول کے سوا اور کوئی کشش ہی باقی نہیں رہتی۔

ہم ایک بار پہلے بھی تنبیہ کر آئے ہیں کہ مناسب انداز میں کسی حقیقت کا اظہار توہین شمار نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حجر اسود ایک بہت بڑا متبرک پتھر ہے‘ اس کی تقبیل بڑی سعادت اور اس کا مس کرنا بنی آدم کی خطاؤں کے لیے جذاب ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس میں نفع و ضرر رسانی کی کوئی ادنیٰ طاقت بھی نہیں ہے اس لیے اس کی ذات سے ان اوصاف کا سلب کرنا ہرگز اس کی توہین شمار نہیں ہو سکتی۔ ہاں ان کلمات کا بلا داعیہ اور بلا سبب یونہی مشغلہ لگائے رکھنا بھی فعل عبث ہوگا لیکن یہی اگر اپنے گرد و پیش کسی غلط فہمی کے ازالہ کے لیے ہوں تو بے شک برمحل اور ضروری بھی ہے۔

❁ ❁ ❁

25

النفاق و اقسامه

اسلام کی تاریخ میں ایک گروہ انتہاء درجہ خطرناک گذرا ہے جس کو منافق کہا جاتا تھا - کفار تو اسلام کی دشمنی کھلم کھلا کر کے اپنے دلوں کی بھڑاس نکال لیا کرتے تھے اور یہ مار آستین بن کر اندر ہی اندر اس کی جڑ کاٹنے کی فکر میں لگے رہتے - بظاہر تو وہ سب کچھ کرنے کو تیار نظر آتے جو مخلصین صحابہ کرتے، مگر بباطن اسلام کی بیخ کنی میں کھلے کافروں سے بھی دس قدم آگے رہتے - حافظ ابن تیمیہؒ (کتاب الایمان میں) لکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں کفار چونکہ پورے اقتدار و طاقت کے مالک تھے اس لئے یہاں تو انھیں اسلام کی برملا دشمنی سے کوئی امر مانع نہ تھا - لیکن مدینہ طیبہ میں آ کر جب اسلام کو بھی طاقت و شوکت میسر آنے لگی تو اب پہلے کی طرح علی الاعلان دشمنی کرنے کا ان کو حوصلہ نہ رہا اس لئے اب عداوت کی شکل بدل دینی پڑی اور یہیں سے نفاق کی بنیاد قائم ہوگئی - یعنی بظاہر مسلمانوں کے ساتھ رہنا اور اندرونی طور پر کافروں کا ہمنوا ہونا - جب مسلمانوں میں آ بیٹھنا تو ان کی سی باتیں بنا دینا اور جب کافروں میں جانا تو اپنا قلبی رجحان ان کے ساتھ ظاہر کرنا - اس جماعت کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ ان کے نام پر مستقل ایک سورت ''المنافقون'' نازل فرمادی گئی اور اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں ان کی دسیسہ کاریوں سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا -

تعجب ہے کہ اتنی تفصیلات کے باوجود اس جماعت کی صحیح تنقیح و تشخیص میں کیسی غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں کسی نے تو یہ خیال کر لیا کہ یہ جماعت مسلمانوں کی ہی ایک جماعت تھی اور اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتی تھی البتہ ان کے ایمانوں میں کامل مؤمنین کا سا جذبہ نہ تھا اور کسی نے یہ سمجھ لیا کہ یہ کافروں کی کوئی جماعت تھی جو کہیں سے آ کر مسلمانوں کے بھیس میں جاسوسی کی خدمت انجام دیا کرتی تھی - یہ دونوں باتیں ایک واضح حقیقت کے مخفی رہ جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں - صحیح یہ ہے کہ یہ پکے کافروں کی جماعت تھی جو اپنے فطری جبن اور بزدلی کی وجہ سے نہ کھلم کھلا مقابلہ کی طاقت رکھتی تھی اور نہ اپنے قلبی کفر کے باعث کشادہ دلی سے اسلام قبول کرنے کی روادار تھی اور اس کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ اپنے آپ کو حقیقتاً مسلمان سمجھتی تھی منافقین کی اس تاریخ کو جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے قطعاً بدل دینے کے مرادف ہے یہ درست ہے کہ ان کی اولاد میں مخلص مؤمن بھی تھے مگر کیا کافروں کی اولاد میں کوئی مخلص مؤمن نہ تھا پھر گھر کے کسی فرد کے مخلص مؤمن ہو جانے سے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جس کو منافق کہا گیا تھا وہ بھی مسلمان تھا اور اپنے نفس کو مسلمان ہی تصور کرتا تھا - حقیقت یہ ہے کہ منافقین نے کبھی دل سے اسلام قبول نہیں کیا، اور ہمیشہ اسی حقیقت کا وہ اپنی محفلوں میں اعلان کرتے رہے - اگر بالفرض وہ ایسا کر لیتے تو وہ کھلے ہوئے کفریات جو شب و روز ان کی زندگی کا مشغلہ بنے ہوئے تھے کیوں کر ان سے سرزد ہو سکتے اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ نفاق کی حقیقت کفر و ایمان کے درمیان ہے جس کی انتہا کفر تک بھی ہو سکتی ہے بلکہ وہ ایسے بغض ایمانی کا نام ہے جو ایسے زشت اعمال کا منشاء ہو کہ اگر وہ اعمال کسی مؤمن سے بھی سرزد ہو جائیں تو اس پر نفاق کی تہمت لگ جائے پس نفاق کی حقیقت ایمان و کفر کے درمیان نہیں بلکہ کفر سے بھی بالاتر ہے اور اسی وجہ سے قرآن کریم نے ان کا مقام دوزخ میں کافروں سے بھی نیچے بیان فرمایا ہے اور اسی لئے ان کی تفصیل میں بڑا اہتمام فرمایا ہے - تصدیق و اقرار ایمان کے دو رکن ہیں -

اوران کے لحاظ سے یہاں عقلی طور پر بھی تین قسمیں پیدا ہو جاتی ہیں اگر دونوں موجود ہوں تو وہ مؤمن ہے اگر دونوں نہ ہوں تو کھلا کافر ہے۔اگ صرف اقرار ہو اور تصدیق نہ ہو تو یہ منافق ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صورت صرف اسلام کی طاقت وشوکت کا نتیجہ تھی۔ وہی کفر جو مکہ مکرمہ میں علی الاعلان مقابل تھا اسلامی شوکت کے بعد اب اس صورت میں بدل گیا تھا۔ لہٰذا یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ یہ کافروں کا گروہ مسلمانوں میں کہیں باہر سے جاسوس بن کر آ گیا تھا بلکہ ان ہی کافروں کا یہ ایک بدنصیب گروہ تھا جو اپنے دیگر بھائیوں کی طرح اسلام قبول نہ کر سکا بلکہ برعکس کفر کے اسی قعر مذلت میں پڑا رہا جیسا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا گروہ بھی کہیں باہر سے نہیں آیا تھا ان ہی میں سے پیدا ہوا تھا مگر یہ وہ خوش نصیب جماعت تھی جو قلب و قالب کے ساتھ آپ کی جاں نثار بنی اور آخر شرفِ صحابیت سے مشرف ہوگئی مگر جس کا ایمان صرف زبان تک رہا اور اس کا قلب بدستور کفر میں ڈوبا رہا وہ بدنصیب کافروں ہی کی صف میں کھڑا رہا جس نے خود ہی اپنے نفس کو کافروں میں شامل رکھنا پسند کیا ہو اس کو اسلام اپنے وفاداروں کی فہرست میں کیونکر شمار کرتا۔ پس نہ تو منافقوں کی جماعت کہیں باہر سے جاسوس بن کر آئی تھی اور نہ صحابہ کی جماعت کہیں باہر سے آپ کی ہمدرد بن کر آئی تھی بلکہ یہ دونوں جماعتیں اپنے اپنے جذبات اطاعت و وفاداری کے فرق سے ان ہی کافروں میں بن گئی تھیں جنھوں نے کسی قسم کی کوئی حرکت بھی نہ کی تھی وہ اب بھی اسی جگہ تھے جہاں آپؐ کی بعثت سے قبل کھڑے تھے ہاں آفتابِ رسالت کے طلوع کے بعد ان کی ناحق شناسی کا جرم اب اور زیادہ قابل مواخذہ بن گیا۔

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب کبھی کوئی اصلاحی تحریک پیدا ہوئی ہے تو اس فضا میں یہ تینوں قسم کے گروہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ایک اس کو پوری طرح تسلیم کرنے والا' دوسرا پورا مد مقابل اور تیسرا وہ گروہ جو اندرونی طور پر اپنے خیالات کا حامل رہ کر صرف ظاہر میں شامل ہونے والا۔ یہ تیسرا گروہ ہمیشہ دوسرے سے بھی زیادہ خطرناک سمجھا گیا ہے کیونکہ وہ تو کھلا ہوا دشمن ہوتا ہے اور یہ دوست نما دشمن۔ اسلام ایک ایسے مضبوط و مستحکم عقد کا نام ہے جس میں جزم واعتقاد کے لحاظ سے ذرا بھی تردد کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جس اعتقاد کا یہ عالم ہو کہ اس میں ہمہ وقت تردد ہی تردد رہے اس کو اسلام نہیں کہا جا سکتا۔ بالخصوص جبکہ قلب عداوت سے معمور ہو اور جو بظاہر نمائشی انقیاد ہو اس میں بھی تذبذب' کسل مندی' ریاکاری اور فتنہ پردازی کے آثار کھلے طور پر نمایاں ہوں۔ ایسے ایمان کو کمزور ایمان نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اس کا نام کفر ہوگا جس کا رخ ایمان کی طرف کہا جا سکتا ہے' اگر سعادت دستگیری فرمالے تو ہوسکتا ہے کہ اس ریب وتردد کے عالم سے نکال کر یقین کی طرف رہنمائی فرما دے اور اس وقت اس کا نام ایمان بن جائے گا۔

اب رہی وہ خامی جو قلبی جزم ووثوق حاصل ہو جانے کے بعد ظاہری اعمال میں نظر آتی ہے تو وہ بھی یقیناً ایک بڑی خامی اور بڑی کوتاہی ہے لیکن یہ خامی وہ نہیں جس کے لئے مذہب اسلام میں کوئی گنجائش نہ نکل سکتی ہو۔ ایسے مسلمانوں کو دشمن کی صف میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ مگر یہ کہ اس کی سیہ کاری کی نوبت یہ آ جائے کہ پھر اس کی قلبی تصدیق بھی مشکوک نظروں سے دیکھی جانے لگے۔ اس لئے منافقین حقیقت کے لحاظ سے کوئی تیسری جماعت نہ تھے وہ کافر ہی تھے مگر انھوں نے اسلام کا صرف ایک لفظ ڈال لیا تھا قلب ان کا بیمار تھا البتہ ان کی زبانیں تندرست نظر آتی تھیں۔ اسلامی صحت کے آثار یہ ہیں کہ قلب و جوارح سب ہی اسلامی رنگ میں رنگین نظر آئیں۔ قلب کے بیمار پڑ جانے کے بعد صرف جوارح کی صحت قطعاً کارآمد نہیں ہوسکتی چونکہ منافق کا ایک رخ

ہمیشہ تندرست نظر آتا ہے اور دوسرا اصل باطنی رخ آفت زدہ ہوتا ہے اس لئے اس کا مرض بھی ظاہری صحت کی وجہ سے ادراک میں نہیں آتا اس لئے قرآن کریم نے ان ظاہری تندرستوں کی بیماری پر ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے ''فی قلوبھم مرض'' ان کی بیماری ان کے قلوب میں ہے[1] اور جب قلب بیمار ہو تو ان کے جوارح کی سلامتی بے سود ہے- اب حسب ذیل آیت کو پڑھئے:-

اِذَا جَاءَکَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ. (المنافقون : ١)

اے پیغمبر جب آپؐ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو (آپؐ کو خوش کرنے کے لئے) کہہ دیتے ہیں کہ ہم دل سے قائل ہیں کہ آپ بیشک خدا کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ بیشک اس کے رسول ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کی بھی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹ کہتے ہیں-

اس آیت میں یہ بات خوب واضح کردی گئی ہے کہ منافقین ظاہر میں جتنے کٹر مسلمان بنتے ہیں اللہ اس کی شہادت دیتا ہے کہ وہ باطن میں اتنے ہی کٹر کافر ہیں اگرچہ ان کا دوسرا رخ یعنی جسم کتنا ہی تندرست نظر آئے-

وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُهُمْ وَ اِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ کَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ. (المنافقون : ٤)

(اے پیغمبرؐ) اگر آپ ان کو دیکھیں تو ان کے ظاہری ڈیل ڈول آپؐ کی نظروں میں کھپ جائیں اور بات کریں تو (اس فصاحت سے) کہ آپؐ بڑے ذوق شوق سے اس کو سنیں (آپؐ کے سامنے اس طرح ٹیک لگا لگا کر بیٹھتے ہیں گویا کہ وہ لکڑیوں کے کندے ہیں جو دیواروں کے سہارے لگے رکھے ہیں- ہر ایک زور کی آواز کو سمجھتے ہیں کہ ان ہی پر بلا آئی (آپؐ کے جانی دشمن) یہی ہیں تو آپ ان سے بچتے رہیے ان کو خدا کی مار کدھر بہکے جا رہے ہیں-

آیت مذکورہ میں ھم العدو فاحذرھم (آپؐ کے دشمن یہی ہیں ان سے بچتے رہئے) کے الفاظ ان کا باطنی نقشہ سمجھنے کے لیے کافی ہیں- سورۂ توبہ میں یہ بات اور صاف کردی گئی ہے کہ یہ گروہ ہرگز مسلمان نہ تھا صرف خوف اور ڈر کی وجہ سے مسلمانوں کے سامنے باتیں بنا دیتا تھا-

وَ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْکُمْ وَ مَا هُمْ مِّنْکُمْ وَ لٰکِنَّهُمْ قَوْمٌ یَّفْرَقُوْنَ. (التوبة : ٥٦)

خدائے تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں کے ہیں حالانکہ وہ تم میں نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ تم سے ڈرتے ہیں- (اس لیے ایسی باتیں بنا دیتے ہیں)

پھر اسی سورت میں ارشاد ہے:

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَکُمْ لِیُرْضُوْکُمْ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ کَانُوْا

تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تمہیں راضی کرلیں حالانکہ اگر یہ واقعی مؤمن ہوتے تو سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کا

---

[1] قاضی بیضاویؒ اس متن کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''ونفوسھم کانت مؤوفة بالکفر و الاعتقاد و معاداة النبی صلی الله علیه و سلم'' اس جماعت کے قلوب کفر اور اعتقادات بد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کے مریض تھے-

مُؤْمِنِيْنَ. (التوبة : ٦٢)	زیادہ حق دار ہے کہ اسے راضی رکھیں-

سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں یہ تصریح ہے کہ منافقوں کا یہ نسیانی ایمان بھی محض خداع اور مسلمانوں کے ساتھ ایک قسم کا فریب تھا- سورۂ منافقون میں بھی ان کی جھوٹی قسموں کا یہی منشاء بیان فرمایا گیا ہے اتخذوا ایمانهم جنة. انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو اپنی جان و مال کی حفاظت کے لیے صرف ایک ڈھال بنایا ہے پھر ان کے مکر وفریب کا یہ دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ ان سے تجاوز کر کے خدائے تعالیٰ کی ذات عالم الغیب والسرائر تک بھی چلا جاتا تھا بلکہ اس جہاں سے گذر کر محشر تک رہے گا-

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ وَ اِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاءُوْنَ النَّاسَ. (النساء : ١٤٢)	منافق لوگ اللہ تعالیٰ سے دغا بازی کرتے ہیں اور وہی ان کو دغا کا بدلہ دے گا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو الکسائے ہوئے صرف لوگوں کے دکھانے کے لیے-
يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ. (المجادله:١٨)	جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو (قیامت میں) اٹھائے گا تو اس دن بھی وہ اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں-

اب رہے ان کے ظاہری اعمال تو ان کی بنیاد بھی ایقان واذعان پر نہ تھی بلکہ اپنے ظاہری نقاب کی صرف ایک پاس داری تھی-

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ اِلَّا اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كَارِهُوْنَ. (التوبة : ٥٤)	ان کی خیرات قبول نہ ہونے کی کوئی اور وجہ نہیں بجز اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور نماز کو آتے ہیں تو بس الکسائے ہوئے اور راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو بس مجبور ہو کر بے دلی سے-

اس آیت میں اس امر کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے کہ ان کی ظاہری نماز اور ان کے ظاہری صدقات کی طرف نظر نہ کرنی چاہیے وہ محض بے روح ہیں وہ نمازوں میں تمہارے ساتھ چلے تو ضرور آتے ہیں مگر طوع ورغبت سے نہیں بلکہ صرف نمائش کے لیے- یہی وجہ ہے کہ جن نمازوں میں کھسک سکتے ہیں کھسک جاتے ہیں جیسے عشاء وفجر ہے' وہ صدقے بھی ضرور دیتے ہیں مگر محض بہ جبر ان کی نمازیں جو اسلام کا سب سے بڑا عمل ہیں ذکر کی روح سے قطعاً معریٰ ہوتی ہیں- ان میں ذکر اللہ کا صرف اتنا ہی حصہ ہوتا ہے جتنا تم کو ان کے ظاہری رکوع وسجود میں نظر آتا ہے مگر ان کے باطن میں کوئی روح نہیں ہوتی اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کے منکر ہیں- ان کے اس کفر کو حسب ذیل آیت میں اور زیادہ شد و مد سے اس طرح بیان فرمایا گیا ہے-

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ. ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ. (توبة : ٨٠)	آپؐ ان کے حق میں مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں (دونوں برابر ہیں کیونکہ) اگر آپؐ ان کے لیے ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں جب بھی خدائے تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشے گا یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور فاسق قوم کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب نہیں کیا کرتا-

وَ لَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ. (التوبة : ۸۴)

ان میں سے کوئی مر جائے تو آپؐ کبھی اس کے جنازہ پر نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور فسق کی حالت میں مرے ہیں۔

ان آیات میں ان کا قلبی کفر جو جس تاکید کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے اس سے زیادہ اور کیا ممکن ہے حتیٰ کہ آپؐ کی اس پیغمبرانہ دل سوزی کو جو ان کے ساتھ رہ رہ کر پیدا ہوتی تھی اس طرح ختم کیا گیا ہے۔

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ. (التوبة : ۸۴)

آپؐ کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ آپؐ ان سے راضی ہو جائیں تو اگر آپؐ ان سے راضی بھی ہو جائیں جب بھی اللہ تعالیٰ یقیناً فاسق قوم سے راضی نہیں ہوگا۔

سورۂ توبہ میں ان کے صدری مکنونات اور جبلی خصائل کی اور زیادہ تفصیل کی گئی ہے اور ان کی علامات خوب کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ جہاد کے موقعہ پر ہیر پھیر کرنا تاامکان اس میں شریک نہ ہونا اور اگر شرکت کی نوبت آ ہی جائے تو اس کا مقصد مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور فتنہ پردازی کے سوا کچھ نہ ہونا۔ نمازوں میں سست اور اعتراض کرنے میں بڑے چست۔ نہ مسلمانوں کو چھوڑیں نہ خدا کے مقدس رسول کو بخشیں، بڑے باتونی، دوطرفہ باتیں ملانے والے، پرلے درجہ کے جھوٹے اور وعدہ خلاف انتہا درجہ کے بزدل اور ڈرپوک ان کے دلوں کو دیکھو تو ان میں ہمہ وقت تردد وشک کی کھٹک، مگر کفر پر اسی طرح اڑیل۔ اس تمام سورت میں جو چیز ان کی زیادہ تر روشن کی گئی ہے وہ ان کا اندرونی کفر اور خدا اور رسول اور جماعت اسلام کے ساتھ ان کا بغض وعداوت ہے۔ یہ کچھ ایسے امور نہ تھے جن کو قرآن کریم نے ان کے سر الزام کے طور پر لگایا ہو بلکہ اپنی اس پالیسی کو خود بھی اچھی طرح محسوس کرتے تھے اور اسی لیے برابر ڈرا کرتے تھے کہ کہیں اس پالیسی کا راز فاش نہ ہو جائے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ. (التوبة : ۶۴)

منافق اس بات سے خائف رہتے ہیں کہ مبادا پیغمبر کے ذریعہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان کے دلوں کا راز فاش کر دے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ وہ بات ظاہر کر کے رہے گا جس کا تم کو ڈر ہے۔

بالآخر کو ان کا یہ خوف سامنے آ گیا اور سورۂ توبہ میں ان کے قلبی کفر وعناد کی قلعی کھول کر رکھ دی گئی اس کے بعد ان کے جتنے حیلے بہانے تھے سب مردود قرار پائے۔ اسی لیے اس سورت کا ایک نام فاضحہ بھی رکھا گیا ہے۔

قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ. (التوبة : ۹۴)

آپؐ کہہ دیجئے معذرت کی باتیں نہ بناؤ اب ہم تمہارا اعتبار کرنے والے نہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات سے پوری طرح آگاہ کر دیا ہے۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ منافقین اور کافروں کو ایک ہی صف میں شامل رکھا ہے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ باطنی لحاظ سے یہ کوئی جدا گروہ نہ تھا بلکہ یہ وہی کافر تھے جو اپنی دورخی پالیسی نبھانے اور دوطرفہ نفع حاصل کرنے کے لیے بظاہر مسلمانوں کے ساتھ بھی لگے رہا کرتے تھے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنَافِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْر. (التوبة : ۷۳)	اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں اور منافقوں دونوں سے جہاد کیجئے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آیئے ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِيْنَ وَ الْكَافِرِيْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا. (النساء : ۱۴۰)	اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ جمع کرے گا۔

پھر خاص منافقین کے حق میں ہے:

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ. (النساء : ۱۴۵)	بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہیں۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ کہنا کتنا سخت مشکل ہے کہ منافقین کا گروہ کافروں کا گروہ نہ تھا بلکہ ایمان وکفر کے درمیان کوئی ایسا متوسط گروہ تھا جو تھا تو درحقیقت مسلمان مگر ان کا کچھ رجحان کفر کی طرف تھا ہاں اگر اس لحاظ سے ان کو متوسط کہہ دیا جائے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کے لحاظ سے نہ مسلمان کہلانے کے قابل تھے نہ کافر تو بجا ہوگا کیونکہ ان کے ظاہر کا ایک رخ اگر مسلمانوں کے ساتھ رہتا تھا تو ان کے باطن کا دوسرا رخ کافروں کے ساتھ رہا کرتا تھا اسی کو قرآن کریم نے ان کے تذبذب سے ادا کیا ہے۔

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ وَ لَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ. (النساء : ۱۴۳)	درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں نہ پورے ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف۔

اس آیت میں ان کی عملی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے نہ کہ ان کے اعتقادی پہلو کا اور جب کہ اسی آیت کے شروع میں یہ مذکور ہے کہ یہ لوگ خدائے تعالیٰ کو بھی دھوکا دیتے ہیں تو پھر ان کے اعتقاد میں بھلا کیا تذبذب ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں یہ پوری وضاحت موجود ہے کہ ادعاء اسلام سے ان کا مطمح نظر اپنی جان و مال کی حفاظت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی نکتہ کی بنا پر قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی ان کے حق میں لفظ اسلام کا اطلاق آ گیا ہے اس کے ساتھ ہی فوراً ان کا کفر بھی بیان کر دیا گیا ہے تاکہ صرف اس ظاہری اطلاق کی وجہ سے ان کے مسلمان ہونے کا شبہ نہ کرلیا جائے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ. (منافقون : ۳)	یہ اس لیے کہ پہلے وہ ایمان لائے پھر انہوں نے انکار کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔
وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ. (توبہ : ۷۴)	اور انہوں نے اسلام لانے کے بعد پھر انکار کیا۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ جب منافقین اپنی زبانوں سے کلمہ اسلام پڑھتے تھے' نمازوں میں بھی شرکت کر لیتے تھے اور زکوٰۃ بھی دے دیتے تھے تو ان ظاہری اعمال کے لحاظ سے ان کی طرف اسلام کا انتساب بھی صحیح تھا لیکن جب قرآن کریم نے ان کے کفر باطن کی وجہ سے ان کو مشخص اور معین طور پر کافر قرار دے دیا تو اب ان کے کفر میں کسی کو کیوں تامل ہو۔ لیکن کسی کے باطن کا علم چونکہ

ہم کو نہیں ہوسکتا اس لیے ہم کو حق نہیں کہ ہم کسی کے ظاہر کو متہم کریں۔ اسی لیے حضرت حذیفہؓ فرماتے تھے کہ آئندہ اب کسی پر یہ حکم نہ لگایا جائے نزول وحی کا زمانہ بالکل جدا تھا اس وقت وحی الٰہی جس کے متعلق نفاق کا حکم لگا دیتی تھی لگ سکتا تھا اب معاملہ صرف ظاہر پر رہے گا جو اسلامی احکام ادا کرے گا مسلمان ہوگا اور جو اس سے منحرف ہوگا کافر شمار ہوگا۔ قلبی حالت کا نہ ہم کو علم ہوسکتا ہے نہ اس بنا پر کسی پر کوئی حکم لگایا جائے گا۔ (بخاری شریف)

تعجب ہے کہ جس جماعت میں کفار بد اندیش کی ساری ہنگامہ آرائیاں نظر آ رہی ہوں، اسلام کے برخلاف ان کے منصوبے برابر چلے جا رہے ہوں، خدا اور رسول کے ساتھ استہزاء، ان کے ساتھ عداوت اور مسلمانوں میں باہم تفریق پیدا کرنی ان کا اہم پروگرام ٹھہر چکا ہو، ہر نازک مرحلہ پر مسلمانوں کے قدم اکھاڑنا ان کی اسکیم میں داخل ہو، دشمنوں سے ساز باز کرنا ان کا مستقل نصب العین بنا ہوا ہو، راہ حق کی کسی قربانی میں وہ پورے نہ اترتے ہوں، اور اسلام کے ہر عمل میں ان کے قدم ہمیشہ لڑکھڑاتے ہوں، دین حق کے بارے میں ان کی زبانیں جھوٹی ثابت ہو چکی ہوں، عہد شکنی ان کا شعار بن چکا ہو، اور پے بہ پے تنبیہوں کے بعد بھی وہ متنبہ نہ ہوتے ہوں تو کیا صرف ایک زبانی کلمہ پڑھ لینے سے ان کے متعلق یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح دین اسلام کو بطور عقیدت قبول کر چکے تھے اور کیا صرف ان نمازوں کی وجہ سے، ان صدقات کی وجہ سے، جس کا منشا صرف نمائش اور اپنی جان و مال کی حفاظت ہو ان کو مسلمان کہا جا سکتا ہے اس تمام حقیقت کو قرآن کریم نے واضح سے زیادہ واضح طریق پر بیان فرمایا ہے کیا اس کے بعد بھی اس کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ نفاق کی حقیقت صرف ایک قسم کا ایمانی ضعف قرار دی جائے جو ترقی کر کے کفر تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ یوں تو صریح کفر بھی شدت سے اترتے اترتے کبھی اسلام کی صورت قبول کر سکتا ہے اور بڑھتے بڑھتے شدید سے شدید تر بن سکتا ہے مگر کیا اس لیے کفر کو کوئی درمیانی حالت کہا جا سکتا ہے؟ کسی ایک آیت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ منافقین کا ایمان صرف نمائش اور کذب و خداع کے سوا کوئی حقیقت بھی رکھتا تھا۔ ان کے باطن اور قلب کی وہ روئداد معلوم ہو جانے کے بعد جو قرآن کریم نے ذکر کی ہے ایک لمحہ کے لیے یہ ماننا مشکل ہے کہ وہ اس اسلام کو اپنے خیال میں بھی اسلام تصور کرتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کو پرلے درجہ کا جھوٹا اور دھوکہ باز قرار نہ دیا جاتا۔ کذب و خداع یہ دو خصلتیں آج بھی مسلمانوں میں موجود ہیں مگر منافقین کے کذب و خداع میں بڑی بات باعث شناخت یہی تھی کہ انہوں نے اپنے ایمانوں کی بنیاد ہی ان پر قائم کر دی تھی اب یہ معمولی فریب و کذب نہ رہا تھا جس کا دائرہ باہمی فریب و کذب پر رہتا یہ خداع و کذب کی وہ صورت تھی جو خدا اور رسول کے ساتھ بھی پیدا کر لی گئی تھی۔ سوچنا چاہیے کہ جو صفات باہم مخلوق میں بھی انتہا درجہ خسیس شمار ہوں اگر ان کو خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی جائز سمجھ لیا جائے تو ان کی شناعت کس درجہ پر جا پہنچے گی۔ ہمارے اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب نفاق اتنی بدتر قسم کا کفر تھا تو حدیثوں میں اس کی علامات اتنی معمولی کیوں مقرر کی گئی ہیں آئندہ اپنے موقعہ پر اس سے زیادہ تفصیل آ رہی ہے۔

لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ جس طرح ایمان و کفر کی قسمیں مختلف تھیں اسی طرح نفاق کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ جس طرح ایک ایمان کامل تھا اور دوسرا ناقص۔ پھر کامل ایمان کے بہت سے شعبوں کو بھی ایمان کہہ دیا گیا ہے یا جیسا کفر ایک وہ تھا جس کی

جزاء جہنم میں خلود ہے پھر بہت سی نافرمانیوں پر بھی کفر کا اطلاق کر دیا گیا ہے- اسی طرح نفاق بھی چند قسم پر ہے ایک نفاق اعتقادی ہے اور وہی حقیقی نفاق ہے جس کا تذکرہ آپ ابھی سن چکے ہیں- پھر اس جماعت کے جو جو خصائل بد تھے ان پر بھی نفاق کا اطلاق کر دیا گیا ہے- چونکہ یہ خصائل انسان کی امانت و دیانت کے بالکل برعکس ہوتے ہیں اس لیے ان کو ایک لمحہ کے لیے بھی ایمان کے آثار نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ اس کی اس غفلت کا نتیجہ ہوتے ہیں جو بزدلی یا طمع دنیوی کے وجہ سے اس کے ایمان پر طاری ہو جاتی ہے پھر جتنی یہ غفلت غالب آتی جاتی ہے اتنا ہی ان افعال کا صدور بھی بڑھتا جاتا ہے- حتیٰ کہ ایک وقت وہ آ جاتا ہے کہ اس کے اعمال کی سطح پر منافقین کے اعمال کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور اس کا نقشہ عمل ٹھیک وہی ہو جاتا ہے جو ایک کھلے منافق کا- وہ بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے' وعدہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا اور جھگڑے پر آمادہ ہوتا ہے تو حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتا یہاں تک کہ اس مسلمان کو اعمال ظاہری کے لحاظ سے منافقین سے کوئی بھی امتیاز باقی نہیں رہتا بجز اس کے کہ اس کے گوشہ قلب میں خدا اور رسول پر ایمان ہوتا ہے اور منافق کے قلب میں یہ بھی نہیں ہوتا لیکن قلبی شہادت ایسی شئے نہیں جو آنکھوں سے نظر آ سکے اس لیے حدیث تو کفر کے اطلاق کی طرح کبھی کبھی ایسے مسلمان کو منافق کہہ دیتی ہے لیکن فقیہ جس کا موضوع دنیوی احکام ملحوظ رکھنا ہے وہ اگر اس کو مسلمان کہتا ہے تو اس کو اعمال کی شہادت اس کے برخلاف نظر آتی ہے اور اگر منافق کہتا ہے تو اس کا اندرونی ایمان اس کو اس خطاب سے مانع ہوتا ہے اس لیے وہ نفاق کی تقسیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور ایسے نفاق کو نفاق عملی کہہ دیتا ہے- حدیث اس تفصیل کو پسند نہیں کرتی کہ اس تقسیم سے عملی نفاق کی ہیبت قلوب سے گھٹتی ہے- اشراک باللہ کے باب میں حدیث و فقہ کے اس تعبیری اختلاف کی تفصیل گذر چکی ہے-

خلاصہ یہ ہے کہ اصل نفاق تو وہی نفاق اکبر یا نفاق اعتقادی تھا لیکن جب دور انحطاط میں مسلمانوں کے اندر بھی منافقوں کی خصوصی صفات پیدا ہونے لگیں تو اصحاب اصطلاح نے ان کو عملی منافق کہہ دیا- پس نفاق اکبر تو یہ ہے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کی توحید' رسول کی رسالت فرشتے اور حشر ونشر کا اعتقاد رکھنا مگر قلب میں اس کا پورا پورا انکار وانحراف مضمر ہونا- اسی حقیقت کو سورۃ منافقون وغیرہ کی گذشتہ آیات میں ادا کیا گیا ہے اور یہی آپ کے دور کا نفاق تھا اسی کو قرآن کریم نے کفر کہا ہے اور درک اسفل کی وعید بھی اسی کے بارے میں آئی ہے-

رہا نفاق عملی تو وہ حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لفظوں میں انسان کے ظاہر و باطن کے اختلاف کا نام ہے اس بنا پر جو شخص باطنی طور پر اسلامی عقائد کا معتقد ہو مگر ظاہری اعمال میں مقصر ہو اس کو عملی منافق کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا ظاہر بھی اس کے باطن کے برخلاف ہے' ہاں تنبیہ کے سیاق میں اس کو صاف منافق کہا جائے گا البتہ تحقیق کے موقعہ پر اس کے نفاق کو عملی نفاق سے تعبیر کیا جائے گا پھر جو تارک صلوٰۃ پر کفر کے اطلاق سے مقصد تھا وہی مقصد اس کے منافق کہنے سے رہے گا- اس کے معنی یہ نہیں کہ اس تعبیر کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی یہ صرف مصلحت ہی مصلحت پر مبنی ہوتی ہے یقیناً اس کی بھی بڑی حقیقت ہے اور اس کا منشا یہ ہے کہ نفاق عملی کبھی کبھی نفاق حقیقی کا سبب بھی بن سکتا ہے جیسا کہ بعض اوقات معصیتوں کا ارتکاب کرتے کرتے کفر حقیقی کی نوبت بھی آ سکتی ہے- آخر شجرۂ ایمانی اعمال ایمانی کی بجائے اعمال کفر کی آبیاری کے ساتھ ساتھ کب تک شاداب رہ سکتا ہے اس میں نفاق کی

بیماری پیدا ہو سکتی ہے۔

لغت کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاق ایک قسم کے فریب و خداع کا نام ہے منافق کی پوری کی پوری زندگی چونکہ اسی مذموم صفت کا مرقع ہوتی ہے اسی لیے اس کو منافق کہا جاتا ہے نفاق اکبر ہو یا نفاق اصغر لغت کی یہ حقیقت دونوں جگہ ٹھیک موجود رہتی ہے لیکن جب انسان فریب و مکر کی یہ چال خدا اور اس کے رسول کے ساتھ بھی چلنے لگتا ہے تو اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے اور اب یہ جرم نا قابل برداشت بن جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ عہد سلف میں جب کبھی کسی کے متعلق فسادِ باطن کا شبہ پڑ گیا ہے تو اب اس کو نا قابل عفو مجرم سمجھ لیا گیا ہے۔ آخر حاطب بن ابی بلتعہؓ کے بدری صحابی ہونے کے باوجود حضرت عمرؓ نے ایک ذرا سے شبہ پر ان کے حق میں **دعنی اضرب عنق هذا المنافق** (مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں) کے سخت کلمات فرما ہی دیئے۔ اب اندازہ کیجئے کہ ان کی نظروں میں نفاق کا جرم کس درجہ کا سمجھا گیا ہوگا۔ اگر در حقیقت نفاق انسان کی صرف کسی کمزوری کا نام ہوتا تو کیا مسلمان کے حق میں ان کی یہ تعبیری شدت گوارا کر لی جاتی۔ جنگ کے میدانوں میں جب کبھی مقابل شدید سے شدید تہمت کے موقعہ پر بھی کلمہ اسلام پڑھ لیتے یا عملی طور پر صرف کوئی اسلامی علامت ظاہر کر دیتے تھے تو بارگاہ نبوت سے اسی وقت سر پر کھچی ہوئی تلوار کو نیچی کر دینے کا حکم صادر ہو جاتا تھا اور اگر کسی فرد نے کبھی لاعلمی میں اس طرزِ عمل کے خلاف کیا بھی تو اس کا کوئی عذر ہرگز مسموع نہ ہوتا تھا۔ ضعیف الاسلام افراد کے ساتھ جو طرزِ عمل عہد نبوت میں ثابت ہوتا ہے وہ تالیف قلوب کا ہے نہ کہ منافق کہہ کر ان کو دشمن کی صف میں شمار کرنے کا۔ پس منافقین کے معاملہ میں یہ سمجھ لینا کتنی مہلک غلط فہمی ہے کہ یہ جماعت مسلمانوں کی جماعت تھی لیکن ایمان ان کے حلق کے نیچے نہیں اترا تھا۔ اگر ان کا یہ ایمان اس درجہ پر آ چکا تھا کہ اس کو خدا اور رسول بھی ایمان کہہ دیں تو پھر اسی وقت سے ان کے ساتھ طرزِ خطاب بدل جاتا ہے وہ اسلامی آغوش میں آ جانے کے بعد اب ہرگز اس قابل نہیں رہ سکتے کہ ان کو کافروں کے ساتھ ساتھ مخاطب بنایا جائے اور اگر ان کا ایمان اس قابل نہ تھا تو اس کا نام کفر رکھ دینے میں پس و پیش کیا ہے اور کیوں۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں منافق کی تلاوت قرآن کو نازبو کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی خوشبو بڑی خوشگوار ہوتی ہے مگر مزا بڑا ناگوار ہوتا ہے۔ اس تشبیہ میں یہی تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح نازبو کی ظاہری خوشبو اور مہک عمدہ ہوتی ہے مگر اس کا اندرونی ذائقہ سخت تلخ ہوتا ہے اسی طرح منافق کی تلاوت کا رخ تو بڑا خوش نما نظر آتا ہے مگر اس کے باطن کا دوسرا رخ نازبو کی طرح سخت تلخ ہوتا ہے کسی پھل کی خوبی صرف اس کی خوشبو میں نہیں جب تک کہ اس کا ذائقہ بھی عمدہ نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اصل خوبی صرف ظاہری اعمال سے نہیں بلکہ باطن اور قلب کی سلامتی سے حاصل ہوتی ہے اگر قلب بیمار ہے تو ظاہر کی سلامتی بیکار ہے۔

کبھی کبھی حدیثوں میں اولوالعزم صحابہ کی زبانوں سے اپنے نفسوں پر بھی نفاق کے خطرہ کے الفاظ نظر آتے ہیں حالانکہ یہاں نفاق کے کسی قسم کا شائبہ بھی نہیں ہوتا بلکہ یہ انسان کے کمال ایمانی اور اپنے اعمال کے پورے پورے محاسبہ کا ثمرہ ہوتا ہے جب ایک کامل مؤمن اپنے نفس کا محاسبہ شدت سے شروع کرتا ہے تو اس کو اپنی ہر حرکت و سکون پر یہ شبہ گذرنے لگتا ہے کہ کہیں

اس میں سروعلانیہ کا کوئی ادنیٰ سا اختلاف تو نہیں ہے اس لیے وہ اپنی ظاہری و باطنی صلاح وفلاح پر کبھی مغرور نہیں ہوتا وہ ہر ہر عمل میں اپنے نفس کو ہمیشہ متہم کرتا رہتا ہے آخر اس سعی میں اس کی عمر تمام ہو جاتی ہے اور وہ اپنے معیار کے مطابق ایک سجدۂ بے ریا کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ دین حنیف اس کو برداشت ہی نہیں کرتا کہ کسی عبد حنیف میں دورخ باقی رہیں۔ اس کے باطن کا رخ کچھ اور ہو اور ظاہر کا کچھ اور' وہ اس کو ایک ایسی یک رنگی کی دعوت دیتا ہے جس کے بعد ظاہر و باطن میں سرِمو اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اسی کو اس احسان کا خلاصہ سمجھنا چاہیے جس کا تذکرہ آپ پہلے حدیث جبرئیل علیہ السلام میں پڑھ چکے ہیں۔

جب انسان کے دماغ پر عالم ربوبیت کا یقین عالم شہود کی طرح مستولی ہو جاتا ہے تو پھر اپنے اعمال و نیات کو متہم کرنا اس کی فطرت بن جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کو وہ مقام نصیب ہو جاتا ہے جہاں پہنچ کر وہ نماز جس کے عجز و نیاز میں کوئی ادنیٰ خامی رہ جائے ایک منافق کی نماز معلوم ہونے لگتی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے خشوع النفاق ان تری الجسد خاشعا و القلب لیس بخاشع . پس انسان کا ایمانی کمال جس کو حدیث جبرئیل میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے ظاہر و باطن کی کامل یک رنگی کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے جب اس میں یہ یک رنگی پیدا ہو جاتی ہے تو اب جتنا اس کا ظاہر عجز و نیاز میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے اس کا باطن اس سے زیادہ اس میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ یہی وہ حقیقت تھی جو حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اپنے اہل وعیال میں جا کر ان کے قلب کا وہ رنگ نہیں رہتا جو آپ کی محفل تذکیر میں رہتا تھا تو ان کی نظر خشیت میں اتنا سا اختلاف بھی بشکل نفاق کھٹکنے لگا اور ان کو اس غیر اختیاری اختلاف کا شکوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرتبہ احسان میں جتنا جتنا کمال میسر آتا جاتا ہے اسی کے بقدر یک رنگی کے شرائط بھی سخت تر ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ عمر ختم ہو جاتی ہے اور جس درجہ اخلاص و یک رنگی کی طبیعت متلاشی ہوتی ہے وہ حاصل نہیں ہوتی۔ اسی لیے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا ما مضی مؤمن قط الا و ھو من النفاق غیر امن و ما مضی منافق قط و لا یبقی الا و ھو من النفاق امن . (کوئی مؤمن جو پہلے گذر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جس کے دل میں اپنے نفس کے متعلق نفاق کا خطرہ نہ گذرتا ہو اور کوئی منافق جو گذر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جو نفاق سے بے خطر نہ ہو)۔ (جامع العلوم)

ایک شخص نے دیکھا کہ ابو الدرداء نماز سے فارغ ہو کر نفاق سے پناہ کی دعا مانگ رہے ہیں۔ اس نے پوچھا بھلا آپ کو نفاق کا کیا خطرہ ہے انہوں نے بقسم فرمایا کہ آدمی اچھا خاصا مؤمن ہوتا ہے پھر کسی فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور آن کی آن میں اس کا دل پلٹ جاتا ہے اور وہ نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (جامع العلوم)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کو اپنے نفس کے متعلق ہمیشہ نفاق کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ ان کو یہ خطرہ نفاق اصغر سے تھا۔ یہ بات دوسری ہے کہ نفاقِ اصغر پر اصرار سے نفاقِ اکبر بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

صحیح بخاری میں ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ تیس صحابہ سے میری ملاقات ہوئی ہے سب کو اپنے نفس پر نفاق کا خطرہ لگا

رہتا تھا' ان میں کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ ہمارا ایمان حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام و میکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایمانوں کی طرح خطرۂ نفاق سے مامون ہے ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے قول وعمل کو ملاتا تو ہمیشہ مجھ کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں میں جھوٹا نہ قرار پاؤں- امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا جس شخص کو اپنے متعلق نفاق کا خطرہ بھی نہ گذرتا ہو اس کے متعلق آپ کا ارشاد کیا ہے انہوں نے تعجب سے فرمایا ایسا کون مؤمن ہوسکتا ہے جس کو اپنے متعلق یہ خطرہ بھی نہ آتا ہو- (جامع العلوم)

ان جملہ اکابر کے پیش نظر یا تو نیات اور اعمال کی وہ باریکیاں تھیں جن میں سرمو اختلاف سے اچھے سے اچھا عمل ایک منافق کا سا عمل بن سکتا ہے یا قادر مطلق کی وہ طاقت تھی جس کے سامنے ایک مخلص کا قلبی منافق بن جانا کوئی دشوار نہیں ہوتا- بہر حال یہاں ان سب خطرات کا منشا کمال ایمانی تھا- نفاق کی کسی قسم کا یہاں کوئی محل نہ تھا- امام غزالیؒ نے انا مومن انشاء اللہ کے ضمن میں اس کی بڑی تفصیل فرمائی ہے- (دیکھو احیاء العلوم ص ۹۲ و ۹۳)

واضح رہے کہ نفاق عملی نفاق کی کوئی علیحدہ قسم نہیں بلکہ جب منافقین کے اعمال مسلمانوں سے بھی سرزد ہونے لگے تو لاچار علماء کو نفاق کی تقسیم کردینی پڑی- وہی اعمال جو نفاق اعتقادی کے اثرات کہلاتے ہیں اگر تصدیق قلبی کے ساتھ بھی نظر آنے لگیں تو اس کا نام نفاق عملی رکھ دیا جاتا ہے- پس اگر نفاق اعتقادی نہ ہوتا تو نفاق عملی کی یہ تعبیر ہی پیدا نہ ہوتی جیسا کہ اگر شرک و کفر حقیقی معنوں کے لحاظ سے نہ ہوتے تو ریاء و ترکِ صلوٰۃ کو بھی شرک و کفر نہ کہا جاتا-

پس جس طرح کفر کی اصلی حقیقت کفر باللہ ہے اور کسی معصیت پر کفر کا اطلاق آجانے سے یہ حقیقت نہیں بدلی- اسی طرح اصلی نفاق اسی فساد باطن کا نام ہے اور چند مخصوص معاصی پر نفاق کے اطلاق سے اس کی حقیقت بھی نہیں بدلی' چونکہ نفاق حقیقی انسان کی ایک باطنی حالت کا نام ہے اس لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عہد نبوت کے بعد اب کسی کو کسی کے باطن پر حکم لگانے کا کوئی حق نہیں رہا اس لیے یہ حکم لگانا عہد نبوت پر ختم ہوگیا ہاں نفاق عمل کا محاسبہ ہمیشہ جاری رہنے والی چیز ہے-

❁ ❁ ❁

المنافقون فی عهد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم

(۸۲۵) حَدَّثَنَا زَیْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ کُنَّا عِنْدَ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَقَالَ مَا بَقِیَ مِنْ اَصْحَابِ هٰذِهِ الْاٰیَةِ (قَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْکُفْرِ) اِلَّا ثَلَاثَةٌ وَ لَا مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ اِلَّا اَرْبَعَةٌ فَقَالَ اَعْرَابِیٌّ اِنَّکُمْ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ تُخْبِرُ وْنَا لَا نَدْرِیْ فَمَا بَالُ هٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ یَنْقُرُوْنَ بُیُوْتَنَا وَ یَسْرِقُوْنَ اَعْلَاقَنَا قَالَ اُولٰئِکَ الْفُسَّاقُ اَجَلْ لَمْ یَبْقَ مِنْهُمْ اِلَّا اَرْبَعَةٌ اَحَدُهُمْ شَیْخٌ کَبِیْرٌ لَوْ شَرِبَ الْمَاءَ الْبَارِدَ لَمَا وَجَدَ بَرْدَهٗ.

(رواہ البخاری و فی التفسیر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں کا کچھ تذکرہ

(۸۲۵) زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کے مصداق میں سے بجز تین اشخاص کے اور کوئی زندہ نہیں رہا قاتلوا ائمة الکفر (کفر کے سرداروں کو قتل کرو) اور اسی طرح منافقین میں سے بھی چار آدمیوں کے سوا اور کوئی نہیں رہا- اس پر ایک بادیہ نشین شخص بولا آپ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں ہم سے ایسی باتیں بیان فرماتے ہیں جن کو ہم تو کچھ سمجھ نہیں سکتے (اچھا اگر منافقوں میں صرف چار اشخاص ہی بچے ہیں) تو یہ ہمارے گھروں میں نقب زنی کرنے والے اور ہمارے قیمتی مال چوری کر کر کے لے جانے والے لوگ کون ہیں- انہوں نے فرمایا یہ تو فاسق لوگ ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ منافقوں میں سے تو صرف چار آدمی ہی بچے ہیں ان میں ایک تو اتنا بوڑھا ہو گیا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی پئے تو اس کو اس کی ٹھنڈک کا احساس بھی نہ ہو- (بخاری شریف)

(۸۲۶) عَنْ قَیْسٍ قَالَ قُلْتُ لِعَمَّارٍ أَرَأَیْتُمْ صَنِیْعَکُمْ هٰذَا الَّذِیْ صَنَعْتُمْ فِیْ اَمْرِ عَلِیٍّ أَرَأْیًا رَأَیْتُمُوْهُ اَوْ شَیْئًا عَهِدَهٗ اِلَیْکُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عَهِدَ اِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَعْهَدْهُ اِلَی النَّاسِ کَافَّةً وَ لٰکِنْ حُذَیْفَةُ اَخْبَرَنِیْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ فِیْ اَصْحَابِیْ اِثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا فِیْهِمْ ثَمَانِیَةٌ لَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ثَمَانِیَةٌ مِنْهُمْ تَکْفِیْهِمِ الدُّبَیْلَةُ وَ اَرْبَعَةٌ لَمْ اَحْفَظْ مَا قَالَ شُعْبَةُ فِیْهِمْ. (رواہ مسلم)

(۸۲۶) قیسؒ کہتے ہیں کہ میں نے عمارؓ سے پوچھا فرمایئے حضرت علیؓ کے معاملہ میں جو روش آپ نے اختیار کی یہ آپ کی ذاتی رائے تھی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے پاس کوئی حکم تھا- انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کوئی بات ایسی نہیں فرمائی جو عام مسلمانوں سے نہ کہی ہو- لیکن حذیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے میری امت میں بارہ منافق ہوں گے- آٹھ ان میں ایسے کٹر ہیں کہ جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتے- ان کے پشت پر ایک سمی پھوڑا نکلے گا اور وہی ان کے لیے کافی ہو جائے گا- (ان کے شر سے حفاظت کے لیے ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی یعنی اس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو جائے گی) اور چار کے متعلق مجھے یاد نہیں رہا شعبہ (راوی حدیث) نے کیا کہا تھا- (مسلم)

(۸۲۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنْتُ اٰخِذًا بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقُوْدُ بِهٖ وَ عَمَّارٌ يَسُوْقُ النَّاقَةَ اَوْ اَنَا اَسُوْقُهٗ وَ عَمَّارٌ يَقُوْدُهٗ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْعَقَبَةِ فَاِذَا اَنَا بِاثْنَىْ عَشَرَ رَاكِبًا قَدْ اِعْتَرَضُوْهُ فِيْهَا قَالَ فَاَنْبَهْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ فَصَرَخَ بِهِمْ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ عَرَفْتُمُ الْقَوْمَ قُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانُوْا مُلْتَثِمِيْنَ وَ لٰكِنَّا قَدْ عَرَفْنَا الرِّكَابَ قَالَ هٰؤُلَاءِ الْمُنَافِقُوْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهَلْ تَدْرُوْنَ مَا اَرَادُوْا قُلْنَا لَا قَالَ اَرَادُوْا اَنْ يُزَاحِمُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَقَبَةِ فَيُلْقُوْهُ مِنْهَا قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَبْعَثُ اِلٰى عَشَائِرِهِمْ حَتّٰى يَبْعَثَ اِلَيْكَ كُلُّ قَوْمٍ بِرَأْسِ صَاحِبِهِمْ قَالَ لَا اَكْرَهُ اَنْ تَتَحَدَّثَ الْعَرَبُ بَيْنَهَا اَنَّ مُحَمَّدًا قَاتَلَ بِقَوْمٍ حَتّٰى اِذَا اَظْهَرَهُ اللّٰهُ بِهِمْ اَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِقَتْلِهِمْ. ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ ارْمِهِمْ بِالدُّبَيْلَةِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَا الدُّبَيْلَةُ؟ قَالَ شِهَابٌ مِنْ نَارٍ يَقَعُ عَلٰى نِيَاطِ قَلْبِ اَحَدِهِمْ فَيُهْلِكُ.

(۸۲۷) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے اس کو آگے سے کھینچ رہا تھا اور عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پیچھے پیچھے تھے یا معاملہ اس کے برعکس تھا- یہاں تک کہ چلتے چلتے جب ہم گھاٹی پر پہنچے تو دفعۃً کیا دیکھتے ہیں کہ بارہ اشخاص اونٹوں پر سوار سامنے سے آ رہے ہیں- میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد سے متنبہ کیا آپؐ نے ان کو زور سے آواز دی تو وہ پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد آپؐ نے فرمایا تم نے ان کو کچھ پہچانا؟ میں نے عرض کیا جی نہیں یہ لوگ اپنے منہ پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے لیکن ان کے اونٹوں کو پہچان لیا ہے فرمایا یہ منافقین تھے جو ہمیشہ منافق ہی رہیں گے اور تم کو کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ ان کا ارادہ کیا تھا- ہم نے عرض کیا بھی نہیں- آپ نے فرمایا کہ خدا کے رسول کو اس گھاٹی میں گرا دینا چاہتے تھے- ہم نے عرض کیا آپ ان سب کے قبائل کی طرف کہلا بھیجئے تاکہ وہ ان میں جو اس شرارت میں شریک تھا اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں بھیج دیں- آپ نے فرمایا میں ایسا نہیں کروں گا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے متعلق عرب یہ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک قوم سے جنگ کی اور جب ان کو اللہ تعالیٰ نے ان پر غالب کر دیا تو پھر وہ ان کو قتل کرنے لگا اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بددعا فرمائی خدایا! ان کو دبیلہ میں مبتلا فرما- ہم نے پوچھا یا رسول دبیلہ کیا چیز ہے؟ فرمایا وہ ایک زہریلا پھوڑا ہے جو شعلہ کی طرح دل کی رگوں کو پھونک دیتا ہے اور موت کا باعث ہوتا ہے-

(دلائل النبوۃ)

(رواہ البیهقی فی کتاب دلائل النبوۃ و اخرجه ابن کثیر فی تفسیر سورۃ البراءۃ)

---

(۸۲۷) ٭ طبرانی نے مسند حذیفہ میں ان اصحاب عقبہ کے نام پر ایک عنوان قائم کیا ہے اور ان منافقین کے حسب ذیل نام روایت فرمائے ہیں- معتب بن قشیر، ودیعہ بن ثابت، جد بن عبداللہ، حارث بن یزید، اوس بن قیظی، حارث بن سوید، سعد بن زرارہ، قیس بن فہد، سوید، داعش، قیس بن عمرو، زید بن العصیت، سلالہ بن الطمام- (تفسیر ابن کثیر)

حافظ ابن کثیر و ممن حولکم من الاعراب منافقون کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں "و هذا تخصیص لا یقتضی انه اطلع علی اسمائهم و ....

(۸۲۸) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا كَانَ قُرْبَ الْمَدِيْنَةِ هَاجَتْ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ تَكَادُ اَنْ تُدْفِنَ الرَّاكِبَ فَزَعَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثَتْ هٰذِهِ الرِّيْحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَاِذَا مُنَافِقٌ عَظِيْمٌ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ قَدْمَاتَ. (رواہ مسلم)

(۸۲۸) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس آ رہے تھے کہ اتنی تیز ہوا چلی کہ سوار کو بھی مٹی میں دفن کر دے۔ راوی کا گمان ہے کہ اس پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا یہ ہوا ایک منافق کی موت کے لیے چلی ہے جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ شریف لے آئے تو معلوم ہوا کہ منافقوں میں ایک بڑا منافق مر گیا ہے۔

(مسلم شریف)

(۸۲۹) حَدَّثَنَا اِيَاسٌ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ قَالَ عُدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مَوْعُوْكًا فَوَضَعْتُ يَدِیْ عَلَيْهِ فَقُلْتُ وَ اللّٰهِ مَا رَاَيْتُ كَالْيَوْمِ رَجُلًا اَشَدَّ حَرًّا فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَشَدَّ حَرًّ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰذَيْنِكَ الرَّجُلَيْنِ الرَّاكِبَيْنِ الْمُقَفِّيَيْنِ لِرَجُلَيْنِ حِيْنَئِذٍ مِنْ اَصْحَابِه.

(رواہ مسلم)

(۸۲۹) ایاس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک تپ زدہ شخص کی عیادت کی۔ میں نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو کہا خدا کی قسم بخار میں اتنا جلتا ہوا شخص جتنا آج میں نے دیکھا ہے اتنا کبھی نہیں دیکھا آپؐ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ شخص نہ بتا دوں جو روزِ محشر اس سے بھی زیادہ جلتا ہوا ہوگا پھر آپؐ نے اپنے ہمراہیوں میں سے دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ یہ دو منافق ہیں جو گھوڑے پر سوار اپنا منہ پھیرے کھڑے ہیں۔

(مسلم شریف)

(۸۳۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ لَمَّا تُوُفِّیَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُبَیٍّ دُعِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ عَلَيْهِ فَقَامَ اِلَيْهِ فَلَمَّا وَقَفَ عَلَيْهِ يُرِيْدُ الصَّلٰوةَ تَحَوَّلْتُ حَتّٰى قُمْتُ فِیْ صَدْرِهٖ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) أَعَلٰى عَدُوِّ اللّٰهِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُبَیٍّ الْقَائِلِ يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا.

(۸۳۰) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی (منافق) کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے بلایا گیا آپؐ تشریف لے چلے جب نماز کے ارادہ سے کھڑے ہوئے تو میں آپؐ کے سامنے آ گیا اور میں نے عرض کیا کیا اس عبداللہ بن ابی خدا کے دشمن پر بھی آپؐ نماز پڑھائیں گے جس نے فلاں فلاں دن ایسے ایسے کلمات منہ سے نکالے تھے (حضرت عمرؓ نے اس کے گذشتہ ایام کے کفریات سب گن گن کر

لله .... اعيانهم كلهم" (ج ۲ ص ۳۸۴) اس تخصیص کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ آپ نے ان کو جتنے منافقین بھی تھے سب ہی کے اسماء اور اشخاص بتا دیئے تھے۔

واضح رہے کہ جن روایات میں منافقین کی تعداد بارہ آتی ہے وہ خاص اس واقعہ میں شریک ہونے والے منافقین تھے جیسا کہ اس روایت میں موجود ہے۔ تعجب ہے کہ پھر بعض مصنفین نے یہ کیسے سمجھ لیا ہے کہ یہ تعداد کل بڑے منافقوں کی تھی۔

كَذَا وَ كَذَا يَعُدُّ اَيَّامَهُ قَالَ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَسَّمُ حَتّٰى اِذَا اَكْثَرْتُ عَلَيْهِ قَالَ اَخِّرْ عَنِّىْ يَا عُمَرُ اِنِّىْ قَدْ خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ قَدْ قِيْلَ لِىْ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ لَوْ اَعْلَمُ اَنِّىْ لَوْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِيْنَ غُفِرَ لَهُ لَزِدْتُ ثُمَّ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ مَشٰى مَعَهُ فَقَامَ عَلٰى قَبْرِهٖ حَتّٰى فَرَغَ مِنْهُ قَالَ فَعَجِبَ لِىْ وَ جُرْءَتِىْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَمُ فَوَ اللّٰهِ مَا كَانَ اِلَّا يَسِيْرًا حَتّٰى نَزَلَتْ هَاتَانِ الْاٰيَتَانِ وَ لَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِلٰى اٰخِرِهِ الاية قَالَ فَمَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَهٗ عَلٰى مُنَافِقٍ وَ لَا قَامَ عَلٰى قَبْرِهٖ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ.

بتائے) راوی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے سنتے رہے اور مسکراتے رہے حتیٰ کہ جب میں نے حد سے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا عمر! جانے بھی دو جب مجھے دو باتوں میں اختیار دیا گیا ہے تو جو میرے لیے ان میں مناسب تھی وہ میں نے اختیار کر لی ہے (مجھ سے کہا گیا ہے کہ آپ خواہ ان کے حق میں استغفار کریں یا نہ کریں- اگر آپ ستر بار ان کے لیے استغفار فرمائیں گے تو بھی اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو نہ بخشے گا) اگر مجھے یقین ہو جائے کہ میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی تو ضرور اس سے زیادہ استغفار کروں گا یہ کہہ کر آپؐ نے اس کی نماز پڑھا دی اور اس کے جنازہ کے ساتھ ساتھ بھی تشریف لے گئے اور اس وقت تک برابر قبر پر کھڑے رہے جب تک اس سے فراغت نہ ہوگئی- بخدا ابھی ذرا سا وقفہ ہی گذرا ہوگا کہ یہ دو آیتیں نازل ہوگئیں- و لا تقم علی قبرہ' الآیۃ ... اس کے بعد آخری دم تک پھر نہ تو آپ نے کسی منافق کی نماز پڑھائی نہ کسی کی قبر پر جا کر کھڑے ہوئے-

(رواہ الترمذی و ھو فی الصحیحین ایضا) (ترمذی)

(۸۳۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُبَىِّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۸۳۱) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے اپنے والد کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

---

(۸۳۰) * علماء کو یہاں یہ سخت اشکال گذرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنی کھلی ہوئی حقیقت کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے یہاں تک کہ قاضی ابوبکر باقلی نے اس حدیث کی صحت ہی سے انکار کر دیا ہے- امام الحرمین یہ کہہ بیٹھے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے ہی نہیں- امام غزالیؒ اور داؤدیؒ جیسے علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں لیکن ان جیسے مقامات کا رمز شناس زمخشری جیسا شخص ہو سکتا ہے' علماء کرام یہاں اپنی علمی دقتوں میں ہی الجھے رہا کرتے ہیں- حقیقت یہ ہے کہ بلا شبہ ان امور کو آپؐ سے زیادہ سمجھنے والا اور کون ہو سکتا ہے لیکن اس انتہائی دل سوزی کی بنا جس کا جوش نبی کے سینہ میں ہوتا ہے- نبی قصداً الفاظ کی ظاہری گنجائشوں سے فائدہ اٹھا لینا چاہتا ہے وہ اپنی امت کے معاملہ میں دوسرے خلاف پہلو کو تا امکان ذہن میں لاتا ہی نہیں جب تک کہ الفاظ میں اس کے لیے آخری گنجائش بھی ختم نہ کر دی جائے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ایک ہمدرد وکیل آئین کی وسعتوں سے آخری حد تک فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں اور بڑھ کر' چنانچہ اس واقعہ میں جب صراحت سے ممانعت آگئی تو پھر کسی واقعہ میں آپ کی نماز ثابت نہیں ہوئی-

(۸۳۱) * شارحین بخاری شریف نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر اس منافق کو دی ضرور تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا تھا و ما یغنی عنہ قمیصی و صلوتی من اللہ و اللہ انی کنت ارجوان یسلم بہ الف من قومہ و روی انہ اسلم الف من قومہ لما رأوہ یتبرک بقمیص النبی صلی اللہ علیہ وسلم. بھلا اللہ تعالیٰ کے یہاں میری یہ قمیص اور نماز کیا ....

حِیْنَ مَاتَ اَبُوْہُ فَقَالَ اَعْطِنِیْ قَمِیْصَکَ اُکَفِّنْہُ فِیْہِ وَ صَلِّ عَلَیْہِ وَ اسْتَغْفِرْ لَہٗ فَاَعْطَاہُ قَمِیْصَہٗ وَ قَالَ اِذَا فَرَغْتُمْ فَاٰذِنُوْنِیْ فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ یُّصَلِّیَ جَذَبَہٗ عُمَرُ وَ قَالَ اَلَیْسَ قَدْنَھَی اللّٰہُ اَنْ تُصَلِّیَ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ فَقَالَ اَنَا بَیْنَ خِیَرَتَیْنِ اِسْتَغْفِرْ لَھُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ فَصَلّٰی عَلَیْہِ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ وَ لَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ فَتَرَکَ الصَّلٰوۃَ عَلَیْھِمْ.

(رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث حسن صحیح)

عرض کیا آپ اپنی قمیص مرحمت فرما دیں تو میں اپنے باپ کو اس کا کفن دے دوں اور اس کی نماز بھی پڑھائیں اور اس کے حق میں دعاء مغفرت بھی فرمائیں- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اپنا قمیص دے دیا اور فرمایا جب اس کے غسل وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دے دینا- جب آپؐ اس کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو عمرؓ نے آپؐ کو کھینچ لیا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس بات سے ممانعت نہیں فرمائی کہ آپؐ منافقین کی نماز پڑھائیں' آپؐ نے فرمایا مجھے دونوں باتوں میں اختیار ملا ہے خواہ ان کے حق میں استغفار کروں یا نہ کروں یہ کہہ کر اس کی نماز پڑھا دی اس کے بعد فوراً یہ آیت نازل ہوگئی و لا تصل علی احد' الخ ...... پھر آپ نے منافقین پر نماز ترک فرما دی-

(۸۳۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ دِیْنَارٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ یَقُوْلُ کُنَّا فِیْ غَزَاۃٍ قَالَ سفیان یرون انھا غزوۃ بنی المصطلق فَکَسَعَ رَجُلٌ

(۸۳۲) عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جابر بن عبداللہ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ ہم ایک غزوہ میں تھے (سفیان کہتے ہیں کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ وہ غزوہ- غزوۂ بنی المصطلق تھا) کہ ایک مہاجر نے ایک

ؒ ....اس کو کیا فائدہ دے سکتی ہے مجھے تو یہ امید تھی کہ اس عمل سے شاید اس کی قوم کے ایک ہزار افراد اسلام قبول کر لیں گے- چنانچہ روایت میں ہے کہ جب اس کی قوم نے آپؐ کی شفقت و رحمت کا یہ عالم دیکھا تو ہزار افراد نے اسلام قبول کر لیا- ان تصریحات سے یہ صاف سمجھ میں آ جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سارا عمل کس جذبہ کے ماتحت تھا- آپ اس کی قوم کے اسلام کی آس لگائے بیٹھے تھے یا یہ کہ درحقیقت اس کی مغفرت کے خیال میں تھے- حضرت عمرؓ کے اصرار پر آپؐ کا خاموش رہے چلے جانا پھر آخر میں مسکرا دینا کیا اسی کی غمازی نہیں کر رہا تھا کہ آپؐ یہاں ایک اہم مقصد کے پیش نظر محض آئینی وسعتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے- عمرؓ اپنی طبعی حلاوت کی وجہ سے جس طرف مائل ہوئے ان کو اسی طرف مائل ہونا چاہیے تھا لیکن وہ اس عمیق حکمت تک کہاں پہنچ سکتے تھے جس کا ظہور بعد میں ہوا اور جس کی بدولت ایک جماعت اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئی اسی کے قریب جنگ بدر میں حضرت ابوبکرؓ کا واقعہ ہے وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حد سے بڑھتی ہوئی الحاح وزاری سے دردمند ہو ہو کر اور زیادہ الحاح وزاری سے آپؐ کو روک رہے ہیں اور تسلی دے رہے ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ اپنے پروردگار کے سامنے اتنے بے اختیار ہوئے چلے جاتے تھے کہ آپ کی ردائے مبارک بھی آپؐ کے شانوں سے گری جا رہی تھی مقام نبوت والے ہی اس اضطراب کو یا اس واقعہ میں اتنے سکون کو پہچان سکتے ہیں-

(۸۳۲) * امام بخاریؒ نے ابواب المناقب کے باب مانھی عنہ من دعوی الجاھلیۃ کے ضمن میں بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں اس مہاجر شخص کے متعلق یہ لفظ روایت کیے ہیں و کان من المھاجرین رجل لعاب شارحین نے اس کے دو معنی لکھے ہیں ایک یہ کہ اس شخص کے مزاج میں خوش طبعی اور ذرا مذاق کا مضمون تھا اور کسی نے لکھا ہے کہ یہ نیزہ گھمانا خوب جانتا تھا- حافظ ابن حجرؒ نے اس کا نام جہجاہ بن قیس لکھا ہے- عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی تشریح کرتے ہوئے ؒ ....

26

مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِيْنَ وَ قَالَ الْاَنْصَارِيُّ يَا لَلْاَنْصَارِ فَسَمِعَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ قَالُوْا رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَسَعَ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مُنْتِنَةٌ فَسَمِعَ ذَالِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيِّ ابْنُ سَلُوْلَ فَقَالَ اَوَ قَدْ فَعَلُوْهَا لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دَعْنِيْ اَضْرِبُ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ اَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ اَصْحَابَهٗ وَ قَالَ عمرو فَقَالَ لَهٗ اِبْنُهٗ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ وَ اللّٰهِ لَا تَنْقَلِبُ حَتّٰى تُقِرَّ اَنَّكَ الذَّلِيْلُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَزِيْزُ فَفَعَلَ.

انصاری کے لات ماردی اور اس پر مہاجر نے دوسرے مہاجروں کو جھگڑے کی دعوت دی اور انصاری نے دوسرے انصاروں کو آپؐ نے یہ غل شور سنا تو فرمایا یہ کیا زمانہ جاہلیت کی سی آوازیں آرہی ہیں- لوگوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ ایک مہاجر شخص نے کسی انصاری کے لات ماردی ہے (اس پر کچھ ہنگامہ برپا ہوگیا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ناشائستہ کلمات کو چھوڑ دو- یہ قصہ کہیں عبداللہ بن ابی نے بھی سن پایا اس نے کہا اچھا کیا مہاجر نے یہ فعل کیا ہے چلو ذرا مدینہ چلیں تو جو باعزت فریق ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کرے گا- اس پر عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ اجازت دیں تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں؟ آپؐ نے فرمایا رہنے دو- کہیں لوگ یہ مشہور نہ کردیں کہ میں اپنے لوگوں کو بھی قتل کر دیتا ہوں- عمرو بن دینار کے علاوہ بعض اور راویوں نے اس قصہ میں اتنا اور نقل کیا ہے کہ ابن ابی کے اس گستاخانہ فقرہ پر اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا خدا کی قسم تو مدینہ طیبہ میں اس وقت تک گھس نہیں سکتا جب تک اپنے منہ سے اس کا اقرار نہ کرلے کہ تو ہی ذلیل ہے اور معزز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم- آخر اس نے اس کا اقرار کرلیا-

(رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث حسن صحیح)

(۸۳۳) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَصْعَدُ الثَّنِيَّةَ ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ فَاِنَّهٗ يُحَطُّ عَنْهُ مَا حُطَّ عَنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ قَالَ فَاَوَّلُ مَنْ صَعِدَهَا خَيْلُنَا

(۸۳۳) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ٹیلہ پر جس کا نام مرار ہے پہلے کون چڑھے گا کہ اس کے گناہ اسی طرح معاف ہو جائیں جیسے بنی اسرائیل کے معاف ہوئے تھے- یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہمارے قبیلہ بنی خزرج کے گھوڑے اس پر چڑھ گئے اس کے

ﷺ.... امام خطابیؒ تنبیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے ان مختصر کلمات سے دینی سیاست کا ایک اہم باب کھل جاتا ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص کا قلبی ایمان واذعان معلوم کرنے کے لیے اس کے سوا اور کیا صورت نکل سکتی ہے کہ اس کے کسی ظاہری عمل ہی کو اس کا معیار مقرر کیا جائے اب اگر منافقوں کے صرف باطنی کفر پر صریح کفر کے سے احکام لگا دیئے جاتے تو دشمنان دین کو یہ بدظنی پھیلانے کا موقعہ مل جاتا کہ مسلمان اسلام کے حلقہ بگوشوں کو بھی کفر باطن کا بہانہ لے کر جب چاہتے ہیں قتل کر ڈالتے ہیں اس لیے اسلام کی صریح حلقہ بگوشی کے بعد بھی جان و مال کے محفوظ ہونے کی کوئی صورت نہیں- اس پروپیگنڈے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی کہ جب تک کسی کے ظاہری اعمال سے بھی کفر ثابت نہ ہو جائے صرف اس کے باطنی کفر کی وجہ سے اس کو کافر قرار نہ دیا جائے-

خَيلُ بَنِي الْخَزْرَجِ ثُمَّ تَتَامَّ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ مَغْفُوْرٌ لَهُ اِلَّا صَاحِبُ الْجَمَلِ الْاَحْمَرِ فَاَتَيْنَاهُ فَقُلْنَا تَعَالَ يَسْتَغْفِرْلَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَ اللّٰهِ لَئِنْ اَجِدُ ضَالَّتِيْ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ يَسْتَغْفِرَلِيْ صَاحِبُكُمْ قَالَ وَ كَانَ رَجُلٌ يَنْشُدُ ضَالَّةً لَهُ. (رواه مسلم)

بعد پھر سب لوگ یکے بعد دیگرے چڑھنا شروع ہو گئے آپ نے فرمایا مغفرت میں تم سب ہی شریک ہو گئے صرف وہ سرخ اونٹ والا شخص رہ گیا ہم اس کے پاس آئے اور ہم نے اس سے کہا چل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری بخشش کی بھی دعا کرالیں - وہ بولا خدا کی قسم تمہارے اس صاحب کی مغفرت کی دعا سے میں یہ بدر جہا بہتر سمجھتا ہوں کہ میرا کھویا ہوا جانور مل جائے - راوی کہتا ہے کہ یہ شخص اپنا جانور تلاش کرنے کے لیے آیا ہوا تھا - (مسلم شریف)

(۸۳۴) عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ كُنَّا فِيْ حَلْقَةِ عَبْدِ اللّٰهِ فَجَاءَ حُذَيْفَةُ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) حَتّٰى قَامَ عَلَيْنَا فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ اُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلٰى قَوْمٍ خَيْرٌ مِّنْكُمْ قَالَ الْاَسْوَدُ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ فَتَبَسَّمَ عَبْدُاللّٰهِ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) وَ جَلَسَ حُذَيْفَةُ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ فَتَفَرَّقَ اَصْحَابُهُ فَرَمَانِيْ بِالْحَصَا فَاَتَيْتُهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَجِبْتُ مِنْ ضِحْكِهِ وَ قَدْ عَرَفَ مَا قُلْتُ لَقَدْ اُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلٰى قَوْمٍ كَانُوْا خَيْرًا مِّنْكُمْ ثُمَّ تَابُوْا فَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ.

(رواه البخاری فی التفسیر)

(۸۳۴) اسود بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت حذیفہؓ آ کر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے - سلام کیا اس کے بعد فرمایا (مطمئن رہنے کا مقام نہیں) نفاق ان لوگوں میں بھی پیدا ہو چکا ہے جو تم سے بہتر تھے (کیونکہ وہ عہد صحابہ میں تھے اور تم طبقہ تابعین میں ہو) یہ سن کر اسود نے از راہِ تعجب کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے - اللہ تعالیٰ تو منافقین کی شان میں فرماتا ہے ان المنافقین الخ وہ دوزخ کے سب سے تحتانی طبقے میں ہوں گے - اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسکرائے - حضرت حذیفہؓ مسجد کے ایک گوشہ میں جا بیٹھے اس کے بعد حضرت عبداللہؓ کی مجلس ختم ہو گئی اور ان کے شاگرد بھی متفرق ہو گئے تو حضرت حذیفہؓ نے ایک کنکری مار کر بلایا اور فرمایا مجھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مسکراہٹ سے تعجب ہوا وہ میری مراد سمجھ گئے تھے - بے شک ایک زمانہ میں تم سے بہتر لوگوں میں نفاق پیدا ہو گیا تھا لیکن آخر انہوں نے توبہ کی اور مخلصین صحابہ میں سے بن گئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توبہ قبول فرمالی - (پہلے حضرت حذیفہؓ نے بغرضِ تنبیہ صرف ان کے ابتدائی حال کو ذکر فرمایا تھا بعد میں ان کی توبہ اور اخلاص کو ذکر فرمادیا تو پھر کوئی اشکال نہ رہا - (بخاری شریف)

(۸۳۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلٰى اُحُدٍ فَرَجَعَ نَاسٌ مِّمَّنْ كَانَ مَعَهُ فَكَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى

(۸۳۵) زید بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ احد کے لیے نکلے تو بعض منافقین جو آپؐ کے ساتھ آ گئے تھے واپس لوٹ گئے - ان لوگوں کے معاملہ میں صحابہ کرام کی دو جماعتیں ہو گئیں

(۸۳۴) ٭ اس روایت سے بھی یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ منافقین کے بارے میں سلف کا تصور کیا تھا -

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ فِرْقَتَيْنِ قَالَ بَعْضُهُمْ نَقْتُلُهُمْ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ لَا فَنَزَلَتْ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ. (رواه مسلم)

ایک نے کہا ہم ان کو قتل کریں گے دوسری نے کہا نہیں- اس پر آیت کریمہ نازل ہوگئی- تم کو کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تمہاری دو جماعتیں ہوگئیں- (مسلم شریف)

(۸۳۶) عَنْ اَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُنَافِقِينَ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْغَزْوِ تَخَلَّفُوْا عَنْهُ وَ فَرِحُوْا بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَذَرُوْا اِلَيْهِ وَ حَلَفُوْا وَ اَحَبُّوْا اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَنَزَلَتْ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ. (رواه مسلم)

(۸۳۶) ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین کا یہ دستور تھا کہ جب آپؐ کسی غزوہ کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ لوگ پیچھے رہ جاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بیٹھ کر خوش ہوا کرتے پھر جب آپؐ واپس تشریف لے آتے تو آپؐ کے سامنے اس کا کوئی نہ کوئی عذر تراش دیتے اور قسمیں کھا جاتے اور یہ چاہتے کہ جو کام وہ نہیں کر سکے اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے اس پر یہ آیت نازل ہوگئی- جو لوگ اپنی کارستانیوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام وہ نہیں کرتے اس پر ان کی تعریف ہو آپ یہ گمان نہ فرمائیں کہ وہ عذاب کی گرفت سے باہر ہیں-

(مسلم شریف)

النفاق العملي

عملی نفاق

(۸۳۷) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِيْ يَاْتِيْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ. (متفق عليه)

(۸۳۷) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں سب سے بدتر شخص تم اس کو پاؤ گے جو دو رخا ہو ان کے پاس آئے تو ان کی سی باتیں بنا دے اور ان کے پاس جائے تو ان کی سی باتیں بنا دے- (متفق علیہ)

(۸۳۸) عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ. (رواه الدارمي)

(۸۳۸) عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں دو رخی باتیں بنائے گا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی-

(دارمی)

---

(۸۳۸) * امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں- و اتفقوا على ان ملاقاة الاثنين بوجهين نفاق - یہ متفق علیہ بات ہے کہ دو طرفہ باتیں بنانا نفاق کی خصلت ہے پھر اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ خصلت چغل خوری سے بدتر ہے کیونکہ چغل خوری تو صرف ایک دشمن کی بات دوسرے کے سامنے نقل کرنے کا نام ہے اور یہاں دو طرفہ ایک کی مخالف بات دوسرے کے سامنے نقل کرنی ہوتی ہے- اگر اس نے دو دشمنوں کے کلمات نقل تو نہیں کیے مگر ان کے مخالفانہ کلمات کو سن سن کر دونوں ہی کی تصدیق کرتا رہا اور دونوں کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا- لخ ....

(۸۳۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّہٗ قِیْلَ لَہٗ اِنَّا نَدْخُلُ عَلٰی سُلْطَانِنَا فَنَقُوْلُ لَہٗ بِخِلَافِ مَا نَتَکَلَّمُ اِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِہٖ قَالَ کُنَّا نَعُدُّ ھٰذَا نِفَاقًا۔

(رواہ البخاری)

(۸۳۹) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا ہم لوگ جب اپنے بادشاہ کے دربار میں جاتے ہیں تو ان سے اور قسم کی باتیں بناتے ہیں اور جب ان کی مجلس سے باہر نکل آتے ہیں تو دوسری قسم کی باتیں کرتے ہیں (اس اختلاف بیانی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں) انہوں نے فرمایا اس حرکت کو ہم ایک قسم کا نفاق شمار کیا کرتے تھے- (بخاری شریف)

(۸۴۰) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰی

(۸۴۰) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس امت پر اگر خطرہ ہے تو صرف اس منافق کا ہے جو باتیں

لله..... یا ہر ایک کے سامنے ان کی باہم دشمنی پر تعریف کرتا رہا یا ان میں سے ہر ایک کی مدد کا وعدہ کرتا رہا تو ان سب صورتوں میں اس کو ذوالوجہین اور ذوالِلسانین کہا جائے گا اسے چاہیے یا تو بسبب معذوری خاموش رہے یا ان میں سے جو حق پر ہو اس کی تعریف کرے اس کے سامنے بھی، پس پشت بھی اور اس کے دشمن کے روبرو بھی- (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۱۰)

(۸۳۹) ٭ امام بخاری نے کتاب الاحکام میں حدیث مذکور کو کسی قدر اور تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے- حافظ ابن رجب نے مسند امام احمد سے بروایت حذیفہؓ یہی مضمون ان الفاظ میں نقل کیا ہے انکم متکلمون کلاما ان کنا لنعدہ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النفاق و فی روایۃ قال ان کان الرجل لیتکلم بالکلمۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصیر بھا منافقا وانی لا سمعھا من احدکم فی الیوم او المجلس عشر مرات. تم آج ایسی باتیں منہ سے نکالتے ہو جن کو ہم عہد نبوت میں نفاق شمار کیا کرتے تھے ایک روایت میں یہی مضمون اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جس کلمہ کو زبان سے نکالنے پر آدمی منافقوں میں شمار ہو جاتا تھا آج وہ دن ہے کہ اس کلمہ کو ہم ایک مجلس میں تمہاری زبانوں سے دس دس بار سن لیتے ہیں- (جامع العلوم) اللہ اکبر کتنی جلدی زمانہ کہاں سے کہاں جا پہنچا جو بات کل تک نفاق گنی جا رہی تھی آج وہ زبانوں پر بے محابا آ رہی ہے- لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہاں نفاق سے وہی ظاہر و باطن کا اختلاف مراد ہے پھر جس کا تقویٰ جتنا زیادہ تھا اس کی گرفت بھی اسی قدر باریک تھی سلف کے حالات کو اپنے حال پر قیاس نہ کرنا چاہیے- امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے سامنے جا کر اس قسم کی باتیں بنانا اس وقت نفاق شمار ہو گا جب کہ ان کے پاس جانے کی اور ثنا خوانی کی کوئی مجبوری نہ ہو- اب اس شخص کا جا جا کر ان کی تعریفیں کرنا اور باہر آ کر مذمت کرنا یقیناً بلا حاجت ہے اور نفاق ہے- کیونکہ اس نے محض حب جاہ و مال کے لیے اپنے ضمیر کے خلاف تعریف کی اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حب مال و جاہ قلب میں نفاق کی اس طرح پرورش کرتے ہیں جیسا پانی سبزہ کی- یعنی دو خصلتیں انسان کو اس پر ابھارتی ہیں کہ وہ بادشاہوں کی خدمت میں جا کر اپنے ضمیر کے خلاف باتیں بنائے اور نفاق میں گرفتار ہو لیکن اگر ان کے درباروں میں جائے بغیر گذر نہ ہو اور ان کی تعریف کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو اب دفع شر کے قصد سے جو تعریف ہو گی وہ نفاق شمار نہ ہو گی- حضرت ابو الدرداء فرماتے ہیں کہ ہمیں بعض مرتبہ ایسے لوگوں کے سامنے بھی دانت نکال دینے پڑتے ہیں جن پر ہمارا دل لعنت کرتا ہے- سلف میں جہاں اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں ان کا دائرہ صرف ظاہری توجہ، مسکراہٹ اور کشادہ روئی کے اندر محدود ہے- صریح جھوٹ اور صریح تصدیق پھر بھی مکروہ عمل ہے- (احیاء ج ۳ ص ۱۱۰)

(۸۴۰) ٭ حافظ ابن رجب نے اسی مضمون کو حضرت عمرؓ سے بالفاظ ذیل موقوفاً نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے منبر پر فرمایا لله.....

هٰذِهِ الْاُمَّةِ كُلُّ مُنَافِقٍ يَتَكَلَّمُ بِالْحِكْمَةِ وَ يَعْمَلُ بِالْجَوْرِ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

بڑی پرحکمت بنائے مگر اس کے کارنامے سب ظلم کے ہوں۔ (شعب الایمان)

(۸۴۱) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ الْيَوْمَ شَرٌّ مِنْهُمْ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا يَوْمَئِذٍ يُسِرُّوْنَ وَ الْيَوْمَ يَجْهَرُوْنَ. (رواه البخاری فی الفتن)

(۸۴۱) حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آج کے منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں سے زیادہ بے حیاء ہیں۔ اس وقت کے منافق تو اپنا نفاق چھپاتے پھرتے تھے اور آج تو بے دھڑک ظاہر کرتے پھرتے ہیں (اور جنگ میں مقابلہ پر نکل آتے ہیں)۔ (بخاری شریف)

(۸۴۲) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ اِنَّمَا كَانَ النِّفَاقُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَاِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ بَعْدَا لْاِيْمَانِ. (رواه البخاری)

(۸۴۲) حذیفہ فرماتے ہیں کہ نفاق کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پر ختم ہوگیا اب ہم اس کو ایمان کے بعد کفر یعنی ارتداد شمار کریں گے۔ (بخاری شریف)

شعب النفاق

نفاق کے شعبے

(۸۴۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّاتَ وَ لَمْ يَغْزُوْا وَ لَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسُهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنْ نِّفَاقٍ. (رواه مسلم)

(۸۴۳) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مرگیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نہ کبھی جنگ کی اور نہ اس کے دل میں اس کا خطرہ گذرا تو وہ اپنے ساتھ نفاق کا ایک شعبہ لے کر مرا۔ (مسلم شریف)

(۸۴۴) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

(۸۴۴) ابوامامہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لـ ..... تمہارے متعلق مجھے سب سے زیادہ خطرہ اس شخص کا ہے جو منافق علیم ہو لوگوں نے پوچھا منافق ہو کر پھر اس کو علیم بھی کہا جائے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ فرمایا اس کی باتیں بڑی پرحکمت ہوں گی مگر اس کا عمل حق کے خلاف ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ سے منافق کی تعریف میں منقول ہے الذی یصف الایمان و لا یعمل بہ. بلال بن سعد فرماتے ہیں المنافق یقول ما یعرف و یعمل ما ینکر۔ (جامع العلوم والحکم) یہ سب عبارتیں ایک ہی مضمون کی مختلف تعبیرات ہیں ان سب میں جزیل الفاظ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ہیں اور یہاں نفاق سے ان کی مراد نفاق عملی ہے۔

(۸۴۳) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں غزوات ہی سے مؤمن مخلص اور منافق کے درمیان پورا امتیاز ہوا کرتا تھا۔ جو مؤمن تھے وہ تو پروانہ وار آتش جنگ میں کود پڑتے تھے اور جو منافق تھے وہ دم چرا جاتے تھے۔ درحقیقت ایک مؤمن کی شان یہی ہونی بھی چاہیے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لیے بے چین نظر آئے اور یہی اس کا ثبوت ہوگا کہ خدا اور رسول کی محبت اس کے قلب میں تمام محبتوں پر غالب آچکی ہے۔ اگر بالفرض کوئی ایسا نادر موقعہ اس کے ہاتھ نہ آئے تو کم از کم اس تمنا میں تو اس کا دل ہمیشہ تڑپتا رہنا چاہیے۔ اگر ایسا بھی نہیں تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اس کا دعویٰ ایمان صرف زبانی ہی زبانی ہے اس کا قلب جذبات محبت سے یکسر خالی ہے۔ یہ بھی ظاہر و باطن میں ایک قسم کا اختلاف ہے اس لیے اس کو بھی نفاق کا شعبہ کہا جائے گا۔

(۸۴۴) * عـی (جھجکنے) سے یہاں مراد وہ نہیں جو زبان میں کسی عیب کی وجہ سے پیدا ہوجائے بلکہ وہ ایک صفت ہے جس کی وجہ سے مؤمن بے خوفی اور بے باکی سے بات نہیں کرتا وہ اپنے ہر ہر لفظ کو کراماً کاتبین کے قلم کے تحت تصور کرتا ہے اور ایک ایک کلمہ سے خدائی محاسبہ کا لـ ....

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَیَاءُ وَ الْعِیُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِیْمَانِ وَ الْبَذَاءُ وَ الْبَیَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ. (رواہ الترمذی)

شرم و کم سخنی اور جھجک ایمان کے دو شعبے ہیں اور بد زبانی اور زبان آوری نفاق کے دو شعبے۔

(ترمذی شریف)

(۸۴۵) عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَیَاءَ وَ الْعَفَافَ وَ الْعِیَّ عِیَّ اللِّسَانِ لَاعِیُّ الْقَلْبِ وَ الْفِقْہَ مِنَ الْاِیْمَانِ وَ ھُنَّ مِمَّا یَزِدْنَ فِی الْاٰخِرَۃِ وَ یَنْقُصْنَ مِنَ الدُّنْیَا وَ مَا یَزِدْنَ

(۸۴۵) عون بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کی وساطت سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بلاشبہ شرم، پاک بازی، کم سخنی اور سمجھ یہ سب ایمان کی باتیں ہیں اور کم سخنی سے مراد لسانی اور زبانی طمطراق کا ترک کر دینا ہے قلبی نافہمی نہیں (یعنی وہ کم سخنی نہیں جو ناسمجھی کی وجہ سے پیدا ہو) اور یہ تمام باتیں اُخروی ترقیات کا موجب ہیں اور دنیوی نقصان کا اور ان کا اخروی نفع ان کے دنیوی نقصان

؂ ...خوف رکھتا ہے وہ مجمع پر اپنے زور بیان سے چھا جانا نہیں چاہتا اس کے انداز گفتگو میں تواضع، الفاظ میں سادگی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے۔ غرض جب گفتگو کرتا ہے تو کسی تصنع کے بغیر بقصد حاجت گفتگو کرتا ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ اس کے کلام میں فصاحت نہیں ہوتی اس کا بیان غیر مرتب اور بے مغز ہوتا ہے اور اس میں کوئی رونق و جاذبیت نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی ساری زیبائش و آرائش کے باوجود انتہاء درجہ مؤثر اور نہایت پر شوکت اور وزنی بھی ہوتا ہے اس کے خلاف وہ بیان ہے جس کا مقصد اظہار علم اور افہام خصم ہو، حق کو باطل اور باطل کو حق کر کے دکھلانا ہو اور اپنے الفاظ کے طمطراق سے مخاطب کو صرف مرعوب کر دینا ہو اسی کو حدیثوں میں تنطع اور تشدق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ بیان سرتاسر تصنع اور تکلف ہی تکلف ہوتا ہے۔ قلوب میں اس کا فوری اثر تو ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے انقلابات بھی رونما ہو جاتے ہیں مگر ان سب کا وجود اسلام کی نظر میں وہ نفاق کا ایک شعبہ ہی رہتا ہے یہ وہ بیان نہیں جس کو سورۂ الرحمٰن میں "علمہ البیان" میں بطریق امتنان فرمایا گیا ہے بلکہ وہ بیان ہے جس کی طرف غالباً و ان من البیان لسحراً - میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اسی لیے حدیث مذکور میں بیان کے ساتھ بذاء کا لفظ اور عی کے ساتھ حیاء کا لفظ رکھا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں بیان سے وہ بیان مراد ہے جو انسان کی بے باکی اور بد زبانی کا اثر ہوتا ہے اسی طرح عی سے وہ کم سخنی مراد ہے جو انسان کی ایمانی حیاء کا اثر ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ مؤمن چونکہ شرمیلا ہوتا ہے اس لیے تراخ تراخ باتیں نہیں کرتا اور منافق چونکہ بے باک ہوتا ہے اس لیے بڑھ بڑھ کر بولنے سے نہیں جھجکتا امام ابن قتیبہ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نے حضرت ایوبؑ سے ان کے زمانہ ابتلاء میں کچھ عرض کیا تو حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے یہ ارشاد فرمایا کہ تجھے خبر بھی ہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن کو صرف اس کے خوف نے ساکت و صامت بنا رکھا ہے۔ نہ وہ گونگے ہیں، نہ ان کی زبانوں میں کوئی عیب ہے بلکہ بڑے فاضل، بڑے بولنے والے بڑے فصیح و بلیغ ہیں اور اللہ اور اس کی کرشمہ سازیوں کے بڑے عارف ہیں لیکن جب ان کے سامنے خدائی عظمت کا نقشہ آ جاتا ہے تو مارے خوف کے ان کے دلوں کے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں ان کی زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں اور ان کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ (تاویل مختلف الاحادیث ص ۳۸۲) پس نہ ہر بیان نفاق کا شعبہ ہے اور نہ ہر کم سخنی ایمان کا شعبہ۔ موارد مدح اور موارد ذم کو سمجھنا محض الفاظ سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے لیے کیفیات نفسانیہ اور مختلف حالات کا پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند۔ حدیث کے مطالب پر غور و خوض کرنے کے لیے آپ ہر جگہ اس دقیقہ پر نظر رکھئے۔ (دیکھو تاویل الاحادیث لابن قتیبہ ص ۳۸۲)

فِي الْاٰخِرَةِ اَكْثَرُ وَ اَنَّ الْبَذَاءَ وَ الْجَفَاءَ وَ الشُّحَّ مِنَ النِّفَاقِ وَ هُنَّ مِمَّا يَزِدْنَ فِي الدُّنْيَا وَ يَنْقُصْنَ فِي الْاٰخِرَةِ وَ مَا يَنْقُصْنَ فِي الْاٰخِرَةِ اَكْثَرُ. (رواہ احمد)

سے زیادہ ہے۔ اسی طرح بدزبانی، درشت مزاجی اور بخل نفاق کی باتیں ہیں اور یہ چیزیں دنیوی ترقیات کا موجب ہیں اور اخروی نقصان کا اور ان کا اخروی نقصان ان کے دنیوی نفع سے زیادہ ہے۔

(احمد)

صفات المنافق

منافق کی صفتیں

(۸۴۶) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَيِّئُهَا الرِّيَاحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَ تَعْدِلُهَا اُخْرٰى حَتّٰى يَاْتِيَ اَجَلُهٗ وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الْاَرْزَةِ الْمُجْذِيَةِ الَّتِيْ لَا يُصِيْبُهَا شَيْءٌ حَتّٰى يَكُوْنَ اِنْجِعَا فُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً. (متفق علیہ)

(۸۴۶) کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد مومن کی مثال گیہوں کی اس پتلی اور نازک شاخ کی سی ہے جس کو ہوائیں اِدھر اُدھر گراتی رہتی ہیں اس طرف کی ہوا چلی تو ادھر دبے پنجا اور اس طرف کی ہوا چلی تو پھر اس کو سیدھا کھڑا کر دیا اس کی روش یونہی رہا کرتی ہے یہاں تک کہ اس کی موت آ جاتی ہے اور منافق آدمی کی مثال اس مضبوط اور جمے ہوئے چیڑ کے درخت کی سی ہے جس پر کوئی آفت نہیں آتی پھر جب اکھڑتا ہے تو ایک دم جڑ سے اکھڑ کر جا پڑتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۸۴۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيْرُ اِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَ اِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً. (رواہ مسلم)

(۸۴۷) ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو نر کی تلاش میں دو گلوں کے درمیان کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف ماری ماری پھرتی ہے۔

(مسلم شریف)

---

(۸۴۶) * اس حدیث میں مؤمن و منافق کی کچھ قدرتی صفات مذکور ہیں اور ان کے اظہار سے مقصد مؤمن کی تسلی اور منافق کو انتباہ ہے مؤمن ساری دنیا کو خدا کا پیغام سناتا ہے اور سارے جہان کو اپنا مدمقابل بنالیتا ہے پھر رحمت اس کی عملی کوتاہیوں کی طرح طرح سے مکافات کرتی رہتی ہے اس لیے وہ ہر طرف سے حوادث کی آماجگاہ بن جاتا ہے منافق کو نہ دنیا ستاتی ہے نہ وہ رحمت کے انتباہ کا اہل ہے اس کے لیے استدراج و امہال کا قانون ہے وہ ایک باغی کی طرح جب گرفتار ہوتا ہے تو ایک ہی سزا یعنی سزاءِ موت پالیتا ہے۔ سبحان اللہ کتنے مختصر کلمات ہیں مگر حقیقت سے کتنے لبریز اور عبرت سے کتنے بھرے ہوئے۔

(۸۴۷) * منافق ذلیل کی مثال اس بکری سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی جو نر کی تلاش میں بکھری بکھری پھرتی ہے اسی طرح یہ مادہ صفت بزدل جماعت کبھی اپنے نفع کی خاطر مسلمانوں میں اور کبھی کافروں میں مارے مارے پھرتے ہیں ان کا سارا نقطۂ نظر صرف دنیا کا مال اور جان کی حفاظت ہوتا ہے مردوں کی طرح مقابلہ کی ہمت نہیں رکھتے اور عورتوں کی طرح دوسروں کی آغوش میں عافیت کے متلاشی رہتے ہیں۔ اس مرض سے نفرت پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ مؤثر تشبیہ اور کیا ہوگی۔

(۸۴۸) عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَ مَوْعِظَةً لَهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَ اِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ عُوْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِلِمَ عَقَلُوْهُ وَ لِمَ اَرْسَلُوْهُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا الْاَسْقَامُ وَ اللّٰهِ مَا مَرِضْتُ قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا. (رواہ ابوداؤد)

(۸۴۸) عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کے ثواب کا تذکرہ فرمایا اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ کامل مؤمن جب بیمار پڑتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دے دیتا ہے تو اس کی بیماری اس کے گذشتہ گناہوں کے لیے تو کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ اس کے لیے نصیحت کا باعث بن جاتی ہے لیکن جب منافق بیمار پڑتا اور شفایاب ہوتا ہے تو وہ اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جس کو اس کے مالک نے باندھا اور پھر کھول دیا مگر نہ وہ یہ سمجھا کہ کیوں تو اس کو باندھا اور کیوں کھولا تھا - حاضرین مجلس میں ایک شخص بولا میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ بیماری ہے کیا چیز' خدا کی قسم میں تو کبھی بیمار نہیں پڑا - اس پر آپ نے فرمایا جا تو ہم میں سے نہیں- (ابوداؤد)

(۸۴۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُنْتَزِعَاتُ وَ الْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ. (رواہ النسائی)

(۸۴۹) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورتیں اپنے نفسوں کو اپنے شوہروں سے خلع کر کر کے علیحدہ کر لیتی ہیں وہ بھی منافق ہیں- (نسائی)

(۸۵۰) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

(۸۵۰) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۸۴۸) ٭ اس حدیث کا مضمون بھی تقریباً وہی ہے جو اس باب کی پہلی حدیث کعب بن مالک کا تھا اس میں بھی یہی سمجھایا گیا تھا کہ منافق کو دنیوی مصائب کی آنچ بھی نہیں لگتی - باطنی اسباب کے علاوہ یہاں کچھ ظاہری اسباب بھی اس کے جمع ہو جاتے ہیں- اور وہ یہ کہ شرعی قیود ات اور آخرت کا غم مؤمن کے لیے ایسا بار بن جاتے ہیں جو اس کو ابھرتے نہیں دیتے منافق ان تمام غموں سے آزاد ہوتا ہے اس لیے اول تو بیمار ہی کم پڑتا ہے اور اگر پڑتا ہے تو عبرت پذیری کی اس میں کوئی روح نہیں ہوتی -

یہاں اس شخص نے بڑی گستاخی کی کہ ایسے نازک مرحلہ پر جب کہ آپ کی محفل میں مؤمن و منافق کے امتیازات بیان ہو رہے تھے اپنے نفس میں خود منافقین کی صفت بیان کر دی مگر لسانِ نبوت سے پھر بھی یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جا تو منافق ہے صرف اپنی غلطی کی وجہ سے اتنا ضرور ہوا کہ اس محفل میں شمار نہ ہو سکا اب اگر یہ شخص کوئی منافق ہی تھا جب تو بات ظاہر ہے ورنہ پھر بھی بڑی محرومی رہی-

(۸۴۹) ٭ جو عورتیں نکاح کے بعد بے وجہ خلع کرنے پر تیار ہوتی ہیں ان کا ظاہر و باطن بھی یکساں نہیں ہوتا - اگر وہ دل میں رضامند ہوتیں تو اب خلع کیوں کرتیں- یہی خصلت منافق کی ہے یہاں اس عمل کی مذمت ذہن نشین کرنے کے لئے مختلعات کو منافقات کا لقب دے دیا گیا ہے- مالک علی الاطلاق کے ساتھ فریب کرنے والا بھی منافق ہوتا ہے اور جو اپنے شوہر کے ساتھ یہ چال چلے وہ بھی اسی زمرہ میں شمار ہے- آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ شوہر کو شریعت میں کچھ مالکانہ حقوق دیئے گئے ہیں اب بھی عوام میں شوہر کو مالک سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی تناسب سے شوہر کی حق ناشناسی کو حدیثوں میں کفر سے بھی تعبیر کیا گیا ہے- اصل یہ ہے کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ -

(۸۵۰) ٭ حدیث مذکور سند کے لحاظ سے گو کوئی بڑا پایہ نہ رکھتی ہو مگر بلحاظ مضمون بہت جزیل ہے اور اس کے ہم معنی اعلیٰ درجہ کی اور حدیثیں بھی ملتی ہیں معتبر علماء نے بھی اس کی شرح میں کافی دلچسپی لی ہے- ☜ ....

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ وَ عَمَلُ الْمُنَافِقِ خَيْرٌ مِّنْ نِيَّتِهٖ وَ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى نِيَّتِهٖ فَاِذَا عَمِلَ الْمُؤْمِنُ عَمَلًا ثَارَ فِيْ قَلْبِهٖ نُوْرٌ. (رواه فی الحلیه)

فرمایا مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر رہتی ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے زیادہ خوش نما نظر آتا ہے اور ہر شخص کا عمل اس کی نیت کے تابع رہتا ہے۔ جب مؤمن کوئی عمل کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے قلب میں ایک نور چمک اٹھتا ہے۔ (منافق کی نیت چونکہ اچھی نہیں ہوتی اس لیے اس کا عمل بے نور رہتا ہے) (حلیہ)

علامات النفاق

نفاق کی نشانیاں

(۸۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلْمُنَافِقِيْنَ عَلَامَاتٍ يُعْرَفُوْنَ بِهَا تَحِيَّتُهُمْ لَعْنَةٌ وَ طَعَامُهُمْ نُهْبَةٌ وَ

(۸۵۱) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقوں کی چند علامتیں ہیں جن کے ذریعہ سے وہ شناخت کیے جا سکتے ہیں۔ سلام کی بجائے ان کی زبانوں پر لعنت کا لفظ رہتا ہے۔ لوٹ کا مال ان کی

ﷺ ....امام غزالی فرماتے ہیں کہ انسان کی عبادات و طاعات کا تمام کارخانہ اس کے دو عملوں سے مل کر بنتا ہے۔ عمل جوارح اور نیت۔ یہ دونوں اس کے عمل ہیں' فرق صرف یہ ہے کہ نیت قلب کا عمل ہے اور ظاہری عمل اعضاء ظاہری کا اس کے یہ دونوں عمل اپنی اپنی حد پر موجب اجر ہوتے ہیں اس لئے دونوں ہی بہتر شمار ہوں گے۔ لیکن اگر سوال ان دونوں میں افضل کے متعلق ہو تو حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ نیت اس کے عمل جوارح سے بہتر رہے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کا جو اصل مقصد ہے اس میں جتنی تاثیر نیت کی ہوتی ہے اتنی ظاہری عمل کی نہیں ہوتی۔ مثلاً نماز کا اصل مقصد اپنے رب کے سامنے تواضع اور اظہار عجز و نیاز ہے ظاہری ارکان اس کے لئے صرف ایک وسیلہ ہیں اللہ تعالیٰ نے قلب و جوارح میں ایسا محکم علاقہ رکھا ہے کہ جب قلب پر کوئی خوف و صدمہ آ پڑتا ہے تو ظاہری اعضاء بھی فوراً لرزنے لگتے ہیں اسی طرح جب کسی یتیم و مسکین کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے تو فوراً قلب میں رقت و نرمی کا اثر پیدا ہونے لگتا ہے۔ رکوع و سجود کا مقصد بھی صرف ان اعضا کو جھکانا یا زمین پر رکھنا نہیں بلکہ قلب میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا کرنی ہے پس اگر کوئی شخص دنیوی تفکرات میں گرفتار ہو کر سجدہ میں جا پڑتا ہے اور اپنا مقصد پیش نظر نہیں رکھتا تو ظاہر ہے کہ اس عمل سے اس کے قلب میں تواضع و نیاز کا کوئی اثر پیدا نہیں ہو سکتا پھر جب اس کا کوئی نفع نہ ہوا تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ عبادت ہی باطل ہے کیونکہ اس کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہو گئے اور اگر کہیں اس نے کسی کی نمائش و ریا کی نیت کر لی تو اب معاملہ اور سخت ہو جاتا ہے اور بجائے بطلان کے وہ عمل خیر معصیت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ مؤمن کے عمل سے اس کی نیت کا مرتبہ بلند ہے کیونکہ عمل خیر کی خیریت بھی نیت کی خیریت پر موقوف ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۶۳)

امام غزالیؒ کی اس شرح سے حدیث کے دوسرے جملہ کی شرح خود بخود روشن ہو جاتی ہے یعنی منافق انسان جو عمل خیر بھی کرتا ہے اس کی روح بس اتنی ہی ہوتی ہے جو ظاہر میں نظر آ رہی ہے لیکن اس کا عمل باطن یعنی نیت وہ بالکل بے روح ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کے اس عمل کا اس پر کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف مؤمن کے عمل سے اس کا قلب منور ہو جاتا ہے جیسا کہ ابھی امام غزالیؒ کے کلام سے معلوم ہوا۔

(۸۵۱) * معلوم رہے کہ رؤس منافقین کے کافر ہونے کے باوجود حدیثوں میں جب ان کی علامات ذکر کی گئی ہیں تو وہ صرف چند معاصی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق کی ظاہری سطح ہمیشہ مسلمانوں ہی کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ اگر اس کا کفر بالکل عریاں ہو جائے تو اس کو منافق ہی کیوں کہا جائے اس لیے اس کی علامات بھی از قسم معاصی ہی ہو سکتی ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ یہ معاصی مسلمان سے تو اتفاقاً سرزد ہوتے ہیں اور منافق کی سرشت میں داخل ہوتے ہیں۔ ان معاصی کا خلاصہ۔ بد اخلاقی' مطلب پرستی' خیانت اور دین سے بیزاری ہے جب انسانی ﷺ....

غَنِيمَتُهُمْ غُلُوْلٌ وَ لَا يَقْرَبُوْنَ الْمَسَاجِدَ اِلَّا هُجْرًا وَ لَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا دُبْرًا مُسْتَكْبِرِيْنَ لَا يَأْلِفُوْنَ وَ لَا يُؤْلَفُوْنَ خُشُبٌ بِاللَّيْلِ صُخُبٌ بِالنَّهَارِ .(رواہ احمد و اخرجه الحافظ ابن کثیر فی تفسیر سورة المنافقین)

خوراک ہوتی ہے' خیانت کا مال ان کا مال غنیمت ہوتا ہے' مسجدوں کے قریب نہیں آتے بجز بیہودہ بکواس کرتے ہوئے اور نمازوں میں شریک نہیں ہوتے مگر سب سے آخر میں- اتراتے ہوئے' نہ خود کسی سے الفت رکھتے ہیں- نہ ان سے کوئی الفت رکھتا ہے' شب میں شہتیر کی طرح بستروں پر پڑے رہتے ہیں اور دن میں شور مچاتے پھرتے ہیں-(احمد)

ﷺ .... اخلاق بگڑ جاتے ہیں تو اس کی زبان گندی اور اس کی حرکات خفیف ہو جاتی ہیں جب اس میں امانت کا مضمون نہیں رہتا تو لوٹ کا مال اس کو مال طیب نظر آنے لگتا ہے اور خیانت کرنا اس کی نظر میں مال غنیمت کی طرح محبوب بن جاتا ہے جب اس میں مطلب پرستی کی خصلت سرایت کر جاتی ہے تو اس کے پیش نظر بجز اپنے مطلب کے اور کچھ نہیں رہتا' اس کے دل میں کسی سے الفت نہیں رہتی اور اس لیے دوسرے لوگوں کے قلوب سے بھی اس کی الفت نکل جاتی ہے-خود غرض انسانوں کا ہمیشہ یہی حشر ہوتا ہے اور جب قلب میں دین سے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے تو نماز میں چستی باقی نہیں رہ سکتی- منافقین کی معاشی اور معادی زندگی کا یہ اتنا سچا نقشہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کا اس سے زیادہ نقشہ کھینچنا چاہے تو نہیں کھینچ سکتا- ان میں سے ایک ایک عمل تقاضاء ایمانی کے برخلاف ہے- ایمان امن اور امانت سے مشتق ہے وہ خیانت' خود غرضی اور ایذاء رسانی کو برداشت نہیں کرتا- رہا نماز کا معاملہ وہ تو اس کا ایسا عمل ہے کہ قرآن کریم میں اس کو ٹھیک ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے- وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ -اس میں سستی بھلا مؤمن سے کیسے ممکن ہے لیکن جس طرح خارجی اسباب کی بنا پر کبھی کبھی ایک مومن سے بھی کفر کے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں اسی طرح کبھی کبھی اس سے نفاق کے اعمال بھی سرزد ہو جاتے ہیں- ایسا مسلمان جو اپنی عملی زندگی میں کھلے منافق سے کوئی امتیاز نہیں رکھتا حدیث کے الفاظ میں منافق کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور جب کہ اس کا نقشہ عمل ٹھیک منافقوں کی طرح ہو تو وہ اسی کا مستحق ہے لیکن باطنی تصدیق رکھتا ہے اس لیے بلحاظ احکام اس کو اس منافق کے برابر بھی نہیں رکھا جا سکتا جس کا باطن تصدیق سے خالی ہے اس لیے فقہی تعبیرات یہاں مختلف ہو گئی ہیں- کسی نے اس کا نام نفاق عمل رکھا اور کسی نے اس کو نفاق اصغر کہہ دیا ہے-

یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کسی کلام کا مفہوم سمجھنے کے لیے اس کے ماحول کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے اس لیے ان احادیث کو بھی اسی ماحول میں پڑھئے جب کہ ایک طرف منافقین کی جماعت تھی جو ان مذموم خصائل میں از سرتا پا غرق تھی- دوسری طرف مسلمانوں کی وہ جماعت تھی جو ان کو انتہائی نفرت کی نظر سے دیکھتی تھی- نو مسلم یا غیر صحبت یافتہ جماعت زیر بحث آ ہی نہیں سکتی یہ طبقہ کچھ عرصہ بعد یا تو مہذب و مرتب ہو کر قدیم العہد مسلمانوں کی طرح بن چکا تھا- اگر اسلام ان کے حلقوم کے نیچے نہیں اترا تو وہ اپنا راستہ اختیار کر چکا تھا بہر حال مسلمانوں کا وہ گروہ جس کو اسلامی جماعت کہا جاتا تھا ان زشت اعمال سے اسی درجہ بیزار تھا جتنا کہ ان کو ہونا چاہیے ان حالات میں ان احادیث میں کسی بحث کی ضرورت ہی نہ تھی لیکن ہمارے دور انحطاط میں جب ایک قدیم العہد مسلمان میں بھی یہ خصائل موجود نظر آنے لگے تو بلاشبہ اب معاملہ قابل بحث بن گیا اور نفاق اصلی اور عملی کی تقسیمیں کرنی پڑیں- اس سے غرض یہ نہیں کہ یہ تقسیم پہلے موجود نہ تھی بلکہ یہ مقصد ہے کہ سلف کی نظروں میں عملی نفاق بھی اصلی نفاق کی برابر نظر آتا تھا اس لیے وہ اس تقسیم کے قائل نہ تھے وہ اسلام کے خلاف اعمال میں ایسی تاویلات سوچنا ہی پسند نہیں کرتے تھے جن کی بنا پر ان اعمال کی اسلام میں کوئی گنجائش نکل سکے- ان کے نزدیک اسلام کے ساتھ بس اسی کے اجزاء ہونے چاہئیں اگر کفر و نفاق کی کوئی خصلت وہ کسی مسلمان میں دیکھ لیتے تو یہ ان کے نزدیک ایک غیر معقول صورت تھی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک مسلمان میں وہی اعمال نظر آنے چاہئیں جس کا اسلام تقاضا کرتا ہو اس لیے ﷺ ....

(۸۵۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَ اِذَا وَعَدَاَخْلَفَ وَ اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. (رواہ البخاری)

(۸۵۲) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے- (بخاری شریف)

(۸۵۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَ

(۸۵۳) عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں یہ چاروں باتیں جمع ہو جائیں وہ تو پورا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک خصلت پائی جائے تو سمجھ لو کہ اس میں نفاق کی ایک

ﷺ.... اس دور میں ایمان اور کفر و نفاق میں کوئی تقسیم نہیں تھی، وہ اسلام کے مجموعہ اعمال کو اسلام سمجھتے تھے اور کفر و نفاق کی ایک ایک خصلت سے انتہاء درجہ بیزار تھے تقسیمیں اور تاویلیں کرنا ان کے بلند مذاق کے خلاف چیزیں تھیں- اس قسم کی حدیثوں کا اصل منشا یہ تنبیہ کرنی ہے کہ مسلمان کے لیے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ وہ اپنی زبان سے تو اسلام و ایمان کا دعویٰ کرتا رہے اور اس میں کھلے ہوئے منافق کی علامتیں پائی جائیں- اس کے لیے لازم ہے کہ وہ نفاق کی ایک ایک خصلت سے بیزار ہو اگر وہ اسلام کا مدعی ہے تو اپنے ظاہر و باطن میں پوری یک رنگی پیدا کرے اور نقشۂ عمل کو اتنا بدنما ہونے سے بچائے جسے دیکھ کر یہ حکم لگانا درست ہو کہ یہ ٹھیک ایک منافق کا نقشۂ عمل ہے-

(۸۵۳) * حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ نفاق عملی اگرچہ صرف انسان کے ظاہر و باطن کے اختلاف کا نام ہے جس کی بہت شکلیں نکل سکتی ہیں مگر ان کے اصول صرف پانچ ہیں: (۱) جھوٹ بولنا- (۲) امانت میں خیانت- (۳) وعدہ خلافی (۴) غصہ میں آکر بے قابو ہو جانا- (۵) عہد کر کے غدر کرنا- (جامع العلوم)

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین نے یہ تمام چالیں جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ بھی چلیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قیامت تک کے لیے ان کے قلوب میں نفاق کا روگ پیدا ہو گیا ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَا اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ﴾ (التوبة : ۷۷) پس اس بات کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے دلوں میں نفاق کا روگ اس وقت تک کے لیے بیٹھ گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملیں (یعنی اب دور ہونے والا نہیں) اور یہ اس لیے کہ انہوں نے جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا اسے جان بوجھ کر پورا نہیں کیا اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ بولتے رہے-

آیت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی اور دروغ گوئی کا ثمرہ نفاق ہو سکتا ہے- نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان جرائم میں زیادہ شدت اس لیے پیدا ہو گئی تھی کہ انہوں نے خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی ان کا ارتکاب جائز رکھا بلکہ اپنی عادت بنا لیا اسی طرح ان کی بقیہ بداطواریاں بھی خدا اور رسول کے ساتھ رہیں جیسا کہ سورۂ براءۃ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں- اس سے یہ بات بھی خوب روشن ہو گئی کہ یہ جرم جن کی اہمیت بظاہر اتنی نہ ہونی چاہیے تھی اتنی اہم کیوں بن گئیں- یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نفاق کی حقیقت دھوکا دہی اور فریب کاری اور ظاہر و باطن کا اختلاف ہے ان خصائل میں سے ہر ایک خصلت میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں پس اگر کسی شخص میں یہ ساری کی ساری خصلتیں بیک وقت جمع ہو جائیں تو اس میں کیا شبہ ہے کہ وہ پورا پورا منافق ہوگا-

ہم پہلے تنبیہ کر آئے ہیں کہ حدیث و قرآن میں بہت سے مقامات پر کفر لغت کے ہم معنی مستعمل ہے اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے اسی طرح نفاق بھی حدیثوں میں لغت کے مترادف مستعمل ہے- نفاق اصلی ہو یا نفاق عملی حقیقت لغویت دونوں قسموں میں پوری پوری طرح ملحوظ ہے- اصلی منافقین کی فریب کاری کا پردہ تو خود قرآن کریم ہی نے چاک کر دیا ہے اور بہت سی آیتوں میں ان کے نفاق کی حقیقت بلفظ خداع ﷺ....

مَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ

خصلت پیدا ہوگئی یہاں تک کہ اس کو چھوڑ نہ دے جب اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے جب بات کرے تو جھوٹ

..... (فریب) ہی ادا فرمائی ہے- رہ گئے وہ منافقین جنہوں نے خدائے تعالیٰ کو تو دھوکا دینے کا قصد نہیں کیا مگر اس کی مخلوق کو فریب دینے کا ارادہ کیا ہے ان کو حدیث نے لے لیا ہے نفاق کی یہ خطرناک قسم ہمیشہ رہی اور ہمیشہ رہے گی اس کے بعد عہد نبوۃ کے منافقین کی کچھ علامات ملاحظہ فرمایئے -بعض وہ علامات جو سورۂ برأت میں ذکر کی گئیں-

(۱) ﴿وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ﴾ (التوبة : ٤٢)
''قسمیں کھا کر کہیں گے اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ (جنگ کے لیے) نکلتے (یہ قسمیں کھا کر) اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں''-

(۲) ﴿اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ﴾ (التوبة : ٤٥)
''تجھ سے اجازت طلب کرنے والے تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنے شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں''-

(۳) ﴿لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ﴾ (التوبة : ٤٧)
''اگر یہ تم مسلمانوں میں (گھل مل) نکلتے تو تمہارے اندر سوائے خرابی کے کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے اور ضرور تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کے گھوڑے دوڑاتے - (کہ ادھر کی بات ادھر اور ادھر کی ادھر لگاتے)''-

(۴) ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَا اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ﴾ (التوبة : ٥٠)
''اگر تمہیں کوئی اچھی بات پیش آجائے تو ان منافقین کو بری لگے اور اگر کوئی مصیبت پیش آجائے تو کہنے لگیں اسی خیال سے ہم نے پہلے ہی احتیاطی تدابیر کر لی تھیں اور پھر گردن موڑ کر خوش خوش چل دیں''-

(۵) ﴿وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّا اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ (التوبة : ٥٤)
''اور ان کا خرچ کیا ہوا مال قبول نہیں کیا گیا مگر صرف اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انکار کیا اور نہیں آتے نماز میں مگر کاہلی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ''-

(۶) ﴿لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَ هُمْ يَجْمَحُوْنَ﴾ (التوبة : ٥٧)
''اگر انہیں پناہ کی کوئی جگہ مل جائے یا کوئی غار یا اور کوئی چھپ بیٹھنے کا کوئی سوراخ تو دوڑ کر اسی کا رخ کریں''-

(۷) ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ﴾ (التوبة : ٥٨)
''اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ مال زکوٰۃ بانٹنے میں تجھ پر عیب لگاتے ہیں- پر خود ان کی (دون ہمتی) کی حالت یہ ہے کہ اگر انہیں اس میں سے کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائیں نہ دیا جائے تو بس بگڑ بیٹھیں''-

(۸) ﴿وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (التوبة : ٦٥)
''اگر تم ان سے پوچھو (ایسی کفر کی باتیں کیوں کرتے ہو) تو یہ ضرور جواب میں کہیں ہم نے تفریح اور مذاق کے طور پر .....

خانَ وَ اِذا حَدَّثَ كَذَبَ وَ اِذا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذا خَاصَمَ فَجَرَ. (متفق علیہ)	بولے' جب عہد کرے تو توڑ ڈالے اور جب جھگڑا کرے تو بے قابو ہو جائے۔ (متفق علیہ)

ﷺ ..... یہ بات کہی تھی۔تم ان سے کہو کیا تم اللہ کے ساتھ' اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرتے تھے''۔

(۹) ﴿اَلْمُنَافِقُوْنَ وَ الْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ﴾(التوبة : ٦٧)
''منافق مرد اور منافق عورتیں سب باہم ایک ہیں۔برائی کرنے کا اور اچھی باتوں سے روکنے کا حکم دیتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کھینچتے ہیں''۔

(۱۰) ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتَانَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (التوبة : ٧٥)
''اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنا فضل (مال و دولت) عطا فرمادے تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور نیکوں میں شامل ہونے کی سعی کریں گے پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا فضل (مال) عطا فرمایا تو اس میں کنجوسی کرنے لگے اور اپنے عہد سے پھر گئے''۔

(۱۱) ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ﴾(التوبة : ٨٩)
''اور دراصل جو لوگ خوش دلی سے خیرات کرنے والے مؤمنوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور جن مؤمنوں کو اپنی محنت مشقت کی کمائی کے سوا اور کچھ میسر نہیں ان پر تمسخر کرتے ہیں''۔

آیات بالا سے جو نمبروار نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں :۔

۱ و ۲۔ جہاد کے موقعہ پر جھوٹی قسمیں کھا کر جان بچالینا۔
۳۔ اور اگر شریک ہوں تو ان میں فتنہ پردازی کی فکر رکھنا۔
۴۔ مسلمانوں کی خوشی میں ناخوش ہونا اور ان کی ناخوشی میں خوش ہونا۔
۵۔ نمازوں میں کاہلی سے شریک ہونا اور جب خرچ کرنا تو بے دلی سے مجبور ہو کر۔
۶۔ اپنی اس دورخی پالیسی کی وجہ سے ہر وقت ڈرے سہمے رہنا اور اس تردد میں پڑے رہنا کہ فتح و نصرت کے جو وعدے مسلمانوں سے کیے گئے ہیں کہیں وہ پورے ہی نہ ہو جائیں جیسا کہ نمبر ۲ آیت سے ظاہر ہے۔
۷ و ۱۱۔ مسلمانوں اور خدا کے رسول پر نکتہ چینی کرنا پھر غرض کے ایسے بندے کہ ان کی خوشی و ناخوشی کا مدار صرف متاع دنیوی ہونا۔
۸۔ خدا اور رسول کے ساتھ استہزاء اور جب تحقیق کی جائے تو مذاق و تفریح کا بہانہ بنا دینا۔
۹۔ ان کا اصل رشتہ تعلق منافقوں کے ساتھ ہونا امر بالمعروف کے بجائے بری باتوں کا حکم دینا اور بھلی باتوں سے روکنا۔
۱۰۔ خدا کے ساتھ عہد کر کے توڑ دینا۔

جب آپ ان خصائل پر غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ ٹھیک وہی خصائل ہیں جو مسند امام احمد اور متفق علیہ حدیث میں پہلے آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں۔ وہی دروغ گوئی' وہی وعدہ خلافی' وہی خود غرضی' وہی بد اخلاقی اور وہی خیانت کی باتیں جو آپ نے حدیثوں میں پڑھیں۔ ان آیات میں ان کی تفصیلات موجود ہیں۔ یہ بری خصلتیں اگر صرف انسانوں ہی کے درمیان ہوں تو کیا کم ہیں۔ چہ جائے کہ بندہ اور اس کے مولیٰ کے درمیان ہوں وہ جھوٹی قسمیں کھائے' وہ خدائے تعالیٰ سے وعدے کرے کہ اگر تو مجھ کو غنی کر دے تو میں تیری ﷺ .....

الکذب

دروغ گوئی

(۸۵۴) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَّهٗ وَيْلٌ لَّهٗ. (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد و الدارمی)

(۸۵۴) بہز بن حکیم اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس شخص پر افسوس صد افسوس جو صرف اتنی بات کے لیے جھوٹ بولتا ہے کہ لوگوں کو خوش کر دے اور ان کو ذرا ہنسا دے- (احمد-ترمذی-ابوداؤد-دارمی)

(۸۵۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَاجَاءَ بِهٖ. (رواہ الترمذی)

(۸۵۵) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ جھوٹ بولتا ہے تو خدا کا فرشتہ اس کلمہ کی بدبو سے ایک میل دور چلا جاتا ہے- (ترمذی)

(۸۵۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِيْ اُمِّيْ يَوْمًا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۸۵۶) عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں

ﷺ.... راہ میں سخاوت سے خرچ کردوں پھر اس وعدہ کو پورا نہ کرے اس درجہ خود غرض ہو جائے کہ صرف مال اس کی خوشی ناخوشی کا محور بن جائے عام مسلمانوں کی خوشی و ناخوشی سے کوئی واسطہ ہی نہ رہے اخلاق کی بدتری کی یہ نوبت آ جائے کہ خدا کے مقدس رسول اور اس کی مخصوص جماعت پر نکتہ چینی اور ان پر استہزاء و مذاق کی عادت پڑ جائے عبادات بدنیہ و مالیہ سے اتنی بے التفاتی کہ نہ یہ ادا ہو سکیں نہ وہ' مکروفریب کا یہ عالم کہ ہر قربانی کے موقعہ پر جان چھڑانے کے لیے بہانہ بنالے اور اگر پیچھا نہ چھوٹے تو پھر مسلمانوں کو جا کر طرح طرح بہکانا- منافقین کے یہ تمام خصائل خدا اور رسول اور عامہ مؤمنین کی اخروی زندگی میں اس طرح پھیلے رہے کہ پھر ان میں سے ایک ایک خصلت نفاق کی ایک ایک علامت بن گئی- یہاں یہ تفصیلات کیا کی جاسکتی تھیں کہ کس کا تعلق براہ راست خدائے تعالیٰ کے ساتھ اور کس کا مخلوق کے ساتھ ہے یہ تو صرف نیت اور باطن کی بات تھی اس لیے صرف خصائل کو نفاق کی علامت قرار دے دیا گیا اور جس میں یہ سب خصلتیں جمع ہو جائیں اس کو تنبیہ کر دی گئی کہ اب اس کا نقشہ زندگی ٹھیک منافق کے برابر ہو گیا ہے اگر وہ مدعی ایمان ہے تو یہ نقشہ اس کے لیے مناسب نہیں-

(۸۵۴) ✽ امراء اور بڑے لوگوں کے درباروں میں کچھ لوگ ظریف بھی مقرر ہوا کرتے تھے جن کے سپرد صرف یہی خدمت ہوتی تھی کہ وہ جھوٹ یا سچ بول کر ان کی محفل کو گرم کیا کریں- اسلام نے اس کو صرف ایک کذب ہی کا مرتبہ نہیں دیا بلکہ انسانیت اور اخلاق سے گری ہوئی بات قرار دی ہے کہ ایک انسان صرف اپنے جیسے انسان کی خاطر ایسی خفیف حرکات پر آمادہ ہو جائے-

(۸۵۵) ✽ تلخی اور شیرینی کی طرح خوشبو اور بدبو بھی روحانیات کے عالم میں محسوسات میں سے ہیں ان کو مجاز اور استعارات پر حمل نہ کرنا چاہیے بلکہ ہمت بلند کر کے وہ قدم اٹھانا چاہیے جہاں حاسہ شامہ کو وہ قوت میسر آ جائے کہ صدق و کذب کی خوشبو اور بدبو بھی عام خوشبو اور بدبو کی طرح محسوس ہونے لگے-

(۸۵۶) ✽ اسلام کی پاکیزگی اور نزاہت ان جیسے روزمرہ اور چھوٹے چھوٹے معاملات کے ضمن میں دیکھنی چاہیے جہاں صدق و کذب کا وہم و گمان بھی نہیں گذرتا- اسلام وہاں بھی زبان پر اپنا محاسبہ قائم کرتا ہے- اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس قسم کے مواقع پر توریہ کی اجازت دی جاسکتی ہے- بے محل توریہ کرنا بھی ایک قسم کا فریب اور جھوٹ ہے-

وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِي بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَاتَعَالَ أُعْطِيكَ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَرَدْتِ أَنْ تُعْطِيَهُ قَالَتْ أَرَدْتُ أَنْ أُعْطِيَهُ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا أَنَّكِ لَوْلَمْ تُعْطِيهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكَ كَذْبَةٌ.

رونق افروز تھے میری والدہ نے کہا ادھر آ میں تجھے کچھ دوں گی۔ آپ نے پوچھا تم نے اس کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ وہ بولیں میں نے ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر کہیں تم نے یہ ارادہ نہ کیا ہوتا تو اتنی سی خلافِ واقع بات بھی تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔

(ابوداؤد - بیہقی)

(رواه ابو داؤد و البيهقي في شعب الايمان قال ابن رجب الحنبلي و في اسناده من لا يعرف نعم ذكره الزهري عن ابي هريرة من قوله)

(۸۵۷) عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْإِشْرَاكِ بِاللّٰهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْ قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِه.

(۸۵۷) خریم بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا فرمائی جب فارغ ہو چکے تو کھڑے ہو کر فرمایا (آج جھوٹی شہادت شرک کے برابر کر دی گئی۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: فاجتنبوا الرجس من الاوثان. بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹی شہادت سے بھی اجتناب کرو۔ (احمد-ترمذی)

(رواه ابوداؤد و ابن ماجه و رواه احمد و الترمذي عن ايمن بن خريم الا ان ابن ماجة لم يذكر القران)

(۸۵۸) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْلِفُ أَحَدٌ عِنْدَ مِنْبَرِيْ هٰذَا عَلٰى يَمِيْنٍ اٰثِمَةٍ وَ عَلٰى سِوَاكٍ أَخْضَرَ إِلَّا تَبَوَّأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ أَوْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ. (رواه مالك و ابوداؤد و ابن ماجه)

(۸۵۸) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی میرے منبر کے پاس آ کر جھوٹی قسم کھائے اگرچہ وہ ایک سبز مسواک کے معاملہ میں ہو اس نے اپنا ٹھکانا دوزخ میں کر لیا یا اس کے لیے دوزخ کا عذاب واجب ہو گیا (راوی کو شک ہے)۔

(مالک-ابوداؤد-ابن ماجہ)

---

(۸۵۷) * قرآن کی آیت بالا میں شرک اور بت پرستی کے ساتھ ہی جھوٹی شہادت سے ممانعت فرمائی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ شرعی نظر میں ان تینوں کے مابین کوئی اندرونی تناسب ہے۔ قرآن کریم جب ایک سیاق میں چند امور کو ذکر کرتا ہے تو وہ ضرور کسی تناسب کی بنا پر ہی ذکر کرتا ہے گویا شہادتِ زور ایسی چیز ہے جس کو اسلام سے کوئی تناسب نہیں اگر ہے تو شرک سے ہے۔

(۸۵۸) * غرض یہ ہے کہ جھوٹ کی انواع جتنی سخت ہوتی جائیں گی اس کا عذاب بھی اتنا ہی سخت ہوتا چلا جائے گا۔ جھوٹی شہادت اور جھوٹی قسم سے جہاں ایک گناہ کبیرہ لازم آتا ہے اسی کے ساتھ نظامِ عالم بھی برباد ہوتا ہے گناہ کا تعلق انسان کی ذات سے ہے اور نظام کی تباہی کا سب انسانوں سے۔ شریعت میں حقوق العباد کو حقوق اللہ پر اس لیے جابجا اہمیت دی گئی ہے کہ حقوق العباد محتاج انسانوں کے حق ہیں اور حقوق اللہ ایک بے نیاز کا۔

(۸۵۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ خُلُقٌ اَبْغَضَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكِذْبِ وَ لَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَكْذِبُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكِذْبَةَ فَمَا يَزَالُ فِیْ نَفْسِهٖ عَلَيْهِ حَتّٰی يَعْلَمَ اَنَّهٗ قَدْ اَحْدَثَ بِهَا تَوْبَةً. (رواه احمد)

(۸۵۹) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جھوٹ سے زیادہ اور کوئی عادت قابل نفرت نہ تھی کوئی شخص آپ کے سامنے جھوٹ بولتا جب تک وہ اس سے توبہ نہ کر لیتا آپ کے قلب مبارک میں اس کی طرف سے ناگواری کا اثر برابر محسوس ہوا کرتا - (احمد)

(۸۶۰) عَنْ صَفْوَانَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْذِبُ اِمْرَأَتِیْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاخَيْرَ فِی الْكِذْبِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعِدُهَا وَ اَقُوْلُ لَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكَ. (رواه مالك)

(۸۶۰) صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میں اپنی بی بی سے جھوٹ بول سکتا ہوں؟ فرمایا جھوٹ میں تو کوئی بھلائی نہیں' اس نے عرض کیا اچھا تو پھر اس سے وعدہ کر لوں - آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اس میں کوئی مضائقہ نہیں -

(احمد)

(۸۶۱) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْكِذْبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِیَ لَهٗ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّةِ وَ مَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَ هُوَ مُحِقٌّ بُنِیَ لَهٗ فِیْ وَسَطِ الْجَنَّةِ وَ مَنْ حَسَّنَ خُلُقَهٗ بُنِیَ لَهٗ فِیْ اَعْلَاهَا. (رواه الترمذی)

(۸۶۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا حالانکہ وہ بری اور بیکار بات ہے اس کا صحن جنت میں مکان بنایا جائے گا اور جس نے جھگڑا کرنا چھوڑا حالانکہ وہ حق پر تھا اس کے لیے وسط جنت میں مکان بنے گا - اور جس نے اپنے اخلاق درست کر لیے اس کے لیے جنت کے اعلیٰ طبقہ میں مکان بنایا جائے گا - (ترمذی)

(۸۶۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَ

(۸۶۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو خبردار بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی ایک

---

(۸۶۰) * زن و شوہر کے تعلقات کو شریعت میں بڑی اہمیت دی گئی ہے - اگر بی بی کی رضامندی کے لیے شوہر کوئی تسلی آمیز کلمہ اپنی زبان سے نکال دے تو خاص اس موقعہ کے لیے اس کو وسعت دی گئی ہے صدق کی بحث میں آپ اس کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں -

(۸۶۱) * جھوٹ بولنا اور جھگڑا کرنا دونوں نفاق کی خصلتیں ہیں جس میں جھگڑا کرنا جھوٹ سے زیادہ سخت ہے جھوٹ باطل ہو کر چھوڑنے کی چیز ہے اور جھگڑنا سچے معاملہ میں بھی پسندیدہ نہیں - عدالتی چارہ جوئی جدا چیز ہے جس کو عرف میں جھگڑا کہتے ہیں وہ سچے معاملات میں بھی اعلیٰ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے اسی لیے فرمایا کہ جس نے اپنے اخلاق سنوار لیے اس نے تو جنت کے اعلیٰ طبقہ کا سامان کر لیا -

(۸۶۲) * اس حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ ایک مؤمن کی صدق و صفات کی منزل صرف اس کے نطق پر جا کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ وہ اس سے گذر کر اس کے ظنون اور خیالات تک بھی پہنچتی ہے یعنی خلافِ واقع بات منہ سے نکالنا اور کسی کے متعلق واقع کے خلاف بدگمانی کرنا دونوں جھوٹ ہیں اور دونوں میں بڑھ کر جھوٹ یہ دوسرا جھوٹ ہے - کسی سوسائٹی کا سب سے بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ اس میں باہم ایک دوسرے کے عیوب کی ٹوہ ....

الظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَ لَا تَحَسَّسُوْا وَ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا تَنَاجَشُوْا وَ لَا تَحَاسَدُوْا وَ لَا تَبَاغَضُوْا وَ لَا تَدَابَرُوْا وَ كُوْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا. (رواه البخاری)

بدترین جھوٹ ہے اور لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کی فکر میں نہ رہو' دھوکا بازی مت کرو- باہم ایک دوسرے پر حسد نہ کرو' آپس میں بغض نہ رکھو' غصہ کے ساتھ ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور سب اللہ کے بندہ بھائی بھائی کی طرح بن جاؤ- (بخاری شریف)

(۸۶۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَ لَنْ يَفْعَلَ وَ مَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَ هُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ اَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِیْ اُذُنَيْهِ الْاٰنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَ كُلِّفَ اَنْ يَنْفُخَ فِيْهَا وَ لَيْسَ بِنَافِخٍ. (رواه البخاری)

(۸۶۳) ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے جو شخص جھوٹا خواب بنائے (قیامت میں) اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دو جو کے دانوں میں گرہ لگائے (جیسا اس نے دنیا میں گرہ بندی کی تھی) اور ظاہر ہے کہ یہ ہرگز اس کی قدرت میں نہ ہوگا (اور جو شخص لوگوں کی باتیں کان لگا کر سنے گا اس حال میں کہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں (راوی کو شک ہے) تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا اور جو شخص کسی جاندار کی صورت بنائے' اس سے کہا جائے گا کہ اس میں روح بھی ڈال اور ظاہر ہے کہ وہ روح ڈال نہیں سکے گا (بالآخر اس کو بھی عذاب ہوگا)- (بخاری شریف)

(۸۶۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَفْرَى الْفِرٰى اَنْ يُرِیَ عَيْنَيْهِ مَالَمْ تَرَيَا. (رواه البخاری)

(۸۶۴) ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بدنما بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کے متعلق ایسی چیز کا دکھنا بیان کرے جو انہوں نے نہیں دیکھی یعنی (جھوٹا خواب بنائے)- (بخاری شریف)

ﷲ..... چھان بین کی جائے اس عادت بد سے باہم منافرت پھیلتی ہے اور نفسیاتی لحاظ سے جو عیب پہلے نہ ہوں ان کے بھی جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں اس کے برخلاف حسن ظن سے انس و محبت کی فضا پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے نفس میں شرافت و کرم کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں- پھر مسلمانوں کے اس عام حسن ظن کی بنا پر رحمت خداوندی بھی ان کے ساتھ ان کے ظن کے مطابق معاملہ کرتی ہے- معاملات کو تا امکان ظاہر کے تابع رکھنا اور بلا وجہ درپے تجسس ہونا اجتماعی حیاۃ کا ایک اہم اصول ہے- سورۂ حجرات میں آیت و لا تجسسوا میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے-

(۸۶۴) * ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ صدق و صفا کا احاطہ صرف حالت بیداری تک ختم نہیں ہوتا' بلکہ حالت نوم تک بھی کھنچتا ہے- اگر کوئی شخص حالت خواب کے متعلق بھی کوئی جھوٹا کلمہ کہے تو وہ بھی سخت مجرم ہے بلکہ اس کا جرم دوسرے مجرموں سے زیادہ ہے کیونکہ مؤمن کا خواب نبوت کا چالیسواں جزء ہوتا ہے اور یہ اسے بھی گندہ کرتا ہے-

غرض اس باب میں کذب کی جتنی صورتیں گذر چکی ہیں ان سب سے احتراز کرنے کے بعد آپ منزل صدق کو حاصل کر سکتے ہیں- یہ تمام صورتیں نفاق کا شعبہ ہیں- ان میں سے چھوٹا یا بڑا کوئی بھی شعبہ اگر کسی مؤمن کے اندر موجود ہے تو اس میں نفاق کا ایک شعبہ موجود ہے وہ مؤمن صادق نہیں پھر یہ تو کسی کسی کے نصیب ہیں کہ مؤمن صدیق کی فہرست میں داخل ہو جائے جس کے سردار صدیق اکبرؓ ہیں- رضی اللہ تعالیٰ عنہ- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ.

الخلف فی الوعد

(۸۶۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ اَخَاهُ وَ مِنْ نِيَّتِهٖ اَنْ يَّفِيَ لَهُ فَلَمْ يَفِ وَ لَمْ يَجِئْ لِلْمِيْعَادِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ .(رواه ابوداؤد والترمذی قال لیس اسناده بالقوی وروی رزین نحوه)

وعدہ خلافی

(۸۶۵) زید بن ارقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب انسان وعدہ کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ اس کو پورا کرے گا مگر اتفاقاً پورا نہ کر سکے اور وقت مقرر پر نہ آ سکے تو اب اس پر کوئی گناہ نہیں۔

(ابوداؤد - ترمذی)

(۸۶۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَ لَا تُمَازِحْهُ وَ لَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ .(رواه الترمذی و قال هذا حديث غريب)

(۸۶۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی سے جھگڑا بھی نہ کرو اور نہ اس سے زیادہ مذاق کرو اور نہ بے وجہ اس سے وعدہ کرو کہیں پھر وعدہ خلافی کی نوبت آ جائے۔ (ترمذی)

(۸۶۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَبِي الْحَمْاءِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يُبْعَثَ وَ بَقِيَتْ لَهُ بَقِيَّةٌ فَوَعَدْتُهُ اَنْ اٰتِيَهُ فِيْ مَكَانِهٖ فَنَسِيْتُ فَذَكَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَاِذَا هُوَ فِيْ مَكَانِهٖ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلَاثٍ اَنْتَظِرُكَ. (رواه ابوداؤد)

(۸۶۷) عبداللہ بن ابی الحمار سے روایت ہے کہ میں نے بعثت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ کیا۔ مجھے آپ کو کچھ دینا رہ گیا تھا اس لئے میں نے وعدہ کیا کہ میں آپ کو اسی مقام پر لا کر دیتا ہوں پھر مجھے یہ بات یاد نہ رہی اور تین دن کے بعد یاد آئی۔ آ کر کیا دیکھتا ہوں کہ آپ برابر اسی جگہ موجود ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم نے بڑی تکلیف دی میں تین دن سے تمہارے انتظار میں یہاں موجود ہوں۔ (ابوداؤد)

الخصومة و الجدال

لڑائی اور جھگڑا

(۸۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَاصَمَ فِيْ بَاطِلٍ وَ هُوَ يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ. (رواه ابوداؤد)

(۸۶۸) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص جان بوجھ کر جھوٹے معاملہ میں جھگڑا کرے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے تحت رہتا ہے تاآنکہ اس کو ترک نہ کر دے۔ (ابوداؤد)

(۸۶۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَرْفَعُهُ قَالَ اَبْغَضُ الرِّجَالِ اِلَى اللّٰهِ الْاَلَدُّ الْخَصِمُ. (رواه الشيخان)

(۸۶۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مرفوعاً روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو ٹیڑھے قسم کا جھگڑالو ہو۔ (بخاری شریف)

(۸۷۰) عَنْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ قَالَ قَالَ لِيْ عُمَرُ

(۸۷۰) زیاد بن حدیر بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے پوچھا

---

(۸۷۰) * منافق کی جتنی خصائل بد ہیں ان سب کا رشتہ کہیں نہ کہیں جا کر خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کے ساتھ لگتا ہے۔ یہاں بھی اس کے جدال کا رخ کتاب اللہ کی طرف ہے۔ خصائل نفاق عملی جب راسخ ہو جاتے ہیں تو خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں ....

هَـلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الْاِسْلَامَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَ جِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَ حُكْمُ الْاَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ. (رواہ الدارمی)

جانتے ہو اسلام کو ڈھا دینے والی چیزیں کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا ایک تو عالم کی لغزش، دوم منافق کا کتاب اللہ میں بے بات جھگڑے نکالنا، سوم گمراہ حاکموں کے ظالمانہ اور جاہلانہ فیصلے۔ (دارمی)

اضاعة الصلوات

نمازوں میں کاہلی اور سستی

(۸۷۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُنَا وَ مَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهٗ اَوْ مَرِيْضٌ. اِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَاْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَ اِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ. (رواہ مسلم)

(۸۷۱) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دیکھتے تھے کہ جماعت سے بس دو ہی شخص پیچھے رہتے تھے یا کھلا ہوا منافق یا مریض اور مریض بھی دو شخصوں کا سہارا لے کر مسجد میں آ ہی جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت کے راستے بتا دیئے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اس مسجد میں آ کر نماز ادا کی جائے جہاں پنجوقتہ اذان دی جاتی ہو۔

(مسلم)

(۸۷۲) عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَ كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا. (رواہ مسلم)

(۸۷۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نماز تو منافق کی نماز ہے کہ آفتاب کو دیکھتا رہے (اور اس میں اتنی تاخیر کرے) کہ جب وہ زرد ہونے لگے اور شیطان کی عبادت کا وقت آ جائے تو اب اٹھے اور (جلدی جلدی) چار چونچ مارے کہ ذکر اللہ (جو نماز کا اصل مقصد ہے) اس میں بس یونہی رہ جائے۔ (مسلم شریف)

(۸۷۳) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلٰوتَيْنِ اَثْقَلُ الصَّلٰوتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَا تَيْتُمُوْهَا وَ لَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَ اِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ

(۸۷۳) ابی بن کعب سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی جب سلام پھیر چکے تو فرمایا کیا فلاں شخص جماعت میں آیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں فرمایا منافقین پر یہ دو نمازیں سب نمازوں میں زیادہ بارگذرتی ہیں کاش جو اجر ان میں ہے اگر تم لوگ جانتے تو گھسٹ گھسٹ کر گھٹنوں کے بل بھی آیا کرتے خوب سن لو کہ تمہاری پہلی صف ایسی افضل ہوتی ہے جیسی فرشتوں میں پہلی صف،

لله ..... ہیں اور آخر اس کا ثمرہ نفاق کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے۔

(۸۷۲) * یہ منافق کی نماز کا نقشہ ہے جس کا دل اول تو نماز پڑھنا چاہتا ہی نہیں اور اگر یہ ہزار مشکل پڑھتا ہے تو اس وقت پڑھتا ہے جب کہ نماز کا وقت بالکل تنگ ہونے لگتا ہے پھر ایسی بے دلی سے پڑھتا ہے کہ اس کے سجدوں کی حقیقت صرف پرندے کے چونچ مارنے کے برابر رہ جاتی ہے اور چونکہ تعدیل ارکان بھی نہیں کرتا اس لیے اس کے دو سجدے گویا ایک چونچ مارنے کے برابر ہوتے ہیں۔ پھر وہ نماز جس کو ولذکر اللہ اکبر فرمایا گیا ہے اس بری طرح ادا کرتا ہے کہ اس میں ذکر کی روح بس اتنی ہی رہ جاتی ہے جتنی اس کے ظاہری رکوع و سجود میں نظر آتی ہے۔

(۸۷۳) * یہاں آپ کا نام لے کر دریافت فرمانا پتہ دیتا ہے کہ منافقین کا علم آپ کو تھا کہ کون کون ہیں۔

عَلٰی مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِکَۃِ وَ لَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِیْلَتُہٗ لَابْتَدَرْتُمُوْہُ وَ اِنَّ صَلٰوۃَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْکٰی مِنْ صَلٰوتِہٖ وَحْدَہٗ وَ صَلَاتُہٗ مَعَ الرَّجُلَیْنِ اَزْکٰی مِنْ صَلٰوتِہٖ مَعَ الرَّجُلِ وَ مَا کَثُرَ فَھُوَ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

کاش تم اس کی فضیلت جانتے تو لپک لپک کر آتے اور یہ بھی سن لو کہ آدمی کی وہ نماز جو ایک شخص کے ساتھ ہو وہ اس کی تنہا نماز سے افضل ہوتی ہے اور جو دو شخصوں کے ساتھ ہو وہ ایک شخص کی جماعت سے افضل ہے اس کے بعد جماعت جتنی بڑھتی جائے گی اس کی فضیلت بھی اسی قدر بڑھتی جائے گی- (ابوداؤد- نسائی)

(۸۷۴) عَنْ عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَکَ الْاَذَانُ فِی الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ یَخْرُجْ لِحَاجَۃٍ وَ ھُوَ لَا یُرِیْدُ الرَّجْعَۃَ فَھُوَ مُنَافِقٌ. (رواہ ابن ماجہ)

(۸۷۴) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے اس کے باوجود وہ بے ضرورت مسجد سے باہر چلا جائے اور اس کا ارادہ واپسی کا نہ ہو تو یہ شخص منافق ہے- (ابن ماجہ)

(۸۷۵) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا یَجْتَمِعَانِ فِیْ مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَ لَا فِقْہٌ فِی الدِّیْنِ. (رواہ الترمذی)

(۸۷۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں کسی منافق میں یکجا نہیں ہوتیں اچھا طریقہ اور دین کی سمجھ- (ترمذی شریف)

(۸۷۶) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

(۸۷۶) حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

---

(۸۷۵) * پہلی حدیثوں میں تو ایسے خصائل کا ذکر کیا گیا تھا جن کے موجود ہونے سے ایک مؤمن پر بھی خالص منافق ہونے کا گمان ہو سکتا ہے اور یہاں ان فضائل کا ذکر کیا گیا ہے جن کے بعد اس پر منافق ہونے کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا- پہلی حدیثوں کا منشا یہ تھا کہ کوئی مسلمان ایسا نہ ہونا چاہیے کہ اس میں ان خصلتوں میں سے ایک خصلت بھی نظر آئے اور اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کوئی مسلمان ایسا باقی نہ رہنا چاہیے جس میں یہ فضائل بیک وقت موجود نظر نہ آئیں خلاصہ یہ کہ ایک مؤمن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ جملہ خصائل ایمانی سے مرصع ہو اور نفاق کی ایک ایک خصلت سے منزہ ہو-

دین کی فہم کے ساتھ اگر کوئی اپنے ظاہری افعال کو بھی حسین و خوبصورت بنالیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ظاہر و باطن درست ہو چکا اب اس میں نفاق کی کوئی گنجائش نہیں رہی- ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے ظاہری حالات بہت اچھے نظر آئیں مگر اس کا باطن فہم دین کی رعنائی سے خالی ہو یہ انسان ظاہر پرست انسان ہے یہ خود بھی دھوکے میں مبتلا ہے اور اپنے حسن ظاہر سے دوسروں کو بھی حسن باطن کا دھوکا دینا چاہتا ہے اسی طرح جو کچھ نہ کچھ دین کی فہم تو رکھتا ہے مگر اس کے مقتضا کے مطابق اپنے ظاہر کو درست نہیں کرتا یہ بھی محروم القسمت ہے اور نفاق عملی کی بیماری میں مبتلا ہے- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان صرف باطن کی اصلاح کا نام نہیں اپنی ظاہری شکل وصورت اور حرکات وسکنات کا خوبصورت بنانا بھی اس کا ایک جزء اہم ہے اس کی توفیق کامل مسلمان ہی کو میسر آسکتی ہے- جو فرقہ صرف اصلاح باطن کے درپے ہے اور اصلاح ظاہر سے غافل ہے وہ بھی اسلام کی اصل تعلیم سے ناواقف ہے اور جو صرف ظاہری بناؤ سنوار میں لگ رہا ہے اور دین کی اصل فہم کی فکر نہیں کرتا وہ بھی جہل مرکب کا شکار ہو رہا ہے-

(۸۷۶) * یہاں غیبت کرنے والے شخص کو منافق کہا گیا ہے اس سے سمجھ لینا چاہیے کہ حدیث کی اصطلاح میں منافق کا اطلاق کن معنوں میں ......

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰی مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰہُ مَلَکًا یَحْمِیْ لَحْمَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ نَارِ جَھَنَّمَ وَ مَنْ رَمٰی مُسْلِمًا بِشَیْءٍ یُرِیْدُ بِہٖ شَیْنَہٗ حَبَسَہُ اللّٰہُ عَلٰی جَسْرِ جَھَنَّمَ حَتّٰی یَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. (رواہ ابوداؤد)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کو کسی منافق کی غیبت سے بچالیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا- اور جس نے کسی مسلمان کے سر ایسی بات لگائی جس کا مقصد اس کو عیب لگانا ہو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے پل پر روکے رکھے گا یہاں تک کہ وہ اس کی سزا بھگت کر فارغ نہ ہولے- (ابوداؤد)

اسباب النفاق

نفاق کے چند اسباب

(۸۷۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ.

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

(۸۷۷) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانا قلب میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو-

(شعب الایمان)

(۸۷۸) عَنْ نَافِعٍ قَالَ کُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِیْ طَرِیْقٍ فَسَمِعَ مِزْمَارًا فَوَضَعَ اِصْبَعَیْہِ فِیْ اُذُنَیْہِ وَ نَاعَنِ الطَّرِیْقِ اِلَی الْجَانِبِ الْاٰخَرِ ثُمَّ قَالَ لِیْ بَعْدَ اَنْ بَعُدَ یَا نَافِعُ ھَلْ تَسْمَعُ شَیْئًا قُلْتُ لَا فَرَفَعَ اِصْبَعَیْہِ مِنْ اُذُنَیْہِ قَالَ کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ یَرَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ قَالَ نَافِعٌ وَ کُنْتُ اِذْ ذَاکَ صَغِیْرًا. (رواہ احمد و ابوداؤد)

(۸۷۸) حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک راستہ پر جارہا تھا کہ انھوں نے بانسری کی آواز سنی فوراً دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور راستہ سے دوسری جانب ہٹ کر چلنے لگے پھر جب دور نکل گئے تو مجھ سے کہا اے نافع کچھ آواز سنتا ہے میں نے کہا نہیں یہ سن کر اپنی انگلیاں کانوں سے نکال لیں پھر فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا آپ نے بانسری کی آواز سنی تو یہی عمل کیا جو میں نے اب تیرے سامنے کیا تھا- نافع کہتے ہیں کہ میں اس وقت بچہ تھا (اس لئے میں کان کھولے رہا) (ابوداؤد)

(۸۷۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ تَرَکَ الْجُمُعَۃَ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَۃٍ کُتِبَ مُنَافِقًا فِیْ کِتَابٍ لَا یُمْحٰی وَ لَا یُبَدَّلُ. و فی بعض الروایات ثلاثًا- (رواہ الشافعی کما فی المشکاۃ)

(۸۷۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جس شخص نے کسی عذر کے بغیر جمعہ ترک کیا اس کا نام ایسے دفتر میں منافق لکھ دیا جائے گا جس میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں کی جاتی-

(مشکوۃ شریف)

ﷺ ... میں آیا ہے- غیبت کرنے والے کا ظاہر و باطن بھی مختلف ہوتا ہے وہ بھی ذوالوجہین ہوتا ہے- غیبت کی عادت بزدلی اور بداخلاقی کا ثمرہ ہے غیبت کے مقاصد بھی وہی ہوتے ہیں جو نفاق کے اس لیے یہاں ایسے شخص کو منافق سے تعبیر کیا گیا ہے- یہ دراصل غیبت کی عادت سے نفرت دلانے کے لیے سب سے زیادہ مؤثر تعبیر بھی ہے اور حقیقت کی ترجمانی کے لیے سب سے قریب بھی-

(۸۷۷) ✽ صرف خوش آوازی منع نہیں سراورسرود کے ساتھ گانا ممنوع ہے-

البراءة من النفاق

(۸۸۰) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی لِلّٰهِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَةٍ یُدْرِکُ التَّکْبِیْرَةَ الْاُوْلٰی کُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَ بَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ. (رواہ الترمذی و الصحیح وقفہ)

نفاق سے علیحدہ ہونا

(۸۸۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس دن برابر جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتا رہے کہ اس کی تکبیر اولٰی بھی فوت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں دو باتوں سے براءت لکھ دی جاتی ہے- عذاب دوزخ سے اور مرض نفاق سے- (ترمذی شریف)

اکرام المنافق

(۸۸۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْلَنَّ لِلْمُنَافِقِ سَیِّدٌ فَاِنَّهٗ اِنْ یَّکُنْ فَقَدْ اَسْخَطْتُّمْ رَبَّکُمْ. (رواہ ابو داؤد)

منافق کی تعظیم کرنا

(۸۸۱) عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کو ہرگز سید اور سردار کا لفظ نہ کہنا کیونکہ اگر درحقیقت وہ سردار ہو بھی پھر بھی تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کرنے کا سامان کرلیا- (ابوداؤد)

التعوذ من النفاق

(۸۸۲) عَنْ اُمِّ مَعْبَدٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَ عَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَ لِسَانِیْ مِنَ الْکِذْبِ وَ عَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَةِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ. (رواہ البیهقی فی الدعوات الکبیر)

نفاق سے پناہ مانگنے کی چند دعائیں

(۸۸۲) ام معبد روایت فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا فرماتے خود سنا ہے' خدایا! میرے قلب کو نفاق سے' میرے عمل کو ریا سے' میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک وصاف کر دے- تو خوب جانتا ہے کہ خیانت کرنے والی آنکھ کون ہے اور ان باتوں کو بھی خوب جانتا ہے جو دلوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں- (بیہقی)

---

(۸۸۰) * چالیس کے عدد میں کوئی ایسی خاص برکت پنہاں ہے کہ اس کا تذکرہ آپ کی حراء کی خلوتوں تک میں ملتا ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس میقات کو پورا کیا وہ بھی قرآن کریم میں چالیس راتیں بتائی گئی ہیں- حدیثوں میں اور بہت جگہ بھی اس خاص عدد کا ذکر آیا ہے صوفیاء کرام نے اس کا نام ہی چلہ رکھ لیا ہے- اب آپ یوں سمجھ لیجئے کہ جو شخص ایک چلہ با جماعت نماز پڑھ لے اس کو یہ دو براءتیں نصیب ہو جاتی ہیں یا اپنے دل کو یوں تسلی دے لیجئے کہ ایک چلہ پابندی وہی کر سکے گا جس کے نصیب میں یہ دو سعادتیں لکھی جا چکی ہیں۔

گوے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند — کس بمیدان در نمی آید سواراں را چہ شد

(۸۸۱) * یعنی اگر شومئی قسمت سے منافق سردار بن بھی جائے جب بھی اس کے حق میں تعظیمی کلمہ کہنا رب العزۃ کی ناراضائی کا موجب ہے یاد رکھیے جس طرح اکرام مؤمن دین اسلام کا ایک شعبہ اور رب العزت کی رضامندی کا باعث ہے اسی طرح اکرام منافق اس کی ناراضگی کا سبب ہے-

(۸۸۲) * قلب کا مرض نفاق ہے عمل کا نمائش' زبان کا دروغگوئی اور آنکھوں کا نظریں چرا کر محرمات کو دیکھنا' سبحان اللہ خاتم الانبیاء ...

(۸۸۳) عَنْ عُمَرَ قَالَ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِنْ عَلَانِیَتِیْ وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِیْ صَالِحَۃً اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِی النَّاسَ مِنَ الْاَھْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَیْرَ الضَّالِّ وَلَا الْمُضِلِّ. (رواہ الترمذی)

(۸۸۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ دعا تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ یوں دعا کیا کرو خدایا! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا دے اور میرے ظاہر کو بھی بہتر بنا دے خدایا! میں تجھ سے وہ تمام اچھی چیزیں مانگتا ہوں جو تو لوگوں کو عطا فرماتا ہے' نیک بی بی' حلال مال اور نیک اولاد جو نہ خود گمراہ ہو نہ دوسروں کو گمراہ کرنے والی ہو- (ترمذی شریف)

(۸۸۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

(۸۸۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا فرمایا کرتے تھے- خدایا! میں تیری پناہ لیتا ہوں اختلاف' نفاق اور برے اخلاق سے-

(ابوداؤد- نسائی)

ﷺ.... صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات کتنے جزیل ہیں کہ ان مختصر سے کلمات میں ان تمام خاص خاص امراض سے نجات کی دعا سکھا دی- جو ان قیمتی اعضاء کو فاسد کر سکتے تھے-

(۸۸۳) * نفاق یہ ہے کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بدتر ہو اس لیے آپؐ نے اس دعا کی تعلیم دی کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہو جائے پھر اس دعا کی تکمیل کے لیے ارشاد فرمایا کہ ظاہر بھی بہتر فرما دے گویا انسان کا کمال یہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن دونوں ہی بہتر ہوں مگر باطن کا حسن ظاہر کے حسن پر مقدم ہے اگر کسی کا ظاہر اس کے باطن سے زیادہ حسین ہے تو وہ بھی خسارہ میں ہے کامیاب وہ ہے جس کے دونوں رخ حسین ہوں اور اس کا باطنی رخ ظاہر سے بھی حسین تر ہو- منافق حسن باطن سے بے نصیب ہے- وہ نفاق حقیقی یا نفاق عملی سے متعفن ہوتا ہے-

(۸۸۴) * شقاق اور بدخلقی یہ نفاق کے لوازم میں سے ہیں اس حدیث میں گویا نفاق اور اس کے لوازم سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے- اس قسم کے دعائیہ کلمات سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شرعی نظر میں نفاق کی اہمیت کیا ہے اور قلوب میں اس مرض کے پیدا ہونے کا کتنا اندیشہ ہو سکتا ہے- یہی وجہ تھی کہ گذشتہ احادیث میں آپ صحابہ کرامؓ کے خوف و خشیت کا حال پڑھ چکے ہیں- جو اعمالِ نفاق آپ نے گذشتہ اوراق میں پڑھے ہر شخص کی زندگی میں کبھی نہ کبھی پیش آ ہی جاتے ہیں کسی موقعہ پر انسانی لغزش سے جھوٹ بھی سرزد ہو جاتا ہے وعدہ خلافی بھی ہو جاتی ہے کبھی بر بنا' بشریت انسان جھگڑا بھی کر لیتا ہے پھر خیانت کی کوئی جزئی بھی پیش آ ہی جاتی ہے- پھر ہر شخص کے معیار دین کے مطابق بعض مرتبہ ان اسماء کا اطلاق ایسے اعمال پر ہو جاتا ہے جو درحقیقت اس کے مصداق نہیں ہوتے- حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی ذاتِ گرامی کو ملاحظہ کیجیے انہوں نے کیسی کیسی سچی باتوں کو بھی اپنی شانِ رفیع کے مطابق کذب سمجھا اور ان سے اتنا متاثر ہوئے کہ محشر میں نظر نہ اُٹھائیں گے-

❁ ❁ ❁